جواہر البیان

ابوالبیان مولانا سید اکبر مہدی سلیم جرولی

یعنی

مجموعہ محافل و مجالس چہاردہ معصومین علیہم السلام

مؤلفہ

ابو البیان مولانا سید اکبر مہدی صاحب قبلہ سلیم جرولی

ناشر

مکتبہ تعمیر ادب رجسٹرڈ پوسٹ بکس ۲۵ نامی پریس بلڈنگ پیسہ اخبار لاہور

عرض ناشر

"جواہر البیان" ہماری نئی پیشکش آپ کے زیر نظر ہے۔ پاک و ہند میں حدیث خوانی کے متعدد مجموعے شائع ہوئے لیکن "جواہر البیان" کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی مثال شاذ ہی نظر آتی ہے۔ کچھ عرصے سے یہ کتاب نایاب تھی اور شائقین اس کے حصول کے لئے سرگرداں تھے۔ ہمیں متعدد خطوط موصول ہوئے جن میں اسے ایک بار پھر شائع کرنے پر شدید اصرار کیا گیا تھا۔

چنانچہ احباب و مومنین کے بے پناہ اصرار پر ہم نے فاضل مؤلف مرحوم کے عالم باعمل فرزند ارجمند جناب مولانا سید مسلم مہدی صاحب قبلہ کی خدمت عالیہ میں استدعا کی کہ وہ ہمیں اس کتاب کے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ ہم بیحد ممنون ہیں کہ مولانائے محترم نے ازراہ لطف و کرم ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ چنانچہ زیر نظر کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

اس کتاب میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے متعلق ۳۲ محافل و مجالس شامل ہیں۔ ہر مجلس میں قرآن مجید کی تفسیر، احادیث پیغمبرؐ، ارشادات معصومینؑ کی تشریحات کے علاوہ ذاکری کے بیشمار نکات موجود ہیں۔ نیز مصائب اہلبیتؑ اس دردناک پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں کہ انتہائی سنگدل انسان بھی اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکے گا۔

فاضل مؤلف مرحوم ابوالبیان مولانا سید اکبر مہدی صاحب سلیم طاب ثراہ کی ذات والا صفات علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ۔ مرحوم نہ صرف تصنیف و تالیف کے دھنی تھے بلکہ اپنے دور میں فنِ ذاکری میں بھی ان کا کوئی جواب نہ تھا ۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی جناب سید حیدر مہدی صاحب ابنِ مولانا حکیم سید ظفر مہدی صاحب قبلہ آثیم تعلقدار علی نگر جرول ضلع بہرائچ تھا جن کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچتا ہے ۔

سلطان المحققین علامہ حضرت ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ موسوی اعلی اللہ مقامہ کنتوری مجتہدی تھے ۔ سادات جرول ضلع بہرائچ اور سادات کنتور ضلع بارہ بنکی ایک ہی جد کی اولاد تھے ۔ جرول اور کنتور کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے ۔ مولانا مرحوم کی ولادت قصبہ جرول میں ہوئی اور محمود آباد میں انتقال ہوا ۔ حجۃ الاسلام حضرت باقر العلوم مولانا سید باقر صاحب طاب ثراہ سے بھی قرابت تھی ۔ مولانا مرحوم کی بڑی صاحبزادی حضرت باقر العلوم کے بڑے بیٹے حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب قبلہ پرنسپل سلطان المدارس لکھنؤ کو منسوب ہیں ۔ مولانا مرحوم کے دو بیٹے سید مسلم مہدی اور سید قاسم مہدی اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے ہیں ۔ دوسری بیٹی جناب سید شفاعت حسین صاحب جعفری ابن سید محمد رضی بی اے علیگ بہرسری ضلع آگرہ کو منسوب ہیں ۔ مولانا مرحوم کے اجداد نیشاپور ایران سے فیروز تغلق بادشاہ ہندوستان کے عہد میں ہندوستان وارد ہوئے اور سب سے پہلے لاہور میں عارضی سکونت اختیار کی ۔

ہمارے خیال میں فنِ ذاکری روبہ انحطاط ہے ۔ نہایت ثقہ حضرات بھی منبر سے ایسی روایات بیان کر رہے ہیں جو روایت اور درایت کے لحاظ سے درست نہیں ہوتیں ۔ ان حالات میں ایسی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ ایک مستحسن اقدام سمجھا جائے گا ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حقہ کی ترویج کی اور زیادہ توفیق مرحمت فرمائے

والسلام !

(ناشر)

ترتیب

ابوالبیان مولانا سید اکبر مہدی سلیم جرولی اعلی اللہ مقامہٗ

الحاج مولانا سیّد مسلم مہدی صاحب قبلہ جرولی مدظلہ العالی

(خلف الرشید مصنف کتاب خدا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَنَاشِرِ فَضَائِلِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ فِی الطُّوْلِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی ذَوِی الْاَنْفُسِ الزَّاکِیَاتِ الطَّیِّبَاتِ الْبَاھِرَاتِ وَالْمُعْجِزَاتِ الْبَیِّنَاتِ النَّبِیِّ الْعَرَبِیِّ الْقُرَشِیِّ اَبُوالْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّعِتْرَتِہِ الطَّاھِرِیْنَ الْھُدَاۃِ وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَعْدَائِھِمْ مِنْ اَوَّلِ الْوَقْتِ اِلَی الْخَالِدَ ھُوْرِ السَّاعَاتِ۔

یہ ہیچمداں نہ عالم ہے نہ فاضل نہ شاعر نہ ماہر۔ لیکن آغوشِ اہلِ علم کا پروردہ گلستانِ مدحت کا تربیت یافتہ ضرور ہے۔ اب و جَد کی تربیت اور متبرک صحبت کا فیض تھا جس نے بچپن سے تعلیم و علمی مذاق کی طرف مائل کر دیا اور

تھوڑے دنوں میں تاریخ پر اس قدر عبور ہو گیا کہ بزرگوں کے مشغلہ کو زندہ رکھنے
کے لئے سلسلۂ تصنیف و تالیف جاری رکھا اور ذاکری کی خدمات انجام دینے لگا۔
چند کتابیں تکمیل کو پہنچائیں لیکن نہ ان کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کا مقدور ہوا، نہ
منظرِ عام پر لانے کی ہمت!

پچھلے سال انجمن حیدری ریاست عالیہ محمود آباد کی فرمائش سے چند مسودات
مبتدی ذاکرین کے لئے حاضر کر دیے جو طبع ہو کر مقبولِ عام ہوئے۔ اس قدر پسند
آئے کہ پہلے ہی سال کتاب مفتاح البیان نایاب ہو گئی۔ اس قدر تقریظیں اور اس
کثرت سے ہمت افزا تحریریں آئیں کہ ان کا مجموعہ بجائے خود ایک رسالہ ہو گیا۔ انشاء اللہ
اس کے بعض مضامین کا انتخاب اس کے دوسرے حصے کے ساتھ طبع ہو گا۔ اس ظاہری
تفاخر کے علاوہ جو مایۂ ناز شرف حاصل ہوا وہ ضرور قابلِ ذکر ہے۔

کتاب شائع ہونے کے تین ماہ بعد ہی دربارِ آئمۂ معصومین علیہم السلام سے طلب
ہوئی اور دفعتہً لبیک کہتا ہوا روانہ ہو گیا۔ سب سے پہلے آستانۂ مبارک علیہ التحیۃ والثنا
کی جبہ سائی کی اور اس کو یہ مخصوص فخر حاصل ہوا کہ کتاب خانۂ حضرت میں اردو کی یہ پہلی
کتاب داخل ہوئی۔ اور حضرت اجل رئیس کتاب خانہ کے دستخط سے جو تبریک نامہ
حاصل ہوا انشاء اللہ حصہ دوم مفتاح البیان میں شائع ہو گا۔

اس کے بعض نسخے ایران اور نیز عراق میں ہندی ذاکروں کو تقسیم کئے۔ اس کتاب
کے سلسلے میں محترم اجل انجم عالم علوم مغربی و مشرقی شیخ بادشاہ حسین صاحب نے ہمت
افزائی فرمائی اور مجھ کو مجبور کیا کہ اپنے مذاق ذاکری میں ایک کتاب لکھوں جو تاریخی
اعتبار سے حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مختصر سوانح عمری بھی ہو اور محافلِ میلاد و
مجالسِ غم میں کام آئے۔ موجودہ مذاقِ ذاکری اور فن حدیث خوانی کے اعتبار سے تاریخی
سلسلہ کو قائم رکھ کر جس قدر اہتمام بلیغ کیا گیا ہے اور آیات و حدیث معتبرہ سے استدلال
پیش کیا ہے حضرات ماہرینِ فن قدر فرمائیں گے۔

زبان کی سلاست اور بول چال کے محاوروں کا تصرف، نکاتِ جدید اور مصائب کے

روابط یہ سب باتیں بجائے خود دشوار گزار منزلیں تھیں جو بحمد اللہ حضرات معصومین کی تائید سے طے ہوتیں۔ حضرات ذاکرین کی سہولت کے لئے حوالہ کتب فریقین اور عنوانِ عبارت کا اشارہ حاشیہ پر کر دیا۔

معتبر واقعات کا انتخاب، حوالۂ کتب اور نفس روایت سے ثابت ہوگا اور مجھے امید ہے کہ واقعاتِ مندرجہ انشاء اللہ محتاط حضرات بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

بیان میں اکثر طوالت ضرور نظر آئیگی لیکن اس کے مختصر کرنے کے لئے اشارے ایجاد کر دیے ہیں کہ درمیان میں چھوڑ کر پڑھنے سے عبارت بے ربط نہ ہو۔

ولادت کے بیان کو خاص اشارے سے محدود کر دیا ہے جو صرف وقتی ضرورت کے لحاظ سے اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرات شائقین تکلم اور لحن سے پڑھنے والے ذاکرین کے لئے ہر معصوم کی مدح میں ایک مختصر قصیدہ تصنیف کر کے آخر مجلس میں شامل کر دیا ہے، کہ ذاکری کی یہ صنف باقی نہ رہ جائے۔

ان تمام صفات پر لحاظ کرتے ہوئے جواھر البیان نام رکھ دیا۔ خدا کرے اسم با مسمیٰ ثابت ہو۔ اور رب کریم یہ ناچیز ہدیہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کے قابل ثابت کر لے اور حضرات ممدوحین خلعتِ مقبولیت عطا فرمائیں۔

آخر میں حضرات کاملین سے بہ کمال عجز التجا ہے کہ غلطیوں سے چشم پوشی فرما کر ہمت افزائی فرمائیں گے۔ اور بجائے اعتراض کے اگر خاکسار کو عیب و صواب سے مطلع فرمائیں گے تو باعثِ اصلاح و امتنان ہوگا۔

یہ سمجھ کر کہ جوش ولا میں ایک بے بضاعت مست محبت نے اپنی گاڑھی مشقت کے چُنے ہوئے کچھ سچے موتی ممدوح پر نچھاور کر دیئے ہیں۔ گول سڈول آبدار ہیں تو یا بدرنگ، ناہموار اور بدنما جو کچھ ہیں حضرات ذاکرین و واعظین کی نذر ہیں۔ بجائے اس کے کہ دربارِ سخن کا فقیر ہو کر بخل کو دخل دوں اور صندوق سینہ میں دبا کر قبر میں ساتھ لے جاؤں کیوں نہ سرکاری خزانہ کو سپرد کروں کہ قدر

والوں کے کام آئیں اور دعائے مغفرت سے یاد کریں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف :

سروشِ غیب نے کہا یہ ہجری سن میں اے سلیم!
در مطاعِ مُستند جواہر البیان میں ہیں
۵۲ ۱۳ ھ

خاکپائے ذاکرین

(ابو البیان) اکبر مہدی کاظمی

جرول ضلع بہرائچ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا من ذکرہ شرف للذاکرین

تذکرۂ جمیل

والد مرحوم جناب ابوالبیان مولانا سید اکبر مہدی صاحب سلیم جروَلی اعلی اللہ مقامہ نے فروری ۱۹۴۶ء
ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور (یوپی) میں انتقال فرمایا۔ مرحوم کی آخری زندگی ریاست محمود آباد کے اوقاف کے
آنریری سیکریٹری کی حیثیت سے محمود آباد ہی میں گزری۔ سرکار راجہ صاحب دام حشمتہ بہت زیادہ بزرگ
داشت اور احترام فرماتے تھے تقریباً چھ ماہ تک علیل رہے۔ دوران علالت میں حتی کہ انتقال سے
تین گھنٹہ پیشتر تک موصوف اوقاف کے معاملات اور انتظامی امور کی انجام دہی میں منہمک رہے
ختم عزائی آخری تاریخ تھی جب کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور روح جانب جنت پرواز کر گئی سرکار
راجہ صاحب دام حشمتہ پر والد مرحوم کے انتقال کا بہت اثر ہوا۔ جب تک والد مرحوم کی میت دفن
نہیں ہوئی ممدوح قلعہ واپس تشریف نہیں لے گئے بلکہ اپنے ہاتھوں سے میت کو قبر میں اتارا۔ انتقال
سے چند یوم پیشتر وطن سے تمام اعزا اور لکھنؤ سے جناب حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب قبلہ
مدظلہ تشریف لے آئے تھے جناب قبلہ و کعبہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحوم کو جناب مسلم علیہ السلام
سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ وصیت فرمائی کہ شبیہ روضۂ جناب مسلم میں دفن کئے جائیں۔ راجہ
صاحب نے بخوشی حسب وصیت دفن کرنے کی اجازت دی اور وہیں دفن ہوئے۔

سید مسلم مہدی جروَلی
کراچی

کمال بے انصافی اور اخلاقی جرم ہے اگر میں مؤلف کامل مورخ فاضل مؤلف مؤقر جناب سید اولاد حید صاحب فوق بلگرامی کا شکریہ نہ ادا کروں جن کی بعض تالیفات نے میری رہبری کی اور ان کے حوالوں کی مدد سے اصل کتب میں تلاش کی دقت کم اٹھانا پڑی۔ خداوند عالم اجر جزیل عطا فرمائے!

خاکپائے ذاکرین

ابو البیان سلیمہ جرولی مرحوم

جرول۔ ضلع بہرائچ (اودھ)

بیان اوّل

آیات کے نکات لطیف۔ بمناسبتِ حال حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور رضاعت کے واقعات سراج منیر کی تشبیہ لطیف۔ ربطِ مصائب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا اَبُوالْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ اَمَّا بَعْد۔ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَزَّ اِسْمُہٗ فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ج (پ ۲۲ ۔ ۲۶)

خلاصہ ترجمہ: اے میرے حبیب ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا عذاب سے ڈرانیوالا اور حکم الٰہی سے اسکی طرف بلانیوالا۔ ایک چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

صفحہ قرآن پر وہ کونسا حرف ہے جو درخشاں نہیں وہ کونسا لفظ ہے جو منور نہیں۔ لیکن اس آیت کا لفظ لفظ شمع فضیلت بن کر محبوب کے صفات پر روشنی ڈالتا ہے۔

کمال شفقت میں خطاب بھی اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ اس سے دیدہ و دل روشن ہو جاتے ہیں۔ ہم اور آپ اس لقب سے پکاریں اور اسی خطاب سے یاد کریں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ مگر وہ بات کہاں۔ رعایا اور خادم کے پکارنے کا دوسرا لہجہ ہوتا ہے۔

حبیب محبوب کو دوسرے انداز سے پکارتا ہے۔ یہاں خطاب میں پیار کا انداز بھی ہے تقرب کی تصدیق بھی، عزت افزائی بھی۔ ابتدا کی طرف بھی اشارہ ہے انتہا کی بھی خبر نکلتی ہے معرفت شناس نگاہیں مرتبے لیکر اعجاز کی تصدیق کریں۔

علمِ معانی و بیان کی گتھیوں کو سلجھانے والے، عربی زبان کی باریکیوں کو سمجھنے والے لذت اٹھاتے ہیں کہ یا دُور کیلئے اور آئی قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں دونوں طرح سے منادیٰ مخاطب کیا جاتا ہے معلوم ہوا ایک ہی جلوہ ہے جو کبھی دُور نظر آتا ہے اور کبھی قرب میں ضیا بار ہے یا ایک ہی چراغ تھا جو کبھی فانوس حجاب میں تھا اور اب سراج بن کر عالمِ شہود میں جلوہ افروز ہوا۔ صلوٰۃ!

دوسری بات جو بغیر روشنی میں لائے ہوئے خیالات پر تاریکی کا سایہ ڈالتی ہے لفظ نبی سے خطاب کیا ہے حالانکہ اس سے بالاتر قامتِ محبوب کیلئے رسول کا خطاب ہماری نظروں میں زیادہ خوشنما تھا مگر یہ حبیب و محبوب کے رموز و مراتب ہیں۔ کلامِ الٰہی کی باریکیوں کو وہی سمجھے جو لہجہ شناس ہو۔ نظر دوربین ہو فہم کا دامن وسیع ہو۔ ہر چند نبوت سے رسالت کا پایہ بلند ہے مگر اس خطاب میں خصوصیت کا ذائقہ زبانِ محبوب سے پوچھئے۔ گوشِ ہوش سے سنئے۔ چشمِ معرفت سے دیکھئے تو آپ خود وجد میں درود کے نعرے بلند کریں گے۔ نبوت جس کو بھی عطا ہوئی بحیثیتِ منصب کے سرفراز ہوا یہ خلعت جس نے بھی پایا دُنیا میں آکر پایا مگر اپنے محبوب کو خداوند عالم نے عالمِ نور میں اسی لباس کے ساتھ خلق فرمایا۔ مقامِ فخر میں حضرت خود فرمایا کرتے تھے كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ زبانِ صادق کا قول ہے۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب خاک خلقتِ آدم شاملِ خاک تھی۔ اور اب تولید آدم بہتے ہوئے دریاؤں میں مخلوط تھا۔ ثابت ہوا کہ حضور کی خلقت لباسِ نبوت میں ہوئی۔ اس سے واضح عرض کروں۔ قبل خلقت آدم ظلمتِ عدم دُور کرنے کے لئے آپ کا نور فانوس نبوت میں چمکا کر خلق کیا گیا۔ آپ ہی کی نبوت سے دُنیائے ہدایت کی ابتدا ہوئی اور آپ ہی کی رسالت پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ ہوا۔ گویا حضور کی نبوت و رسالت کے درمیان انبیاءؑ نے فرائض تبلیغ انجام دیے۔

پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدۂ	ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ
اے ختمِ رسل قرب تو معلوم شود	دیر آمدۂ زراہِ دُور آمدۂ

صلوٰۃ

لیکن ظلمتِ واہمہ میں کہیں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ قبل بعثت حضرت کسی دوسری شریعت کے پابند تھے، سراج منیر کے باب میں یہ وہم بدنما داغ ہے جو آئینۂ دل کو تاریک بناتا ہے۔ اگر یہ سمجھوں کہ پیغمبر اسلام جنابِ نوحؑ یا حضرتِ ابراہیم یا جناب عیسیٰؑ کا پیرو تھا تو سرتاجِ انبیاء کی شان ایک امتی یا رعایا کے مساوی نظر آئے گی۔ دوسرے یہ نقص لازم آئیگا کہ رسول اللہؐ کو کوئی وصی نبی تلاش کرنا پڑے گا جو مکتبِ درس میں رسول کو رموز شریعت تعلیم کرے۔ معلم کا مرتبہ متعلم سے بہر صورت افضل تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کی تعظیم فخر المرسلین پر واجب ہوگی۔ حالانکہ اوراقِ تاریخ میں ہم کوئی مدعی نظر نہیں آتا کہ استاد رسول ہونیکا دعویٰ کرے۔

ماننا پڑے گا کہ سلسلہ الہام و وحی اس وقت سے شروع ہوا جبکہ آپ سن رشد پر پہنچے بس فرق اتنا تھا کہ قبل بعثت آپ اپنے نفس کے لئے نبی تھے اور بعد بعثت کافۃ الانام کے لئے رسولِ ختمی مرتبت ہوئے۔ صلوٰۃ!

ہمارے علماء کرام یہی تعلیم دیتے ہیں اور بابِ مدینۂ علم سے ہمیں یہی سبق ملا ہے۔ حضرت لسان اللہ تصدیق فرماتے ہیں کہ جس دن سے حضرت نے شیر پینا شروع کیا۔ حق تعالیٰ نے ایک ملک مقرب کو معین فرمایا کہ حضرت کو مکارم اخلاق تعلیم کرے۔ تعجب نہ کیجئے مقام حیرت نہیں قرآن نے مثال دے رکھی ہے جس سے آپ کی تسکین ہوجاوے۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ اے حبیب ابراہیم تمھارے لئے نیکیوں کا نمونہ بنائے گئے تھے۔ آپ کہیں گے قطرے کو دریا سے کیا نسبت ذرہ کا آفتاب سے کیا مقابلہ۔ میں عرض کروں گا ذرہ کو آفتاب سے وہی مناسبت ہے جو ایک نمونہ کو اصل سے ہونا چاہیئے قطرہ سے دریا ہوتا ہے نکتہ سے لفظ یہاں نور کا ایک نقطہ جو آفتاب و ماہتاب کی عنانِ اختیار قبضہ میں لیکر آسمانِ ہدایت پر چمکا جب تک فانوس میں رہا نور تھا اور جب دُنیا میں آیا سراج منیر ہوگیا۔ صلوٰۃ!

خلیل کا وجود ایک ذرہ کے برابر سہی مگر اس کی ضیا سراج کی مثال کو

خطابہ

روشن کرتی ہے۔ بہرحال جناب ابراہیم کی ابتدا کو نمونہ قرار دیجئے۔ جب ماں نے نمرود کے خوف سے پہاڑ کے غار میں ڈال کر پتھر سے بند کر دیا۔ حکم خدا سے فرشتہ نازل ہوا۔ اس نے تعلیم دی انگوٹھا منہ میں رکھا۔ چشمہ شیر جاری ہوا۔ فرشتہ نے تربیت دینا شروع کیا پال کر سن تمیز پر پہنچا یا۔ اس کو نمونہ کی ابتدا تصور کیجئے۔ سردار انبیاء کو آغوش مہد میں ملتے دیکھئے۔ پروان چڑھتے دیکھئے۔ آغوش رسول کو فرزندوں سے زینت پاتے دیکھئے آپ کو پروردہ کنار رسول کی ایسی مثالیں ملیں گی جن کے جھولا جھلانے کے لئے جبرئیل و میکائیل آئیں گے۔ ابھی آمنہ کی گود میں مثالیں ڈھونڈئیے۔ حلیمہ کی آغوش میں تلاش کیجئے اس سے بہتر نمونے ملیں گے۔

سنئے اور حلیمہ کی زبان سے بھی سنئے۔ آپ قسم کھا کر کہتی ہیں خدا کی قسم میں نے بار بچوں کو دودھ پلایا مگر یہ باتیں کسی میں نہیں دیکھیں جو اس بچے سے ظاہر ہوئیں پہلی بات تو یہ دیکھی کہ میری دائیں جانب کا شیر کبھی کسی بچے نے نہیں پیا۔ جب اس بچے کو گود میں لیا اور بائیں طرف کا شیر دینا چاہا منہ پھیر لیا۔ اور جب داہنی طرف رخ پھرا۔ بہ رغبت متوجہ ہوا اور آسودہ ہو کر پی لیا۔ صلوٰۃ!

میں عرض کروں گا جو چشمہ فیض خدا نے اپنے حبیب کے لئے محفوظ کیا ہو کس کا منہ تھا کہ اس سے مستفیض ہو سکے۔ خدا نے اعضاء میں خصوصیت پیدا کی ہے داہنے طرف کے اعضاء میں فی الجملہ امتیاز ہوتا ہے۔ خدا نے یہ پہلو اپنے حبیب کے لئے مختص کر دیا تھا۔

اب اس کو رسول کی عادلانہ فطرت سمجھوں یا تعلیم الہی کہوں کہ تربیت نبوت کی ابتدا عدالت سے فرمائی کیونکہ وہ آپ کے برادر رضاعی کا حصہ تھا۔ حلیمہ کی خوش نصیبی تھی کہ آفتاب نبوت آپ کی آغوش سے طالع ہوا۔ اس رضاعت میں بھی شان امارت یا نزاکت کو دخل نہیں بلکہ دستور عرب تھا کہ قبائل کی نجیب عورتیں اس خدمت کے لئے فراہم کی جاتی تھیں اور ان کو بچے حوالے کر دیے جاتے تھے کہ زمانہ رضاعت تک وہ گھر میں رکھا کریں۔ اور تربیت دے کر والدین کو واپس کر دیں

بلحاظ فصاحت اہلِ قریہ کی زبان مستند سمجھی جاتی تھی اور شجاعت کے ہنر سکھائے جاتے تھے۔ شہر کی بہ نسبت دیہات کی آب و ہوا اچھی ہوتی ہے۔ بچے تندرست اور قوی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر عام طور پر شرفا اپنے بچوں کو دائیوں کے حوالے کر دیتے تھے چنانچہ جناب عبدالمطلب کو دایہ کی فکر تھی۔ جناب آمنہ نے نو یوم تک شیر پلایا۔ اس کے بعد ثوبیہ جس نے جناب حمزہ کو شیر دیا تھا بلائی گئی۔ مگر حضرت نے اس کا شیر نہ پیا۔ اس لئے اب دایہ کی تلاش ہونے لگی۔ کہ کوئی نجیب و شریف عورت ملے۔ حلیمہ خاتون کا قریہ طائف کے قریب تھا۔ چند عورتیں یہ غرض لیکر چلیں کہ مکّہ کے شرفا و رؤسا کے بچے رضاعت کے لئے لائیں۔ حلیمہ کا اُلاغ بہت کمزور تھا یہ پیچھے رہ گئیں ساتھ کی عورتوں نے مکّہ پہنچ کر مالداروں کے بچے لے لئے اور اپنی دُنیا بنائی۔ مگر حلیمہ کی قسمت میں وہ گوہر نایاب تھا کہ دُنیا و آخرت دونوں میں آبرو بڑھ گئی۔ ان کی گود کا پالا فرزند سرتاج انبیا اور شفیع روز جزا ہوا۔ بمصداق دیر آید درست آید سب سے پیچھے پہنچیں۔ مگر فضیلت میں سب پر سبقت لے گئیں۔

مکّہ میں پہنچ کر پوچھنا شروع کیا کہ کون اپنا بچہ مجھ کو رضاعت کے لئے دیتا ہے۔ سب نے کہا عبدالمطلب کو اپنے پوتے کے لئے دایہ کی تلاش ہے۔ اوجِ قسمت کے جذبات در یتیم تک کھینچ لائے۔

صفیہ (آپ کی پھوپھی) زچہ خانہ میں لائیں۔ حلیمہ نے دیکھا ایک چاند کا ٹکڑا گہوارہ کے ہالہ میں پڑا ہے۔ دیکھتے ہی محبّت کا جوش ہوا۔ حلیمہ نے گود پھیلا دی۔ آفتابِ نبوت گہوارہ سے ہمکا۔ برج آغوش میں آگیا۔ حلیمہ نے کلیجہ سے لگالیا۔ پیار کیا۔ مگر دل میں سمجھیں کہ بے باپ کا بچہ ہے مجھے اس کی رضاعت میں کیا ملے گا۔ مگر میں اس کو ضرور لے جاؤں گی۔ عبدالمطلب نے امید سے زیادہ سہارا دیا۔ حلیمہ تیار ہوئیں۔ عبدالمطلب نے حفظِ الہٰی میں دیکر پوتے کو حلیمہ کے سپرد کیا اور خانۂ کعبہ کا طواف کر کے رخصت کیا۔ بنی ہاشم سرحد تک پہنچا کر۔ ۔ ۔ جب سب واپس ہو گئے حلیمہ گود میں لے کر اسی لاغر سواری پر سوار ہوئیں مگر یہ پہلی برکت راکب براق کی ظاہر ہوئی

آئی گودھی کمزور اور لاغرمرکب ایسا توانا ہوا کہ سب سے آگے اس پچھلے پیمبر کی سواری تھی صلواۃ! حلیمہ نے یہ برکت محسوس کی اور محبت میں اضافہ ہوا۔ حلیمہ نے یوں پرورش شروع کی۔ جس طرح کوئی ماں اپنے بچے کو پالتی ہے۔ ہر ششماہی میں مکہ جاکر دادا کو پوتے کی زیارت کرا دیتی تھیں۔ اور زرمعینہ وخوراک لے آتی تھیں۔ دو برس کے بعد دودھ بڑھائی ہوئی۔ بچے کو لیکر عبدالمطلب کے پاس آئیں اور کہا لیجیے اپنی امانت چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وبا کی کثرت تھی۔ عبدالمطلب نے خلعت وانعام دیکر رخصت کیا۔ اس مرتبہ حلیمہ نے اس قدر پایا کہ جو کسی دایہ نے نہیں پایا تھا۔ جب پلٹ کر آئیں ہم جنس عورتیں جمع ہوئیں۔ مال واسباب دیکھ کر رشک کرنے لگیں۔ پھر وہی حلیمہ کا گھر تھا اور سردار انبیاء کی تربیت گاہ۔ چار سال تک حضرت حلیمہ خاتون کے یہاں رہے۔

حلیمہ کہتی ہیں اس ہونہار بچے کا عجب آغاز تھا جسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ میں نے بار بار تجربہ کیا، بار بار آزمایا۔ جب حضرت بالکل بچہ تھے اس وقت شرم وحیا کی یہ حالت تھی کہ جب کپڑا جسم سے ہٹ جاتا تھا اور عریاں ہوجاتے تھے تو رونے لگتے تھے اور جب تک میں ستر نہ کردوں قرار نہیں آتا تھا۔ اور قوتِ نامیہ کی یہ حالت تھی کہ جب دو ماہ کے ہوئے گھٹنیوں چلنے لگے اور جب تین ماہ کے ہوئے ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہونے لگے۔ ساتویں مہینے منہ سے بولنے لگے اور سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ ایک سال کی عمر میں تیر لگانے لگے۔ اور نشانہ خطا نہیں کرتا تھا۔ جب اندھیری رات ہوتی تھی میرے گھر میں آمنہ کے چاند کی ایسی روشنی ہوتی تھی جیسے پورے چاند میں ہوتی ہے۔ جب تنہا لیٹے تھے کبھی چاند سے باتیں کرتے تھے جو میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کبھی سورج سے ہمکلام ہوتے تھے۔ صلواۃ!

بہرحال یہ آفتاب نبوت تھا جس کے حسنِ باطن سے خدا نے سپہر نبوت کو کیا۔ کبھی یہ نورِ حبیبی عرش پر چمکا کبھی ساقِ عرش پر کبھی یمینِ عرش کو منور کیا کبھی یسارِ عرش کو زینت بخشی کبھی پیشانیٔ آدم میں جلوہ گر ہوا۔ کبھی پشتِ انبیاء میں غرض جس ظلمت کدہ میں پہنچا اس کو مطلعِ خورشید بنا دیا۔ کلام الٰہی میں بے وجہ سراج منیر کا خطاب نہیں مذکور

ہوا۔

مصائب کا ربط

(غرض عالم علوی ہو کہ سفلی ہر مقام کو سراج منیر نے روشن کیا۔ اگر اس چراغ کے اجزاء متفرق بھی ہو گئے جب بھی نورانیت اپنا کام کرتی رہی۔ اسی چراغ کی ایک ضو تھی جسے کربلا میں بادِ مخالف کے تند جھونکوں نے بجھا کر دُنیا کو تاریک بنانا چاہا تھا۔ مگر نورِ خدا کو کون بجھا سکتا ہے۔

تمام اجزاء متفرق ہو گئے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے مگر ہر جزو نے شہادت دی کہ میں خدا کا روشن کیا ہوا چراغ ہوں۔ مجھ کو کوئی نہیں بجھا سکتا۔ جسم پارہ پارہ سے سر جُدا کر دیا گیا ہر زخم چراغ ہدایت بنکر کربلا کے تیرہ و تار صحرا میں روشن ہوا۔ سر کو جُدا کر کے جہاں لے گئے ہر مقام پر نورانیت کی تصدیق کی۔

شمر جب اپنا کام کر چکا سر منوّر خولی کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہ شقی انعام کے لالچ میں نیزہ پر سر کو لیکر چلا۔ گیارہ محرم کی نصف رات گزر جانے کے بعد کوفہ پہنچا۔ دار الامارہ کا دروازہ بند تھا اپنے گھر میں آیا اور وہ سر مبارک جو رسولؐ کے سینے پر رہتا تھا زیر تغار رکھ کر فرشِ خواب پر آیا۔ اس کی دو زوجہ تھیں۔ ایک قبیلہ بنی اسد سے تھی اور دوسری کہ نام اس کا نوار تھا اس کو بُلایا۔ جب وہ فرشِ خواب پر آئی پوچھا۔ آج کیا لیکر آیا ہے کہ میں نے تجھ کو اتنا خوش کبھی نہیں پایا۔ اس شقی نے جواب دیا۔ تیرے واسطے زرِ سُرخ کا خزانہ لایا ہوں تو جانتی ہے وہ خزانہ کیا ہے؟ کہا نہیں مجھے نہیں معلوم۔ اس بے حیا نے کہا حسینؑ فرزند رسول کا سر لایا ہوں۔ جا تغار کے نیچے جا کر دیکھ۔ یہ سن کر وہ اٹھ بیٹھی اور کہا خدا تجھ کو غارت کرے سب اپنے عیال کے واسطے سیم و زر لاتے ہیں تو فرزند رسول کا سر لیکر آیا ہے۔ قسم بخدا اب میں تیرے بستر پر قدم نہ رکھوں گی۔ یہ کہہ کر اس گوشہ میں آئی جہاں تغار رکھا ہوا تھا۔ دیکھا زیر تغار ایک نور

۔ ہلال کی علامت اس لئے بنائی گئی ہے کہ اگر مجلس غم میں پڑھنا نہ ہو تو ہلال کے درمیان کی عبارت ترک کر دو۔ صرف مولود میں یہ بیان کام دیگا۔ اور اگر مجلس غم میں پڑھتا ہے آخری ہلال پر مجلس کو تمام کرے ولادت کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

ساطع ہے جس کی چھوٹ آسمان تک جاتی ہے۔ زن اسدیہ کو آواز دی اے بہن آؤ دیکھو کیا ماجرا ہے وہ بھی آگئی دیکھا تو ایک نور آسمان تک ساطع ہے۔ تغار کھول کر دیکھا تو ایک سر خون آلودہ رکھا ہوا ہے جس کی روشنی سے سب گھر پُر نور ہو گیا۔ اور سر مبارک کے لبوں کو حرکت ہوئی۔ اور یہ قرآن کی آیت تلاوت کرنے لگا۔ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ دونوں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور رونا شروع کیا۔ قاتل کے گھر میں امام حسینؑ کا ماتم برپا ہوا۔

صرف خانۂ خولی پر منحصر نہیں جہاں جہاں یہ سر گیا حد کا نام روشن کرتا رہا۔ کوفہ سے جب بیباؤں اور اہلحرم کا قافلہ سروں کے ہمراہ شام کو روانہ ہوا۔ راہ میں عجیب عجیب واقعات سر مبارک سے ظہور میں آئے۔ قریب دمشق دیر راہب میں قافلہ پہنچا۔ شب کو اشقیا زیر دامن کوہ منزل گزیں ہوئے۔ اہلبیتؑ کو ایک جانب اتارا اور سر مطہر کو مقفل کر کے دیے زیر دیوار رکھ کر مطمئن ہوئے اور خود اشقیا لہو و لعب میں مصروف بازی ہوئے مصیبت زدہ بیبیوں اور یتیم بچوں کا دل دکھانے کے لئے ظالموں نے چنگ و رباب کا مشغلہ شروع کیا۔ بی بیاں اپنے وارثوں کو یاد کر کے روتی تھیں اور یہ اشقیا گا گا کر ہنستے اور مضحکہ کرتے تھے۔ اب کچھ رات آ چکی تھی قتل مظلوم کی تاریکی آسمان پر چھائی ہوئی تھی۔ ناگاہ صندوق سے ایک نور ساطع ہوا اور دیوار سے ایک ہاتھ پیدا ہوا جس نے قلم آہن اور خون کی روشنائی سے یہ شعر بخط جلی دیوار پر لکھ دیا۔

اترجوا امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

یعنی امت حسینؑ کو قتل بھی کرتی ہے اور اسکی امید بھی رکھتی ہے کہ ان کے نانا رسولخداؐ روز قیامت شفاعت بھی کریں گے۔ اشقیا کی نظر اس ہاتھ پر پڑی دوڑ کر جاہا پکڑ لیں ہاتھ فوراً غائب ہو گیا۔ جب اشقیا مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اپنا مشغلہ شروع کیا پھر ہاتھ نکلا اور دوسرا شعر لکھا جس کا مطلب یہ ہے:

قسم خدا کی وہ رسول کبھی ایسے لوگوں کی شفاعت نہ کریں گے بلکہ یہ لوگ روز قیامت عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔

اس مرتبہ پھر یدِ قدرت کو پکڑنے کا قصد کیا مگر ناکام رہے اور اسی طرح کئی شعر دیوار
پر لکھ گئے۔ راہب دَیر کے اندر عبادت میں مصروف تھا آواز گریہ و بکا اور شورِ
جنگ و رباب سن کر متحیر ہوا۔ دریچہ کھول کر دیکھا تو زیر دیوار ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے
کچھ لوگ خوشی منا رہے ہیں اور کچھ مصیبت زدہ عورتیں اور بچے رو رہے ہیں۔ زیر
دیوار ایک صندوق رکھا ہوا ہے جس میں سے ایک نور جانب آسمان ساطع ہے۔
دربائے آسمان کھلے ہوئے ہیں۔ آواز پرواز ملک کانوں میں آتی ہے اور کوئی کہتا ہے
السلام علیک یا ابن رسول اللہ راہب متعجب ہو کر باہر نکل آیا اور قریب آکر پوچھا
تم کون لوگ ہو اور اس صندوق میں کیا شے ہے۔ اعدا نے جواب دیا یہ یزید کا لشکر
ہے۔ ایک شخص نے یزید کا مقابلہ کیا تھا ہم لوگ اس کو قتل کر کے اس کا سر لائے ہیں۔
اس صندوق میں اسی کا سر ہے۔ راہب نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ اشقیا نے جواب
دیا کہ حسین ابن علیؑ۔ راہب نے کہا اور اس کی ماں کا کیا نام تھا؟ کہا فاطمہ بنت
رسول۔ راہب نے کہا خدا تم کو ہلاک کرے۔ تم نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کیا۔
قسم بخدا یہ وہی شخص ہے جس کے واسطے آسمان سے خون کی بارش ہوئی ایسا نہیں
ہو سکتا سوائے کسی ولی یا وصی رسول کے لئے۔ اب میں تم سے خواستگار ہوں کہ صندوق
کھول کر مجھے دکھا دو اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے دے دو۔ خولی نے کہا ہم اس کے عوض
میں دس ہزار درہم لیں گے۔ راہب نے دینے کا اقرار کیا مگر خولی نے کہا جب تک
درہم ہمارے پاس نہ آجائیں ہم سر نہ دکھلائیں گے۔ راہب نے دس ہزار درہم لاکر دیدیئے
خولی نے درہم کو سربمہر کر دیا اور سر نکال کر راہب کو دیا۔ راہب سر کو آغوش میں لیکر اپنے
دیر میں آیا گلاب و مشک سے دھویا عنبر و عود کا بخور کیا پھر ایک پارچہ حریر کا فرش کیا اور سر کو
اس پر رکھ کر بکمال ادب سامنے بیٹھا اور رو رو کر کہنے لگا اے فرزند رسول میں آپ کو پہچان
گیا اے نبی کے نواسے میں آپ کو جانتا ہوں آپ کی عزت جو کچھ پیشِ خدا ہے میں اس سے
آگاہ ہوں آپ کے نانا کی امت نے غضب کیا آپ کو شہید کر دیا۔ اے جگر گوشۂ رسول جب
آپ اپنے نانا کے پاس پہنچیں گے تو میری تصدیق فرمائیے گا۔ میں آپ پر ایمان لاتا

ہوں اور آپ کا دین اسلام قبول کرتا ہوں روزِ قیامت میری شفاعت کیجئے گا
اے دلبند فاطمہؑ مجھ کو تسکین دیجئے کہ آپ نے میرے عمل کو پسند کیا اور مجھ کو قبول کیا
دفعتہً سر میں جنبش پیدا ہوئی لبہائے مبارک حرکت میں آئے۔ آواز آئی اے راہب
اطمینان رکھ ہم تیرے ایمان لانے کے گواہ ہیں اور تجھ کو اپنے ساتھ بہشت لے جانے
کا وعدہ کرتے ہیں۔ راہب سر پیٹ کر رونے لگا۔ ناگاہ اشقیا نے سر مطہر طلب کیا اور
زبردستی سر منور راہب سے لیکر نیزہ پر بلند کیا۔ اور روانہ ہوئے دوسری منزل پر جب
تقسیم کے لئے کیسہ درہم کھولا تو اس میں ٹھیکریاں تھیں۔ جن پر لکھا تھا وسیعلم الذین
ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ بہرحال سراج منیر انسان کا دیا ہوا خطاب نہیں ہے
کلامِ ربانی ہے عالم الغیب کا کلام ہے۔ حرف حرف میں نکتہ لفظ لفظ میں رمز پنہاں
ہے۔ ہر لفظ چمک کر تصدیق کرے گا۔ ہر نکتہ درخشاں ہو کر گواہی دے گا۔ آمنہ خاتون
سے پوچھئے وقتِ ولادت کیا جلوہ دیکھا مثل موسیٰ کیوں بیہوش ہوئیں۔ وہاں موسیٰ
نے انبیا کی رب ارنی جواب ملا لن ترانی۔ موسیٰ لمعہ نہیں دیکھ سکتے یہاں بے مانگے
مراد ملی۔ صلوٰۃ!

آپ فرماتی ہیں کہ جب مجھ کو آثار وضع حمل محسوس ہوئے میں نے اپنی ماں برہ سے
کہا میرا دم گھبراتا ہے دل چاہتا ہے حجرہ کا در بند کر کے لیٹ رہوں۔ یہ کہہ کر حجرہ
میں آئی اور در بند کر لیا۔ پھر درد عارض ہوا میں نے اپنے پاس جب کسی کو نہ پایا چاہا
دروازہ کھول کر اپنی والدہ کو بلا لوں۔ ناگاہ سقفِ خانہ شگافتہ ہوئی کچھ عورتیں
داخل ہوئیں اور مجھ کو تسکین دینے لگیں کہ ہم تمھاری خدمت کے واسطے آئے ہیں
گھبراؤ نہیں پھر ایک مرغ سفید آیا اور اپنے پروں کو میرے شکم سے مس کیا جو تکلیف تھی دور
ہو گئی۔

پھر چند بی بیاں بشوکت و وقار ہاتھوں میں جامِ بلوریں و شیشہ ہائے رنگین شربت سے مملو
لئے ہوئے داخل ہوئیں۔ مجھے ایک جام شربت پلایا کہ ایسا ٹھنڈا اور شیریں شربت کبھی
نہیں پیا تھا۔ دفعتہً وہ نور جو میری پیشانی میں تھا اس قدر وسیع ہوا کہ ہر طرف نور ہی نور نظر آنے لگا۔

دنیا میں سراج منیر کی یہ پہلی روشنی تھی۔ آمنہ کی نگاہیں کثرتِ نور کی متحمل نہ ہوئیں، خدا نے بیہوشی کا پردہ ڈال دیا۔ سترہ ربیع الاول یا بارہ کی مبارک رات تھی صبح صادق کا سہانا وقت جمعہ کی مبارک عید عیسوی کا مہینے کی ۲۹ اگست ۵۷۱ء سرتاج انبیا شفیع روز جزا محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین اشرف اولین و آخرین عالم ظہور میں آیا۔ صلوٰۃ ۔

آسمان ادب سے جھک گئے، زمین اپنی خوش قسمتی پر فخر کرنے لگی دنیا میں روشنی پھیلی تاریکی کافور ہوئی آمنہ نے آنکھ کھول کر دیکھا ایک نور کا مجسمہ حسن کا پتلا دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے سجدے میں ہے اور زبان سے کہہ رہا ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پھر دونوں ہاتھ بلند کئے کچھ راز و نیاز میں مناجات کی پھر ایک ابر سفید آیا اور اس نے اٹھا لیا۔ جناب آمنہ ناقل ہیں، مجھ پر سکتے کا عالم تھا نگاہیں قدرت کا تماشہ دیکھ رہی تھیں مگر زبان کو جنبش کی مجال نہ تھی۔ جب رفتہ رفتہ نظر جمی دل ٹھہرا دیکھا ناف بریدہ ختنہ، تمام کثافتوں سے پاک و صاف آپ قدرت سے نہلایا دھلایا ہوا فرش حریر سفید پر لیٹا ہے۔ پھر ایک نور ساطع ہوا گویا بجلی چمک گئی اسی روشنی میں شام اور یمن و فارس کے مکانات مجھ کو نظر آئے۔ صلوٰۃ ۔

محل سرور ہے بے کچھ کہے دل کو قرار نہیں۔ سراج منیر کی برکت تھی کہ پیدا ہو کر خبر دیدی کہ شام ہو یا فارس وہ کون سا مقام ہے جہاں میری روشنی ظلمت جہل و کفر کو دور نہ کرے گی ۔

بہرحال ماں کا دل جوش محبت سے بے تاب تھا بچہ کو اٹھا کر گود میں لیا ملائکہ گروہ در گروہ نازل ہوئے صدائے تہنیت بلند کی۔ آج وہ اشرف ترین مافضل ترین عالم پیدا ہوا ہے جو حملے کفر و شرک کو زائل کرے گا۔ صلوٰۃ ۔

مسلمانو! سراج منیر کی ولادت تھی فرشتے تہنیت کو آئے تو اس شان سے آئے کہ ان کے ہاتھ میں نور کی قندیلیں تھیں اور ہر قندیل پر کلمہ طیبہ بخط نور تحریر تھا۔

آپ جوش مسرت میں ان الفاظ سے تہنیت ادا کیجیے کہ خدا بھی آپ کا ہم آواز ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ علمائے سیر و اخبار کا اتفاق ہے کہ ولادت کے دن ایوان کسریٰ میں ایسا زلزلہ آیا کہ چودہ کنگورے گر گئے۔ گویا اس میں یہی اشارہ تھا کہ معصومین کا سر خیل آج دنیا میں آیا ہے۔ ظلمت

؎ نوٹ۔ جناب سید اسحٰق حسین صاحب دانش بہلول پوری نے بڑی کاوش سے معلوم کیا ہے ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق اپریل ۵۷۱ء دو شنبہ کو آفتاب شرف میں تھا۔

شانِ شاہِ کسریٰ خاک میں مل جائے گی اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ آتشکدۂ فارس جو ایک ہزار سال ہوئے با اہتمام روشن کیا تھا اثرِ ولادت رحمۃ للعالمین سے بجھ گیا۔ گویا سراجِ منیر وہ درخشاں آفتاب تھا کہ آتشکدہ کا چراغ کیا ہستی رکھتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ آفتابِ نبوت کے سامنے چراغِ کفر نہیں ٹھہر سکتا۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا اِمَامَ الرَّحْمَۃِ وَیَا شَفِیْعَ الْاُمَّۃِ وَیَا کَاشِفَ الْغُمَّۃِ یَا حُجَّۃَ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ تَوَجَّھْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ

حَاجَاتِنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۝

قصیدہ نعتیہ من مؤلف سلیم جبرولی

اُس کا یوں ملتفتِ دردِ جگر ہو جانا ‏— وقت کی بات ہے نالوں میں اثر ہو جانا

لے چکا تھا مزے زلف کے دلِ ہجر کی شب — عینِ ناکامیٔ قسمت ہے سحر ہو جانا

حسرتِ گردشِ صہبائے نظر ہے ساقی — نہ سہی مے، مگر اک بار ادھر ہو جانا

شامِ فرقت میں شبِ وصل کی ہو دل کو نوید — شانہ سے زلف کا بالائے کمر ہو جانا

مل گیا عشقِ مجازی سے حقیقت کا پتہ — عیب کا پختگی سے عینِ ہنر ہو جانا

عشقِ محبوبِ الٰہی میں مرے کام آیا — خلقت شیفتۂ حسنِ بشر ہو جانا

ملتجی خلد ہے اے رشکِ قمر ہو جانا — بزمِ خلوت کا تقاضہ ہے ادھر ہو جانا

اک زمانے سے تھی در پردہ بہم گفت و شنید — کہہ رہا ہے یہ مہیائے سفر ہو جانا

رخش کا آکے دکھانا وہ پری کا جلوہ — لے کے جانے میں ہواؤں کا اثر ہو جانا

بال کا دوش پہ بل کھا کے بلائیں لینا — پشت پہ دم کا علم ہو کے چنور ہو جانا

جذبِ محبوب کا اعجاز ہے یا حسنِ طلب — بے ستوں گنبدِ افلاک میں در ہو جانا

عرش نے پائی وہ رفعت تری پابوسی سے — پھر تمنا ہے ادھر بارِ دگر ہو جانا

اُدْنُ مِنِّی کی وہ آوازِ تسلی آمیز — لہجۂ خاص کا وہ دل میں اثر ہو جانا

جز ترے کس کو میسر ہوا اے ختمِ رسل — تا بہ خلوت گہِ تو سین گزر ہو جانا

خلعتِ فاخرۂ تاجِ شفاعت پا کر — انبیا میں ترا سردارِ بشر ہو جانا

رازِ سربستۂ معبود کوئی کیا جانے — واں ممکن نہیں انساں کا گزر ہو جانا

دوست رکھ کر تجھے حیدر کی ولا سے چھڑا   بخدا ہے عملِ خیبر میں شاملِ ہو جانا
ہے تری نسل کا دنیا میں ترقی دینا   حکمِ خالق سے تیرا سوں کا پسر ہو جانا
غیر پہلو میں جگہ پائیں تو کیا غم ہے نسیم
مجھ کو بس ہے بس دیوار بسر ہو جانا

بیانِ دوم

سراج منیر کے نکات ۔ رسولِ خدا صلعم کی وفات و حالت بیمار کربلا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمَجِیْدِ وَ فُرْقَانِہِ الْحَمِیْدِ۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ اس آیہ کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے حبیب اے نبی ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور نعمتوں کی خوش خبری دینے والا عذاب سے ڈرانے والا حکمِ الٰہی سے اسی کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ زبانِ قرآن سے خداوند عالم اپنے حبیب کی پانچ صفتوں کو بیان کرتا ہے۔ جو ہر صفت بجائے خود فضیلت کا محکم قلعہ ہے۔ یا رسالت کی بنیاد مستحکم۔

صفت شاہد

سب سے پہلے شاہد کی صفت مذکور ہوئی ہے۔ یہ وہ صفت ہے کہ تصدیقِ اسلام اسی پر منحصر ہے۔ ہر نبی پر اسی کو اس کی توحید اور اس کے عدل کی شہادت دینا واجب ہے۔ اسی تصدیق کے لئے ایک لاکھ اسی ہزار پیغمبر گواہ بنا کر بھیجے۔ اور ہر ایک نے آکر اس کے تمام صفات کی شہادت دی۔ ہر امت نے اس کی تائید کی اور نبوت کی تصدیق بھی کی ۔

اس گواہ کی شان یہ بھی کہ خدا اس کی نبوت کی شہادت دیتا ہے۔ یا ایہا النبی تم ہماری وحدانیت کے گواہ ہو ہم تمہاری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک نبوت کے خطاب میں عصمت طہارت صدق و صفا اخلاق ہر صفت کی تصدیق ہو گئی ۔ صَلوٰۃ

صفت مبشر

دوسری صفت مبشر کی ہے جس کے ضمن میں درجہ شفاعت کبریٰ کی تائید ہو رہی ہے۔ مبشر بھی ایسا جو مجسم رحمتِ الٰہی بن کر دنیا میں آیا جس کا ادنیٰ فیض یہ ہو کہ تا قیامت دنیا سے عذاب کا اندیشہ باقی ہی نہ رکھے۔ تمام عالم کو اپنے دامن رحمت کے سایہ میں چھپا لے مومن ہو کر کافر مسلم ہو یہ منافق دوست ہو کر دشمن سب

شاہد کو ہم ایک خاص بیان میں دوسری آیہ سے ثابت کریں گے بیان کے سلسلے میں کچھ ذکر کیا گیا ہے

تا روزِ قیامت عذابِ الٰہی سے محفوظ رہیں۔ صلعم ؀

محمدی صفت نذیر کی ہی بشارت کے ساتھ نذارت کا ذکر لازم تھا۔ انتظام اسی سزا و جزا سے ہوتا ہے اگر صرف کسی خدمت کے صلہ میں انعام رکھا جائے اور سرکشی کے معاوضہ میں سزا نہ مقرر کی جائے اور اس کا خوف باقی نہ رہے تو ریاست میں خلل واقع ہو۔ اسی طرح بشارت جنت اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک خوف عذاب نہ دلایا جائے۔ اسی اصول پر خدا نے بہشت و دوزخ خلق کئے تاکہ بشارت جنت اگر کافی نہ ہو تو خوف جہنم سے اصلاح نفس اور گناہوں کا انسداد ہو سکے۔ لیکن وہ ذات جو مجسم نمونۂ رحمت ہو قہر الٰہی کا مرقع کس طرح پیش کرے۔ اسی لئے بعثت کی انتظار کرنا پڑا کہ خدا کا شیر اگر عذاب الٰہی لیتا ہوا سیاست کے کچھار میں نمودار ہوا۔ جب نبی بشیر و نذیر شہادت کے لئے دنیا تبلیغ میں آئے تاکہ ذوالجلال والاکرام کی پوری تصدیق ہو۔ (صلوٰۃ) ؀

چوتھی صفت داعی الی اللہ کی ہے۔ مگر خدا نے باذنہٖ کی قید لگا دی ہے۔ رسول کو بھی بے حکم الٰہی دعوت دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ قرآن نے اس دعوت کے پردے میں قید وحی کی بھی تصدیق کر دی کہ ہمارا نبی ہر امر میں وحی کا پابند ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ پ ۲۷ ع ۵۔ وہ اپنی خواہش سے کچھ کلام ہی نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا ہے اس کی طرف اس پر وحی کا نازل ہونا ہے۔ بغیر نزول وحی کسی کو دعوت بھی نہیں دے سکتا۔ دوسرا لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ باوجود نزول وحی کے پھر بھی ہدایت کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جب ہم حکم دیں یا جس کے لئے حکم ہو وہ دعوت دے سکتا ہے۔ جو منصوص من اللہ ہوگا وہی داعی الی اللہ باذنہٖ کا مصداق ہے۔ باذنہٖ کی شرط نے مقید کر دیا۔ ہر کوئی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

بہر حال قرآن نے اپنا حق ادا کر دیا اور مختصر لفظوں میں اصول دعوت کو ظاہر کر دیا۔ باذنہٖ یعنی ہمارے حکم کی ضرورت ہے۔ دعوت دین ہو یا دعوت ولایت و خلافت۔ رسول کسی کو دعوت نہیں دے سکتے۔ جب ہی تو رسول کی بعثت کے بعد بھی حکم ہوتا ہے۔ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔ اس دعوت میں دونوں دعوتیں شریک ہیں۔ ایک تو دعوت دین الٰہی دوسری جانب ہے کار رسالت میں شرکت و وزارت اور اپنے بعد کے لئے خلافت کی دعوت۔ منظور یہی اور وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ کی قید نے داعی کو اذن بھی پابند کر دیا کہ اپنے کنبے ہی والوں کو جمع کرو۔ غیر شریک نہ کرو۔ اب تمہارے خاندان میں جو ہماری دعوت قبول کرے بس اسی کی بابت ہماری اجازت ہے۔ اور وہی مقصود ہے۔ صلعم ؀

پانچویں صفت۔ سراجاً منیرا وہ نورانی صفت ہے کہ عالم مثال میں جس کی تشبیہ کے لئے اگر چراغ لے کر مشرق و مغرب میں تلاش کیا جائے تو نظیر نہیں مل سکتی یہ مبالغہ شاعری نہیں، کلام ربانی ہے ارشاد الٰہی ہے، عالم الغیب کی دی ہوئی مثال ہے۔ دن ہو کہ رات چمک کر فائدہ پہونچائے گی۔ سمجھنے کے لئے عقل سلیم ذہن رسا۔ یقین کے لئے قلب مطمئن، دیکھنے کے لئے چشم بینا، تصدیق کے لئے زبان صدق چاہیئے۔ جتنا غور کیجئے شعاعوں کی باریکیاں پھیلتی جائیں گی لطافت کی گتھیاں سلجھتی جائیں گی۔ درود پڑھئے آل محمد پر۔ صلوٰۃ بھیجئے، دل خود بخود روشن ہوگا۔ فرش سے عرش تک اسی چراغ کا نور نظر آنے لگا۔ اسی سراج منیر کی تیز روشنی میں قاب قوسین تک جو کچھ حبیب نے دیکھا نفس رذیل نے بالائے فرش دیکھ کر تصدیق کی۔ مگر قوت نظر کہاں، زور بصیرت کجا۔ آئینہ دل کو گرد اوہام سے پاک رکھیے کچھ نہ کچھ فیض حاصل ہو کر رہے گا۔

یہ تو سب پر روشن ہے کہ حضور کی خلقت اس وقت ہوئی ہے جب کچھ نہ تھا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی، حدیث مستند ہے۔ نہ زمانہ تھا نہ زمانیات، نہ مکان تھے نہ مکانیات۔ صرف ایک ذات تھی جو صفت وحدت سے متصف تھی اور اسی کی وحدت ملکہ نورانی کا اخراج تھا۔ اسی نور کی خلقت نے ظلمت عدم کا پردہ ہٹا کر مطلع وجود کو روشن کیا۔ سراج منیر کی ضیا، عالم ایجاد پر پڑی۔ آسمانی شامیانہ کھینچ گیا۔ زمین کا فرش بچھ گیا، ستاروں کے قمقمے چمکے آفتاب و ماہتاب چکر لگانے لگے۔ بعض ایک نور نے عالم کو پُر زینت دیا۔ چراغ روشن کی مثال روشنی میں آئی مگر وہ نشانہ سوائے ملائکہ کے کس نے دیکھی۔ پیشانی آدم میں اسی کی ضو تھی، مگر آنکھیں دیدار سے محروم۔ موسیٰ کو شوق نظارہ طور تک کھینچ لے گیا جتنا قریب ہوتے گئے روشنی دور ہوتی گئی، ہوس میں اضافہ ہوا تو رَبِّ اَرِنِیْ کا سوال لب تک آگیا۔ مگر دل کو یارائی باقی نہ تھی۔ بس اتنا دیکھا کہ بجلی سی کوئی شے چمکی، درخت سے شعلے نکلے، پہاڑ جل کر سرمہ ہوگیا، حسرتیں خاک میں مل گئیں۔ پھر کس میں تاب تھی کہ رَبِّ اَرِنِیْ کی تکرار کرتا۔ زمانہ اسی طرح تاریک رہا جس طرح کسی نادار کا گھر بے چراغ۔ جاہلیت کی تاریک گھٹاؤں نے عالم کو ظلمت کدہ بنا دیا۔ دفعتاً وادی اُمُّ القُریٰ میں رحمت کا ستارہ چمکا عبد المطلب کے خانہ تاریک سے روشنی پھیلی، قصر کسریٰ کے کنگرے گرتے نظر آئے، آتش کدہ فارس گل ہوا، رفتہ رفتہ کرۂ ذات کی چمکی چمکو سراج منیر کی شعاعیں آفتاب نبوت کی ضیا بن کر مکہ کی پہاڑیوں پر پھیلیں، جاہلیت کی تاریکی کم ہوئی، تعلیم کی تاثیریں کام کر گئیں، ذرہ ذرہ پر وحدانیت کا عکس پڑا۔ آثار قدیمہ کے نقش ابھرے اور پرانا معبد آباد ہونے لگا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی صدائیں فضا میں گونج گئیں۔ سراج منیر کی نشہ سجود میں آ گئی صلوٰۃ،

سبحان اللہ کس قدر کامل تشبیہ ہے۔ تاریکی وہ شے ہے کہ حسن و قبح کا امتیاز اندھیرے میں ناممکن ہو۔ یہی حالت ایک جاہل کی ہوتی ہے کہ اس کو ایک صفحۂ زرنگار دیدیجیے جس پر کسی خوشنویس کے ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارت تحریر ہو۔ وہ کیا سمجھ سکتا ہے کہ کیا لکھا ہے اور کیسا لکھا ہے۔ لیکن وہی جاہل حرف شناس ہو جانے پر لفظ میں معنوی تصویریں دیکھ کر سبحان اللہ کہنے لگا کہ اس میں کیا تحریر ہے۔ بعینہٖ یہی حالت تاریکی میں ہوتی ہے کہ جواہرات رکھے ہوں مگر دیکھنے والا کچھ تمیز نہیں کر سکتا کہ کیا شے ہے۔ ثابت ہوا جاہلیت اور ظلمت مترادف ہے اور دونوں کی ایک ہی خاصیت ہے۔ ہمارے نبی صلعم نے تعلیمی روشنی سے جاہلیت کی خاصیتوں کو بدل دیا جس طرح ایک چراغ گھر سے تاریکی کو دور کر دیتا ہے۔ صلوٰۃ +

تاریکی میں ہر طرح کا اندیشہ اور خوف عارض رہتا ہے اطمینان نہیں میسر ہوتا۔ اگر انسان کے پاس کوئی حربہ نہ ہو صرف ایک چراغ روشن کر دیا جائے تو بڑا سہارا ہو جاتا ہے۔

حضرت کے عہد کرامت مہد میں ہر طرح کا اطمینان ہوگیا۔ اوس و خزرج کے جھگڑے عرب و عجم کی خانہ جنگیاں بند ہو گئیں۔ صلوٰۃ +

چراغ میں ایک خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں خود بخود محبوبیت جذب ہو۔ پروانے دور دور سے آکر شمع پر اپنی جان دیں مگر شمع کو خبر نہیں۔ یہی حالت سراج منیر کی ہے۔ کبھی سلمان و ابوذر آکر نثار ہوتے ہیں، کبھی جابر انصاری، کبھی ابو دجانہ شمع نبوت پر قربان ہوتے ہیں۔

چراغ کی یہ بھی تاثیر ہے کہ اس کے جلانے والے کو اس سے الفت ہو۔ ہمیشہ عزیز رکھے۔ جلانے والا بھی ایسے مقام پر رکھے گا کہ بادِ مخالف کے تند جھونکے اس کو گل کر دیں۔ اور اگر صرصر کے تند جھونکوں سے خاموش ہو جانے کا احتمال ہوگا تو اس کا روشن کرنے والا اس کو دوسرے مقام پر منتقل کر دے گا جہاں اس کی حفاظت ہو۔

خدا نے اپنے گھر کی زینت کے لئے چراغ مکہ میں جلایا تھا مگر جب کفار نے اس کو گل کرنے کا قصد کیا تو خدا نے اس منور چراغ کو مدینہ میں منتقل کر دیا جس طرح چراغ سے ہر ظلمت کدہ روشن ہو جاتا ہے سراج منیر کے فیض سے مدینہ منور ہو گیا۔ صلوٰۃ +

چراغ میں سخاوت و کرامت کی خاصیت بھی ضروری ہے ہر وہ شے جس میں صلاحیت ہو اس سے ملحق ہو کر روشن ہو جاتی ہے اور اصل چراغ میں کوئی کمی نہیں محسوس ہوتی۔ ہزاروں چراغ سراج منیر سے روشن ہوگئے مگر اس کے نور میں کوئی کمی نہ آئی۔ مگر صلاحیت ضروری ہے۔ ہر شے چراغ سے مل کر روشن نہ ہوگی۔ لکڑی کو آگ

سے ملمع کر دیجئے اس میں نور دینے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مگر آگ پکڑلے گی دھواں دے دیگی۔ ابوجہل اور ابو لہب بھی اس چراغ سے قربت رکھتے تھے مگر صلاحیت نہ تھی، بجائے کسب نور کے ناریت میں مبتلا رہے۔ صلوٰۃ۔

بہر حال یہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ ظلمت کفر مٹانے والا چراغ اخلاقی روشنی پھیلانے والا چراغ وہ چراغ تھا کہ دنیا کی ساری روشنیاں اس کے سامنے ماند ہیں +

دنیائے ارضی کا ذکر نہیں، دنیائے سماوی کے ستارے ہوں کہ قندیل فلک، یا خسرو خاور، سب اسی سراج منیر کے پرتو سے روشن ہوئے۔ اور اسی سے اقتباس نور کرتے رہے۔ کسی کی کیا مجال تھی کہ اس کے مقابل میں فروغ لے جاتا +

سُنا تو ہوگا حبیب ابن مالک کندی قریش کے اصرار سے بڑے کروفر اور ملوکانہ شان کے ساتھ طائف سے معجزۂ شق القمر طلب کرنے کے لئے آیا۔ دربار آراستہ کیا اور حضرت کو بلا کر معجزہ طلب کیا۔ تاریخ مقرر ہوئی، دن کا تعین ہوا، مکہ میں دھوم مچ گئی، ہر جگہ یہی چرچے ہو رہے ہیں کہ یتیم عبداللہ چاند کے ٹکڑے کرنے کا دعویٰ کرتا ہے دیکھیں کہاں تک قول کے سچے ہیں، غرض روز موعود آیا، مورخین نے تاریخ میں اختلاف کیا ہے۔ مگر ہجرت کے تین سال قبل چودہ ذی الحجہ کے اقوال زیادہ پائے جاتے ہیں۔ کوہ ابوقبیس پر لوگ جمع ہوئے، خلائق کا اژدہام ہوگیا، حبیب بن مالک کندی طائف کا امیر مع سرداران قریش اپنے جاہ و حشم سے ایک نقرئی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور حضرت کو طلب کیا۔

حبیب خدا نے غسل کیا، لباس پہنا، خوشبو سے معطر ہوئے، نماز پڑھ کر مناجات کی، جبرئیل پیام لائے، اے رسول اکرم کہو تو ہم آسمانوں کو زمین سے ملا دیں۔ آپ سے خلقت آدم سے ایک ہزار سال پیشتر چاند کو تمہاری اطاعت کا حکم دے رکھا ہے۔ جو حکم دو وہ تمہاری تعمیل کرے گا۔ یہ حکم سُن کر چہرۂ حضرت پر آثار مسرت ظاہر ہوئے، شرقی روز گئی سراج منیر کی ضو میں اضافہ ہوا، خدیجۂ کبریٰ کو ہدایت فرمائی کہ تم خدا سے دعا کرو آج اس کے دین کی عزت رہ جائے۔

آفتاب نبوت مطلع بیت الشرف سے یوں برآمد ہوا کہ پہلو میں قمر امامت علی ابن ابی طالب، والپشت افسر ایمان حمزہ و جعفر، عقیل و عباس اور بنی ہاشم۔ غرض آہستہ آہستہ بہ تجمل و وقار حضرت کوہ ابوقبیس کی طرف چلے

بعض مشعر طرد شق القمر کا ذکر آیا ہے۔ اگر مفصل دیکھنا ہو تو تاریخ حالات جناب رسول خدا جلد اول ملاحظہ ہو یا روضۃ الصادقین جلد دوم جناب مرحوم مولانا سید ظفر مہدی صاحب مع دلائل شق و نقل و اختلاف روایات بہ تفصیل درج ہے۔ (مجمع البیان علیم)

فوج ملک بالائے سر آسمان پر ساتھ چلی، دور سے حضرت کو آتے دیکھ کر انگلیاں اٹھ گئیں، مجمع میں تموج پیدا ہوا، آوازیں بلند ہوئیں "وہ آگئے" حبیب بن مالک نے تعظیم کی اور حضرت سے خواستگار ہوا کہ پہلے آپ دعا کیجئے کہ تاریکی اس قدر غالب ہو کہ چاند پوشیدہ ہو جائے پھر چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔ حضور نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے، حضرت علی نے آمین کہی۔ باوجود شب ماہ کے تیرگی نے اپنا دامن پھیلایا، رفتہ رفتہ ظلمت نے عالم کو گھیر لیا۔ کثرتِ تاریکی سے لوگوں کا دم گھٹنے لگا۔ اسمان پر معجزہ کا یہ اثر نمایاں ہوا کہ شب ماہ نے بجائے نور کے ظلمت سے عالم کو تیرہ کر دیا۔ زمین پر اعجاز کا یہ عمل تھا کہ سراجِ منیر جس کے جسمِ منور کا یہ ادنیٰ اعجاز تھا کہ حجرۂ تاریک روشن ہو جاتا تھا اور شگاف در سے نورِ جسیم باہر والوں کو خبر دیتا تھا۔ اس وقت کوہ ابو قبیس پر جلوہ افروز ہے۔ مگر جس طرح چاند آسمان پر تیرگی کے حجاب میں ہے اسی طرح اثر اعجاز نے سراج منیر پر ظلمت کا فانوس چڑھا دیا ہے کہ حضرت کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ صلوٰۃ +

پھر کیف جب ہر طرف سے غل ہوا کہ تاریکی سے دم گھٹا جاتا ہے، حبیب بن مالک نے عرض کی کہ اے پیغمبر خدا اب یہ تاریکی دفع کیجئے اور چاند کو حکم دیجئے کہ دو ٹکڑے ہو کر آپ کے قول کی تصدیق کرے +

حضرت نے اسے حکم دیا، سیاہی دور ہوئی، چاند اپنے مرکز پر نظر آیا +

پھر حضرت نے انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا، مطلب یہ تھا کہ مجھ کو اس ذات نے خلق کیا ہے جو واحد ہے۔ ان سب کو اس کی قدرت کا تماشہ دکھا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک حصہ آسمان پر قائم رہا اور ایک حصہ زمین پر آیا۔ کعبے کے گرد پھر کر طواف کیا پھر حضرت کے قریب آ کر گویا ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ گویا چاند کا مطلب یہ تھا کہ اے خدا کے رسول آپ نے مجھ کو شہادت کے لئے طلب فرمایا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا واحد ہے اور آپ اُس کے رسول ہیں۔ صلوٰۃ +

ایک لطیف اشارہ یہ بھی تھا کہ بمصداق یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا آپ اُس کے شاہد عادل ہیں مگر شریعت میں دو گواہ درکار ہیں۔ جس طرح آپ اور آپ کے بھائی علیؑ ایک نور سے دو ٹکڑے کر شاہدین عادلین بنے اسی طرح ہم ایک چاند کے دو ٹکڑے ہو کر آپ کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور آپ کی حدیث اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ کی بھی شہادت دیتے ہیں۔ (صلوٰۃ) +

اہلِ یورپ اور ان کی تقلید میں فلسفہ جدید کے مدعی معجزہ شق القمر پر مضحکہ کرتے ہیں اور خود

بلا فرق والتباس حضرت عیسٰی کے چوتھے آسمان پر جانے کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ محققین یورپ کے تعجب ہے کہ وہ رات اور دن میں بھی تمیز نہیں کرتے۔ انھیں کے آلات کے ذریعہ سے کہ اور یورپ کے عرض بلاد میں پانچ گھنٹہ چودہ منٹ تیس سکنڈ کا فرق ہے لہٰذا بعدِ مغرب جس وقت شق القمر واقع ہوا یورپ میں دوپہر کا وقت تھا جبکہ آفتاب کا پورا نور موجود تھا۔ اس حالت میں چاند کے شق ہونے کا احساس کیونکر ہوتا۔ علاوہ اس کے یورپ میں ہمیشہ آسمان پر ابر چھایا رہتا ہے اور سطح اُفق مکدر رہتی ہے۔ ایسی صورت میں کیفیات سماوی کا مطالعہ کیونکر ممکن تھا)۔

حبیب بن مالک یہ معجزہ دیکھ کر قائل ہوا کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں مگر ابولہب اور ابوجہل رشک وحسد سے جل کر خاک ہو گئے اور خجالت مٹانے کے لئے کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔

اس جسارت و بے حیائی کی کوئی انتہا ہے کہ اتنے بڑے معجزے کو مشرکین سحر کہتے تھے اس سے بڑھ کر ان کی حالت حیرت انگیز ہے جو ایمان لانے کے بعد رسالت میں شک لائے[1]۔

پیغمبر خدا کو ایک ماہ قبل اپنی حیات سے مایوسی ہو چکی تھی۔ جبریل نے جب سال میں دو مرتبہ پورا قرآن سنایا تو اسی وقت رسول کا دل کھٹک گیا تھا۔ آخر جبریل نے کہہ دیا اب آپ کا زمانۂ وفات قریب ہے۔ اسی وجہ سے ہر صحبت میں اسی قسم کے تذکرے تھے یا یوں سمجھو باتیں تھیں۔ ایک روز منبر پر تشریف لے گئے کچھ کہنے کا قصد کیا تھا کہ آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ گریہ کو ضبط کیا۔ اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اب تمہارے درمیان سے میرے جانے کا زمانہ قریب ہے۔ تم کو پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں۔ نعمات جنت کی امید دلاتا ہوں۔ عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں اور تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ لوگ سمجھ گئے کہ یہ باتیں فراق پر دلالت کرتی ہیں۔ لوگ رونے لگے۔ سب کو خوب سمجھا کر گھر واپس آئے۔ اب مرض میں زیادتی ہو گئی۔ اُٹھنا بیٹھنا دشوار ہوا۔ اصحاب عیادت کے لئے آستانہ پر جمع ہوئے۔ لوگ مسجد میں گریہ کر رہے ہیں۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ باوجود درد سر کے عمامہ سر پر رکھا دوش پر عبا ڈالی۔ امیر المومنین اور فضل بن عباس پر تکیہ کر کے باہر تشریف لائے۔ اصحاب میں سے جو اس وقت موجود تھے وہ بھی جمع ہو گئے۔ حضرت منبر پر تشریف لے گئے۔ بعد حمد الٰہی بجا لائے پھر ارشاد ہوا۔ اب میری جدائی کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں تم سے توقع رکھتا ہوں جب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا تم مجھ کو فراموش نہ کرو گے۔ اور دل سے مجھ کو قریب رکھو گے اور میرے اہل بیت کے ساتھ

---

[1] صلح حدیبیہ میں تاریخ طبری و روضۃ الاحباب وغیرہ۔

رعایت کرو گے اور ان کے کہنے پر عمل کرتے رہو گے اور مخالفت نہ کرو گے۔ پھر مہاجر و انصار میں اتحاد کی تاکید فرمائی۔ لَا تَفَرَّقُوْا بَیْنَہُمْ دیکھو کبھی آپس میں جدا نہ ہونا۔ اَیُّہَا النَّاس! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ میں تمہارا کیسا پیغمبر ہوں۔ میں نے تم کو جہاد میں شریک کیا یہاں تک کہ میرے دانت مجروح ہوئے۔ کفار و منافقین کے ستم و جبر سہے اور مصائب عظیم برداشت کئے بھوکا رہا مگر صبر کرتا رہا فقیروں اور محتاجوں کو اپنی ذات پر مقدم کیا اپنے بچوں پر ترجیح دی۔ آیا ایسا نہیں ہے؟ جواب میں ہر طرف سے صدائے گریہ کے ساتھ آوازیں بلند ہوئیں ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں سب درست و بجا ہے۔ آپ بہترین پیغمبر ہیں اور آپ نے ہماری ہدایت میں سخت مصائب برداشت کئے۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر ارشاد ہوا۔ تم کو اپنی ذات کی قسم دیتا ہوں کہ اگر میں نے کسی پر ظلم کیا ہو تو مجھ سے کہدے اور جس کو مجھ سے کوئی ملال پہونچا ہو اسی وقت بتلادے اور عوض لے لے۔ آخرت پر نہ اٹھا رکھے۔ ہر طرف سے جواب دیا گیا معاذ اللہ یا رسول اللہ ہم کو کوئی شکایت نہیں۔ آپ نے فرمایا جَزَاکُمُ اللّٰہ۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ اس خصومت کو روز آخرت پر موقوف نہ رکھو جو حق کسی کا رہ گیا ہو مجھ سے طلب کرے۔ ہم کو خدا سے میں شرمندہ نہ ہوں۔ سب نے عرض کی حاشا و کلا کبھی آپ کے کوئی فروگذاشت نہیں ہوئی نہ کوئی ظلم ہوا حضرت نے پھر اصرار فرمایا اس میں حجاب نہ کرو تم کو قسم ہے میرے حق رسالت کی، اگر کوئی ظلم ہوا ہو تو اس کا قصاص آج ہی لے لو اور قیامت کے لئے باقی نہ رکھو۔ جب پے در پے یہی الفاظ ارشاد ہوئے سواد بن قیس کھڑے ہو گئے اور عرض کی۔ میری جان آپ پر قربان ہو، آپ کے ارشاد نے مجھ کو جرأت دلائی کہ میں ظاہر کر دوں۔ یا رسول اللہ آپ جب طائف سے تشریف لا رہے تھے آپ کے استقبال کو میں باہر ہوا اس وقت آپ نے ناقۂ عضبا کو اشارہ کیا اور تازیانۂ ممشوق اٹھایا۔ مگر وہ میری پشت پر لگ گیا۔ یا رسول اللہ بس اسی کا قصاص چاہتا ہوں۔ فرمایا خدا تجھ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ پھر بلال کو حکم دیا۔ جا کر میری بیٹی فاطمہ سے تازیانۂ ممشوق مانگ لاؤ۔ بلال چلے مگر راہ میں یہ کہتے جاتے ہیں وہ کون ہے جو دنیا میں قصاص دے کر آخرت سے سبکدوش ہو جائے برابر آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ غرض آستانۂ اقدس تک پہونچے اور آواز دی السلام علیک یا بنت رسول اللہ۔ جناب فاطمہ نے بلال کی آواز پہچان کر جواب سلام دیا اور پوچھا کہاں آئے ہو۔ عرض کی آپ کے بابا جان نے ممشوق طلب فرمایا ہے جناب معصومہ نے فرمایا۔ بابا تو علیل ہیں زحمت سفر اٹھانے کا تحمل نہیں، آخر کہاں تشریف لے جائیں گے۔ بلال رونے لگے اور عرض کی حضرت نے گروہ صحابہ میں قصاص کی تاکید فرمائی تھی، سواد اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت سے طالب قصاص ہے۔ یہ سن کر جناب سیدہ نے تازیانہ تو دیدیا۔ مگر

بے قرار ہو کر فرمایا۔ بلال سوادؓ سے کہدو کہ بابا بہت ضعیف و رنجور ہیں اور تازیانہ کا تحمل نہیں رکھتے۔ اپنے پیغمبر کو بحل کر دو۔ بلال جانب مسجد روانہ ہوئے۔ جناب سیدہؑ نے حسنینؑ سے کہا۔ نور چشموں ذرا مسجد کی طرف جاؤ تمہارے بیمار اور ضعیف نانا سے قصاص مانگا جا رہا ہے۔ تم جا کر کسی طرح سے اپنے نانا کو بچاؤ۔ حسنینؑ مضطربانہ مسجد میں گئے دیکھا اصحاب حضرت کو گھیرے میں لئے ہوئے رو رہے ہیں۔ سواد تازیانہ لئے قریب کھڑا ہے حسنینؑ کو دیکھ کر اصحاب میں جوش بڑھ گیا۔ رو رو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آپ کے عوض ہم تازیانہ کھالیں گے حضرتؐ نے فرمایا اے بھائی جس پر قصاص عائد ہوتا ہے وہی اس کا ذمہ دار ہے۔ اب حسنینؑ آگے بڑھے اور رو رو کر سوادؓ سے کہا۔ ہمارے بیمار نانا کو تکلیف نہ دے۔ ہم حاضر ہیں ہم کو تازیانے لگائے۔ معاذ اللہ حسینؑ کو رو کر یہ کہنا مسجد میں کہرام پڑ گیا سواد کانپنے لگا۔ حضرتؐ نے بچوں کو سینہ سے لگایا فرمایا نور چشموں۔ اے جان عزیز ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرا قصاص تم سے کیا جائے۔ بنائے شریعت یہی کہتی ہے کہ مجھ ہی سے قصاص لیا جائے۔ اب بچے مایوس ہو کر سواد کا منہ دیکھنے لگے۔ سواد حضرتؐ کے حکم سے آگے بڑھا۔ اصحاب میں کہرام برپا ہوا تو لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ سواد نے عرض کی یا رسول اللہ جب تازیانہ میری پشت پر لگا ہے میں برہنہ پشت تھا۔ حضرتؐ نے عبا کاندھے سے اتار کر پشت مبارک کو برہنہ کیا۔ سواد نے بڑھ کر منہ اپنا پشت مبارک پر رکھ دیا اور مہر نبوت کو بوسہ دینے لگا۔ اور رو رو کر عرض کی میرے ہاتھ قطع ہو جائیں اگر ایسی جسارت کروں۔ العفو العفو۔ مولا! ایک یہ آرزو تھی کہ آخری مرتبہ مہر نبوت کی زیارت کر لوں۔ مولا میری مجال نہیں کہ میں آپ سے طالب قصاص ہوں۔ تمام اصحاب میں کہرام برپا ہو گیا رسولؐ اور حسنینؑ سب رونے لگے۔

یہ انتقال رسولؐ تمہارے پیمبر کا در پردہ، آخری اخلاقی سبق تھا۔ اور در پردہ اپنی تعلیم کا اثر دیکھنا تھا۔ امت کی آزمائش تھی کہ میری تعلیم سے کس حد تک رقت قلب اور نرم دلی پیدا ہوئی ہے اور امت کو رسولؐ سے کس قدر محبت ہے۔ در پردہ یہ بتانا بھی ہے کہ کسی بیمار و ناتوان سے اگر کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اس وقت تو صحبت رسولؐ میں تمام اصحاب موجود تھے۔ کتنی آنکھیں بلند ہو گئیں کہ رسولؐ کو بیماری میں اذیت نہ پہنچاؤ۔ ہمارا رسولؐ بیمار ہے۔

پھر اس مجمع میں سعد بن وقاص بھی ہوں گے جن کا لائق فرزند کربلا میں فوج ظلم کا سپہ سالار تھا

خدا پسر سعد سے کوئی پوچھے بیمار کربلا سے کیا جرم سرزد ہوا تھا۔ کس قصور پر قدم قدم پر تازیانوں کی سزا دی جاتی تھی؟ اللہ پسر سعد دیکھتا تھا۔ حمید ابن مسلم سے پوچھئے وہ چشم دید بیان کرتا ہے کہ جب شمر ملعون مع اپنے ہمراہیوں کے اہل بیت کو لوٹ کر بیمار کربلا کے خیمے میں داخل ہوا۔ امام زین العابدینؑ غش میں پڑے ہوئے تھے شمر لعین نے اپنے ہمراہیوں سے کہا اس کو کیوں زندہ چھوڑ دیا ہے۔ اس کو بھی قتل کر دو۔ لوگ اس قصد سے آگے بڑھے۔ حمید کہتا ہے میں نے شمر سے کہا۔ سبحان اللہ اس بیمار لڑکے کو قتل کر کے تجھ کو کیا مل جائے گا۔ یہ خود جاں بلب ہے، اس کے قتل سے باز آؤ۔ یہ سن کر اشقیا تھم گئے۔ مگر روایت جناب فاطمہ کبریٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظالم لپکا بیمار کربلا منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اور وہ بستر چرمی بھی لے گئے جس پر بیمار لیٹا ہوا تھا۔ خصوصاً اس وقت کی حالت کو بیمار کربلا خود بیان کرتے ہیں۔ جیب باب اسماعات سے بھرے دربار میں یزید کے سامنے گئے ہیں غیرت کے مارے قدم نہ اٹھتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں، ہم کو مثل اہل بیت کے رسی میں مثل بکریوں کے باندھ کر لے چلے۔ اور جب چلنے میں کوتاہی کرتے تھے تو ملاعین کو اشقیاء لیے جاتے تھے مومنین اس گروہ میں چھوٹے چھوٹے شہزادے اور شہزادیاں سب تھیں اور سب پیادہ پا ننگے پیر تھے

قصیدہ در منقبت شاہ ولایت امیر عرب سردار انس و جان علی ابن ابی طالب علیہ السلام

مکاں کی اس کو کیا حاجت تھی عالم آفریں ہو کر
بنایا اس نے کعبہ مسکن آئیں مکیں ہو کر

خلیل اللہ کے آثار قدیمہ کا نہ تھا وارث
نصیب کعبہ کا چمکا رجب کی تیرھویں ہو کر

خدا کا دین اے بنتِ اسد کیا لینے آئی تھیں
چلیں کعبہ سے تم امِّ امیر المومنیں ہو کر

کمال معرفت پوچھے کوئی سدرہ نشینوں سے
سبق پایا لسان اللہ سے روح الامیں ہو کر

نبی کا قوتِ بازو سدا کام آیا خالق کے
کبھی شیرِ خدا بن کر کبھی دستِ یمیں ہو کر

کبھی میداں میں دکھلائی شجاعت نصرت دیں کی
کبھی دکھلائے جوہر خیبر کے عزلت گزیں ہو کر

فقیری میں سخاوت دیکھئی تھی دست حیدر کی
فرشتے در پہ آئے طالب نانِ جویں ہو کر

بجز اک بوریا گھر میں نہ تھا فرش ملوکانہ
خلافت یوں کرے کوئی نبی کا جانشیں ہو کر

تری اک ذات میں ہر وصف کا ہونا فرد ہی تھا
کہ آیا ہے جہاں میں تو امامِ اولیں ہو کر

ابو الحسنینؑ ہے تو حسن و احسان تیرا حصہ ہو
مجسم خلق کا پیکر بنا ہوں میں حسین ہو کر

کبھی میراث میں دکھلا دیا زہد و عبادت کو
کہ مدینہ میں کوئی چھپا ہو زین العابدین ہو کر

کبھی تو باقرؑ علم الٰہی کا بنا مورث
لسان اللہ بنی کر شرح قرآن مبیں ہو کر

ہدایت کے لئے درکار تھا دنیا میں اک صادق
سکھائے صدق کے جوہر لسان الصادقین ہو کر

جہاں میں کاظمین الغیظ کی تمثیل قائم کی
لباس عفو بخشا جس کو دیکھا خشم گیں ہو کر

عوض میں نفس کے مین رضا ضامن ہو حاصل کی
شب ہجرت سر بستر نبی کا جانشیں ہو کر

زہے تقویٰ کہ پیدا ہوں نقیؑ و متقی تجھ سے
امامت کے لئے امت میں فخر مرسلیں ہو کر

کبھی جوہر تری حیبت میں ہوں میراث میں ظاہر
کوئی دکھلائے شان عسکری سرور دیں ہو کر

ترے انداز آمد کا اثر آخر میں قائم ہو
ہے تمنی کوئی جس طرح تو کعبہ نشیں ہو کر

سوا اس کے نہیں حاجت تسلیم خستہ کی کوئی
یہ جتنی عمر ہے در پر ترے گزرے مکیں ہو کر

منقبت رجب ۱۳۴۶ھ

بیان تیسرا (۳)

رحمت مجسم کے اخلاقی نمونے رحم دلی کے واقعات وقت وفات وصیتیں، ملک الموت کا آنا، غسل، و کفن

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَ کِتَابِہِ الْحَمِیْدِ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔

خلاصہ ترجمہ آیۂ کریمہ کا یہ ہے کہ ہم نے تم کو عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ الفاظ قرآن ہیں کہ نور رحمت کی مشکوۃ۔ ہر لفظ حبیب کے صفات کی تصویر ہے۔ ہر حرف جمال محبوب کا آئینہ۔ ہر نکتہ ناز و نیاز کا دفتر ہے۔ عنوان بیان بتلاتا ہے کہ رسول سے خطاب ہے اور ایسے رسول سے جس کو اپنی رحمت کا نمونہ بنایا۔ پھر کسی زمانہ تک محدود نہیں۔ کسی گروہ سے مختص نہیں۔ جتنے عالم اس نے خلق کئے ہر عالم کے لئے نمونہ رحمت۔ عالم علوی کہ سفلی۔ زہرہ ہو کہ مریخ فلک، کرہ ارض ہو یا بروج افلاک۔ ہر عالم کے لئے رحمت مجسم۔ آیت کے پہلو میں حدیث لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ہمالم کی تصدیق کرتی ہے۔ مگر یہ نور رحمت نہ خلق ہوا ہوتا تو نہ یہ نیلگوں آسمانی شامیانہ ہوتا نہ عرش و کرسی کو رفعت حاصل ہوتی نہ زمین کا فرش نہ سبزہ

کی بساط، نہ پہاڑوں کے ٹکڑے، نہ مہکتے ہوئے پھولوں کی گل کاریاں۔ نہ شگفتہ غنچوں کی کیاریاں، نہ پُرذائقہ ثمر، نہ سایہ دار اشجار، نہ باغ و بہار۔ ہر شئے توحید کی آغوش میں معدوم محض سے تعبیر ہوتی۔ کمال رحمتِ حق ہے کہ اس نے حضور کے نور کو پیدا کیا۔ عین تفضل ہے کہ حضرت کے نور کو خلعتِ جسم عطا فرما کر ہادیٔ عالم اور ہر ایک کے لئے دنیا و آخرت کا سردار بنا کر دنیا میں بھیجا۔ ﷺ

آپ کی نبوت کا پیش خیمہ لے کر اور نبی آئے مگر امت کے لئے بلکہ ہر عالم کے لئے نمونۂ رحمت آپ ہی کی ذات تھی۔ کسی نے امت سے عاجز ہو کر طوفانِ عذاب کی دعا کی، صفحۂ دنیا غرقِ دریائے قہرِ الٰہی ہوا۔ طوفانی موجوں نے پہاڑ کی چوٹیوں کو تہ آب کر دیا۔

کسی کی بد دعا نے ابرِ عذاب سے آبِ رحمت کے بجائے وہ انگارے برسائے کہ دنیا جل کر خاک ہو گئی۔ کسی کی نفرین نے قہر کی بجلیاں گرا کر نافرمان قوم کو دنیا سے نابود کر دیا۔ کسی کی آہِ سرد نے نمرود کے مقابل میں علمِ فریاد بلند کیا۔ مچھروں کی بے پناہ فوج نے جبروتِ شاہی کو خاک میں ملا دیا۔ ایک کمزور اور ناقص الاعضا مچھر نے نمرود کے قلعۂ حیات کو ڈھا کر بے نشان کر دیا۔ کسی کی عاجزانہ شکایت نے فرعون ایسے سرکش کو مع تمام فوجِ بغاوت کے رودِ نیل کا لقمہ بنا دیا۔ کبھی بنی اسرائیل کی بدعہدیوں کا شکوہ ایک نئے عذاب کا باعث ہوا۔ جو لقمہ اٹھایا جاتا ہے اس میں مینڈک، جو ظرف پانی کا بھرا جاتا ہے اس میں مینڈک۔ غرض امت کی نافرمانیوں کا تحمل کرنا اور زبان سے شکوہ و شکایت سے آشنا نہ ہونے دینا یہ اُسی کا کام تھا جو مجسم رحمت بن کر دنیا میں آیا ہو۔ یہاں اذیت سے دل کو لذت ملتی تھی، مظالم سے روح کو بالیدگی حاصل ہوتی۔ چار طرف سے پتھر برستے ہیں، جسم سے خون جاری ہے مگر تیوری پر بل نہیں آتے۔ یہی دھن ہے قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا۔ اللہ کا کلمہ پڑھو تاکہ فلاح پاؤ۔ اٹھتے بیٹھتے یہی کلمہ وردِ زبان ہے۔ ظلم کرنے والے تھک گئے مگر یہ نہیں تھکتا۔ نہ زبان پر شکوہ آتا ہے نہ ظلم کی شکایت۔ جب خون بہت بہنے لگا کسی جگہ بیٹھ کر خون دھو لیا جاتا ہے اور پھر اسی کلمہ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ جس کے دل میں نورِ معرفت ہے وہ پہچان لیتا ہے کہ یہ دُھن کا پکا قول کا سچا کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

ایک نووارد مکہ میں آیا، دیکھا ایک شخص نعلین پہنے ہوئے دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے اور اس کی صدا ہے قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ لوگ یہ آواز سن کر ٹھٹھے کرتے ہیں اور ہر طرف سے پتھر برسنے لگتے ہیں

پیر مجروح ہو جاتے ہیں مگر اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی۔ وہ اسی طرح وہ اپنے کام میں مشغول ہے نووارد نے پوچھا یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے: لوگوں نے کہا یتیم عبداللہ محمد (ص) ہے۔ اس نے ایک نیا دین پیدا کیا ہے۔ ہمارے مذہب کو برا کہتا ہے۔ ہم کو بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ ہم ہر چند اُس کو تکلیفیں پہونچاتے ہیں مگر یہ نہیں مانتا۔ نووارد نے کہا یہ تم محمد ابھی نبی رحمت اور پیغمبر آخر الزماں ہو اس کا دین مشرق و مغرب میں پھیل کر رہے گا۔ پھر وہ حضرت کے پاس آیا اور کہا ذرا اپنی ردا پشت سے تو ہٹانا حضرت نے ردا سرکا لی اس نے مہر نبوت کو بوسہ دیا اور کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ یہ ایک ادنیٰ نمونہ تھا آپ کے حلم اور رحمت مجسم ہونے کا۔ اس سے بڑھ کر مثالیں آپ کو اذیت پہونچانے کی موجود ہیں۔ مگر حضرت کو کبھی غصہ نہ آیا۔ کوئی کتنا ہی ستائے، گستاخی کرے حضرت متبسم ہو کر جواب دیتے تھے اعراب حضرت کو گھیرے رہتے تھے اور اپنی عادت کے مطابق گستاخی اور خشونت کرتے تھے۔ مگر حضرت نرمی سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ راستہ میں حضرت تشریف لئے جاتے تھے ایک اعرابی پشت کی جانب سے آیا اور گریبان پکڑ کر اس زور سے اپنی طرف کھینچا کہ شانہ اس کا حضرت کے سینہ سے ٹکرا گیا اور سخت چوٹ آئی۔ مگر حضرت نے پلٹ کر دیکھا اور ہنس کر پوچھا تیری کیا حاجت ہے اس کے کچھ رقم دلا دیجئے میں سخت تکلیف میں ہوں۔ فرمایا بس اتنا ہی کہنا تھا، یہ فرما کر غلام کو حکم دیا جو کچھ تمہارے پاس ہو دیدو غلام نے جو کچھ درہم تھے دیدیئے۔ اعرابی درہم لے کر کہنے لگا واللہ اے رسول تم بڑے رحیم ہو۔ حضرت کی رحم دلی اس حد تک پہونچ گئی تھی کہ بعض ازواج و اصحاب کو ناگوار گزرتا تھا۔ مگر حضرت اپنے نفس کو دوسروں کی ادنیٰ خواہش پر مقدم کرتے تھے۔ امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں کہ حضرت کا لباس بوسیدہ ہو گیا تھا اور اور قابل درستی نہ تھا۔ ایک شخص نے حضرت کی حالت دیکھکر بارہ درہم نذر دیئے۔ آپ نے امیر المومنین ؑ کو وہ درہم عطا فرمائے اور فرمایا میرے لئے پیراہن خرید لاؤ۔ جناب امیر گئے اور بازار سے بارہ درہم کا ایک خوش وضع پیراہن خرید لائے۔ آپ نے وہ لباس دیکھ کر فرمایا۔ یہ تو بہت اچھا۔ مگر میں اس سے کمتر چاہتا ہوں۔ اگر دوکاندار واپس کرلے تو اس کو پھیر آؤ۔ عرض کی جاتا ہوں اگر واپس لے گا درہم لے لوں گا۔ بالآخر آپ بارہ درہم واپس لائے۔ اب حضور خود پیراہن خریدنے چلے راہ میں ایک کنیز کو دیکھا رو رہی ہے پوچھا تیرے گریہ کا کیا سبب ہے۔ عرض کی مجھ کو میرے مالک نے چار درہم سودا خریدنے کے لئے دیئے تھے وہ کہیں گر گئے۔ اب ڈرتی ہوں کہ مالک مجھ کو مارے گا۔ حضرت نے جناب امیر کی طرف دیکھا اور فرمایا

چار درہم اس کو دیدے۔ اب آٹھ درہم باقی رہے حضرت ایک دوکان پر پہونچے۔ سب سے کم قیمت کا پیراہن چار درہم کا خرید فرما کر شکر خدا بجا لائے اور گھر چلے۔ راہ میں ایک اعرابی مل گیا اور کہنے لگا یا حبیب خدا مجھ کو جو لباس پہنائے گا خدا اس کو لباس جنت عطا فرمائے گا حضرت نے وہ پیراہن اس کو دیدیا۔ اور بقیہ چار درہم کا پھر ایک پیراہن خرید فرما کر زیب جسم فرمایا۔ راہ میں پھر وہی کنیز ملی۔ دیکھا سرراہ بیٹھی ہے۔ عرض کی مجھ کو اس کا خوف ہے کہ تاخیر بہت ہو گئی ہے۔ میرا مالک مجھ کو ملامت کرے گا اور مارے گا۔ آپ چل کر میری سفارش کر دیں۔ حضرت اس کے ہمراہ مالک کنیز کے دروازے پر پہونچے۔ حضرت نے ایک مرتبہ سلام کیا۔ گھر سے کوئی آواز نہ آئی۔ دوسری مرتبہ پھر کوئی نہ بولا۔ تیسری مرتبہ جب حضرت نے سلام کیا جب جواب دیا۔ صاحب خانہ باہر آیا قدم بوس ہوا۔ حضرتؐ نے فرمایا کس مشغلہ میں تھا کہ میں نے کئی بار تم کو سلام کیا۔ عرض کی یا حضرت میں چاہتا تھا پے در پے آپ کا سلام میرے لئے برکت میں اضافہ کا باعث ہو۔ حضرتؐ مسکرا دیئے اور فرمایا ایک غرض سے کر آیا ہوں۔ اس نے عرض کی فدا ہوں آپ ارشاد فرمایئے۔ حضرت نے کہا اے بھائی تیری کنیز کو خرید و فروخت میں تاخیر ہو گئی ہے۔ یہ بہت خائف و ترساں ہے۔ میں متمنی ہوں کہ اس کو بحل کر دو اور تادیب نہ کرو۔ اس نے عرض کی میں نے حضور کی تشریف آوری کی برکت میں اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ اور کنیز سے کہا اب تو حضرت کی قدم کی برکت سے آزاد ہے۔ آپ نے جناب امیرؑ سے فرمایا کس قدر برکت خیز تھے یہ بارہ درہم کہ دو برہنہ جسم ستر پوش ہوئے اور ایک کنیز کو آزادی ملی۔ صلوٰۃ ۔

بہرحال جو اذیتیں حضرت کو پہونچیں اس پر تحمل کرنا حضرت ہی کا کام تھا اور سوائے رحمۃ للعالمین کے اور کون اس پر صبر کر سکتا تھا۔ حضرت خود فرماتے تھے مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ قَطُّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ۔ کسی پیغمبر کو ہرگز وہ تکلیفیں نہیں پہونچیں جو مجھ کو پہونچائی گئیں ۔

میں عرض کروں گا کفار و مشرکین نے جو تکلیفیں حضرتؐ کو پہونچائیں وہ اذیتیں سخت تر ہوں[ل] مگر حضرتؐ نے ان کی شکایت اس طرح نہیں فرمائی نہ حضرتؐ کی شان اس کی مقتضی ہے کہ حضرت اس کا شکوہ فرمائیں۔ مگر اپنوں سے حضرت کو جو ایذائیں پہونچیں قلب کے لئے بدرجہا زائد باعث تکلیف ہوئی ہیں۔ کیونکہ جس سے وفا کی امید ہو اور اس سے جفا واقع ہو۔ اس عمل پر شکایت کی جاتی ہے۔ عجب

لہ۔ منقول حاشیہ صفحہ ۱۰، کبریت احمر فی شرائط المنبر۔ تالیف حضرت آقا محمد باقر خراسانی۔ جو بہترین تصنیف۔ یہ سفر [illegible] سے [illegible] ابھی ہندوستان میں اس کے نسخے کمیاب ہیں۔ اس کے بعض مضامین بیان میں صرف کروں گا [illegible] (سلیم)

حضرتؐ کا اشارہ اسی جانب ہو کہ اغیار کا کیا ذکر دوستوں سے مجھ کو جو اذیت پہونچی وہ کسی کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ معاذ اللہ حضرت کے قلب مبارک کے لئے یہ کم اذیت ہے کہ بستر علالت پر آپ حالت غشی میں تشریف فرما ہیں۔ درپے درپے اپنی خبر مرگ دے چکے ہیں مگر ہر حکم میں اختلاف کی وہ گرم بازاری کہ معلوم ہوتا ہے رسول کا حکم نہیں ہے کسی معمولی حیثیت کا شخص حالت مدہوشی میں کچھ کہہ رہا ہو۔ رسول اللہ فرش علالت پر ہے اور حکم دے رہا ہے جَهِّزُوا جَيْشَ اُسَامَةَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا لشکر اسامہ کے لئے مہیا ہو جاؤ اور یاد رکھو اگر کسی نے لشکر اسامہ سے اختلاف کیا وہ خدا کا ملعون ہے۔

ملاحظہ ہو رسول کا یہ تاکیدی اور آخری حکم اور جن لوگوں کو رسول نے نامزد فرمایا تھا اسامہ کے ساتھ جانے کے لئے وہ گرد و پیش ہیں اور حضرت کی مدد و نصرت کا ذرا بھی خیال نہیں؟

خود رسول کو اس گروہ سے کہنا پڑا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اِلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ بَرَآءٌ میں دیکھتا ہوں کہ کہ میرے حکم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ لشکر اسامہ کے معاملہ میں اور ایک گروہ اس میں سے واپس آیا ہے آگاہ ہو کہ میں اس گروہ سے بیزار ہوں اور خدا سے اپنی براءت چاہتا ہوں۔

رسولؐ کے آخری لمحے ناسخ التواریخ

یہ رسول خدا صلعم کی آخری اذیتیں ہیں جن کا احتمال زندگی میں نہ تھا اور ہمارا نبی یادل ناخواستہ رخصت ہوا۔ مگر اللہ رے رحم و کرم بستر مرگ پر کروٹیں لے رہے ہیں۔ زندگی سے مایوس ہو کر حجرہ کے گھر ام المسلمین عائشہ کے یہاں آچکے ہیں۔ اصحاب عرض کرتے ہیں یا حضرت ہم آپ کی تیمارداری کریں۔ حضرت نے فرمایا میرے اہل بیت مجھ کو تنہا چھوڑیں گے اور میں ان کو آزردہ خاطر کرنا نہیں چاہتا۔

عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں جب اصحاب نے اپنا کمال اشتیاق ظاہر کیا حضرت نے آنے کی اجازت دے دی۔ سب گرد و پیش جمع ہو گئے۔ حضور نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ اور فرمایا لَاتَفْعَلُوْا ذٰلِکَ بَعْدِیْ۔ دیکھو میرے بعد متفرق نہ ہونا پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ تم کو خطاب ہے تم سچ کہو میں نے کیا تبلیغ نہیں کی۔ سب نے عرض کی آپ نے قسم بخدا بہترین طریقہ سے رسالت کو انجام دیا۔ پھر کچھ کلمات نصیحت کے فرما کر سب کو رخصت کیا۔

فضل ابن عباس کہتے ہیں میں حضرت کے پاس حاضر تھا حضرت نے نوشتہ ختم سے پہلے

حاشیہ: مدارج النبوۃ جلد چہارم ص۵۱۵ تاریخ ابو الفدا۔ ناسخ التواریخ۔ تفسیر اتقان

دیکھا اور فرمایا۔ اُدْعُوا اِلَیَّ خَلِیْلِیْ اُدْعُوا اِلَیَّ اَخِیْ وَصَاحِبِیْ میرے دوست کو بلاؤ میرے بھائی اور رفیق کو بلاؤ۔ لوگوں نے سب کے نام لینا شروع کئے حضرت بار بار یہی فرماتے رہے۔ نفس کہتے ہیں میں نے عرض کی آپ علیؑ کو طلب فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہاں علیؑ کو بلاؤ۔ تھوڑے عرصہ میں علیؑ آ گئے۔ رسولؐ نے اٹھنا چاہا مگر اس کی قوت نہ تھی فَقَالَ ضُمَّنِیْ یَا عَلِیُّ حَتّٰی اَمُوْتَ فِیْ حِجْرِکَ۔ فرمایا میرا سر اپنی گود میں لے لو خدا کی طرف سے نزول وحی ہو رہا ہے۔ علیؑ نے اپنے شانے کے سہارے پر حضرت کو آغوش میں لے لیا کچھ دیر دیر تک آہستہ آہستہ علیؑ سے باتیں کیں۔ فرمایا اے علیؑ میں نے فلاں یہودی سے کچھ قرض لیا ہے کہ لشکر اسامہ میں کام آئے اور میری تجہیز و تکفین میں صرف ہو۔ اس کی ادائی اب تمہارے ذمے ہے یا علیؑ! حوض کوثر پر تم سب سے پہلے پہونچو گے۔ یا علیؑ بعد میرے تم پر سخت مصائب واقع ہوں گے تم صبر کرنا اور دل تنگ نہ ہونا۔ یا علیؑ جب تم دیکھنا کہ لوگوں نے دنیا کو اختیار کیا ہے تم آخرت کو اختیار کرنا۔ یہ کہتے کہتے حضرتؐ کی حالت زیادہ متغیر ہوئی۔ پھر بستر پر لٹا دیا۔ ناگاہ جناب سیدہ نے آ کر جو یہ حالت دیکھی رونے لگیں۔ پھر حضرت نے آنکھ کھول دی۔ قریب بلایا۔ قَالَ یَا بُنَیَّۃُ اَفْدَتْکِ اَبِیْ عَیْنَاکِ وَرَہَا بَکَاہُمَا بیٹی آنسو پونچھ ڈالو۔ ان آنکھوں کو نہ رلاؤ۔ سیدہ نے عرض کی کَیْفَ لَا اَبْکِیْ وَاَنَا اَرٰی حَالَکَ بابا آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کیونکر نہ روؤں۔ حضرت نے جناب سیدہ کو اپنے قریب بلا کر راز میں کچھ باتیں کرنا شروع کیں۔ ایک مرتبہ جناب زہراؑ نے چیخ مار کر رونا شروع کیا۔ پھر حضرتؐ نے کچھ فرمایا۔ سیدہ خاموش ہو گئیں۔ بہتے ہوئے آنسو تھم گئے طوفان گریہ دفعۃً رک گیا

بعد وفات رسولؐ ایک روز ام المسلمین نے جناب سیدہ سے پوچھا۔ بیٹی تمہارے بابا جان نے اس وقت تم سے کیا کہا تھا کہ تم بیتاب ہو کر رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر کچھ فرمایا کہ تم خاموش ہو گئیں۔ جناب فاطمہ نے کہا مادر گرامی مجھ سے بابا نے پہلے اپنی وفات کے متعلق فرمایا جب مجھ کو بیتاب دیکھا فرمایا۔ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملحق ہو گی۔ اور تجھ کو زیادہ زمانہ میرے بعد نہ گزرے گا۔ اس خبر سے مجھے تسکین ہو گئی۔

پھر حضرت اپنی پیاری بیٹی سے متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹی میرے بعد اپنی حالت تباہ نہ کرنا کیونکہ رونے سے ساکنان عرش بیتاب ہوتے ہیں۔ صبر کرنا اور اے بیٹی جب میں مر جاؤں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا۔ اے سیدہ میرے فرزند کہاں ہیں۔ بلاؤ تو ان کو دیکھ لوں۔ عرض کی بابا حاضر ہیں۔ امام

حسنؑ قریب آ گئے۔ سیدہ کی نظر سے دیکھا، بڑے نواسے کو سینہ سے لگا لیا۔ پیار کیا۔ پھر حسینؑ کو بلا کر رخسار اور پیشانی پر بوسے دینے اور سونگھنے لگے۔ حاضرین بھی رونے لگے۔ پھر دونوں نواسوں کا سر سینہ پر رکھ لیا اور دیر تک سینے سے چمٹائے رہے۔

جناب امیرؑ نے اس خیال سے کہ حالتِ مرض میں سینۂ مبارک پر بار ہو گا چاہا کہ فرزندوں کو جدا کر لیں۔ حضرتؐ نے حسرت سے علیؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا مجھ کو سیر ہو کر ان کی خوشبو سونگھنے دو اور یہ بھی میری خوشبو سونگھ لیں۔ امیر المومنینؑ اس کہنے پر رو دیئے۔ رسولؐ کی آنکھوں سے سیل اشک جاری ہوا۔ رسولؐ کثرت ضعف سے غش کر گئے۔ ماں نے بچوں کو سمجھا کر علیحدہ کر لیا۔

ابن عباس کہتے ہیں، حضرتؐ بے ہوش تھے، ناگاہ کسی شخص نے آواز دی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ مَعْدَنِ الرِّسَالَۃِ اَنَا رَجُلٌ غَرِیْبٌ اَتَیْتُ اَسْئَلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاْذَنُوْنِیْ فِی الدُّخُوْلِ عَلَیْہِ۔ سلام ہو تم پر اے اہل بیت رسولؐ اور اے معدن نبوت، مسافر ہوں رسولؐ سے کچھ سوال کرنا ہے، تم سے اجازت خواہ ہوں کہ حضرتؐ کے پاس حاضر ہوں۔ جناب سیدہ نے فرمایا: اے بھائی اس وقت خدا کا رسولؐ بسبب مرض غشی میں ہے، یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔

رسولؐ کے رتبہ شناس مسلمانو! کچھ خیال کیا رسولؐ سے رتبہ داں فرشتے نے اہل بیت کو مخاطب کر کے حضرت سے اجازت طلب کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے طلب اذن فرشتہ تعلیم پا کر آیا ہے۔ کیونکہ رسولؐ اس وقت جناب عائشہ کے گھر میں ہے، جناب سیدہ باپ کے سرہانے ہر حالت کی نگراں ہیں۔ ایک لمحہ جدائی ناممکن ہے۔ اگر فرشتے کا خطاب صرف جناب رسولؐ کی طرف ہوتا تو جمع کا صیغہ "فاذنونی" استعمال کرتا بلکہ عرض کرتا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَاْذَنُ لِیْ" مگر فاطمہؑ کا یہ آخری احترام رسولؐ کی زندگی میں ملحوظ پیش نظر تھا بھی حضرت نبیؐ کی عزت دیکھ لیں غرض کہ جس سے خطاب تھا اس نے جواب دیا۔

بہرحال، جواب انکاری کے بعد پھر جرأت نہ ہوئی کہ پکارنے والا گھر میں چلا آئے۔ پھر عرض کی اے اہل بیت رسالت میں خدمت رسولؐ میں حاضری کی اجازت چاہتا ہوں۔ پھر پکارنے والے کو وہی جواب معصومہؑ نے دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اعادہ کیا۔ رسولؐ کی آنکھ کھل گئی۔ جناب سیدہ کانپ گئیں حضرتؐ نے پوچھا بیٹی کیا ہے؟ عرض کی بابا کوئی اعرابی دوبارہ آیا ہے، اذن طلب کرتا ہے، میں آپ کی علالت کا عذر کرتی ہوں مگر وہ کچھ سماعت نہیں کرتا۔ حضرتؐ نے فرمایا، بیٹی تم نے نہیں پہچانا یہ کون ہے۔ عرض

کی بابا میں نہیں جانتی۔ فرمایا۔ ہادم لذات، جماعتوں کا متفرق کرنے والا، آرزوؤں کو قطع کرنے والا عورتوں کو بیوہ کرنے والا، بچوں کو یتیم بنانے والا ملک الموت فرشتہ ہے۔ بیٹی تیرے ہی گھر کی یہ عزت ہے کہ اس فرشتہ نے تجھ سے اجازت طلب کی۔

یہ سننا تھا کہ جناب سیدہ کے منہ سے نکل گیا ہائے مدینہ ویران ہوا۔ حضرت نے افراط محبت میں سیدہ کا سینہ پر رکھ لیا اور ملک الموت کو حاضری کی اجازت دی۔ جب قابض الارواح حاضر ہوا اور آپ سے تمام عرض کی۔ میں قبض روح اقدس پر مامور ہوا ہوں۔ لیکن مجھے یہ حکم ملا ہے کہ بلا حضور کی رضامندی کے جسارت نہ کروں۔ یا حضرت مجھے کیا حکم ہوتا ہے۔ فرمایا بس اس قدر تاخیر کر کہ جبرئیل آ جائیں اور ان سے کچھ باتیں کر لوں۔ ملک الموت نے عرض کی وہ آسمان اول پر مع فوج ملائک استقبال کے لئے حاضر ہیں۔ یہ ذکر تھا کہ جبرئیل فوراً حاضر ہوئے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے ہمارے رسول کی ادھر حبیب کو خواہش ہوئی ادھر محبوب نے بتا دیا جبرئیل ہمارا محبوب تم کو یاد کر رہا ہے۔ غرض جبرئیل نے عرض کی۔ اے حبیب خدا کیا حکم ہوتا ہے۔ فرمایا مجھ کو اس وقت تنہا نہ چھوڑو۔ عرض کی آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ رضوان بہشت نے بہشت کو آراستہ کیا ہے۔ حور و غلماں باب جنت پر استقبال کے لئے حاضر ہیں۔ ملائکہ فوج در فوج آسمان اول پر پیشوائی کے لئے موجود ہیں۔ فرمایا۔ یہ بہترین نعمات اور خدا کی ذرہ نوازی ہے۔ کوئی اس سے بہتر خوشخبری سناؤ۔ جبرئیل نے کہا ہر نبی پر آتش جہنم حرام ہے مگر آپ کے لئے یہ خصوصیت ہے کہ جب تک آپ کی امت داخل جنت نہ ہوئے گی کوئی نبی یا دوسری داخل نہ ہوگا۔ فرمایا شکر ایزدی ہے اور کمال مرحمت ہے اس کی مگر کوئی اس سے بالاتر خوشخبری سناؤ۔ جبرئیل نے عرض کی خدا نے وعدہ فرمایا ہے آپ کی امت کے گنہگاروں کو اس قدر بخشے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہ مژدہ سن کر حضرت کے چہرے کا رنگ بدل گیا گویا راحت مل گئی۔ آثار تبسم نمایاں ہوئے۔ فرمایا۔ اے جبرئیل تم نے مجھ کو شاد کیا۔ جبرئیل نے عرض کی ملک الموت حاضر ہے مگر آپ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر آپ کو ابھی دنیا میں رہنا ہو تو قابض ارواح واپس جائے۔ حضرت نے جبرئیل کی طرف دیکھا۔ جبرئیل نے عرض کی خداوند عالم آپ کا مشتاق ہے۔ اور جنت منتظر ہے۔ فرمایا اے ملک الموت آؤ اور اپنا کام شروع کرو۔

جبرئیل نے عرض کی یا احمد علیک السلام۔ بس اب دنیا میں وحی لے کر آنا آج سے منقطع ہو گیا۔ ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا حضرت کو تکلیف کا احساس ہوا۔ چہرہ مبارک

کا رنگ متغیر ہوگیا۔ اعضا میں تشنج شروع ہوا۔ فرمایا اے ملک الموت نرمی کرو۔ عرض کی کیا مجال ہے کہ تم پر سختی کروں۔ قسم بخدا اس سہولت سے کسی کی روح قبض نہیں کی جس طرح روح۔ اس کو قبض کر رہا ہوں۔ پھر حضرت نے ایک ظرف آب منگایا۔ لبوں پر اور چہرے پر چھڑک لیا اور بار بار تر کرکے ہاتھ پھیرتے رہے اور فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ خدا سکرات موت سے محفوظ رکھے۔ رسولؐ کے آخری لمحے تھے اور رشیدہ پر نگاہ تھی کہ دفعتہً پتلی پھر گئی اور روح مبارک قصر جنت میں پہونچی۔ جناب فاطمہؑ نے نعرہ حسرت اٹھایا تھا۔ ہیں بربادی ہوئی۔ مدینہ ویران ہوا۔ اور بے ہوش ہوکر گر پڑیں۔ علیؑ اور حسنینؑ نے عمامے سر سے اتار دیے۔ گریبان چاک کرلئے اور صدائے گریہ و زاری سے مدینے والے سمجھے کہ ہمارا رسول جنت کو سدھارا۔ اہل مدینہ روتے پیٹتے دوڑے۔ دروازے پر اژدہام ہوگیا۔ دنیائے اسلام کے لئے رسول خدا کی وفات مصیبت عظیم تھی۔ مگر وفات رسول میں کچھ ایسی صورتیں پیش آئیں کہ باوجودیکہ حضرت نے اپنے گھر میں رحلت فرمائی مگر رسول کے لئے یہ رحلت غربت کی موت سے زیادہ حسرتناک ثابت ہوئی۔ مقام عبرت ہے کہ بادشاہ دو عالم کا جنازہ اس طرح دفن ہوا گویا حضرت کا امت پر کوئی احسان ہی نہ تھا۔ ایک مصیبت زدہ بیٹی اور اس کے دو کمسن بچے یا ایک بے کس و تنہا چچازاد بھائی جو باوجود قوت خیبر شکنی رسول کی وصیت اور حکم الٰہی سے خاموشی کے ساتھ دنیا کے انقلاب کا تماشہ دیکھ رہا ہو۔ یا ازواج میں چند بیبیاں سوگوار نظر آتی ہیں۔ غرض ایک مظلوم بیٹی کی آواز تھی کہ سننے والوں کے دل کو پاش پاش کرتی تھی۔ اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو رسول کے جنازہ پر کوئی رونے والا نہ ہوتا۔ اگر علی نہ ہوتے تو معلوم نہیں رسول کی میت کب دفن ہوتی۔ اور کس طرح دفن ہوتی۔ یہی سمجھ کر حضرت علی سے وصیت فرمائی تھی کہ تم ہی سے مجھکو توقع ہے۔ تم مجھے غسل دینا اور کفن پہنانا اور تم خود قبر میں اتارنا۔ علی نے بڑا کام کیا۔ رسول کے دفن کے مقابلہ میں اپنا وقار، عہدی اور خواہش امارت اور دنیاوی عزت کو دفن کردیا علی کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں مگر علی بے دفن کئے نہ ہٹنا تھا نہ ہٹے۔ بس ایک آپ تھے جو کمسن بچوں کے اور بنی ہاشم میں عباس اور اُن کے دونوں فرزند۔ حسب وصیت علیؑ نے غسل و کفن دیکر جنازہ تیار کیا۔ جب میت کو کفن پوش کرچکے جناب سیدہؑ نے بین کرکے رونا شروع کیا۔ کبھی منہ پیٹتی۔

روایت — سکرات موت

رسول کا کفن و دفن

تاریخ وفات ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ ۲۸ صفر دوشنبہ بروایتے ۱۲ ربیع الاول۔ حاشیہ کلینی و ارشاد شیخ مفید ۱۲

تھیں کہیں سینہ زنی کرتی تھیں قیامت برپا تھی فضل بن عباس اور جناب امیرؑ نے قبر میں اتارا - نواسے چیخ چیخ کر رو رہے تھے حضرت امیرؑ نے سمجھا کر گھر پہونچایا۔ موافق روایت عامہ دو روز تک برابر سلسلہ مٹی دینے کا رہا جب سب دفن کر کے دروازے پر حاضر ہوئے جناب سیدہ پس لدآئیں اور عجب حسرت سے پوچھا اپنے ہاتھ سے اپنے رسول کو زیر خاک دفن کر دیا کچھ اس کرب سے یہ کلمات منھ سے نکل گئے کہ معصومہ تو نعرہ مار کر بیہوش ہو گئیں اہل مدینہ نے اپنے منھ پر اس قدر طمانچے مارے کہ زخمی ہو گئے +

بہرحال اہل مدینہ باپ کا پرسا دینے کے لیے دروازے پر آئے تو رسول کی بیٹی کا اتنا احترام تو کیا۔ مگر کربلا کا واقعہ فراموش نہیں ہو سکتا۔ ایک نے عنوان سے رسم تعزیت ادا کی گئی انئی شان سے پرسا دینے آئے ہاتھوں میں برچھیاں اور تعزیاں یا گھیتی ہوئی مشعلیں - اور وہ دروازہ جس پر ملک الموت کو اذن لینے کی ضرورت ہوئی سردار انبیاء کی زندگی تک وہ دیتا ہوا در دہم محرم کو بعد عصر اس گھر کی یہ بے حرمتی کی جس کا جی چاہے نبی زادیوں پڑ دست ظلم دراز کرے۔ یہ کوئی رو نہنے والا ہے نہ پوچھنے والا کہ تم کیا کر رہے ہو کس کا گھر لوٹتے ہو کس کو بے پردہ کرتے ہو کس خیمے میں آگ لگاتے ہو یتیموں اور رانڈوں کا کون حامی ہو جب امت خود اپنے نبی کی ذریت کو لوٹ رہی ہے کسی کے سر سے چادر لے لی کسی کا مقنع چھین لیا یہ اُن چادروں کو لوٹ کر کیا ملا گیا جن میں برابر پیوند لگے ہوں۔ یہ تو بے وارث عورتوں کے ساتھ فرزند رسول کی تعزیت کا برتاؤ تھا۔ یتیم بچوں پر جو اس سے بھی زیادہ ظلم ڈھایا گیا۔ مقتول باپ کی یادگار کے گوشوارے اس طرح کان سے زبردستی اتار لئے کہ خون بہنے لگا کمسن بچی فریاد کر کے منھ دیکھنے لگی۔ کاش ستم کرنے والے مانگ لیتے تو علی کی پوتی سوال کو رد نہ کرتی۔ یہ اس گھرانے کی صاحبزادی ہے کہ قاتل سے بھی انکار کرنا اس گھر میں جائز نہیں۔ کیا مقدار تھی ان گوشواروں کی یا پیوند دار چادروں کی۔ مگر دراصل امت کو اپنے رسول کی عزت لینا تھی کہ سر برہنہ نبی زادیوں کو سر برہنہ پھرا کر بدر و احد کا بدلہ لینا تھا +

جب سیدانیاں بے پردہ ہو چکیں اور خیمے آگ سے جل کر تباہ ہو چکے اب منھ چھپا کر بیٹھ رہنے کی جگہ بھی باقی نہ رہی یہ سمجھ کر کہ عمر سعد ہمارے نانا رسول خدا کے صحابی سعد کا بیٹا ہے اور اس کا باپ سعد سادس الاسلام کہلاتا تھا۔ اس وقت اس کا فرزند اس سردار لشکر ہے شاید کچھ رحم کرے۔ نسبت وغیرت نے ناامیدوں کو مجبور کیا اور بقول جناب شیخ مفید بیبیاں اور بچے عمر سعد کے گھوڑے کے گرد جمع ہو کر فریاد کرنے لگیں اے پسر سعد کیا ہم تیرے نبی کی ذریت نہیں ہیں جو اس طرح لوٹے گئے کہ ایک ردا بھی منھ چھپانے کو باقی نہ چھوڑی

کربلا میں ماتم (حاشیہ)

اور اسی طرح مجمع عام میں شہزادیوں کو سر برہنہ پھرایا ۔

بیان چہارم

آیۂ تطہیر اور نکات لطیف حدیث کسا کے رموز فضائل جناب سیدہ ولادت و وفات

قال اللہ عز اسمہ فی کتابہ المبین و فرقانہ الحمید اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اے اہل بیت اللہ سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ تم سے ہر قسم کی برائی کو دور رکھے اور تم کو ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ آیت وہ پاکیزہ آیت ہے جس نے دامن اہل بیت پر عصمت کی مہر لگا دی۔ آیت کا ہر لفظ چادر عصمت کا ایک پیوند ہے جس نے اہل بیت کے حسن باطن میں چار چاند لگا دیئے۔ اس کا ہر لفظ بجائے خود وہ خلعت فاخرہ ہے کہ ہزار کھینچ کھانچ کر کوئی اپنی قطع پوشی کرنا چاہے مگر کسی جسم پر زیب نہیں دے سکتی۔ جس قامت کے لئے صانع نے بنائی ہے انہیں کے اجسام پر یک طہارت موزوں معلوم ہوگی۔ اسی گھر کے رہنے والے اس کے مخاطب ثابت ہوں گے جن کے لئے بہشتی تحفے آتے رہے ہوں۔ خازن جنت جن کا درزی ہو جن کا لباس دھونے کے لئے حامل وحی سا فرشتہ جنت کا پانی لاکر دینے پر مامور ہو۔ اور فخر المرسلین رنگ چڑھائے انہیں قطع پوش جسموں پر یہ رداء عصمت بہار دے گی۔ صلوٰۃ ۔

ترتیب آن دھوکے میں ڈالتی ہے کہ رسول کے ازواج مخدرات کے وصف میں یہ آیت نازل ہوئی ہے مگر عبارت کا وصل و پیوند گواہی دیتا ہے کہ یہ آیت اس سلسلہ میں کھپتی نہیں۔ حرف حرف یا چادر تطہیر کا تار تار شہادت دیتا ہے کہ پیوند پیوستہ نہیں ہوا۔ رفو کیا گیا مگر جوڑ ٹھیک نہیں بیٹھا عام نگاہیں دھوکے میں آجائیں مگر پہچاننے والے پہچان لیں گے کہ یہ پیوند اس آنچل سے لیا گیا ہے جس کا حاشیہ حریر جنت کا ہو جس میں دُرِ منثور ٹکے ہوں۔ ھل اتی کا حاشیہ ہو۔ ورنہ مقدم بیان میں صیغہ جمع مونث اور اس آیت میں مذکر کی ضمیر مخاطب اور پھر تانیث کے صیغے کلام الٰہی کو فصاحت و بلاغت ربط سے دور کرتے ہیں ۔

تو بشری مجال نہیں کہ کلام الٰہی پر نکتہ رکھ سکوں نہ ہمارے علمائے کلام صحیفہ کتاب الٰہی پر قلم اٹھا

؎ اگر ذاکرے مذاق طبیعت یا مجلس کے مجمع کے خلاف ہو تو چاند کے درمیان کی عبارت چھوڑ سکتے ہے۔

سکتے ہیں مگر اس کو اس رمز کے بیان کرنے کا حق ہے جس کے وصف میں رسول نے فرمایا۔ اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ قرآن کی یہی مشکل منزلیں ہیں جن کے لئے رسول نے ان رہبروں کا دروازہ بتلا دیا ہے جو دشوار گزار راستوں کو طے کرنے کے لئے حوض کوثر تک رہبری کرینگے۔

تفسیر قمی میں اس آیت کی تفسیر اہل بیت کی زبان سے موجود ہے، اسی سلسلہ میں حضرت شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ آیت تطہیر ازواج نبی کی شان میں آئی ہے بالکل غلط ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ آیۃ ازواج رسول کی مدح میں نازل ہوئی ہوتی تو اس طرح نازل ہوتی۔ لِیُذْھِبَ عَنْکُنَّ الرِّجْسَ وَیُطَھِّرَکُنَّ تَطْھِیْرًا ہر ضمیر مونث کی ہوتی اور ہر صیغہ تانیث کا ہوتا۔ جیسا کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ وَکُنْتُنَّ صاحب تفسیر حسینی ملا حسین واعظ بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کو اہل بیت سے مختص کرتے ہیں۔

زبان عرب کے جاننے والے، علم نحو کے سمجھنے والے مجبور ہیں کہ وہ اس اصول کی تصدیق کریں کہ جب کسی ایسے گروہ کا ذکر ہوگا جس میں عورتیں زیادہ ہیں وہاں صیغہ اور ضمیر مونث کی لائی جائے گی اور جب کسی ایسی جماعت کا مذکور ہوگا جس میں مرد زیادہ ہیں صیغے اور ضمیریں مذکر کی استعمال ہوں گی اب سمجھنے والے خود سمجھ لیں کہ اس آیت میں عَنْکُمُ الرِّجْسَ وَیُطَھِّرَکُمْ کا ضمیر مخاطب مذکر کے متعلق ہے یا مونث سے۔

اور وہ پاکیزہ گروہ جس کے دامن سے لپٹی ہوئی طہارت ان کی عصمت کی قسم کھاتی ہے مردوں پر مشتمل ہے کہ عورتوں پر؛ اس میں غالب جماعت مذکر کی ہے یا مونث کی! اَلصَّلٰوۃ۔

اس لئے رسول نے ایک ایک کو چھوڑ دیا کہ سوائے جناب فاطمہؑ کے سب مرد ہیں۔ خواہی ارشاد ہو۔ اَنَا بَعْضُ مِنْکُمْ دوسرے رکن اہل بیت کو جو زر شکست خیبر جب مردان لشکر و شجاعان سپاہ کی قوت کام نہ ہوئی اور ہزیمت خوردہ سپاہ واپس آئی فرمایا لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کرار غیر فرار سے اس کو علم دوں گا جو مرد میدان ہے۔

دونوں فرزندوں کے باب میں ارشاد ہوا سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اب اس مطہر گروہ میں سوائے جناب سیدہ کے اور کس کی مردانگی میں شک ہو سکتا ہے۔ صلوٰۃ۔

[illegible]

بہرحال۔ یہ عجیب فضیلت ہے۔ ملکہ ہر فضیلت اہل بیت میں مجھ کو طرۂ دستار یہی فضیلت نظر آتی ہے۔ کیونکہ عصمت شرط امامت ہی ہے۔ اور عصمت دلیل نجات بھی۔ اور عصمت عین شجاعت بھی۔ خدا کے سامنے گنہگاروں کی شفاعت وہی کر سکتا ہے جس نے خود کوئی گناہ نہ کیا ہو؟

مگر حدیث کسا خصوصیت سے جناب معصومہ کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے۔ غلو نہ سمجھئے گا۔ بیٹی کو باپ پر، زوجہ کو شوہر پر اگر کسی جہت سے فضیلت دی جائے تو باپ کی خنکی چشم اور شوہر کے لئے باعث فخر ہے۔ میں عنوان روایت بیان کرتا ہوں تو آپ خود تصفیہ کرلیں کہ حدیث کسا[1] میں سرخیل آل عبا کون ہے اس میں کثرت سے علمائے اہل سنت و جماعت نے اور باتفاق تمام علمائے شیعہ نے تسلیم کیا ہے کہ اہل بیت رسول سے مراد جناب فاطمہؑ اور علی مرتضیٰؑ اور حسنؑ حسینؑ علیہم السلام ہیں۔ روایت وہ روایت جو خود صدیقہ کی زبانی ہو کون اس کو جھٹلا سکتا ہے۔

خلاصہ فضیلت سیدہؑ

جناب معصومہ حضرت صدیقہ طاہرہ فرماتی ہیں:۔ ایک دن بابا جان میرے یہاں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا۔ آج کچھ طبیعت کسلمند ہے۔ میں نے عرض کی خدا آپ کو حفظ و امان میں سے ایسی حالت میں کہ آپ پر کوئی ضعف طاری ہو۔ فَقَالَ یَا فَاطِمَۃُ ایتِینِی بِالْکِسَاءِ الْیَمَانِی وَغَطِّینِی بِہٖ۔ فرمایا اے بیٹی فاطمہؑ مجھ کو کسائے یمانی تو اڑھا دو۔ میں نے تعمیل حکم میں ردا[2] لاکر حضرت کو اڑھا دی۔ اب جو دیکھتی ہوں تو چہرہ مثل چاند کے دمکنے لگا۔ دل چاہتا ہے اتنا عرض کردوں کہ رسول نے فاطمہؑ کی ردائے یمانی کی خصوصیت کیوں فرمائی۔ علی کی عبا میں اس سے بھی زیادہ پیوند لگے تھے اس کا ماننا زہد کا فخر تھا۔ مگر یہ شرف جناب سیدہ کی ردا کے لئے مخصوص تھا۔ رسول کا قول و فعل تابع وحی الٰہی تھا۔ خدا کو معصومہ کی چادر پسند آئی اور یہ بھی خصوصیت طاہرہ کو حاصل ہوئی۔ ورنہ کہہ دینا کافی تھا بیٹی کوئی ردا اڑھا دو؟

حدیث از کرب آ

اس کے بعد معصومہ فرماتی ہیں۔ تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا کہ میرا فرزند حسنؑ آ گیا اور مجھ کو سلام کیا۔ پس میں نے دعائیں دیں۔ مجھ سے پوچھا اے اماں میں ایسی خوشبو پاتا ہوں جیسے میرے نانا جان

[1] درمنثور سیوطی، ابن مردویہ، تفسیر حافظ ابونعیم، زمخشری فی الکشاف، مروج الذہب مسعودی، محمد بن ابی بکر، صحاح صحیح مسلم، ذہبی نے تہذیب التہذیب، تفسیر تعلبی نے فی علی و فاطمہؑ و حسنین کو اہل بیت رسول تحریر کیا ہے اور حدیث کسا، اور آیہ تطہیر کو اسی میں پانچ بزرگوں سے مختص کیا ہے۔ [2] ردا بسیاہ بالوں کی بنی ہوئی

کے جسم سے آئی ہے۔ میں نے کہا ہاں تمہارے نانا جان ردا اوڑھے ہوئے آرام کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حسنؑ ردا کے قریب پہونچے اور نانا جان کو تسلیم کر کے عرض کی۔ مجھ کو اجازت ہے میں بھی زیر ردا آ جاؤں بابا نے اجازت دی۔ پھر میرا فرزند حسینؑ آ گیا اور اس نے بھی مجھ کو سلام کیا اور میں نے دعائیں دیں۔ اس نے بھی اسی طرح سے پوچھا کہ نانا جان کے جسم کی خوشبو میں پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں۔ زیر ردا آرام فرماتے ہیں۔ حسینؑ بھی پہونچ گئے اور نانا سے اجازت لے کر داخل کسا ہوئے۔ اس کے بعد ابوالحسنؑ آ گئے اور ان کو بھی خوشبوئے جسم رسول محسوس ہوئی اور مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا ہاں۔ بابا جان مع اپنے دونوں فرزندوں کے زیر کسا لیٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی اجازت مانگی۔ بابا نے کہا آؤ۔ یہ بھی داخل ہوئے۔ جناب معصومہ فرماتی ہیں اب میں بھی قریب آئی اور عرض کی یا رسول اللہ أَتَأْذَنُ لِیْ: مجھ کو اجازت؟ فرمایا ہاں بیٹی تو بھی آ۔ فَلَمَّا اکْتَمَلْنَا جَمِیْعًا تَحْتَ الْکِسَاءِ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یَا مَلَائِکَتِیْ وَ سُکَّانَ سَمٰوَاتِیْ إِنِّیْ مَا خَلَقْتُ سَمَاءً مَبْنِیَّةً وَلَا أَرْضًا مَدْحِیَّةً وَلَا قَمَرًا مُنِیْرًا وَلَا شَمْسًا مُضِیْئَةً وَلَا فَلَکًا یَدُوْرُ وَلَا بَحْرًا یَجْرِیْ وَلَا فُلْکًا تَسْرِیْ إِلَّا فِیْ مَحَبَّةِ هٰؤُلَاءِ الْخَمْسَةِ الَّذِیْنَ هُمْ تَحْتَ الْکِسَاءِ وَقَالَ الْأَمِیْنُ جِبْرَئِیْلُ یَا رَبِّ وَمَنْ تَحْتَ الْکِسَاءِ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی هُمْ أَهْلُ بَیْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدَنُ الرِّسَالَةِ وَهُمْ فَاطِمَةُ وَأَبُوْهَا وَبَعْلُهَا وَبَنُوْهَا =

صدیقہ فرماتی ہیں جب زیر کسا اہل بیت مکمل ہو گئے خداوند عالم نے ملائکہ اور ساکنان فلک سے فرمایا میں نے آسمان کی بنا نہیں ڈالی! اور نہ زمین کو نہیں فرش کیا۔ نہ چاند کو روشن کیا اور نہ آفتاب کو چمکایا اور آسمانوں میں گردش نہیں پیدا ہوئی اور نہ دریاؤں میں روانی پیدا کی، کشتیوں میں حرکت نہیں آئی مگر ان پانچ شخصوں کی محبت کے لئے جو زیر ردا جمع ہیں۔ جبرئیل نے عرض کی اے مالک! یہ کون ہیں -؟ رب العزت کی طرف سے خطاب ہوا۔ یہ اہل بیت نبوت اور معدن رسالت ہیں، اور یہ فاطمہؑ ہیں اور ان کا باپ، ان کا شوہر اور اس کے دونوں فرزند ہیں۔"

اس محل پر جوش ولا میں اگر کچھ عرض کروں تو کہہ دیجئے ہر غلام اپنی شہزادی کی افضلیت ثابت کرتا ہے، لیکن خالق ارض و سما۔ طالع شمس و قمر صانع بحر و بر اپنے ملائکہ مقربین و ساکنین فلک سے وجہ خلقت آسمان و زمین مہر و ماہ خشک و تر پنجتن کی محبت کو قرار دیتا ہے اور اس کے بعد امین وحی کو بھیجوا

وَهُمْ فَاطِمَةُ وَ اَبُوْهَا وَ بَعْلُهَا وَ بَنُوْهَا. مجھے حیرت ہے کہ میں زبان سے کیا کہوں۔ دل سے کیا سمجھوں۔ دنیا میں اولاد کا تعارف باپ کے ذریعہ سے کرایا جاتا ہے۔ شوہر سے زوجہ کی شناخت کرائی جاتی ہے یہاں خداوند عالم اپنے مقرب بارگاہ فرشتہ کو فاطمہؑ کے ذریعہ پہچنواتا ہے۔ اے جبرئیل! پہلے فاطمہؑ کو پہچانو جو زیر چادر فاطمہ ہیں، اور اس کا باپ اور اس کا شوہر اور اس کے دونوں فرزند۔ معلوم ہوا اس فضیلت خانے سرخیل فاطمہ سلام اللہ علیہا کو قرار دیا ہے اور اس میں باپ بھی شامل ہیں اور شوہر و فرزند بھی۔ حیرت ہے کہ روز کے آنے جانے والے جبرئیل کو آج پہچاننے میں دشواری ہوئی اور پوچھا۔ یہ پنجتن کون ہیں معلوم ہوتا ہے زیر ردا پانچ نورانی شکلیں جمع ہو جانے سے وہ شان پیدا ہو گئی کہ روز کے آنے جانے والے حامل وحی کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور انھیں نہ پہچانا۔ اور زبان قدرت سے ان کا تعارف حاصل کیا۔ صلوٰۃ

اب جبرئیل کو بھی رغبت ہوئی کہ خدا مجھ کو پیکر عصمت میں تو خلق فرما چکا ہے مگر اس پاکیزہ مجمع میں شامل ہو کر مالک پر فضیلت حاصل کروں۔ عرض کی یا رب آتَاْذَنُ لِیْ اے پالنے والے مجھ کو اجازت ہے میں بھی جا کر شامل ہوں؟ •

معصوم فرماتی ہیں۔ حکم ہوا جاؤ اگر وہ اجازت دیں تم بھی شریک ہو۔ روح الامین آئے اور اسی طرح سلام کر کے طالب اذن ہوئے باپ نے اجازت دی۔ روح الامین بھی داخل ہو گئے۔ کساء ہو گئے وَقَالَ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَوْحٰی اِلَيْكُمْ يَقُوْلُ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ عرض کی جبرئیل نے کہ خداوند عالم نے وحی فرمائی ہے سوا اس کے نہیں ہے کہ وہ تجھ کو بچائے رکھے رجس سے اور پاکیزہ رکھے جو حق پاکیزگی ہے۔ صلوٰۃ۔

سیوطی نے دُرِّ منثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب ام سلمہ یہ منظر دیکھ رہی تھیں، فَقُلْتُ وَاَنَا مَعَكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّكِ عَلٰى الْخَيْرِ یعنی ام سلمہ تم خیر پر قائم ہو مگر یہاں تمہاری گنجائش نہیں۔

مطلب واضح ہو گیا کہ جبرئیل معصوم تھے، خادم اہل بیت تھے، ان کو اجازت مل گئی حریم رواۓ نبیا میں ملازم زوجہ ہو کر بھی کسی کو اجازت نہیں۔

تفسیر طبری میں اس سے بالاتر دیکھئے: جب جناب ام المومنین ام سلمہ نے کساء میں داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّكِ مِنْ اَهْلِيْ لَا مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔ تم میری اہل میں سے ہو لیکن اہل بیت میں سے نہیں ہو۔

اس میں بھی حکمتِ الٰہی تھی کہ اُمّ سلمہ کو بھیج کر دکھلا دیا کہ اب کوئی اور نہیں شامل ہو سکتا۔ کسی کو
اس کی حسرت نہ رہ جائے کہ ہم اگر موقع پر ہوتے تو رسول ہم کو ضرور اجازت دیتے۔ فتدبّر ۔

سبحان اللہ کس قدر وسیع تھا دامن ردائے فاطمہؑ کہ پنجتن کے لیے کشادہ تھا ہی مگر جبرئیل
کی بھی گنجائش نکل آئی۔ اب مجھے حیرت نہیں کہ روزِ محشر اس چادر میں اتنی وسعت کہاں سے پیدا
ہو جائے گی کہ تمام شیعہ اس کے سایہ میں پناہ لیں گے ۔

جب ایسی بیٹی ہو کہ خدا اس کے ذریعہ سے باپ کو پہنچوائے تو باپ اس بیٹی کی کیوں نہ تعظیم کرے
در پردہ اس تعظیم میں بھی راز تبلیغ تھا کہ عزت ہدایت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں سنگدل عرب داماد کو بیٹی دینا بے
غیرتی سمجھتے تھے بعض روز دختر پیدا ہوتی زندہ دفن کر دیتے تھے، اور اگر اس رسم کے خلاف کوئی عمل کرتا
تھا تو اس سے جنگ پر تل جاتے تھے ۔

خدا کے رسول نے ثابت کر دیا کہ بیٹی وہ چیز ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی تعظیم کرنا چاہیے مگر بیٹی بھی
ایسی بیٹی ہو کہ رسول کی تعظیم اس پر کھپ جائے۔ ایسی بیٹی نہ ہو کہ گلی کوچے میں گھروندے بناتی پھرے
پھر گڑیاں کھیلے :

(مبارک تھی وہ تاریخ کہ خدا نے رسول کو ایسی بیٹی عطا فرمائی۔ صاحبِ [illegible] کی تحقیق میں بعثت
کے ۵ سال کے بعد ۲۰ جمادی الثانی روزِ جمعہ سعید تھی کہ خدا نے اپنی برکتوں سے خدیجہ کی گود بھری۔ رسول
کی نسل کا ذریعہ بنا کر آغوشِ رسول کو زینت دی، جنت سے حوریں طشت و آفتابے لے کر حاضر ہوئیں مریم
و آسیہ و سارہ و حوا رفاقت کے لیے آئیں، غرض ایک رسول زادی اور اُمّ ائمہ کے لیے سب متبرک
ہستیاں جمع ہوئیں ہر انداز حیرت خیز تھا ہر بات تعجب خیز۔ جناب خدیجہ کو مریم و حوا نے تسکین دی۔ تم
گھبراؤ نہیں، اگر زنانِ قریش نے تمہاری رفاقت ترک کر دی ہے ہم خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ جناب خدیجہ
پر آثارِ ولادت طاری ہوئے، نقاہت چھپی اب جو نگاہ کھولی تو دیکھا ایک پارۂ نور زمین پر سر بسجود ہے، ماہ
روشن ہے۔ جناب خدیجہ نے گود میں لے لیا۔ دیکھا تمام ختنوں سے پاک و صاف ہے، صاحبزادی نے بفصاحت
کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ اَبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَنَّ بَعْلِیْ سَیِّدُ
الْاَوْصِیَاءِ وَ وُلْدِیْ سَادَاتُ الْاَسْبَاطِ ۔ پھر ایک ایک بی بی کا نام لے کر سلام کیا۔ حوروں نے گلدستہ جنت

لے بحساب ۵ برس آنحضرتؐ ۲۲ روز قبل ہجرت، ۵ سال بعد بعثت ۔ (جو مجلس ختم ہو تو چاند کے اندر والی عبارت ترک کر جاتا ہے)

اور جنتی جواہر نثار کیے۔ غلمان نے ذخیرہ کیا سب نے باری باری تہنیت دی۔

مخدرات و معظمات نے باری باری گود میں لیا اور جناب خدیجہ کو تہنیت دے کر کہا لو اپنی بیٹی طاہرہ مطہرہ، زاکیہ، میمونہ کو۔ مبارک ہو تم کو اور تمہاری نسل طیب کو۔ یہ کہہ کر رخصت ہوئیں۔ جناب رسول خدا تشریف لائے، جناب خدیجہ نے سب کیفیت بیان کی۔ آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ حکم خدا سے فاطمہ نام رکھا۔

اس سے بالاتر سنئے اور اپنے نفع کی بات سنئے مگر بنت رسول پر صلوٰۃ بھیج کر سنئے اور خود معصومہ کی زبانی سنئے۔ جب جناب سیدہ کا زمانہ وفات قریب آیا ایک روز آپ بستر پر لیٹی ہوئی تھیں، اور غربت کی کنگھیوں کا تکیہ سر کے نیچے تھا۔ دونوں فرزند اور جناب امیر پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جناب سیدہ نے پہلے کچھ وصیتیں[1] فرمائیں اس کے بعد کہا اے ابو الحسن جب آپ میرے غسل و کفن سے فارغ ہو جائیں اور میری میت دفن کرنے کے لئے چلیں اس وقت اس شیشہ کو جو میں تم کو دیتی ہوں اور اس صندوقچہ کو بحفاظت تمام میری قبر میں رکھ دیجئے گا۔

بحر ج ۱۰ ص ۲۸۲

تبرک جنت فاطمہ کو عطا

جناب سیدہ نے پھر ایک شیشہ منگوایا اور حضرت کو دیا۔ حضرت نے پوچھا اس میں کیا چیز ہے؟ جناب معصومہ نے کہا میں نے پدر بزرگوار پیغمبر خدا سے سنا تھا کہ خوف خدا میں جو آنسو مومن کی آنکھ سے ٹپکتا ہے وہ آتش قہر الٰہی کو بجھا دیتا ہے۔ اور اس کی قبر ریاض جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ یا ابو الحسن اس میں وہ آنسو ہیں جو خوف عذاب الٰہی میں میری آنکھ سے گرے ہیں۔ میں نے اس دن کے لئے جمع کر لئے۔ جناب امیر نے کچھ آب اشک لے کر اپنے چہرے پر مل لیا۔ پھر حضرت نے پوچھا اے سیدہ صندوقچہ میں کیا شے ہے۔ جناب فاطمہ نے کہا اسے کھول کر دیکھ لیجئے۔ جب حضرت امیر نے اسے کھولا تو دیکھا حریر سبز میں ایک سفید رومال رکھا ہوا ہے۔ اس پر کچھ عبارت بخط نور تحریر ہے۔ پوچھا اے بنت رسول یہ کیا شے ہے۔ جناب سیدہ نے کہا سنئے اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب خداوند عالم کو منظور ہوا کہ مجھ کو آپ کے عقد میں دے۔ زیر شجرہ طوبیٰ شب عقد ستبرق کا فرش ہوا۔ اس پر ملائکہ جمع ہوئے، حوریں آئیں، جنتیں، میرا عقد آپ کے ساتھ پڑھا گیا۔ فرشتے گواہ ہوئے خداوند عالم نے طوبیٰ کو حکم دیا کہ دُر و جواہر نثار کرے۔ طوبیٰ سے موتی برسنے لگے حوروں نے ان کو جمع کر لیا کہ ایسے موتی جنت میں پہلے خلق ہوئے تھے پھر ان موتیوں کے ہار بنا کر حوروں نے اپنی زیبائش کی اور اسی طرح سے روز حشر مومنین سے ملاقات کریں گی۔

---

[1] اس روایت میں چند وصیتیں اور بھی تھیں اور وہ بھی بغرض اختصار ترک کی گئیں۔ صرف فضائل جنت۔ آپ کی بیت۔ بیان کرنا مقصود ہے۔

[2] روایت میں حقہ وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ صندوقچہ کیا گیا ہے۔

اے ابن عم! اسی شب کا ذکر ہے جب میں پہلی رات کو آپ کے یہاں آئی ہوں میرے پاس صرف
دو پیراہن تھے ایک وہ جو بابا نے عروسی کا جوڑا دیا تھا، وہ پہنے ہوئے تھی اور لباس کہنہ ساتھ لائی تھی۔
نصف شب کے بعد ایک سائل دروازہ پر آیا اور اس نے سوال کیا۔ اے اہل بیت رسولؐ و معدنِ خیر
و مخزن خیر و برکت خدا تم کو لباس عروسی مبارک کرے۔ اب پرانے کپڑے خدا کی راہ میں مجھکو دیدو کہ میں
برہنہ ہوں۔ مجھے شرم آئی کہ راہ خدا میں بوسیدہ لباس کیا دوں۔ میں نے وہ پرانا جوڑا خود پہن لیا اور لباس
عروسی فقیر کو دیدیا۔ صبح کو جب بابا جان تشریف لائے مجھکو وہی پرانا جوڑا پہنے دیکھ کر فرمایا۔ بیٹی لباس
کیا ہوا۔ میں نے عرض کی سائل نے مانگا میں نے دیدیا۔ بابا نے فرمایا پرانا جوڑا دیا ہوتا اور خلعت عروسی
شوہر کو دکھلانے کے لئے پہنے رہتیں، میں نے عرض کیا مجھے یقین تھا کہ میرا شوہر میرے اس فعل سے خوش ہوگا
جناب فاطمہ بیان کر رہی ہیں کہ میں نے سنا تھا اے بابا جب میری ماں کا عقد آپ کے ساتھ ہوا تھا میری
ماں بہت سا مال دنیا لے کر آئی تھیں، آپ نے سب راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور مجھکو یاد ہے کہ ایک سائل نے شب
کو سوال کیا یا رسول اللہ میں برہنہ ہوں۔ آپکے پاس کوئی پیراہن نہ تھا۔ اپنا کرتہ اتار کر دیدیا اور خود چٹائی
لپیٹ کر ستر فرمایا۔

جبرئیل آیت لے کر آئے وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ جب میں نے یہ سب بیان کیا بابا رونے لگے اور
اور مجھکو اپنی طرف کھینچ کر گلے سے لگا لیا۔ اور پیار کیا۔ اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کی۔
إِنَّ اللهَ يَقْرَءُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ اقْرَأْ فَاطِمَةَ مِنِّي السَّلَامَ وَلَوْ طَلَبَتْ
مَا فِي الْخَضْرَاءِ وَالْغَبْرَاءِ لَأَجَبْتُهَا۔ اے حبیب خدا پروردگار عالم آپ کو سلام کہتا ہے اور
فرماتا ہے ہماری طرف سے فاطمہ کو سلام پہنچاؤ اور کہدو کہ آسمان و زمین میں سے جو کچھ مانگنا،
مانگ لو اے فاطمہ ہم دیں گے تجھے۔ میں شکر خدا بجا لائی اور عرض کی میں کچھ نہیں چاہتی سوائے
خوشنودی خدا کے۔ آخرت میں پیغمبر خدا نے فرمایا بیٹی تو [illegible] مین کر۔ میں دعا کرتا ہوں۔ پس بابا
نے دعا کی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي میں نے کہا آمین یا رب۔ پھر جبرئیل آئے اور کہا۔ اے احمد
خداوند عالم فرماتا ہے قَدْ غَفَرْتُ لِعُصَاةِ أُمَّتِكَ مَنْ فِي قَلْبِهِ مَحَبَّةُ فَاطِمَةَ وَأَبِيهَا
وَبَعْلِهَا وَذُرِّيَّتِهَا۔ ہم نے گنہگاران امت میں سے مخصوص ان لوگوں کو بخش دیا جو دل میں فاطمہ
اور ان کے باپ اور اس کے شوہر اور فرزندوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صلوٰۃ +

جناب معصومہؑ روایت کرتی ہیں یا ابوالحسن بابا نے جبرئیل سے کہا۔ خدا سے اس پر مہر کرالاؤ۔ جبرئیل پلٹ کر گئے اور استدعا پیش کی۔ خدا نے حریر سبز و سندس سفید پر مہر کر دی۔ جبرئیل و میکائیل سے گواہی کرائی اور حکم ہوا کہ لے جاکر فاطمہ کو دیدو۔ کہ یہ شفاعت نامہ ہے۔ اس کے دوستوں کو جنت میں لے جانے کا۔ باباجان نے یہ پارچہ حریر مجکو عطا فرمایا اور ارشاد کیا کہ محفوظ رکھو اور جب قبر میں جاؤ اس کو ساتھ لے جانا۔ یا ابوالحسن یہ وہی شفاعت نامہ ہے۔ آپ اس کو میری قبر میں رکھدیں۔ صلوٰۃ +

سُنا آپنے۔ خاتون جنت کی سخاوت کی بدولت ہم گنہگاروں کی نجات کا بہترین وسیلہ ہو گیا۔ چادر وہ چادر کہ جس نے عصمت کا خلعت دلوایا اور پیراہن وہ پیراہن جس نے نامہ شفاعت پر قدرت کی مہر ثبت کرا دی۔ صلوٰۃ +

مگر محبت شرط ہے۔ بغیر اس کے نجات محال ہے۔ رسول نے امت کی محبت میں عام دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ۔ مگر خدا نے تخصیص کر دی اُمَّتِکَ مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مَحَبَّۃُ فَاطِمَۃَ وَابْنَیْہَا الخ۔ گروہ امت سے مخصوص ہو گی نجات اس کے لئے جو فاطمہؑ سے اور اُن کے پدر بزرگوار اور شوہر نامدار اور اولاد امجاد سے محبت رکھتا ہو۔ صلوٰۃ +

دوسری فضیلت جناب سیدہ کی اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ یہاں خدا نے سبب نجات فاطمہ کو قرار دیا ہے جیسے شرح حدیث کساء میں بیان ہو چکا ہے۔ فَاطِمَۃُ وَاَبُوْھَا وَبَعْلُھَا رَبَّنَا۔ یہاں بھی شرط ہے فِیْ قَلْبِہٖ مَحَبَّۃُ فَاطِمَۃَ وَاَبِیْھَا وَبَعْلِھَا وَبَنِیْھَا معلوم ہوا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی بدولت نجات مل گئی اور اُن کی محبت مقدم ہے اور اس کے بعد رسول اور ان کے شوہر اور فرزندوں کی۔ لیکن اب جس نے فاطمہؑ کو رنجیدہ کیا اور فاطمہؑ اس سے رنج لے کر دنیا سے رخصت ہوئیں وہ کیونکر نجات پا سکتا ہے

معاذاللہ۔ تھوڑے رنج ہو چکے ہیں جناب فاطمہؑ کو؟ آپ اپنی مصیبت کا اظہار خود فرماتی ہیں آپ کی طرف یہ شعر منسوب کیا جاتا ہے ؎

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا   صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

جو مصائب مجھ پر پڑے ہیں اگر روز روشن پر پڑتے تو مثل شب تیرہ کے سیاہ ہو جاتا۔ انہیں مصیبتوں نے معصومہ کی جان لے لی ورنہ ابھی کیا سن تھا ۱۸ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی +

۱؎ منتخب ۲۴۳ جلد

شفیق باپ کے بعد پچھتر روز صرف دنیا میں زندہ رہیں۔ اس مختصر زمانہ میں سب کچھ ہو گیا۔ وقتِ مفارقت اور امیرالمومنینؑ سے وصیتیں ہونے لگیں یا ابوالحسن اب وقتِ مفارقت قریب ہے۔ میں آپ سے جدا ہوتی ہوں۔ آپ بچوں سے خبردار رہیے گا کیونکہ یہ میرے خنکیٔ چشم اور یادگارِ رسولؐ ہیں اور نانا کے مرنے سے بہت افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں آپ میرا ماتم نہ کیجیے گا ورنہ یہ بچے اور بھی گریہ کریں گے۔ جب امیرؑ یہ سن کر رونے لگے فرمایا اے زہراؑ تم سے مجھ کو بڑی ڈھارس تھی اب تمہارے بعد میں تنہا ہو جاؤں گا اور کوئی میرا مونس و ہمدم نہ ہوگا۔ معصومہ نے کہا آپ صبر کریں اور جب میرے فراق میں آپ کی حالت زیادہ ابتر ہو تو بچوں کو لے کر میری قبر پر چلے آیئے گا۔ میری روح کو بھی تسکین ہو جائے گی۔

جنابِ فضہ سے روایت ہے کہ جب معصومہؑ کی حالت زیادہ متغیر ہوئی میں نے مسجد میں جا کر حضرت کو اطلاع دی آپ بہ تعجیل تمام تشریف لائے اس وقت شاہزادی پر غشی کا عالم تھا۔ حضرت نے نام لے کر کئی مرتبہ پکارا مگر جواب نہ ملا۔ پھر فرمایا۔ یَا بِنْتَ خَدِیْجَةَ: تَکَلَّمِیْ اَنَا ابْنُ عَمِّکِ۔ اے خدیجہ کبریٰ کی بیٹی میں ہوں تمہارا ابن عم۔ کَلِّمِیْنِیْ کچھ مجھ سے کلام کرو۔ اس وقت شہزادی نے آنکھیں کھول کر گوشۂ چشم سے دیکھا اور کہا ابھی ابھی پدرِ بزرگوار اور میری ماں خدیجہ میرے پاس موجود تھیں اور مجھ کو جنت میں بلا رہی تھیں۔ یہ سن کر جناب امیرؑ کو پورا یقین موت کا ہو گیا۔ آب گرم سے شہزادی کا منہ دھلایا اور تسکین دی۔ جناب معصومہ نے فرمایا۔ یا ابوالحسنؑ بس ہنگام جدائی آ گیا۔ چند وصیتیں سن لو۔

میرے بعد اصلاح خانہ کے لیے آپ کو زوجہ کی ضرورت ہوگی میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ امامہ میری خواہر زادی کی بیٹی سے عقد کیجیے گا۔ وہ میرے بچوں پر بہت شفیقہ ہے۔ یہ چھوٹے بچے [illegible] جائیں گے۔ لیکن ایک شب زوجہ کے حجرے میں رہیے گا اور ایک شب بچوں کے پاس آرام کیجیے گا کہ یہ تنہا سونے کے عادی نہیں۔

اور اے ابوالحسنؑ ان بچوں سے اگر کوئی قصور سرزد ہو جائے تو معاف فرمایئے گا یہ ناز پروردہ ہیں۔ یا ابوالحسن آپ ہی مجھ کو غسل دیجیے گا اور وقتِ غسل میرا پیراہن جدا نہ کیجیے گا۔ مجھ کو میری ماں کی

۱؎ تاریخ وفات میں [illegible] جناب سیدہ [illegible] آپ کی وفات واقع ہوئی [illegible] جمادی الاول وفات معصومہ [illegible] جناب سیدہ [illegible]

چادر اور باپ کی ردا میں کفن دیجیئے گا۔ میرے جنازے پر آپ ہی نماز پڑھئے گا اور میرے دشمنوں کو نہ آنے
دیجیئے گا۔ یا ابو الحسن میرا جنازہ شب کو اٹھائیے گا مگر روشنی گل کر دیجیئے گا کہ میرے جنازے پر نظر نامحرم کی نہ پڑے
میری قبر کا نشان کسی جگہ نہ بنائیے گا اور آپ خود قبر میں اتاریں۔ یہ کہہ کر جناب سیدہ خاموش ہو گئیں۔ امیر
المومنین یہ وصیتیں سن کر رو رہے تھے۔ جب معصومہؑ ساکت ہو گئیں حضرت نے کہا اے سیدہؑ ایک میری
بھی تم سے وصیت ہے۔ پوچھا۔ فرمایئے۔ حضرت نے کہا تمہارے بابا کی رحلت کے بعد جو مصائب تم پر واقع
ہوئے اور میں کچھ تمہاری مدد نہ کر سکا اس کی شکایت اپنے بابا سے نہ کرنا۔

یہ سن کر جناب سیدہ بھی رونے لگیں اور حضرت بھی بہت روئے۔

حضرت روتے ہوئے مسجد تشریف لے گئے جناب سیدہؑ نے اسماء سے آب وضو طلب کیا اور خود وضو
فرما کر کہا اے اسماء مجھکو میرے حجرے میں پہونچا دے اور تو دروازے پر بیٹھ جب تک میری آواز بلند رہے
تو داخل حجرہ نہ ہونا۔ اسماء کہتی ہیں کچھ دیر تک ذکر تہلیل و تقدیس میں سنتی رہی ناگاہ آواز منقطع ہو گئی۔
اب جو حجرے میں آ کر دیکھا تو روح مبارک جانب جنت پرواز کر گئی تھی جسم مبارک بالکل سرد ہو گیا تھا
میں رونے لگی۔ ناگاہ حسنینؑ گھر میں داخل ہوئے۔ اسماء نے پہلے حیلہ کیا اور کہا۔ بچو! تمہاری ماں آرام
کر رہی ہیں جب بچوں نے نہ مانا اور حجرہ میں داخل ہوئے۔ پہلے امام حسینؑ نے پائے مبارک کو حرکت
دی۔ جب جسم سرد پایا۔ سمجھے ہم یتیم ہو گئے۔ بڑے بھائیؑ سے لپٹ کر رونا شروع کیا۔ اور کہا بھائی
خدا آپ کو ماں کے غم میں صبر عطا فرمائے۔ امام حسنؑ بھی رونے لگے۔ پھر دونوں بھائی سر پیٹتے خاک اڑاتے
مسجد کی طرف روانہ ہوئے جو یہ حالت دیکھتا تھا روتا ہوا ساتھ ہو جاتا تھا۔ مسجد میں اصحاب نے یہ حال
دیکھ کر پوچھا اے شہزادے یہ کیا حال ہے ایسا نا وقت کیا تمہاری ماں نے دنیا سے رحلت کی؟
جناب امیرؑ نے یہ سن کر عمامہ پھینک دیا۔ اور فرمایا اے بنت رسول تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور مجھکو
تنہا کر دیا۔ یہ کہہ کر چیخ مار کر روئے اور بچوں کو لے کر گھر میں آئے اصحاب بھی روتے ہوئے ساتھ آئے
مگر حضرت نے یہ کہہ کر سب کو رخصت کر دیا کہ ابھی جنازہ اٹھنے میں دیر ہے۔

دوستان فاطمہ۔ تمہارے مولا کے لیئے وہ وقت سخت مصیبت کا وقت تھا۔ گھر میں ایک
اسماء ہیں اور ایک فضہ اور چار کمسن بچے۔ خود غسل دیا بچوں کو سمجھائیں جسم نگا ... اب دیا حضرت
زینب و کلثوم تو ابھی بہت صغیر السن ہیں۔ روایت سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ صاحب ناسخ نے اتنا لکھا ہے

سنین کو حضرت عقیل کے گھر بھیج دیا۔

غرض حضرت حسب وصیت غسل کی طرف متوجہ ہوئے اور حجرہ میں میت کو غسل دینے لگے۔ دفعتاً ایک آواز حضرت کے گریہ کی بلند ہوئی۔ جب فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے کسی نے پوچھا، فراقِ معصومہ آپ کے واسطے باعث حزن وملال ضرور ہے مگر اس وقت بیتاب ہو کر رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا۔ اب نہ پوچھو کس بات نے مجھ کو رلایا۔ تازیانہ کا نشان اب تک مٹا نہیں۔ بلکہ پہلو پر پسلیوں کا نشان اس وقت تک باقی ہے جس کو دیکھ کر تاب نہ رہی۔ یہ کہہ کر بہت روئے۔

بہر کیف جب کفن پہنا چکے اور میت تیار ہوئی بندِ کفن باندھنے کا وقت آیا۔ موافق رسمِ شریعت آپ نے آواز دی اے زینبؑ و اُمِ کلثومؑ اے حسنؑ و حسینؑ اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ خود امیر المومنینؑ سے روایت ہے۔ آپ بہ قسم فرماتے ہیں، خدا کو گواہ کرتے کہتا ہوں اس وقت میت حرکت میں آئی اور سینہ سے ایک آہ نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اور دونوں ہاتھ کفن سے باہر نکل آئے اور دونوں فرزندوں کو گلے سے لگا لیا۔ ناگاہ ایک آواز کان میں آئی: یا علیؑ حسینؑ کو جلد ماں سے جدا کرو کہ ملائکۂ اعلیٰ میں ان کے رونے سے کہرام برپا ہے اور رسول اپنی بیٹی کے مشتاق ہیں۔

بہرحال۔ جب رات بڑھ گئی شب کی تاریکی میں جنازہ لے کر چلے۔ بقیع میں پہنچ کر تابوت رکھ دیا۔ نماز میت پڑھی، اور سب کو رخصت کر دیا صرف حسنینؑ باقی رہ گئے۔ جب قبر کے نزدیک میت کو لائے پہلے زمین قبر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے خاک! امانتِ رسول کو اچھی طرح سے رکھنا اس کے بعد دونوں فرزندوں کی مدد سے میت کو قبر میں اتارنا چاہا ناگاہ قبر سے دو ہاتھ نکلے۔ جو دستِ رسول سے مشابہ تھے۔ علیؑ نے امانتِ رسول سپرد خاک کی۔ دیر تک خود اور دونوں بچے قبر سے لپٹ کر روتے رہے۔ پھر حسب وصیت کئی مقام پر نشان قبر بنائے۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد ابن سعود ملعون نے تمام نشانات منہدم کرا دیئے۔ اب شہزادی کے مزار کی زیارت بھی شیعوں کو دشوار ہے۔ جو ایک مقام قبر کا بنایا بھی ہے وہاں دور سے زیارت پڑھ لے۔ مگر یہ مجال نہیں کہ وہ آنسو

نماز جنازہ پڑھنے والے بنی ہاشم میں امیر المومنینؑ، حسنؑ حسینؑ، عباس، فضل بن عباس، عقیل۔ یہ بنی ہاشم۔ اصحاب میں عمار یاسر، ابوذر، سلمان فارسی، بریدہ اسلمی، مقداد، سوز غلام رسول، اور جون غلام جناب ابوذر۔ صرف ۹۔ ۱۰ اشخاص بنی ہاشم واصحاب ہوئے ہیں۔ دوسرے ناموں کے ساتھ جنتہ کی اہمیت کو سمجھا ہے۔ تاریخ میں بعض دور ہو

بیٹھ کر کوئی روئے یا نشانِ قبر کو بوسے دے ۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْن ۔

قصیدہ در منقبت سیدۂ عالمیان خاتونِ محشر حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا من مؤلف

فاطمہؑ سر فیلِ بزمِ آلِ اطہر ہو گئیں
شانِ عصمت میں پیمبرؐ کے برابر ہو گئیں

مہر و مہ خاموش تھے تاریک تھا سارا جہاں
نورِ زہراؑ سے یہ دو شمعیں منور ہو گئیں

مادرِ سبطین احمد دخترِ ختم الرسل
ہر طرح ازواجِ پیغمبرؐ سے برتر ہو گئیں

زوجیت سے بڑھ گئی شانِ صفاتِ مرتضیٰ
فاطمہؑ زینت دہِ ایوانِ شوہر ہو گئیں

ساقیِ کوثر سا شوہر مل گیا زہراؑ کو جب
فخرِ مریم ہو گئیں خاتونِ محشر ہو گئیں

آیۂ تطہیر لیکر آ گئے روح الامین
فاطمہ جب آ کے داخل زیرِ چادر ہو گئیں

کچھ علیؑ کی قوتیں اور کچھ دعائیں آپ کی
دونوں مل کر فاتحِ احزاب و خیبر ہو گئیں

فقر میں حسنِ عطا اتنا پسندِ حق ہوا تھا
آیتیں قرآن کی زہراؑ کا زیور ہو گئیں

تھا کرم منظور بندوں پر بعنوانِ مجاز
اس کی عصمت پوشیاں زہراؑ کی چادر ہو گئیں

آپ سے تسبیح سیکھی ساکنانِ عرش نے
فاطمہؑ استادِ ذکرِ ربِ اکبر ہو گئیں

اشک کی بوندیں عبادت میں جو ٹپکیں آنکھ سے
خلد میں سب شاملِ تسنیم و کوثر ہو گئیں

ان کے سجدے رونقِ مسجد وہ زہد و عمل
ان کی مدحت کی حدیثیں زیبِ منبر ہو گئیں

بزمِ شادی میں یہودی کی جو پہنچیں فاطمہؑ
گھر منور ہو گیا محفلیاں معطر ہو گئیں

خلق پر کر سبب بنت سے جنابِ فاطمہؑ
یادگارِ بزمِ معراجِ پیمبرؐ ہو گئیں

ہوا اولاد میں ہر وصف باہم اکمل ہوا
خوبیاں عصمت کی جزوِ شیرِ مادر ہو گئیں

نکلے وہ بحرِ طبیعت سے دُرِ مضمونِ تسلیمؔ
مدحتِ زہراؑ کی بیتیں سلکِ گوہر ہو گئیں

بیانِ پانچواں

مناقب جناب امیرؑ، تطہیر خانۂ کعبہ کا حکم جناب خلیل کو، نکاتِ لطیف مناسبات کعبہ، ولادت کی مختصر حالت، شہادت و حالاتِ دفن جناب امیرؑ

قَالَ اللّٰہُ تبارک و تعالیٰ فی کتابہ المجید و فرقانہ الحمید وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰہٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (اے رسول اُس وقت کو یاد کرو) جب کہ ہم نے اپنے مخصوص گھر کو منزلِ ثواب اور مقامِ امن قرار دیا اور مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنایا اور ابراہیم و اسمٰعیل کو یہ عہدہ دیا کہ اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود بجا لانے والوں کے لئے پاک کرو۔ لفظیں ہیں کہ مجاز کے پردے میں حقیقت کو آغوش میں لئے ہوئے، معلوم نہیں کس طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ بجائے خود ہر نقطہ کسی کی فضیلت میں قصیدہ، ایک بیت ہے جس کی شرح کے لئے بابِ علم مدینہ کی تائید درکار ہے۔ گھر کا حال گھر والے ہی خوب جانتے ہیں۔

ظاہر میں کعبہ کا ذکر ہے مگر کعبۂ دل کا طواف کرنے والے جو کچھ سمجھتے ہیں کوتاہ بیں نہیں جان سکتے۔ آفتاب و ماہتاب کی طرح رات دن کولہو چکر لگائے مگر منزلِ ثواب تک نہیں پہونچ سکتا۔ اس ارکان بھی بہت دشوار ہیں۔ قدم قدم پر خار ہیں۔ ہر رکن ہر مقام پر آزمائشوں کے پہاڑ ہیں۔ چادرِ تطہیر کے سایہ کا احرام ہو اور آلِ عبا کا گوشۂ دامن ہاتھ میں ہو تب منزلِ ثواب تک پہونچ سکتے ہیں۔ قرآن نے جو کچھ کہا سچ کہا۔ بیشک للطائفین کعبہ بنا۔ عاکفین کے لئے تعمیر ہوئی۔ مساجد بن کے لئے بنا ڈالی گئی۔ اگر قرآن کی تفسیر پوچھنا ہو تو اس سورے سے پوچھیے وہ جواب دے گا۔ اگر طائفین کی جستجو ہے تو دیوارِ شگافتہ پورا پتا دے گی۔ اگر راکع و ساجد کی تلاش ہے تو قرآن دوسرا قصیدہ سنائے گا وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَ، فرشتے بیں ہر صفت کو ڈھونڈنے گا اہلِ بیت میں مل جائے گی۔ گھر ہی دیا ہے اس صفت کے حامل نظر آئیں گے۔ سورہ

برات لے جانے کا واقعہ یاد کیجئے۔ غیرت کے ذلیل ہونے پر وحی الٰہی نے زبان رسول سے کہلوا دیا اَنَا اَوْ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِیْ۔ میں یا میرے اہلبیت میں سے جو ہو وہ اس خدمت کا سزاوار ہے۔ اسی گھر کے متعلق احکام تھے اس لئے اہلبیت کی قید لگا دی۔ صلوٰۃ ◆

دوسرے محل پر اہلبیت کی شناخت بیت اشرف کرا دی۔ اگرچہ وہ دروازے بحکم خدا سے بند ہو گئے مگر ایک دروازہ کھلا رہا سب کو شکایت ہوئی عم رسول عباس رنجیدہ خاطر ہو کر گئے اور کہا کہ میرے دروازے کے بابت بھی یہی حکم ہے زبان رسول پر الفاظ وحی جاری ہوئے اے چچا میں نے اپنی طرف سے ایسا حکم نہیں دیا ہے بلکہ حکم خدا یوں ہی تھا ہے۔ صلوٰۃ ◆

مکین کا نام لینے کی ضرورت نہیں صاحب خانہ کو پہچنوانے کی ضرورت نہیں، جس گھر کے دروازے پر حاجتمندوں کا مجمع دیکھئے، ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھئے، پہچان لیجئے وہی دروازہ ہے جس کے کھلے رہنے کا حکم خدا نے دیا۔ صلوٰۃ ◆

خدا کا گھر اگر ان کا گھر نہ ہوتا تو رات دن ہر حالت میں چلے آنے کا حکم نہ ہوتا۔ رسول کی زبان سے خدا نے کہلوا دیا علی تم جس حال ہو چلے آؤ۔ کوئی امر تم کو مانع نہیں تم ہر حال میں طیب و طاہر ہو۔ صلوٰۃ ◆

اس سے زیادہ ان کی طہارت کا اور کیا اہتمام ہو گا کہ خلیل و ذبیح کو حکم ہوا وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ اس گھر میں کوئی ایسا طیب و طاہر آنے والا تھا کہ ابراہیم و اسمٰعیل ایسی پاکیزہ ذاتیں طہارت خانہ کے لئے متعین ہو گئیں۔ اس آیت میں بھی ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل کی قید لگا دی ہے کہ اس میں غیر کی ملاقات ابتداء سے پسند ہی نہ ہوئی۔ ورنہ نسل خلیل میں جناب اسحٰق بھی تھے نبی تھے، معصوم تھے، انبیائے بنی اسرائیل کے مورث تھے، ان کی طہارت ذاتی میں کیا شک ہو سکتا ہے مگر کعبہ میں ابتداء سے انتہا تک ہاتھ نہیں لگانے پائے۔ اس لئے کہ غیر تھے۔ نسل اسحٰق کو بیت المقدس دے دیا۔ بیت المقدس کہ یہی تھا کعبہ ہے اور یہی اعتبار قبلہ۔ خدا کے نزدیک اتنی حرمت ضروری کہ جب مریم کو کوئی خواہش ہے کرا میں تو حکم ہوا اُخْرُجِیْ ... اے مریم یہاں سے چلی جاؤ یہ مقام عبادت ہے زچہ خانہ نہیں ہے۔ مگر جس بیت کی تعمیر میں یہ اہتمام ہو کہ سوائے ابراہیم و اسمٰعیل کے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور طہارت میں بھی تیسرا شریک نہ ہو وہ تو بھی گوارا نہ ہو۔ لیکن جب اہل بیت کے گھر طواف کرنے آئے اور اپنی حاجت بیان

خطابیہ مناسبت طہارت

تذکرہ خواص الامۃ۔ یہ امام مستند ترین علمائے اہل سنت کی کتاب ہے

کہ سے اس کے یہ آواز آئی اُدْخُلِی یَا فَاطِمَۃ۔ دنیائے اسلام میں ہے کوئی طواف کرنے والا جس کے لئے دیوار کعبہ شق ہو کر آغوش کھول دے: یوں تو حق کا دربار ہے کریم کا آستانہ ہے جس کا دل چاہے پڑا رہے اور اگر قسمت یاوری کرے مقرر ہے مگر ہے کوئی اعتکاف کرنے والا جس کی مہمانی کے لئے نیا در کھل جائے! اور تین روز مخصوص مہمان رہ کر نعمات الٰہی باغیچۂ قدرت کے کھا کر آسودہ ہو +

(امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ عباس بن عبدالمطلب اور یزید بن کعب اور بعض بنی ہاشم اور بنی عزیٰ کعبہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ فاطمہ بنت اسد داخل ہوئیں سات مرتبہ طواف کے بعد ایک جانب کھڑی ہو گئیں اپنے شکم کو دیوار سے مس کیا اور دعا کی خداوندا میں ایمان لائی ہوں تمام پیغمبروں پر جن کو تو نے مبعوث کیا اور تمام کتابوں پر ایمان لائی ہوں جن کو تو نے نازل فرمایا۔ خداوندا تصدیق کرتی ہوں اپنے جد ابراہیم کی جس نے اس کعبہ کی تعمیر کی۔ مجھ پر ولادت اس فرزند کی آسان فرما۔ بار الٰہا مجھے یقین ہے اس امر کا کہ یہ بچہ میری نشانی اور تیرے عظمت و جلال کی علامت ہے۔

عباس عم رسول کہتے ہیں ابھی دعا کر رہی تھیں کہ دفعتہ دیوار شگافتہ ہوئی اور فاطمہ اس راہ سے داخل کعبہ ہوئیں۔ پھر دیوار بند ہو گئی۔ عباس کا قول ہے کہ ہر چند قفل کھولنے کی کوشش کی گئی مگر نہ کنجی کارگر ہوئی نہ کھولنے والا کام آیا جس سے زنجیر کاٹ کر خانۂ الٰہی کا راز دریافت ہوتا۔ آخر تھک کر یقین کیا کہ اس میں امر قدرت ہے کوشش بیکار ہے۔ قبل اس کے کہ میں آپ کی شگفتگی خاطر کے لئے شگاف دیوار کعبہ کی کوئی رمز بیان کروں بات پردے کی ہے ذہن میں رہنے دیجئے۔ مگر جناب فاطمہ کے الفاظ مناجات پر ذرا غور کیجئے کہ خدا کے گھر میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر انبیائے سابق اور صحف آسمانی کی تصدیق کی۔ ملت ابراہیم پر اظہار عقیدت کیا۔ اس کے بعد اب کوئی ان کے ایمان پر شک نہیں لا سکتا ہے۔ اور آپ کے شوہر ابو طالب کے مذہب پر حرف نہیں رکھ سکتا ہے۔ بڑی دلیل ہے آپ کے ایمان کی۔ میں کیا تصدیق کروں گا دیوار حرم نے شگافتہ ہو کر کعبہ کے راز کو کھول دیا کہ امیر المومنین کی ماں کا ایمان و اعتقاد ایسا ہونا چاہیئے کہ وقت دعا دیوار حرم باب اجابت بن کر کشادہ ہو گی۔[۱]

معلوم ہوا فاطمہ بنت اسد کی دعا کو اثر عطا یا بانی خانۂ کعبہ کی دعا کی تاثیر۔ کہ دونوں کی مراد ایک شگاف دیوار سے حاصل ہوئی۔ حضرت ابراہیم جب کعبہ کی دیواریں بلند کر چکے کام انجام کو پہونچ گیا تو اس کے صلہ میں مانگا

[۱] ولادت جناب امیر در کعبہ میں۔ جو حسین کاشفی نے روضۃ الشہدا میں اسی عنوان سے باسناد مستند درج کی ہے۔ حافظ عبد اللہ امرتسری کی کتاب ارجح المطالب صفحہ ۳۸۸ میں دوسری روایت نکلتی ہیں۔ جس سے ولادت خانۂ کعبہ ثابت ہے۔ مولانا روم کا شعر ہے

فرزند یگانۂ خدا شد ۔۔۔ بو وخت رسول کتخدا شد

...ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک اے پروردگار ہمیں اور اسمٰعیل کو اپنا فرمانبردار بنا اور میری ذریت سے ایک گروہ کو اپنا خالص فرمانبردار قرار دے۔ یہ ایک دعا تھی جو اس واقعہ کے تین ہزار سال پیشتر جناب خلیل کے منہ سے نکلی۔ اور کعبہ کی چاردیواری میں گونج کر رہ گئی۔ مگر اتنے زمانہ کے بعد فاطمہ بنت اسد کی دعا صدائے خلیل سے ہم آواز ہو کر نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

ابراہیم کی دعا کا اثر

جناب ابراہیم نے تعمیر کے صلہ میں ذریت طاہرہ کی خواہش کی تھی۔ امت مسلمہ کی تمنا کی تھی۔ نبی اور پھر خلیل کی دعا رائگاں نہیں ہو سکتی تھی۔ حرف حرف دعا کا آغوش اجابت میں امانت رہا۔ اور خانہ کعبہ کی گود سے وہ ارادہ اس طرح پوری ہوئی کہ ذریت مسلمہ کے گیارہ فرزندوں کا باپ فاطمہ بنت اسد کی گود میں آیا اور خدا نے حسب دعائے ابراہیم مولود کعبہ کو اس درجۂ اسلامیت پر فائز کیا کہ بروز خندق جناب رسول کی زبان سے تصدیق ہو گئی۔ برز الاسلام کلہ الی الشرک کلہ کل اسلام کل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ حالانکہ اس وقت عمرو سے لڑنے کے لئے فوج اسلام کو جانے کی ہمت نہیں ہوئی صرف وہی جوان حق تنہا بڑھا تھا جس کو فاطمہ بنت اسد کعبہ سے لے کر نکلی تھیں۔ صرف ایک علی کی ذات پر کل اسلام کی قوت کا اطلاق نہ ہوتا۔ جناب ابراہیم نے بھی کل ذریت میں ایک مخصوص گروہ کے لئے: امۃ مسلمۃ لک کہا تھا۔ اسی میں سے صرف علی وہ فرد کامل ہیں کہ گیارہ کا وجود آپ کی ذات سے دنیا میں ہوا۔ صلوٰۃ

کل اسلام علی ابن ابی طالب

گویا جناب ابراہیم کو تعمیر کعبہ کا صلہ فاطمہ بنت اسد کے ذریعہ ملا۔ فاطمہ کو بیت اللہ میں مراد ملی جناب ابراہیم کو اسی گھر سے جس کو تعمیر کیا تھا مدعا حاصل ہوا۔ رسول نے وصی پایا۔ ایک رخنہ دیوار سے کتنے راز آشکار ہوئے۔ صلوٰۃ

کعبہ میں علی کی ولادت

اب تو واضح ہو گیا کہ ابراہیم و اسمٰعیل سے تعمیر کیوں کرائی گئی۔ شاعر نے خوب کہا ہے ؎

مطلب از نشئہ کعبہ خاص میلاد تو بود ۔۔۔ ورنہ ذات لامکاں را کے مکاں باشد مراد

جناب ابراہیم کی یادگار کعبہ میں قائم ہوئی۔ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ۔ علی اہل بیت میں تھے ان کو اندر جگہ ملی اور اب تک یادگار موجود ہے۔ خلیل دوستوں میں تھے ان کو جگہ ملی باہر مصلیٰ۔ دوستان علی کے لئے یہ فضیلت مایہ ناز ہے کہ ہمارا مولا کعبہ میں پیدا ہوا اور یہ شرف کسی رسول کو حاصل ہوا نہ نبی کو نہ وصی کو۔ مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ وصی کو رسول پر فضیلت ہو۔ وصی ہزار بلند ہو جائے تابع رسول ہے

لہ اس آیت کی بابت اور مسئلہ ملک کے متعلق ایک خاص بیان مقصد میں آئے گا۔

اونچا دکھلائی رہے۔ مگر فضیلت میں رسول سے پست نہ سمجھا ہوگا۔ معاذ اللہ یہ سمجھ کر کہ علی کعبہ میں پیدا ہوکر
رسول سے فضیلت میں بڑھ گئے، خواہ وہ بہت ناقابلِ تلافی غلو ہے۔ خود علی ایسے عقیدہ کو پسند نہ کریں گے۔
وہ علی جو ہمیشہ کہتے رہے "اَنَا عَبْدٌ مِنْ عِبَادِ مُحَمَّدٍ" میں حضرت کا غلام ہوں۔ بلکہ قبل از ولادت جو عالمؑ
جناب رسول سے کہہ چکے تھے کہ فاطمہ سے اگر بیٹا پیدا ہوا تو اس کو محمدؐ کی نذر میں دوں گا۔ جناب امیرؑ باپ کے
قول کی تصدیق کرتے تھے۔ گویا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو میرے باپ نے حضرتؐ کی غلامی میں دیدیا ہے میں تو رسول
خدا کا غلام ہوں۔ کعبہ جو دنیا میں علیؑ کی ولادت رسولؐ کے مقابلہ فضیلت کو بلند کرتی ہے ہیں کہ اگر ایسا
بلند مرتبہ ہو کہ اس کی ولادت کعبہ میں ہوئی ہو تو رسول کیوں نہ اس عروج کو پہنچے کہ عرش اس کی
نعلین سے آنکھیں ملے۔ صلوٰۃ ●

کعبہ میں اگر رسول پیدا ہوتے ہوتے تو دنیا میں کون ذات تھی جو اس عقیدہ کی تردید کرتی کہ خدا
کے گھر میں پیدا ہوئے ضرور خدا کے بیٹے ہیں۔ جس طرح عیسائی جناب روح اللہ کے بارے آسمان چہارم
پہنچنے پر گمراہ ہوگئے اور نبی کو خدا کا فرزند معبود کہنے لگے۔ آج امت محمدی اسی دھوکے میں گمراہ ہو جاتی۔ علی
کے لئے یہ مشکل موجود ہے کہ رسول ان سے افضل ہیں۔ مگر خانہ خدا میں نہیں پیدا ہوئے اس لئے اپنے رسول
کو خدا نے یہ شرف بالواسطہ عطا فرمایا کہ خانہ زاد خدا رسول کا داماد اور وصی قرار پایا۔ صلوٰۃ ●

بہرحال عباس کہتے ہیں کہ فاطمہ کی گود میں ایک بچہ تھا جس کے نور سے یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ کی دیواریں
روشن ہوگئیں۔ لوگ حیرت میں تھے کہ فاطمہ بنت اسد نے کہا لوگو! مجھ کو قدرت نے وہ فضیلت عطا فرمائی جو
کسی عورت کو مجھ سے پیشتر گذری ہو نہیں عطا ہوئی۔ مریمؑ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب عیسیٰؑ پیدا ہوئے
اور گرسنہ ہوئیں حکم الٰہی ہوا اور مریم نے درخت خرما کی شاخوں کو جنبش دی۔ بے فصل رطب تازہ پہنچے۔
میرے واسطے خدا نے جب تک میں اس کے گھر میں مہمان رہی میوہ ہائے بہشت بھیجے اور
میں نے کھائے اور جب باہر نکلنا چاہا ایک آواز میرے کان میں آئی۔ فاطمہ! اس مولود کا نام علی رکھو
کہ ہم نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ صلوٰۃ ●

دوستانِ علیؑ! بے شک جناب فاطمہ کو وہ عزت و منزلت حاصل ہوئی جو کسی کو میسر نہیں۔ کس
قدر مبارک آغوش تھی کہ پہلے یہ گود حبیب خدا کی تربیت کے لئے منتخب ہوئی اور اب خدا نے اپنا مہمان بلاکر
ثمر بہشت کی دعوت کی اور اسی گود میں مولود خانہ خدا کو لے کر نکلیں۔ کیا مبارک ساعت تھی اور مبارک تاریخ

مہینہ وہ مہینہ جو خدا کی طرف منسوب برکتوں سے بھرا ہوا۔ رجب کا مہینہ۔ ماہِ کامل کی تیرھویں تاریخ جمعہ کا دن گویا بدرِ امامت بیت الشرف سے کامل ہو کر فاطمہ بنت اسد کی گود میں طالع ہوا جس سے مطلعِ ایمان منور افقِ اسلام روشن ہو گیا۔ خدا کا دین ہے، فاطمہ کیا مانگنے آئیں تھیں اور کیا پایا۔ آپ رسول کو تہنیت دیجئے۔ اسلام کو مبارکباد دیجئے۔ میں اُن معظمہ کو تہنیت دوں گا جنکو خدا کے گھر سے یہ مراد ملی ؎

جدا کعبہ شق ہے، دَر سے بنتِ اسد نکلو، ہوئیں تم فخرِ مریم اب خدا کی میہماں ہو کر
نہ جانے کس لئے آئی تھیں، کیا پایا زہے قسمت خدا کے گھر سے نکلیں خانہ زادِ حق کی ماں ہو کر

(اس کے علاوہ علی کی ذات کو خانہ معبود سے خاص مناسبت تھی۔ اول بہ آخر نسبتے دارد۔ علی کی ابتدا و انتہا سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ ولادت علی خانہ معبود میں ہوئی تو شہادت خدا کے گھر میں ہوئی۔ ورنہ علی ایسا مردِ میدان جس کی عمر میدانِ جنگ میں گزری، شبِ ہجرت سے لے کر جنگ نہروان تک تینتیس لڑائیاں چھوٹی بڑی آپ کو پیش آئیں مگر کسی لڑائی میں مغلوب ہو کر درجہ شہادت پر نہیں فائز ہوئے اور درجہ شہادت وہ درجہ رفیع تھا کہ اگر اس سے محروم ہو جاتے تو آپ کی فہرستِ فضل و کمال میں کمی رہ جاتی۔ خدا نے آپ کی شہادت کا درجہ بھی ممتاز رکھا اور اپنے گھر میں اس درجہ پر فائز کیا۔ جس طرح عرب میں آپ کی شجاعت کی دھاک بیٹھی تھی اسی طرح عبادت میں خشوع و خضوع کی بھی شہرت تھی، لوگ سن چکے تھے کہ حالتِ نماز میں پیر سے تیر نکال لیا گیا اور حضرت کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ابن ملجم نے بس یہی موقع غنیمت سمجھا اور قیاس کر لیا کہ اگر یہ شہید ہوں گے تو حالتِ نماز میں۔ ورنہ دنیا میں کوئی قوت علی پر غالب نہیں آ سکتی۔)

غضب کا موقع تھا اور غضب کا وار کیا۔ علی ایسے شجاع کا ایک ضربت میں کام تمام کر دیا۔ ارکانِ ہدایت منہدم ہو گئے۔ حسنین بے پدر، شیعہ بے امام۔ نماز تمام بھی نہ ہونے پائی تھی، سجدہ میں سر تھا کہ تلوار چل گئی۔ ریش مبارک خون میں ڈوب گئی۔ مصلیٰ لہو سے تر ہو گیا۔ پھر حضرت سنبھل نہ سکے۔ اور زمین پر جھک گئے۔ بار بار چہرے سے خون پونچھتے تھے اور فرماتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ زمین مسجد کو زلزلہ ہوا اور دَر آپس میں ٹکرانے لگے۔ جبرئیل نے ندا کی قَدْ تَهَدَّمَتْ وَاللّٰهِ اَرْكَانُ الْهُدٰى۔ قسم ہے خدا کی ارکان

حسنین کو امیرالمومنین نے مسجد جاتے وقت گھر پر ہی روک دیا تھا۔

ہدایت منہدم ہو گئے" جس کے کان میں یہ آواز پہونچی۔ بیتابانہ مسجد کی طرف دوڑا۔ جناب زینب و ام کلثوم پچھلے سے بلبلا کی حالت دیکھ کر بے قرار تھیں۔ یہ آواز سن کر اب تاب کہاں۔ بھائیوں سے کہا۔ بھیا یہ کیسی آواز ہے جس نے دل کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ ذرا خبر لیجئے بابا آج منہ اندھیرے گھر سے تشریف لے گئے ہیں۔ حسینؑ دوڑتے ہوئے مسجد میں پہونچے دیکھا نمازیوں کی صف منتشر ہے۔ لوگ رو رہے ہیں سر پیٹ رہے ہیں اور خدا کا عبادت گذار امام خاک مسجد اٹھا اٹھا کر زخم پر ڈالتا ہے۔ یہ قیامت خیز سماں دیکھ کر فرزندان رسول اپنا سر پیٹنے لگے۔ روتے ہوئے حضرت کے قریب پہونچے، پوچھا بابا یہ کیا غضب ہوا کس نے یہ ستم ڈھایا۔ حضرت نے سر اٹھا کر امام حسنؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ بیٹا پہلے نماز تمام کرو۔ جب نماز تمام کر چکے حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ زخم کو غور سے دیکھا۔ خون پونچھا۔ پھر پوچھا یہ ضربت کس نے لگائی۔ حضرت نے بابؔ کندہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ اس طرف سے تمہارا دشمن گرفتار ہو کر عنقریب آئے گا۔ تھوڑے عرصہ میں یہ خبر کوفہ میں مشہور ہو گئی۔ منادی کی صدا جس کے کان میں پہونچی وہ دوڑتا ہوا مسجد پہونچا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام مسجد رونے والوں سے بھر گئی۔ یہاں تک کہ عورتیں بیتابانہ بے مقنع و چادر مسجد میں پہونچ گئیں اور فریاد کرنے لگیں۔ مگر جناب کسی روایت میں اس کا مذکور نہیں کہ جناب زینب و ام کلثوم بیتاب ہو کر گھر سے مسجد تک آ گئی ہوں۔ مصیبت عظیم تھی، امیرالمومنین کا معاملہ تھا، باپ زخمی ہوا تھا، مگر آداب عصمت نے شہزادیوں کو گھر سے باہر نکلنے نہ دیا۔ یہ مصیبت کربلا کے لئے اٹھا رکھی تھی کہ ایک منادی کی صدا سن کر عالم تہ و بالا ہو گیا، شہزادیاں خیموں سے باہر نکل پڑیں۔ جناب زینب مقتل کو اس شان سے روانہ ہوئیں کہ گوشۂ چادر عالم اضطراب میں زمین پر گھسٹتا جاتا تھا اور زبان پر فریاد تھی ہائے ماں جائے میرے، ہائے مری ماں کے لاڈلے۔

بہرحال تھوڑے عرصہ میں حذیفہ یمانی ابن ملجم کو گرفتار کر کے اس طرف لائے جدھر کا حضرت نے اشارہ کیا تھا۔ خلقت نے اس خبیث کی طرف ہجوم کیا۔ کوئی منہ پر تھوکتا تھا اور کوئی ملامت کرتا تھا۔ وہ لعین رسی میں جکڑا ہوا سر خم کئے خاموش کھڑا تھا۔ جب حضرت کے سامنے لائے، آنکھیں کھول کر حضرت نے دیکھا سب کو منع کیا اور حکم دیا کہ مشکیں کھول دو۔ پھر نہایت نرمی سے حضرت نے قاتل سے کلام کیا اپنی شفقتیں اور احسانات یاد دلائے۔ پھر عبداللہ ابن رافع کو بلا کر سپرد کیا اور فرمایا۔ اس کو لے جا کر رکھو۔ مگر کسی طرح کی زحمت اس کو نہ دینا یہ بھی اہل کوفہ کو ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ قیدیوں کے ساتھ برا سلوک

؂ اب مسجد کوفہ میں یہ دروازہ نہیں ہے۔ جب میں عراق گیا تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا یہ باب کندہ اس طرف تھا جس طرف قبر جناب مسلمؑ ہے۔

نہ کرنا۔ میں نے اپنے قیدی کو کوئی تکلیف دینا گوارا نہ کی تم میری اولاد کو اسیر کرکے ذرا اس طرزِ عمل کا خیال رکھنا۔ ہائے۔ کیا اچھا برتاؤ کیا گیا اسیرانِ اہل بیت کے ساتھ جس کو یاد کرکے امام زین العابدینؑ زندگی بھر رویا کیے اور کہتے رہتے اَلشَّامُ اَلشَّامُ۔ غرض کچھ دیر کے بعد حضرت کو ایک گلیم میں اٹھا کر دولتسرا کی طرف لے چلے۔ حضرت کی اولاد اور اصحاب سب جمع ہوئے، روتے پیٹتے دست بدست اپنے امام مجروح کو در وازے تک پہونچایا۔ اصحاب رخصت کر دیئے گئے۔ جب گھر میں امیر المومنین پہونچے شہزادیوں نے گھیر لیا۔ زخم سر دیکھ کر بیٹیوں نے سر پیٹ لیا۔ باپ کی زیست سے مایوسی ہوئی۔ بیٹیاں تیمارداری میں مصروف ہوئیں حکیم بن اثیر جراح بلایا گیا مگر اس نے جب زخم کا معائنہ کیا۔ سر سے عمامہ اپنا پھینک دیا اور مایوس ہو کر کہا قسم بخدا امیر المومنین قتل ہو گئے۔ زینب وام کلثوم نے صدائے گریہ بلند کی حضرت نے پھر سب کو صبر کی ہدایت کی۔ اب ساعت بساعت حالت متغیر ہوتی جاتی تھی، بیسویں رمضان کو زہر کا اثر پیروں تک پہونچ گیا۔ جسم مبارک اثرِ زہر سے سرخ ہو گیا۔ بیٹوں کی یہ حالت ہے کہ غذا بالکل ترک ہو گئی نہ افطار کا خیال ہے نہ سحر کا۔ صاحب بیت الاحزان تحریر فرماتے ہیں کہ تین شبانہ روز میں صرف ایک سیر نان دخرما امیر المومنین کے گھر میں صرف ہوا۔ گویا ایک ایک لقمہ پر ہر ایک نے اس زمانہ میں بسر کی۔ حضرت کی یہ حالت ہے کہ جب غش سے افاقہ ہوتا ہے کبھی امام حسنؑ کو بلا کر ابن ملجم کی سفارش کرتے ہیں، بیٹا حسن اس کو ایک ہی ضرب لگانا۔ کبھی یتیموں اور بیواؤں کی سفارش ہوتی ہے۔ بیٹا حسن ان کی خبر لیتے رہنا۔ کبھی اولاد کی وصیتیں ہوتی ہیں۔ کبھی حسینؑ کو بلا کر سینہ سے لگاتے ہیں۔ آنے والے واقعات تعلیم کئے جاتے ہیں مصائب پر صبر کی ہدایت ہوتی ہے۔ جوشِ گریہ سے جب حسینؑ بیتاب ہو کر روتے ہیں اپنے ہاتھ سے آنسو پونچھ کر حسینؑ کو تسکین دی جاتی ہے۔ کبھی اپنے ننھے پوتے کو بٹھا کر سینہ پر لٹاتے ہیں، کبھی گلا چومتے ہیں، کبھی ہاتھ کبھی زبان چسا کر صبر کی قوت پہونچاتے ہیں اور خود بھی کچھ یاد کرکے رونے لگتے ہیں۔ گویا دیکھ رہے ہیں کہ اس گلے میں طوق ہوگا اور ان ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔

بہر حال اسی حالت میں حضرت نے یہ تین روز بسر کئے۔ اکیسویں رمضان کی شب مصیبت ناک رات تھی۔ اور حالت متغیر ہوئی۔ آج سب کو بلا کر اپنے نمین ویسار جمع کر لیا ہے حسرت سے سب کو دیکھتے ہیں کلماتِ شہادتین زبان پر جاری کئے منہ قبلہ کی طرف پھیرا اور پیر پھیلا دیئے۔ دفعتہً جناب ام کلثوم کی

---

[1] امام زین العابدین جن کی عمر ۲۳ سال تھی۔

تقریر پڑھتی دیکھا روح جانب جنت پرواز کر گئی۔ بیٹیوں نے چیخ مار کر کہا ہائے بابا۔ فرزندوں کی صدائے گریہ بلند ہوئی۔ سب نے عمامہ سر سے پھینک دیئے۔ دروازے پر غلام اور صحابی سمجھ گئے کہ دنیا امیر المومنین سے خالی ہو گئی۔ شور بکا بلند ہوا اسی ہنگامہ میں ایک مرد پیر مقدس صورت روتا ہوا آیا اور داخل خانہ ہوا۔ تھوڑے عرصے کے بعد جب گھر سے نکلا زبان پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡن تھا اور آنکھوں سے دریائے اشک رواں تھا۔ کسی نے امام حسنؑ علیہ السلام سے دریافت کیا یہ کون تھا؟ فرمایا جناب خضر پیغمبر تھے۔ کہ بابا کی آخری زیارت کو آئے تھے۔ تھوڑے عرصہ میں ایک شخص ایک شتر پر مشک آب رکھے ہوئے لایا اور وہ بھی دو تنہا کے اُس حجرہ میں داخل ہوا جہاں حضرت کو غسل کے لیے رکھے گئے تھے۔ جب مشک رکھ کر واپس ہوا پوچھا تم کون ہو خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ نقاب چہرے سے الٹ دی فرمایا اَنَا اَبُوۡ عَلِیّ اِبۡنِ عَلِیّ طَالِب۔

جناب محمد حنفیہ سے روایت ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے غسل دینا شروع کیا لاش خود بخود حرکت کرتی تھی۔ حضرت کے تمام فرزند رو رہے تھے۔ جب حنوط کر چکے اور پانچ پارچوں کا کفن پہنا کر میت تابوت میں رکھی جناب زینب و اُم کلثوم لپٹ گئیں اور ہمیشہ کے لیے اپنے بابا امیر المومنینؑ کو رخصت کیا۔ امام حسنؑ نے سب کو سمجھا کر علیحدہ کیا۔ اور باوجود شب تار کے گوارا نہ ہوا کہ بہنیں گھر سے باہر نکلیں۔ حضرت کا تابوت جانب پائیں امام حسنؑ اور امام حسینؑ اٹھائے تھے اور سرہانا خود بخود بلند تھا جس طرف سے گذرتے تھے دیوار خم ہو جاتی تھی جب حضرت کا تابوت وادی میں پہونچا جس مقام کا حکم دیا تھا۔ امام حسنؑ نے تھوڑی خاک ہٹائی دیکھا ایک سفید پتھر ہے جس پر لکھا ہوا ہے "یہ قبر ہے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کی، نوحؑ پیغمبر نے سید الوصیین کے لئے بنائی ہے"۔ موافق وصیت امام حسنؑ نے سات تکبیروں سے نماز پڑھی۔ جب قبر میں اتارا ایک چادر سفید قبر پر سایہ فگن ہوئی۔ امام حسن اور امام حسین نے دیکھا جناب رسالت مآب اور آدم و نوح و ابراہیم قبر میں موجود ہیں اور پائیں کی طرف جناب سیدہ اور مریم و حوا و آسیہ تشریف لائی ہیں۔ امام حسنؑ نے سنگ لحد رکھ کر بند کر دیا۔ پھر دونوں بھائی لپٹ کر بہت روئے۔ اس کے بعد امام حسنؑ نے نشانِ قبر کو مخفی کر دیا۔ اور سب بھائیوں کو سے کر تسکین و تشفی دیتے ہوئے گھر واپس ہوئے۔ شہزادیاں دروازے پر منتظر تھیں۔ جناب ام کلثوم نے پوچھا بھائی! بابا کو سپرد خاک کر آئے! امام حسنؑ یہ سنکر رونے لگے عورتیں آواز گریہ سن کر جمع ہو گئیں جناب اُم کلثوم نے باپ کے غم میں مرثیہ پڑھا۔

جناب ام کلثوم کا مرثیہ

اَلَا یَا عَیْنُ جُوْدِیْ وَاسْعَدِیْنَا | اَلَا فَابْکِیْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَا
وَتَبْکِیْ اُمُّ کُلْثُوْمٍ عَلَیْہِ | بِعَبْرَتِہَا وَقَدْ رَاَتِ الْیَقِیْنَا

یہ مرثیہ سن کر تمام اولاد حضرت کی اور زنان کوفہ روتی تھیں اور ایک حشر کا نمونہ تھا۔

وفات[1] امیر المومنینؑ حضرت کی اولاد بلکہ عالم کے شیعوں کے لئے واقعۂ عظیم ہے مگر پھر بھی تسکین کی صورتیں پیدا تھیں، فرزند دفن کرنے والے موجود، بیٹیاں رونے والی موجود، شیعہ دوستدار گریبان چاک حاضر، مگر غریب کربلا مسافر کی لاش کیونکر دفن ہوئی۔ یا دو لاؤں؟ جنازہ کون اٹھانے والا تھا۔ یہاں موخر جنازہ حسنینؑ کے کاندھے پر تھا اور مقدم تابوت خود بخود بلند تھا۔ اس کو ملائک اٹھائے ہوں یا خود جناب رسول اور انبیا سنبھالے ہوئے ہوں، مگر کربلا میں دیر تک لاش حسینؑ زمین سے بلند رہی۔ مگر کون اٹھانے والا تھا۔ یہاں فرزند و برادر حامل جنازہ نہ تھے۔ ایک فرزند قتل سے بچ ہی گیا تو وہ غش کی حالت میں پڑا ہو عزیزوں میں کوئی لاش اٹھانے والا نہیں۔ البتہ روایات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ کچھ عرصہ تک تیروں پر لاش مجروح قایم رہی مگر زمین پر آتے آتے معلوم نہیں کیا کیا بے حرمتی لاش کی ہوگئی۔ کوفہ میں اس وقت جناب زینب و ام کلثوم کی آواز گریہ سن کر زنان کوفہ جمع ہوگئیں۔ کربلا میں بھی کوئی ان آوازوں سے ہمدردی رکھنے والا تھا۔ شہزادیاں فریاد کرتی تھیں، اور اشقیائے کوفہ و شام ہنستے تھے اور ستم ڈھاتے تھے۔ یہ ہی زنان کوفہ جو حضرت ام کلثوم کا مرثیہ سن کر سر و سینہ دھنتی تھیں، جب شہزادیاں قید ہو کر کوفہ پہونچی ہیں، ان کا کیا عالم تھا یہ عورتیں کوٹھوں پر تماشہ دیکھنے کے لئے جمع تھیں۔ کچھ حد ہے انقلاب کی! جن شہزادیوں کی زیارت کوفہ میں ناممکن تھی، وہ بنظر تماشہ دیکھی جاتی تھیں۔ اور تماشہ اصل میں اس بات کا تھا کہ کل جن کا باپ کوفہ کا بادشاہ تھا جس کی صفِ ماتم ہر گھر میں بچھی تھی، آج اس کے فرزند کی قتل کی خوشی ہر گھر میں ہے اس کی بیٹیاں بے مقنع و چادر اسی بازار کوفہ سے نکالی جارہی ہیں اور دنیا مسرت کے نعرے بلند کرتی ہے۔
فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

منقبت حضرت امیر المومنین سید الوصیین علی ابن ابی طالبؑ من مؤلف سلیم جرولی

تصویر صنع کبریا ہے شانِ مولانا علیؑ | آئینۂ وحدت نما عرفانِ مولانا علیؑ
مسلک طراز انبیاء، سیرت فروز مصطفےٰ | پابندِ احکام خدا، فرمانِ مولانا علیؑ

---

[1] تاریخ وفات ۲۱ رمضان، روز جمعہ سنہ ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء عمر ۶۳ سال۔

ظاہر میں خلقِ مصطفےٰؐ، باطن میں لطفِ کبریا ۔۔۔ ابرِ کرم، بحرِ سخا، احسانِ مولانا علیؑ
سکیں صفت سلطانِ دیں فریاد رس گوشہ نشیں ۔۔۔ مشکل کشا ہے بے گماں ۔ امکانِ مولٰنا علیؑ
ہر لحظہ نفسِ مرتضےٰؑ، پابندِ مرضیِ خدا ۔۔۔ سوئے رضائے کبریا رجحانِ مولٰنا علیؑ
بسم اللہِ قرآں کہوں، دیباچۂ عرفاں کہوں ۔۔۔ ہر جا پہ سبقت لے گیا عنوانِ مولانا علیؑ
ناکی زینت کے لئے سبطین گلدستہ ہے، ۔۔۔ واللہ کیا مقبول تھے ریحانِ مولانا علیؑ
کُل کفر دِل اسلام میں، ٹھہرا جو باہم فیصلہ ۔۔۔ اک فردِ کامل بن گیا ۔ ایمانِ مولانا علیؑ
اِک خشت کی بنیاد بھی رکھی نہ دنیا میں کبھی، ۔۔۔ حق نے بنایا خلد میں ایوانِ مولانا علیؑ
عابد، جری، قانع، سخی، عالم، تقی، غازی ولی، ۔۔۔ کُل وصفِ خالق نے دیئے شایانِ مولانا علیؑ
اِک مصحفِ آیاتِ حق اک عالَمِ اثباتِ حق، ۔۔۔ اِک منظرِ مرآتِ حق، برہانِ مولانا علیؑ
ہر لحظہ دل کی ہے صدا، یا مرتضےٰؑ مشکل کشا، ۔۔۔ مولا علیؑ مولا علیؑ، قربانِ مولانا علیؑ

ہے بندۂ عاصی سلیم اور اُس پہ دل ہر گز سقیم
ہے ہاتھ میں میرے کریم دامانِ مولانا علیؑ

بیان چھٹا

ولادت امام حسنؑ و بعض فضائل و حالاتِ صلح و شہادت

قَالَ اللّٰہُ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ فِیْ کَلَامِہِ الْعَظِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ بیشک اللہ نے آدم و نوح اور آلِ ابراہیم و آلِ عمران کو تمام عالموں سے برگزیدہ کیا ہے ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

کلامِ الٰہی نے برگزیدگی آدم و نوح کے ساتھ ساتھ آلِ ابراہیم کو بالعموم اور آلِ عمران کو بالخصوص ذکر فرمایا ہے ۔ جناب ابراہیم کی نسل میں چونکہ دو شاخیں ہو گئیں ایک جناب اسماعیل ذبیح اللہ اور دوسرے حضرت اسحٰق ۔ اور دونوں پیمبروں کی نسل طیب سے جو درجۂ نبوت پر فائز ہوئے وہ سب آلِ ابراہیم کے

تحت میں برگزیدہ قرار پائے۔ اس کے بعد آل عمران کا ذکر کسی خاص وجہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ سے شجرۂ نبوت ہم کو بتلاتا ہے کہ ایک عمران جناب یعقوبؑ کے پوتے گزرے ہیں جو خود نبی نہ تھے مگر آپ کی ذریت میں جناب موسیٰؑ اور ہارونؑ نبی گزرے۔

دوسرے عمران بن ماثان یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ستائیسویں پشت کے بعد پیدا ہوئے ان کا کوئی فرزند درجہ نبوت پر نہیں فائز ہوا مگر ان کے نواسے جناب عیسیٰؑ پیغمبر ہیں۔ بہرصورت آل ابراہیم کی حیثیت سے یہ انبیا خطاب اصطفےٰ کے سزاوار ہوئے لیکن سوائے سردار انبیا کے اور کسی نبی کے سر پر تاج مصطفوی ہم کو نظر نہیں آتا۔ نہ حضرت نجی اللہ کو نوح مصطفےٰ کہا گیا نہ حضرت ابراہیم کو اس خطاب سے یاد کرتے ہیں، نہ حضرت موسیٰ و جناب عیسیٰ روح اللہ کو۔ البتہ جناب آدم صفی اللہ سے ابتدا ہوئی یا یہ تاج مصطفوی کا خطاب اگر جچا تو سردار انبیا کے سر پر جچا جسے وہ کہیگا محمد مصطفےٰ۔ حضرت نام کے ساتھ یہ خطاب وصل ہوگیا۔ جس طرح جسم سے سر کا الحاق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا آل عمران سے ظاہر آیت میں جناب موسیٰ و عیسیٰ کے مورث کی طرف اشارہ ہو مگر باطن آیت کا رُخ کسی تیسرے عمران کیطرف ہے۔ اگر ڈھونڈھنے والا چشم معرفت رکھتا ہے تو سردار انبیا اُسے عمران کی گود میں نظر آئیں گے اور اس کی نسل طیبہ سے بارہ فرزند ملیں گے کہ تاج اصطفےٰ انھیں سرداروں کے سروں پر زیب دیگا۔ صلوۃ [۱]

(کوئی اس قول کو تسلیم نہ کرے اور آیت کی ترتیب میں سورۂ مریم کو دلیل میں پیش کرے تو ہم اس ترتیب کے کب قائل ہیں۔ جبکہ عمران کھلا ہوا نام تھا۔ اگرچہ کنیت زیادہ مشہور ہو۔ مگر جامع قرآن ایسی کھُلی ہوئی فضیلت کب گوارا کر سکتے تھے اس سے بہتر مقام تضمین آیت کا اور کیا مل سکتا تھا جبکہ تذکرہ جناب مریم میں آپ کے والد کا نام عمران قرآن میں آچکا تھا۔[۲])

کوئی یہ نہ سمجھے کہ عمران علی کے باپ کا نام نہیں۔ ابو طالب ہے۔ تاریخوں کا اتفاق ہے کہ ابو طالب کنیت ہے۔ عمران اصل نام تھا جس طرح خدا نے ابراہیم علیہ السلام کی پرورش آذر کی گود میں کرائی اور ان کو باپ کہا۔ حالانکہ وہ ان کے چچا تھے۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ یہاں بمفاد قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ رسول ختمی مرتبت کی تربیت چچا کی گود میں کرائی اور اسی نمونے کے بموجب چچا کا نام قرآن میں عمران آیا۔ اس کے علاوہ عمران کی نسل سے بارہ فرزند ایسے

---

[۱] تفسیر منہج الصادقین۔ خلاصۃ المنہج، تفسیر فرات، ضمیمہ جناب مولوی مقبول احمد صاحب (ملاحظہ ہو تفسیر آیت مذکورہ)
[۲] چاندے اندر کی عبارت عام مجمع میں پڑھنے کی نہیں ہے۔ ترک کرنا چاہیے۔

پیدا ہونے والے تھے جن پر اصطفےٰ کا خطاب سزاوار تھا۔ اور وہ سب آدم و نوح و ابراہیم و اسمٰعیل
موسیٰ و عیسیٰ سے بدرجۂ اولیٰ برگزیدۂ باری تعالیٰ تھے ثابت ہوا کہ اس آیت میں عمران سے مراد ابو طالب ہیں۔ علاوہ
اور اگر تفسیر عامہ کے بموجب آل عمران سے مراد عیسیٰ ابن مریم ہیں، جب بھی آل رسول کو اس سے
فائدہ پہونچتا ہے کہ قرآن میں خدا نے نواسے کو آل کا خطاب دیکر ایک مثال قائم کر دی۔ بہر صورت
قرآن آل رسول سے حوض کوثر تک جدا نہیں ہو سکتا اور کلام خدا نے تمام راہیں اہل بیت کیخلاف
بند کر دی ہیں۔ کیا لوگوں نے حسنین علیہم السلام کے باب میں فرزند رسولؐ ہونے سے انکار نہیں کیا؟
انکار کیا اور بزور شمشیر قرآن کی تردید صد بار کی؟ مگر قرآن نے ثابت کر دیا کہ آل سے مراد نواسے
ہیں + حجاج ابن یوسف ابن زیاد کے بعد اہل بیت کا سب سے بڑا دشمن گزرا ہے۔ مگر یہ صاحب علم
تھا ایک روز اس نے عامر شعبی کو بلا بھیجا۔ عامر کو یقین ہوا کہ آج موت کا سامنا ہوا۔ غسل کیا لباس
پاکیزہ پہنا اپنی شہادت کا یقین کر کے حاضر دربار ہوئے۔ دیکھا دستر خوان بچھا ہے مگر شمشیر برہنہ سامنے
رکھی ہے۔ عامر کانپنے لگے۔ حجاج نے کہا ڈرو نہیں کس وقت چاشت تک امان میں ہو۔ اچھا بیٹھ جاؤ
ایک کام کے لئے تم کو بلایا ہے۔ عامر بیٹھ گئے پھر حکم ہوا اسیر کو لاؤ۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص کو غل و زنجیر
میں جکڑے ہوئے سامنے لائے۔ حجاج نے عامر کی طرف دیکھا اور کہا یہ شخص حسنؑ و حسینؑ فرزندان علیؑ
کو فرزندان رسول کہتا ہے۔ اگر اپنے قول سے کوئی دلیل قرآن سے پیش کر سکتا ہے تو رہا کر دوں گا۔
ورنہ یہ تلوار اسی کے واسطے غلاف سے باہر ہے۔ ابھی اس کا خاتمہ کر دوں گا۔ عامر نے موقع پاکر کہا۔
اچھا اس کو غل و زنجیر سے تو رہا کر تاکہ اطمینان سے جواب دے۔ اگر اپنے دعوے کی دلیل نہ پیش کریگا
تو پھر تجکو اختیار ہے۔ حجاج نے حکم دیا کہ اس قیدی کو زنجیر سے رہا کر دو۔ لوگ اس کو علیحدہ لے گئے
اور زنجیر کاٹ کر لائے۔ عامر کہتا ہے اب میں نے پہچانا یہ تو سعید بن جبیر ہیں۔ دل میں کہا یہ فوراً کہاں
سے ثابت کر سکیں گے۔ بس آج ہی تک ان کی حیات تھی حجاج سعید کی طرف مخاطب ہوا اور کہا
تمہارے پاس قرآن سے کون سی دلیل ہے کہ حسنینؑ فرزند رسول ہیں؟ سعید نے کہا ذرا صبر کیجیے
میں دلیل پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد سعید نے سکوت کیا۔ تھوڑے عرصہ میں سر بلند کر کے شروع کیا۔
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔

یہاں تک پڑھ کر سعید خاموش ہو گئے۔ حجاج نے کہا اور اس کے آگے والی آیت بھی تمام کرو۔ سعید نے پھر
شروع کیا۔ وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ آیت ختم کر کے سعید نے کہا اے امیر اس
میں عیسیٰ کا کیوں ذکر آیا۔ عیسیٰ کا اسحٰق و یعقوب سے کیا تعلق؟ حجاج نے کہا۔ عیسیٰ بھی ذریت ابراہیم میں ہیں اس
لئے عیسیٰ کا بھی ذکر اسی ذیل میں آیا۔ سعید نے کہا اے حجاج ابراہیم و عیسیٰ میں دو ہزار دو سو یا ستر سال کا فصل
ہے۔ اور عیسیٰ کے باپ نہ تھا۔ مریم مادر عیسیٰ آل یعقوب سے ہیں اس لئے عیسیٰ کو خدا نے ذریت ابراہیم میں شمار
کیا۔ اور حسنینؑ اور رسول کے درمیان صرف ایک ماں کا فصل ہے۔ اُن کے فرزندان رسولؐ ہونے میں
کیا تامل ہے۔ حجاج کا سر جھک گیا۔ تھوڑی دیر غور بعد کہا یا سعید احسنت۔ پھر حکم دیا۔ دس ہزار
سرخ سعید کو عطا کئے جائیں۔ اُس وقت حکم رہائی ملا۔ گھر پر آئے۔ صبح کو پھر طلب ہوئے، دربار میں
خلعت دیا اور امام مسجد جامع اور قاضی بھی کر دیا۔ عامر کہتے ہیں۔ میں دوسرے روز سعید کو تہنیت دینے
مسجد میں پہونچا۔ دیکھا تمام مساکین و فقرا جمع ہیں اور سعید وہی اشرفیاں تقسیم کر رہے ہیں اور کہہ رہے
ہیں یہ حسنینؑ فرزندان رسولؐ کی برکت ہے کہ ایک شخص کو اگر غمگین رہا تو اس کے ہاتھ سے ہزار
مسکین کا غم غلط ہوا۔ یہ کہہ کر کل دینار تقسیم کر دیئے۔ ایک بھی باقی نہ رکھا۔ حکلوۃ

فیاضی سخاوت امام حسن

سبحان اللہ ان اسماء میں برکت کیوں نہ ہو کبھی ان کے در سے کوئی سائل محروم نہیں گیا۔
پھر ایک کی سخاوت ہو تو بیان کی جائے۔ چونکہ ایک نور سے خلقت ہوئی، ایک طینت سے پیدا کئے
گئے سب ایک صفات بھی یکساں ہیں، جو ہے وہ شجاعت میں اسد اللہ ہے۔ علم میں ابو تراب ہے۔ سخاوت میں
مشکل کشا ہے۔ علی کی نسل میں سب سے بزرگ امام حسنؑ تھے، لہٰذا بڑے کی سخاوت سنئے مگر درود پڑھ کر سنئے
سخی کا بیان ہے۔ کریم کا ذکر ہے، آپ کو بھی کچھ فیض حاصل ہو۔ ایک سائل آل علی کی سخاوت کا شہرہ سن کر

فیاضی امام حسن

آیا۔ امام حسن نے اس کو چار سو درہم اپنے کاتب سے دلائے۔ کاتب اشارہ نہ سمجھا چار سو اشرفیاں دے دیں۔
سائل اپنی حاجت سے زائد پا کر شکریہ ادا کرنے کے لئے حضرت کے پاس آیا۔ حضرت نے پوچھا کیا ملا عرض
کی چار سو اشرفیاں۔ فرمایا یہ کاتب کی سخاوت تھی۔ اچھا اس کو بلاؤ۔ جب کاتب نے عرض کی مولا میں نے
یہی سمجھا۔ فرمایا اچھا چار سو درہم بھی اس کو دو۔ میری خوشی سے درہم اس کو ملے۔ تیری خوشی سے دینار پائے۔

امام حسن کی سخاوت و فراوانی

چونکہ عہد معاویہ میں دنیا ظاہر پرست تھی حضرت کو بھی ضرورت ہوئی کہ لباس اور ظاہری
سامان میں تکلف کو دخل دیں۔ حضرت ایک قبا نہایت قیمتی پہنے ہوئے تھے۔ کچھ شعرا حضرت کے دربار

میں میٹھے ہوئے تھے ایک شاعر کو حضرت کی قبا پسند آئی۔ چند شعر اس نے حضرت کی مدح میں پڑھے اور کہا
یا ابن رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی مدح کر رہا ہوں اور آپ نے یہی قبا جو اس وقت
زیب جسم ہے مجکو خلعت میں دیا ہے۔ حضرت نے وہ قبا اس کو دیدی۔ اور اس سے بہتر قبا منگا کر پہنی۔
مگر حضرت کو غصہ آگیا۔ دوسرے شاعر نے عرض کی۔ مولا مجکو اتنی مہلت دیجیے کہ میں بھی خواب دیکھ
لوں۔ یہ کہہ کر اس نے بھی چند شعر اس سے بہتر حضرت کی شان میں پڑھے۔ مولا اس برجستہ جواب پر خوش
ہوگئے اور یہ قبا اس کو دیدی۔ اور کچھ دینار بھی مرحمت فرما کر ارشاد ہوا۔ تو سچ بولا یہ اُس کا انعام ہے تو نے
لباس بھی اس سے بہتر پایا۔ نقد بھی ملا اور خدا اور اس کے صالح بندے خوش ہوئے۔

حضرت نے سخاوت کی کوئی قسم باقی نہ رکھی جو اپنے نام کے ساتھ دنیا میں نہ چھوڑ رہی ہو۔ ایک مرتبہ
قصد کر لیا کہ اپنے کل مالِ دنیا کا نصف حصہ راہ خدا میں تقسیم کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کل اثاث البیت کے
دو حصے کئے۔ یہاں تک کہ نعلین مبارک بھی دو حصوں پر تقسیم کر دی ایک حصہ مساکین کو دیدیا اور ایک حصہ
عیال کے لیے باقی رکھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے اپنی عمر میں دو مرتبہ ایسا ہی کیا۔

اولاد علیؑ اور آل رسولؐ کے لئے یہ کچھ بعید نہیں۔ اس سے بہتر سنیئے۔ نہ کبھی ان کا ہاتھ دینے سے تھکا نہ
نہ ہمت پست ہوئی۔ مداحوں محتاجوں و فقراء کو تو یہ ملتا ہی تھا اور اب بھی جو بخلوص نیت مانگتا ہے خروم
ملتا ہے۔ نہیں بلکہ گھنے والوں کو دیا۔ دشنام دینے والوں کو دیا۔ دشمن کو دے کر اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔

مبرد بن عائشہ بیان کرتا ہے۔ ایک روز حضرت ایک عمدہ گھوڑے پر سوار بہ تجمل و وقار امامت
جا رہے تھے۔ ایک شامی نے جو سر راہ کھڑا تھا پوچھا یہ کون جا رہا ہے کس کی سواری ہے؟ لوگوں نے کہا
فرزند رسول ذوالمننؐ امام حسن علیہ السلام ہیں۔ شامی نے اس وقت کلمات ناسزا اور الفاظ نا ملائم شان والا
شان میں کہنا شروع کئے۔ حضرت نے اغماض سے گھوڑے کی باگ روک لی۔ حضرت نے فرمایا۔ اے شیخ معلوم
ہوتا ہے تو بدوی عرب ہے تو آل رسول کے مناقب اور میرے مراتب سے ناواقف ہے۔ تجکو غلط باور کرایا گیا ہے
میرے ساتھ چلتا اسباب کو سے کر آ۔ میں تجکو ہر اس بات سے رضامند کر دوں جو تیری خواہش ہو۔ اگر کوئی حاجت
رکھتا ہے میں پوری کر دوں۔ اگر زاد راہ کی ضرورت ہے وہ حاضر کر دوں۔ اگر سواری مطلوب ہو گھوڑا دوں
اگر بھوکا ہے تجکو سیر کر دوں۔ اگر لباس کی ضرورت ہے تجکو خلعت فاخرہ دوں۔ اگر جادۂ ایمان کی تلاش
ہے تجکو راہ نجات پر لگا دوں۔ چل میرے گھر پر چل جب تک تیرا دل چاہے قیام کر۔ میں تیری خدمت کروں گا

یہ تیرے حق میں بہتر ہے بہ نسبت اس کے تو جس عالم میں ہے۔ حضرت نے اس فصاحت و بلاغت سے ارشاد فرمایا گویا دریا موجیں مار رہا تھا۔ شامی حیرت میں آگیا۔ کچھ دیر سکوت میں اپنی عصا پر تکیہ کئے کھڑا رہا۔ پھر اپنی زنبیل اٹھائی اور کہا بے شک میں غلطی پر تھا اور اس کے قبل آپ کا اور آپ کے والد بزرگوار کا دشمن تھا اور اب مونس و جاں نثار۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ خَلِيفَةُ اللهِ فِي اَرْضِهٖ بیشک آپ خلیفہ برحق ہیں دنیا میں اچھا چلنے میں آستانہ مبارک پر چلتا ہوں اور اب عمر بھر جدا نہ ہوں گا۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ میرا سفرِ آخرت آپ کے آستانہ مبارک سے ہو۔ یہ کہہ کر اپنا اسباب دوش پر رکھا اور حضرت کے ساتھ درِ دولت پر آیا اور مرکر قدموں سے جدا ہوا۔

مصالحہ صلح

حضرت کا کمال ایثارِ نفس تھا کہ دوستوں کی حفاظت اور بقائے دین کے لئے اپنی ذات کو حکومت و امارت سے محروم کر کے امیر شام سے صلح کر لی اور سلطنت سے دست کش ہو گئے۔ جہادِ نفس اور ایثار اسی کو کہتے ہیں۔ کہ اصلاح کی صورت مصالحت میں دیکھی اپنے مفادِ ذاتی کو ترک کیا اور شرائطِ صلح وہ مقرر کئے کہ اس میں دوستوں کو اور دین کو فائدہ پہونچے۔ اور دنیا میں کوئی یہ نہ کہہ سکے رسول خدا صلعم نے جس طرح حُدیبیہ میں صلح کر لی اور خوں ریزی سے کنارہ کشی کی فرزندِ رسول نے اس صورت پر کیوں نہ عمل کیا پہلے صلح کر کے دیکھ لیتے اگر اس میں اصلاح نہ ہوتی تب تلوار کھینچتے۔ اس لئے پہلے امام حسنؑ نے فلاحِ مسلمین و حفاظتِ دین کے لئے شرائط پر صلح کر لی۔ اور جب یہ حجت بھی باقی نہ رہی اور دیکھا کہ اصلاح کے بدعہد قوم کے ہاتھوں قتلِ مومنین اور ضیاعِ دین کی نوبت آگئی اس وقت کربلا میں دوسری صورت رسولؐ کے دوسرے فرزند نے اختیار کی۔

گویا صلح و جنگ دونوں شکلوں کو دونوں بھائیوں نے تقسیم کر کے دکھلا دیا کہ ہم حفاظتِ دین اور فلاحِ مسلمین کے لئے نفس کشی کر کے خاموش بھی بیٹھ سکتے ہیں اور جب اس میں مضرت ہو تو میدانِ کارزار میں نکل کر اپنے نفس کی قربانی بھی کر سکتے ہیں۔

صلح کی ہر شرط فلاحِ مسلمین و حفاظتِ دین پر مبنی ہے ملاحظہ ہو۔ تمام مورخین عامہ و اخبار و احادیث شیعہ متفق ہیں کہ جب امام حسنؑ کو اہل کوفہ نے دھوکہ دیا اور سرداران سپاہ اشعث بن قیس کندی اور عمر و ابن حریث شبث ابن ربعی نے امیر شام (معاویہ) سے سازش کر لی۔ ناچار ابن عباس کے ذریعہ سے صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ امیر شام (معاویہ) نے وہ تمام خطوط حضرت کے پاس بھیج دیئے جن کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ تم

لشکر شہر کے قریب آجاؤ۔ ہم سب جب ملحق ہو جاؤ گے ہم امام حسنؑ کو گرفتار کر کے تمہارے حوالے کر دیں گے حضرت حسن علیہ السلام نے تمام شب اس پر غور فرمایا صبح کو شرائطِ صلح لکھ کر عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب کے ہاتھ معاویہ کے پاس روانہ فرمایا۔ اور خط میں تحریر فرمایا۔ اگر تو صلح چاہتا ہے ہمارے شرائط پر عمل کر کہ اس میں فلاح دین اور یقین کے لئے بہتری ہے اور تو وہ راہ اختیار کر جو توابین کی ہوتی ہے۔ اپنے پچھلے افعال و اعمال سے توبہ کر اور آئندہ کے لئے عہد محکم کر کہ ان شرائط پر عمل کروں گا

پہلی شرط یہ ہے کہ کتاب خدا و سنت رسول پر عمل کروں گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ نہ بناؤں گا اور کسی کو نامزد نہ کروں گا۔ اس مسئلہ کو مسلمانوں پر چھوڑ دوں کا جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں۔ امیر معاویہ نہ حضرت کو امیر المومنین لکھے نہ حضرت اس کو امیر المومنین کہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ میرے دوست خواہ عراق میں ہوں کہ حجاز میں یا جس ملک میں ہوں امان میں رہیں گے۔ ان کی جان و مال اور فرزند سے حکومت کوئی تعرض نہ کرے وہ ہر طرح محفوظ رہیں گے چوتھی شرط یہ ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جملہ اقربائے رسولؐ سے کوئی مخاصمہ اور کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بالائے منبر امیر المومنین کی شان میں کلمات سب و شتم نہ کہے جائیں۔ چھٹی شرط حقوق بندگانِ خدا جو اللہ اور اس کے رسول نے دلائے ہیں وہ سب کو برابر ملتے رہیں گے۔ نیز یہ کہ آراضی مدینہ جو امام حسنؑ کے قبضے میں ہے اس پر کوئی خراج معین نہ ہوگا۔ اور پچاس ہزار درہم سالانہ حضرت کو ملتا رہے گا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ مقتولین جمل و صفین کے ورثا کے لئے امیر المومنین علیہ السلام نے جو رقم معین فرمائی ہے حکومت برابر دیتی رہے گی اور ایک لاکھ درہم اس وقت لشکر امام حسنؑ کو تقسیم کرنے کے لئے نقد داخل کرے اس کے علاوہ بیت المال کوفہ میں جو رقم موجود ہے اس سے حکومت کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور ان تمام شرائط پر معاویہ ہمیشہ پابند رہے گا۔

یہ ہیں شرائطِ صلح اور مصالحت نامہ کا خلاصہ (باختلاف الفاظ)۔

رموزِ سیاست کے جاننے والے، اصولِ شریعت کے سمجھنے والے غور فرمائیں کہ حضرت نے کن شرائط سے صلح فرمائی ہے اور کس قدر فوائد اپنے دوستوں اور حفاظتِ دین کے ملحوظ رکھے ہیں۔ گویا کتاب اللہ و سنت رسول کا پابند کر کے حضرت اپنی طرف سے امیر شام معاویہ کو عامل بنا کر حکومت سے کنارہ کش ہو گئے۔ سیرت

سنہ شرائط صلح نامہ میں مورخین نے کم و بیش شرطیں لکھی ہیں۔ میں نے انتخاب کر کے اپنا فقرہ لکھ دیا ہے حضرات اہلسنت کے یہاں اسکا قریب قریب موجود

شیخین کی قید کو اٹھا کر تسلیم کرا دیا کہ اصول شریعت کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ امیر المومنین کے خطاب کو مختص کر دیا کہ پھر اس خطاب کو کوئی اختیار نہ کرے۔ آئندہ کے لئے کسی کو نامزد نہ کرنے کی شرط واقعہ کربلا پر روشنی ڈالتی ہے۔ جس سے امام حسینؑ کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے، دوستوں کی حفاظت اور محبتِ علی کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے شرائط میں بالعموم سخت پابندی کر دی کہ ہمارے دوست ہر مقام پر محفوظ رہیں اور بخوف ظلم وستم لوگ محبتِ علی سے کنارہ نہ کریں۔ غرض اس صلح نامہ کی ہر شرط پر امام کو تمام الزامات سے بری کیا جاتا ہے۔ بلکہ شانِ امامت کو بلند کرتی ہے۔

بہرحال امیر شام کے پاس صلحنامہ پہونچا۔ معمی کوئی بات دل میں جس نے امیر معاویہ ایسے دنیادار کو مجبور کیا کہ بلا کمی بیشی ہر شرط کو تسلیم کیا اور خود مہر و دستخط کر کے عمائدین کی شہادت سے مکمل کر کے ۲۵ ربیع الاول سائلہ ھ کو صلح نامہ کی تکمیل کر دی۔ صلح کے بعد موافق ومنافق کا حضرت پر ہجوم ہوا اور حضرت سے صلح کے بابت سخت مطالبہ کیا۔ حضرت نے دوست اور دشمن ہر ایک کی تسکین کر دی۔

میں عرض کروں گا خود جناب پیغمبر خداؐ نے صلح حدیبیہ کی ایک مثال قائم کر کے اپنی اولاد سے اعتراض کو اٹھا دیا۔ صلح رسولؐ کی نرمی، اور شرائط قریش کی سختی جس پر لوگوں کو نبوت میں شک واقع ہوا۔ اسی طرح صلح امام حسنؑ پر شک کرنا مشرکین کی پیروی کا مصداق بناتی ہے۔ حالانکہ امام حسنؑ کی صلح کے شرائط حضرت ہی کے مفید تھے۔ اس کے علاوہ حضرات اکابرین اہلسنت نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک روز جناب رسولِ خداؐ خانۂ فاطمہ میں تشریف فرما تھے پنجتن جمع تھے۔ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِلیٰ عَلیٍّ وَ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ وَفَاطِمَۃَ فَقَالَ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ۔ پس حضرت نے ایک نظر سے سب کو دیکھا اور فرمایا میں اس سے لڑنے والا ہوں جو تم سے جنگ کرے اور اس سے میری صلح ہے جس سے تم صلح کرو۔

حدیث رسول متفق صلح [illegible] احمد بن حنبل [illegible]

اب اس حدیث رسول کے بعد شک کرنا معاذ اللہ رسالت میں شک کے درجہ تک پہونچتا ہے۔ ہمارا تو ایمان اسی پر ہے کہ ہمارے ہر امام کا فعل حکم خدا ورسول کا تابع ہے۔ جس امر پر جو مامور ہوا اس نے اس پر عمل کیا۔ یہ سیاست الٰہیہ ہے کہ کسی کو صلح کا حکم دیا کسی کو جنگ کا۔ سیاستِ دنیا بھی اسی اصول کی پابند

لہ اس حدیث کو امام احمد ابن حنبل نے اور طبرانی نے اور حاکم نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے زید بن ارقم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ محب ریاض النضرہ فی فضائل عشرہ میں ابوبکر سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

ہے کہ پہلے نرمی سے اور انکسار سے کام نکالے اور جب صلح اور آہستگی سے کام نہ چلے تو پھر سختی اور درشتی اختیار کرے۔ اسی اصول پر خدا نے اپنے رسول کو دو زبردست آلے عطا فرمائے۔ ایک کو باس حلم عطا فرما کر کہ وہ اپنے عہد کو صلاحیت اور نرمی سے رسول کی صلح جو سنت پر عمل کرے۔ دوسرے کو جہاد سیف کے لئے غیور اور سن چلا شاکر پیدا کیا کہ نرمی کے بعد سختی کی ضرورت پیدا ہوا کرتی ہے +

(بلحاظ مناسبت پہلے امام حسنؑ پیدا ہوئے۔ رسول کے گھر میں امام حسنؑ کی ولادت کی پہلی عید ہے۔ ماہ صیام کا متبرک زمانہ۔ نیمہ رمضان کی صبح صادق۔ نور الٰہی کا ظہور رسولؐ کے مسرت کی حد نہیں، باپ کی خوشیوں کی انتہا نہیں۔ ماں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون وقت مسرور ہوگا۔ خدا نے بڑی دولت دی۔ نخلِ امید کا پہلا ثمر۔ آغوشِ آرزو میں آیا۔ گھر میں ایک غیر معمولی آثار شادی پیدا ہیں مگر دنیا داروں کا گھر نہیں ہے رسول کا فرزند ہے، اسد اللہ کا بیٹا ہے، حوریں خدمت کے لئے، ملائک تہنیت کے لئے جوق در جوق آرہے ہیں۔ دریچہ ہائے آسمان کھلے ہیں۔ طوبیٰ زر و جواہر برسا رہا ہے باپ خوشی خوشی زچہ خانہ میں داخل ہوا۔

سلمہ بنت عمیسؓ آپ کی دایہ نے خدا کی دی ہوئی دولت باپ کی گود میں دی۔ دیکھا بچہ نہلایا دھلایا پاک صاف ناف بریدہ مختون و مسعود ہے۔ حیرت ہوئی۔ فرمایا سلمہ کیا اس کو غسل دے چکیں! دائی نے عرض کی نہیں مولا یہ بچہ پاک و پاکیزہ پیدا ہوا۔ جناب سیدہ نے کہا یا ابوالحسن کوئی نام تجویز کیجیے۔ فرمایا میں رسول پر سبقت نہیں کر سکتا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرتؐ سفر میں تھے تیسرے روز تشریف لائے۔ جبرئیل حضرت کو خبر دے چکے جب گھر میں آئے سلمہ نے ایک زرد پارچہ میں لپیٹ کر حضرت کی گود میں دینا چاہا اوہ حسن کی بیبی نواسہ مبارک ہو۔ فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ زرد کپڑا قماط میں استعمال نہ کرنا۔ جاؤ دوسرے قماط میں لاؤ۔ سلمہ سفید پارچہ میں لپیٹ کر لائیں۔ پہلے داہنی طرف اذان کہی، پھر بائیں کان میں اقامت سنائی۔ پھر پوچھا کیا اس کو دودھ دیا گیا؟ جناب سیدہؑ نے عرض کی بابا میں بھول گئی میں نے دودھ دیدیا۔ پھر حضرتؐ نے اپنی زبان دہن شیر خوار میں دیدی۔ مثل شیر کے دیر تک بچہ چوستا رہا۔ امیر المومنینؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ اس کا نام رکھ دیجیے۔ فرمایا میں خدا پر سبقت

نوٹ محفل میلاد کے لئے چونکہ وہ دور کی عبارت مختصر ہے۔ مجلس غم میں اس قدر بیان مختصر کر دینا چاہیئے۔ ۱۲

نوٹ سلمیٰ بنت عمیس صحیح ہے۔ روایات میں اسماء درج ہے۔ مگر اس وقت اسماء جناب جعفر طیار کی زوجیت میں تھیں اور وہ پتے شوہر کے ہمراہ حبش میں تھیں۔ سنہ میں بروز فتح خیبر واپس ہوئیں۔ سلمہ ان کی بہن تھیں۔ ممکن ہے غلط ہو۔ یا کاتب کی غلطی ہے۔

نہیں کر سکتا۔ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ اَنَّہٗ قَدْ وُلِدَ لِمُحَمَّدٍ اِبْنٌ فَاهْبِطْ فَاَقْرِأْہُ السَّلَامَ وَهَنِّئْہُ وَقُلْ لَہٗ اِنَّ عَلِیًّا مِنْکَ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰی فَسَمِّہٖ بِاسْمِ ابْنِ هٰرُوْنَ
جبرئیل کو حکم ہوا محمدؐ کے بیٹا پیدا ہوا ہے۔ جاؤ ہماری جانب سے سلام کہو اور مبارک باد دو اور کہو ہمارے نزدیک علیؑ کو تم سے وہ منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ بس وہی نام رکھو جو ہارون کے فرزند کا تھا۔ جناب رسول خدا نے پوچھا ہارون کے بیٹے کا کیا نام تھا۔ جبرئیل نے کہا۔ شبر۔ فرمایا جا کر عرض کرو میری زبان عربی ہے۔ جبرئیل گئے اور پھر پیام لائے کہ اے حبیب تم حسنؑ نام رکھو اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

خدا نے تہنیت دی، ملائکہ نے تہنیت دی میرا فرض ہے کہ میں بھی مدح و ثنا کے موتی شہزادے پر نثار کروں۔ روایت میں لِمُحَمَّدٍ ابْنٌ واقع ہے سبطؑ خدا نے نہیں فرمایا جس کا مطلب میں یہی سمجھوں گا کہ روز اول سے خدا نے بیٹا کہا ہے۔

دوسری بات قابلِ صلوٰۃ اس ذکر میں یہ ہے کہ خدا نے نام رکھا تو ہارون کے بیٹے کا۔ اب منزلت و شباہت ہارون سے پوری ہوئی۔ ہارون کے باپ کا نام عمران تھا جیسا کہ مقدم کلام میں عرض کر چکا ہوں وَآلَ اِبْرَاهِیْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ امیر المومنینؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا اور اب جو بیٹا پیدا ہوا تو ہارون کے بیٹے کے نام پر شبر نام رکھا گیا۔ کیوں نہ تشبیہ کامل ہو۔ خدا کی دی ہوئی شباہت ہے۔

رسولؐ کی ریاضت کا یہ پہلا پھل تھا۔ اس میں ہر صفت رسولؐ کی موجود تھی۔ وہی رسول کے ابرو، وہی خد و خال، وہی جاہ و جلال وہی قد و قامت، وہی انداز تبسم وہی عنوانِ تکلم۔ گویا رسول کے روئے مبارک کا مرقع، آئینۂ امامت میں اتر آیا تھا۔ ام المومنین بی بی عائشہ کو جب دیدار رسول کا شوق ہوتا تھا اس نورانی تصویر کو دیکھ کر تسکین کر لیتی تھیں۔ اس مرقع کے لئے زیبا تھا کہ پہلوئے رسول میں دفن ہوتا۔ رسول کی حیات میں آغوش کی زینت بنا۔ دوش کی زینت رہا۔ بعد وفات مسند رسول کی زینت بنا۔ کاش قبر بھی پہلوئے رسول میں بنتی۔ توحید کے روضہ کی رونق بڑھ جاتی۔ مگر نہ دفن ہونے دیا نواسے کو نانا کے پہلو میں۔ زندگی بھر چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ صلح کر کے بھی آرام نہ ملا کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ عرصہ تک سلسلہ تکالیف باقی رہا۔ مدائن میں فوج مخالف ہو گئی۔ دوش مبارک سے عبا اتاری۔ جانماز سے حضرت کو دھکیل دیا۔ جب مخلص دوستوں نے لشکر سے نکال لے جانا چاہا

نہر کے کنارے خنجر حضرت کی ران پر مارا کئی مہینے تک زخم کی ایذا رہی بالآخر بادشاہ روم کے ذریعہ
سے دوسم قاتل حاصل کیا گیا جس نے ۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ کو خاتمہ کر دیا۔

موافق روایت بحار الانوار حضرت صوم سے تھے۔ افطار کے وقت شیر میں وہ زہر جو مروان لعین کے ذریعہ
سے جعدہ بنت اشعث نے ملا کر پیش کیا۔ ہائے افسوس کس قیامت کا زہر تھا حلق سے اترتے ہی کام
کر گیا حضرت سمجھ گئے کہ وقت آ گیا جس کی خبر نانا رسولؐ خدا اور بابا علیؑ مرتضیٰ دے گئے تھے۔ زوجہ ملعونہ کی طرف
دیکھ کر فرمایا تو مجھے ہلاک کر کے بہرہ مند نہ ہوگی۔ محبت دنیا میں تو نے عذاب الٰہی خرید کیا۔ اب طبیعت بگڑی
استفراغ ہوا۔ طشت میں قلب و جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ بہنوں کو خبر ہوئی۔ روتی ہوئی
پہنچیں۔ حسینؑ بلائے گئے۔ بھائی کو بستر پر تڑپتے دیکھا۔ دونوں بھائی لپٹ کر رونے لگے۔ پھر امام
حسینؑ نے پوچھا آپ کے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا؟ فرمایا پوچھ کر کیا کرو گے۔ عرض کی اس کو قتل کروں گا۔ فرمایا
خدا اس سے بہتر سزا دے گا۔ صبر کرو۔ اے بھائی حسینؑ اپنے اہل بیت اور یہ ننھے بچے تمہارے حوالے
ہیں۔ اب تم سے جدا ہوتا ہوں۔ بھائی حسینؑ تم خود مجھے غسل دینا اور میرا جنازہ تیار کر کے روضۂ رسولؐ
پر لے جانا۔ اگر لوگ دفن نہ کرنے دیں تو تم کو قسم ہے خدا کی اور میرے حق کی کہ تم لڑنا نہیں اور ایک قطرہ
خون کا نہ بہانا۔ یہ فرما کر بزرگوں کے تبرکات امام حسینؑ کے سپرد کئے اور فرمایا اب تم ان کے وارث اور
محافظ ہو۔ پھر کچھ باتیں بطور راز امامت کان میں کہیں۔ اس کے بعد پھر گلے مل کر دونوں بھائی رونے لگے۔

معاذ اللہ، قیامت کا وقت تھا، دیکھنے والوں کے لئے حسینؑ کو اس بھائی کی مفارقت درپیش ہے
جو ایک ساتھ کھیلا۔ بچپن سے کسی وقت جدائی نہیں ہوئی۔ رسولؐ کی گود میں ایک ساتھ بیٹھے، کاندھے
پر ایک ساتھ سوار ہوئے، آج تک نہ کبھی حسنؑ نے حسینؑ کو جدا کیا نہ حسینؑ بھائی سے علیحدہ ہوئے۔ اب
ایسا فراق درپیش ہے کہ دنیا میں یکجائی ممکن نہیں۔ دونوں بھائیوں کی مصیبت خیز رخصت پر تمام اہلبیت
میں کہرام برپا تھا۔ بہنیں، کنیزیں، سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھیں، مدینہ میں کہرام برپا تھا۔ جب وصیتیں
کر چکے اپنے بچوں کو بلایا اور بہ نظر حسرت سب کو دیکھا ناگاہ پیشانی پر موت کا پسینہ آ گیا۔ قبلہ کی طرف منہ
کیا اور روح فردوس آشیاں [illegible] ملحق ہوئی۔ ایک تازہ قیامت برپا ہوئی۔ دیر تک سب اس
مصیبت پر رویا کئے۔

حسب وصیت امام حسینؑ نے غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ جنازہ گھر سے لے کر چلے ابن عباس اور عبید اللہ

بن جعفر اور فرزندان امیر المومنینؑ و اولادِ عقیل سر برہنہ جنازہ کے ساتھ ساتھ مسجدِ رسولؐ میں آئے۔ تمام اہلِ مدینہ رو رہے تھے۔ سعد بن عاص حاکمِ مدینہ نے چاہا کہ میں نماز پڑھاؤں مگر بنی ہاشم نے امام حسینؑ کو آگے کر دیا۔ جب تک نماز ہوئی مروانؔ چند بنی امیہ کو لے کر پہونچ گیا۔ دیر تک امام حسینؑ سے گفتگو رہی اور حضرت نے اپنے تمام حقوق پیش کئے مگر اشقیا نے نہ مانا اور آمادہ جنگ ہوئے، بنی ہاشم بھی بگڑ گئے اور ہاتھ قبضۂ شمشیر پر پہونچ گئے۔ مگر مسندِ امامت پر قدم رکھتے ہی امام حسینؑ کا یہ پہلا امتحانِ صبر تھا کہ باوجود قوت کے آپ امام اور بڑے بھائی کی وصیت سے مجبور ہو کر خاموش ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ بھائی کو نانا کے قریب دفن کریں اور تقاضائے محبت بھی یہی تھا۔ عباس سا اشجع العرب، گو ابھی کمسن ہے مگر دنیا کی کسی قوت سے نہ دبنے والا بہادر، قوت بازو سا تھ ہے، مسلم بن عقیل ایسا شجاع جوان ہمراہ ہے اور تمام بنی ہاشم بگڑے ہوئے تیور سے حکم کے منتظر ہیں مگر ایک طرف حرمتِ مسجدِ نبویؐ کا خیال جو کعبہ سے کم نہیں دوسری طرف بھائی کی وصیت کا لحاظ اور اس کی پابندی۔ معاذ اللہ یہ دو ایسے قوی اسباب مانع ہیں کہ امام مجبور ہیں اور علیؑ کی شان صبر دکھلا رہے ہیں۔ جس طرح وصیتِ رسولؐ سے مجبور ہو کر بعد وفاتِ رسول علیؑ پر سب کچھ ہو گیا مگر علیؑ ایسے بہادر نے سر نہ اٹھایا۔ گلے میں رسی تک بندھوائی گرید اللہ کو جنبش نہ دی۔ اسی طرح آج حسینؑ کا سخت امتحانِ صبر ہے کہ بھائی کے جنازے پر یہ ظلم ہو رہا ہے کہ ایک طرف میت کی بے حرمتی کا بندوبست ہے دوسری طرف اپنے حق سے محروم ہو رہے ہیں۔

دنیا میں ہر قوم اور ہر قبیلہ یہی چاہتا ہے کہ اپنے مردے کو اپنے بزرگوں کے پاس دفن کرے۔ مگر فرزندِ رسولؐ کے واسطے دنیا کی سب رسمیں بدل گئیں۔ کس قدر ظلم شدید ہے کہ امت اس کا جواب نہیں اصحاب کو پہلوئے رسولؐ میں جگہ دی جائے اور فرزندِ رسولؐ اس کا مستحق نہ قرار پائے کہ دو گز زمین نانا کی قبر کے پاس پائے! پھر فقط زبان سے نہیں زبانِ تیر سے فرزندِ رسولؐ کا مقابلہ کیا گیا اور لاشِ مظلوم پر تیروں کا مینھ برسنے لگا۔ نشتر تیر لاشِ امام مسموم میں پیوست ہوئے۔ جس نے دنیائے اسلام میں رسمِ صلح جاری کی، جس نے وصیت کر دی کہ میرے جنازے پر قتال نہ کرنا۔ اس کی دنیا نے یہ قدر کی۔ آخر موافقِ وصیت کو امام حسینؑ بقیع میں لائے اور دفن کر دیا۔ اور ہمیشہ کے لئے بھائیوں میں جدائی ہو گئی۔ ایک بھائی کی قبر

لہ تمام اہلِ سنت نے زہر دینا جعدہؔ بنت اشعث زوجہ امام حسنؑ کا بہ تحریکِ معاویہ تحریر کیا ہے۔ اسد الغابہ و استیعاب ملاحظہ ہو۔ مگر جنازے پر تیر باراں کا نام مورخان نے نقل کیا ہے۔ ابن جریر طبری نے ایک معتبر [illegible] کا نام ذیل میں تحریر کیا ہے۔

جنت البقیع میں ہی ایک بھائی نے کربلا کا صحرا آباد کیا مگر فرزند رسول کو جس کی یکجائی منظور ہو اس کو کون جدا کر سکتا ہے ۔

آج حسین کے تعزیے میں دیکھ لیجئے ایک تربت سبز اور ایک سرخ نظر آئے گی ۔ یہ انتظام قدرت ہے کہ دونوں بھائیوں کا غم اسلام کے پیش نظر ہے ۔ امام حسنؑ کا یوم وفات بھی حسینؑ کے ایام عزا کے متصل واقع ہوا کہ ایک ہی صف ماتم پر دونوں بھائیوں کی مجلس عزا قائم ہے اور دنیا میں حسنؑ حسینؑ کا ماتم ساتھ کیا جائے۔

قصیدہ در مدح فرزند رسولؐ زمن حضرت امام حسن علیہ السلام

رُت با صلاح ہوئی کچھ جو فضائے گلشن
سبز پوشانِ گل اندام چلے سوئے چمن

تلخ آمیز ہوائیں ہیں مسرت افزا
دل مشتاق مگر خوفِ خزاں سے بدظن

بے ثباتی پہ تری اے اثرِ جوشش بہار
متبسم ہیں جو غنچے تو ہیں گل قہقہہ زن

سطوتِ وعدوں پہ ہو بلبلِ شیدا کیونکر
عادتاً ہوتے ہیں صیاد بڑے عہد شکن

بھیس میں بادِ بہاری کے خزاں آئی ہے
کوچۂ گل میں ہیں پوشیدہ ہزاروں رہزن

حلقۂ کاکلِ پر پیچ کا دے کر دھوکا
زلفِ سنبل کی نہ بن جائے کہیں دامِ فتن

سایۂ سرو میں بیلوں کا یہ اندازِ نمو
ہو نہ جائے کہیں گلچیں کے لئے دار و رسن

آتشِ گل سے بھڑک اٹھے نہ کوئی شعلہ
گنبد گل پرسش بچائے رہیں اپنا دامن

بجلیاں ابرِ بہاری میں رہیں شعلہ فشاں
نہ ہری شاخِ تمنا ہو نہ چمنِ گلشن

چھپ کے نکہت بھی نہ غنچوں سے نکلنے پائے
ہر نگہباں پہ خزاں کا ہے چمن میں آزعن

باغ سے دخلِ عنادل کا ہٹایا جائے
اب نئے ہاتھ میں صیاد کے نظمِ گلشن

آشیاں پھونک دو گلشن میں نہو دخلِ بہار
اب نہ گلچیں رہیں باقی نہ عنادل نہ چمن

آشیانوں سے وہ دل سوز شرارے نکلیں
دور سے صرف تماشہ رہیں احباب وطن

۱؎ جناب امیرؑ کے بعد امام حسنؑ کا ارادہ جنگ ہونا اور معاویہ کا پیغام صلح ۲؎ رعایت امام حسنؑ سے ۔ ۳؎ صلح میں در پردہ اغراض خارجہ امیر شام ۴؎ شرائط صلح کا بلا اختلاف امیر معاویہ کا تسلیم کر لینا ۔ عہد شکنی کی نیت سے یزید کو ولی عہد بنانے کا اعلان ۔ جبریہ بیعت ۔ ۵؎ معاہدہ صلح کے پرزے میں نئے فساد کی تخم ریزی کا ۶؎ مجرمین مدنی اور اصحاب امام حسنؑ کو رسوا کر دینا ۔ ۷؎ مخبر امام حسنؑ مدائن میں ۔ امیر شام کی سازش ۔ ۸؎ جعدہ ۹؎ امام حسنؑ کی خواہشوں کے خلاف رشتہ ۔ روایتیں ۔ ۱۰؎ کوفہ میں محبت امام حسنؑ کی عام مخالفت ۱۱؎ باغ فدک کی طرف اشارہ جو کہ ۱۲؎ غرض روان کے قبضے میں دیکھا جو تاریخی نکتہ نظر سے شب خیر ہے ۱۳؎ تاریخی اشارہ جو دستیاب [illegible] سے تعلق نہیں ہے [illegible] امام

آگ سبزے میں لگے دامنِ صحرا جل جائے
جو وہ اندھیر کہ گلزار بنے گلخنِ یمن

اثرِ زہر سے ہر موجِ ہوا موسم کی ہو
سمِ قاتل ہو پئے سبزہ رخانِ گلشن

آتش میں خاصیتِ بغض سرایت کر جائے
مونس و ہمدم و غم خوار ہوں جانی دشمن

اب چمن میں جو شہیدانِ وفا کی ہے قدر
پہلوئے گل میں نہ پائے کوئی بلبل مدفن

صفحۂ دل سے مٹا ڈالے ہر اک نقشِ وفا
گلشنِ دہر سے مٹ جائے محبت کا چلن

حکم سنبل کو ہے آزاد نہ رہنے پائے
ہوں جو خوش حال ہمیشہ رہیں پابندِ محن

دیکھ تو دیکھ تو جی بھر کے گلستاں کی بہار
پھر نہ گل ہوں گے نہ گلچیں نہ عنادل نہ چمن

اک طرف فیضِ بہار ایک طرف جورِ خزاں
دیکھیں حاصل ہو کسے جنگ میں فتحِ روشن

اک طرف زور و زر و شعبدہ و زور و دغا
ایک جانب اثرِ معجزۂ سحر شکن

گویا فرعون سے موسےٰ کا مقابل ہے پھر
یا مقابل میں شبِ تار کے روزِ روشن

فیصلہ کون کرے جنگ کا کثرت کے خلاف
صلح جو، دس تو ہزاروں ہیں طرفدارِ فتن

عدل کہتا ہے اسی کی سرِ میداں ہے شکست
جس کو دنیائے دغا کہہ دے دغا میں پُرفن

معرکے میں جو کرے اپنے شرائط سے عدول
مرد کیوں کہیئے اُسے بلکہ حقیقت میں ہے زن

کارنامہ ہے امامت کا تری صلحِ عدو
اے مرے مصلحِ دیں ابنِ شہِ قلعہ شکن

شانِ عالی کے تقاضے میں ثنا ہے دشوار
وجد میں جوشِ طبیعت ہے مگر گرمِ سخن

میں کہاں اور تری مدح کہاں اے مولا
کہ ملائک ہیں تری حمد و ثنا میں الکن

نہ لیاقت، نہ فراست نہ تبحر نہ ہنر
نہ میں اعلم نہ میں افضل نہ کوئی صاحبِ فن

ناز ہے اس پہ کہ ہوں میں درِ دولت کا فقیر
دل غنی ہے کہ ہے مٹھی میں سخی کا دامن

مدح میں شاہ کی لکھو مطلعِ پُر نور سلیم
وصفِ ممدوح سے حضار کے دل ہوں روشن

احسنِ ذات ہے تو اسم معلّٰے ہے حسنؑ
مظہرِ خلقِ حسن، مصدرِ احسانِ محسن

[illegible]

چشمۂ فیضِ خدا، ابرِ محیطِ رحمت،
قلزمِ بذل و کرم، جود و سخا کا معدن

شمعِ توحید کی ضو، نورِ چراغِ کعبہ
با مقابل میں شبِ کفر کے صبحِ روشن

وارثِ خلقِ نبی، جوہرِ اخلاقِ رسل
دلبرِ شیرِ خدا، عقدہ کشا، قلعہ شکن

غنچۂ تازۂ ریحانۂ فردوسِ بریں
شاخِ پُر میوۂ گلزارِ خدائے ذوالمنن

چمنِ فاطمہ زہرا کی بہارِ اول
ثمرِ نخلِ تمنائے شہنشاہِ ..... زمن

نازِ پروردۂ گہوارۂ آغوشِ نبی
شیر آسودۂ سرچشمۂ الہام و سخن

زیبِ آغوشِ علی، راکبِ دوشِ احمد
بن گیا تیرے لئے حق کا پیمبر توسن

کعبۂ صدق و صفا، رکنِ رکینِ اسلام
قبلۂ اہلِ ولا، رہبرِ دیں سترد ملن

قلعۂ امن و اماں، پشت پناہِ ایماں
صبر کا کوہِ گراں، حلم و رضا کا معدن

اے زہے حسنِ مجسم ترا زیبا قامت،
جلوۂ جینا کے لئے حاصلِ سیرِ گلشن

چشم پُر دور سیاہی میں سفیدی کا دور
بیتِ معمور کو گھیرے ہوئے ہے نہرِ لبن

ابرو و چشم میں محبوبِ خدا کا انداز
وہی گردش وہی جنبش وہی بانکی چتون

رخِ زیبا ہے پیمبر کی جوانی کی شبیہ،
وہی ابرو وہی بینی وہی ماتھے کی شکن

دمِ تقریر فصاحت میں علی کا لہجہ
وہی ترکیبِ مقفیٰ وہی بے ساختہ پن

سیر ہو آپ کے در پر درِ حیدر کا فقیر
اے زہے کثرتِ نعمات عطایائے حسن

کبھی اس در سے نہ محروم پھرا دشمن تک
دیدیا آپ نے مروان کو اپنا توسن

آپ سے بغض سرِ بزم ہوا سب پہ عیاں
بن گیا مردِ عدو ظاہر و باطن میں زن

آپ کی مدح کجا اور کجا نطقِ سلیم
نارسا ذہن ہے کوتاہ ہے میدانِ سخن

وادیٔ حسن میں دے ساتھ اگر لطفِ ردیف
ل میں ہے قافیہ پیما ہوں بعنوانِ حسن

مطلعِ زا

محسنِ دینِ خدا، مایۂ احسان حسن
اے زہے حسن، تفخر زہے شانِ حسن

ہادیٔ مذہبِ اسلام، امامِ کونین
رہبرِ دینِ خدا، اُسوۂ اہلِ زمن

زینتِ عرشِ بریں، رونقِ قصرِ جنت
فوق میں نامِ حسن تحت میں ایوانِ حسن

چاند کے حسن میں کب تھا اثرِ جذبِ نظر
ہے یہ اک معجزۂ عکسِ گریبانِ حسن

جس کا جی چاہے وہ دنیا پہ حکومت کر لے
ہیں مگر جن و ملک تابعِ فرمانِ حسن

کوئی سرسبز نہ ہونے دے جہاں میں نہ سہی
باغِ فردوسِ معلیٰ ہے خیابانِ حسن

شاہدِ معرکہ آرائی ہیں اربابِ جمل
آج تک ہے خلشِ نیزہ و پیکانِ حسن

کربلا والوں سے اندازِ شجاعت پوچھو
کر گئے نام زمانے میں حسینانِ حسن

رنگ لائے گا لہو بے کسوں کا روزِ جزا
مایۂ نازِ شجاعت ہیں شہیدانِ حسن

عرصۂ حشر میں اس شان سے جائے گا سلیم
نظم اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں دامانِ حسن

مشکلیں حل ہوں مری بخش دے عصیاں یا رب
بہ علیؑ اور بہ زہراؑ و حسینؑ اور حسنؑ

قصیدۂ دیگر

منقبت حضرت سلطان زمن امام حسن علیہ السلام ۔ من مؤلف...

نیمۂ ماہِ مبارک میں علیؑ کا دلدار
صورتِ آیۂ قرآں ہوا نازل اک بار

سن کے مسجد میں نواسے کی ولادت کی خبر
کھل گیا گل کی طرح قلبِ رسولِ مختار

شوقِ دیدار میں بیٹی کے گھر آئے حضرت
برجِ عصمت میں ہوا مہرِ نبوت کو قرار

ہنس کے فرزند کو سلمیٰ سے طلب فرمایا
چومی پیشانیٔ پرنور کبھی گہ رخسار

جوشِ الفت میں جوں ہی ہاتھ پیمبرؐ نے بڑھائے
مسکراتا ہوا آغوش میں آیا دلدار

جنتِ دل گود میں آیا کہ ضیا آنکھوں میں
قلب کو چین ملا اور دلِ مضطر کو قرار

بھیجے عرش سے وہ روحِ امیں لیکے چلے
تحفۂ تہنیتِ خاص جنابِ غفار

حلّے جنت کے لئے خازنِ جنت حاضر
بہرِ آداب ہے خم حور و ملائک کی قطار

حسنِ سبز قبا نام ہے شبّر ہے خطاب
شافعِ حشر و جوانانِ جناں کا سردار

ہے اب و جد کا اثر شکل و شمائل سے عیاں
چتونیں شیر کی صورت میں رخِ مختار

جانِ امت ہو گلِ باغِ نبوت پہ فدا
جس کی خوشبو کو بقا حق نے دی تا روزِ شمار

ناخدا خلق میں پیدا ہوا مصلح بن کر — کشتیٔ امتِ عاصی کا ہوا بیڑا پار
صلح جو آپ کی فطرت ہے تو صالح ہو لقب — کہ رہیں امن میں دشمن کی جفا سے دیندار
جوش میں آ کے کہیں صلِّ علیٰ حاضرِ بزم
بس سلیم سخن آرا ہوا طولِ گفتار

مصنفہ رمضان ۱۳۳۱ھ

بیان ہفتم

ولادت امام حسینؑ حسنینؑ فرزند رسولؐ ہیں، نکات لطیف بعبارت رنگین، آیۂ مباہلہ

فضیلت امام حسینؑ۔ گریہ کرنے والی قوم، حسینؑ کی رخصت قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

قَالَ اللّٰهُ الْحَمِيْدُ فِيْ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ۔ ترجمہ اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ والدین کے ساتھ نیکی کریں۔ اس کی ماں نے ایام حمل میں تکلیف برداشت کی اور ایذا سہ کر پیدا کیا۔ اور اس کے حمل اور رضاعت کا زمانہ تیس ماہ کا مقرر کیا۔ یہاں تک کہ وہ پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا تو اس نے عرض کی اے پروردگار مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر مبذول فرمائی ہے اور میں کوئی ایسا کام کروں جس کو تو پسند کرے اور میری اولاد میں صالح پیدا کر۔ خداوند عالم نے پچھلے پیغمبروں کو اور ان کی امتوں کو برابر والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ذکر فرمائے۔ اسی طرف اس آیۃ میں بھی اشارہ ہے باپ کا یہ احسان کم ہے کہ اس کی ذات سے انسان وجود میں آیا۔ ہر امر میں کفیل ہوا ہر خواہش کا ذمہ دار بنا اپنے اوپر تکلیفیں اٹھا کر بمشقت پیدا کر کے اولاد کا رزق و لباس فراہم کیا۔ ماں کی وہ زحمتیں کہ نو ماہ شکم میں رکھ کر اپنی راحت کھو دی۔ رات رات بھر جاگ کر بسر کی۔ دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کیا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوا خون جگر پلا کر پرورش کی۔ گرمی کے موسم میں ٹھنڈک پہنچائی۔ سردی میں پہلو کی گرمی پہنچا کر سرد ہوا سے محفوظ کیا۔ کیا یہ احسانات بھول جانے کے قابل ہیں؟ اس کا کوئی معاوضہ ہو سکتا ہے؟ اگر والدین نے احسانات کو اور مراتب کو کسی نے نہ پہچانا تو دنیا میں کسی کو اس سے امید نہ رکھنا چاہیے۔ وہ

ناحق شناس ہے، محسن کش ہے خدا کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ باپ ہی سے خدا کے وجود کا پتہ چلتا ہے دستِ مصور کی صناعی کا نشان نقش و نگار سے ملتا ہے۔ تصویر میں مختلف رنگ اور ہر رنگ میں دل آویزی عارضِ گل پر رگ رگ کا ابھار ڈالیوں میں فطری لوچ، پتوں میں سایہ کا عکس، کونپلوں میں تازگی، کی بہار دیکھنے والا بے اختیار مصور کو خراجِ تحسین دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر وہ جس نے مصور کو تخیل کی، کی قوت، ہاتھوں کو حرکت، انگلیوں میں جنبش اور نگاہ کو بصارت دی کیا بھول جانے کے قابل ہے۔؟ اس نے ماں باپ کو اپنے پہچاننے کا ذریعہ بنایا اور یہ بتلادیا کہ ان کو بھولنا نہیں۔

اس پر اکتفا نہیں ہے کہ پیدا کر کے تمہیں چھوڑ دیا ہو کہ تم کو وجود میں لانے والا پال لے گا۔ نہیں نہیں۔ ماں باپ کے دل میں کوئی اثر خلق کر دیا کہ سنِ بلوغ کو پہنچ کر پھر دل کو آرزو پیدا ہو کہ ہماری آغوش میں بھی کوئی قدرت کا پتلا کھیلتا نظر آتا۔ ہر انسان کے دل کو ہر اولاد کا متمنی بنایا کہ کوئی اس گود میں آکر لب نازک سے متبسم ہوتا۔ پیار کی نگاہیں مشتاق ہیں، غنچۂ شگفتہ کی طرح کھلتا، تتلا کر ہم کو پکارتا، گھٹنیوں چل کر ہمارے چھپے ہوئے جذبات کو حرکت میں لاتا، کبھی آغوش کی زینت کبھی دوش کی رونق بنتا؛ یہی آرزو میں ہر ماں کی مونس و غمخوار ہوتی ہیں کہ ایامِ حمل کی ہر تکلیف راحت معلوم ہوتی ہے۔ ہر اذیت میں لذت ملتی ہے۔ بارِ شکم ہو مگر بارِ خاطر نہیں ہوتا۔ ہر گھڑی آنے والے دن کا انتظار رہتا ہے گھڑیاں شمار ہوتی ہیں، مہینے گنے جاتے ہیں اور اگر کوئی اس نعمت سے محروم رہا تو خانۂ دل بھی ویران، کاشانۂ دولت بھی سنسان ہے، ہزار گھر کو رونق دیجئے مگر بے اولاد کے گھر بے چراغ، سامانِ آرائش نگاہوں میں خار معلوم ہوتا ہے۔ ہر شے پر مایوسانہ نظر پڑتی ہے۔ ہمارے بعد کون اس کا سزاوار ہوگا۔ اس خیال کا جو صدمہ گزرتا ہے اس سے راز دارِ قدرت واقف ہے مگر زبانِ خلائق پر ایسے کلمات آہی جاتے ہیں کہ شیشۂ دل چور چور ہو جاتا ہے۔ دیکھئے نا۔ خدا کے رسولؐ پر حرف نہ رکھ سکے مگر آئینۂ دل کو سنگِ ظلم سے صد پاش کرنے والوں نے "ابتر" کا خطاب دے ہی دیا۔ مگر خدا اپنے حبیب کے نازک دل کی تسکین کیوں نہ کرتا۔ ارشاد ہوا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ اے حبیب جو تمہارا برا چاہتا ہے اسی کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ وہی ہو کر رہا جو خدا نے اپنے حبیب سے وعدہ کیا۔ آج بنی امیہ کا کوئی ایک متنفس بھی نظر نہیں آتا اور اگر کوئی ہو بھی تو اقرار نہ کرے گا۔ مگر فرزندانِ رسولؐ کی نسل کو وہ ترقی ہوئی کہ کوئی خطۂ ملک خدا کا اس کے وجود سے خالی نہیں اور یہ وہ شرف ہے کہ جو آل سے نسبی ہوں ان میں بعض

اس فخر کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں (صلوٰۃ) خدا نے ہر رنگ میں اپنی قدرت کا تماشہ دکھا دیا آدم کو بے والدین کے پیدا کیا' عیسیٰ کو بے باپ کے خلق کیا' حسنین علیہ السلام کے ماں باپ موجود مگر فرزند رسول کہلائے ۔ خدا نے فرزندانِ علیؑ کو اپنے حبیب سے منسوب کر دیا ۔

(اور روزِ ولادت سے خدا نے مولود کو حبیب کے نام زد کر دیا۔ جنت میں دھوم مچ گئی رسول کے بیٹا ہوا ہے' تہنیت دینے چلو۔ بہشت آراستہ ہو گئی حور و غلمان نے لباس زیبا اور خلعتِ فاخرہ پہنے' جہنم کی آگ سرد ہو گئی' کاتبانِ عذاب نے قلم روک دیا۔ ملاءِ اعلیٰ میں مسرت کی دھوم' خانہ فاطمہؑ میں ملائکہ کا ہجوم۔ ازواج رسولؐ اور بناتِ عبدالمطلب جمع ہیں۔ صفیہ خواہر حمزہ کہتی ہیں' میں موجود جس وقت حسینؑ پیدا ہوا جناب پیغمبرؐ خدا تشریف لائے فرمایا هَلُمِّي إِلَيَّ بِابْنِي میرے فرزند کو لا میرے پاس لاؤ) ۔

سُنا آپ نے! روزِ پیدائش ہی خدا نے رسولؐ کی زبان پر جاری کرا دیا لاؤ میرے فرزند کو۔ صفیہ نے عرض کی ابھی تو میں نے نہلایا بھی نہیں آپ کو کیونکر دیدوں فرمایا تم اس کو کیا پاک کرو گی خدا نے اس کو پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔ فرزند رسولؐ کی ولادت کیوں نہ طیب و طاہر ہوتی۔ سوا عیسیٰ روح اللہ کے اور کون چھٹے مہینے پیدا ہوا ہے' قرآن جس کی گواہی دیتا ہے وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا' یعنی مدت حمل اس کی تیس ماہ ہے۔ چوبیس ماہ رضاعت کے لازمی ہیں۔ پھر حمل کے چھ ماہ رہیں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پھر جناب عیسیٰ اور امام حسینؑ کے کون بچہ چھ ماہ کا پیدا ہو کر زندہ رہا ۔ معلوم ہوا اس آیہ میں امام حسینؑ سے مراد ہے۔

بہر حال موافق روایت سلمہ بنت عمیس سے رسولؐ خدا نے آغوش میں لے کر ایک کان میں اذان اور ایک میں اقامت کہی۔ پھر امیرالمومنینؑ سے پوچھا اس کا کوئی نام تجویز کیا ہے ۔ عرض کی۔ میری مجال کہ میں آپ پر سبقت کروں۔ فرمایا۔ میں خدا پر سبقت نہیں کر سکتا اتنے میں جبرئیل وحی لے کر آگئے اور کہا خداوند عالم بعد تحفہ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ تم تمہارے فرزندوں کے وہی نام رکھے جو ہارون نے اپنے بیٹوں کے رکھے تھے۔ حضرت نے پوچھا وہ نام کیا تھے' جبرئیل نے کہا شبرؑ و شبیرؑ۔ حضرت نے فرمایا میں تو عرب ہوں' نام میری زبان میں ہونا چاہئے۔ جبرئیل نے یہ عذر پیش کیا اور رب العزت کی طرف سے جواب ملا۔ تم حسین رکھدو حضرت نے مولود کا نام حسینؑ رکھا۔ پھر

دریافت کیا اس کو فاطمہؑ نے شیر تو نہیں دیا؟ سلمہ نے عرض کی ابھی نہیں حضرت نے اپنی زبان بچے کے منہ میں دیدی۔ دیر تک بچہ زبان چوستا رہا۔ گویا چشمہ شیر تھا کہ بچہ اس سے سیراب ہوگیا۔ پھر اپنی زوجہ حضرت ام سلمہ کو مقرر فرمایا کہ وہ نگرانی کریں خدا کی طرف سے یقیناً ایک حور جنت مقرر ہوئی کہ وہ تمام خدمات انجام دے جو دایہ انجام دیتی ہے۔ رسولؐ کو اس فرزند کی ولادت کی جو مسرت تھی وہ دیکھنے والے جانیں مگر الفاظ خود بتلاتے ہیں کہ رسولؐ کو اس مولود کا انتظار تھا کہ آتے ہی صفیہ اپنی پھوپھی سے فرمایا کہ لاؤ میرے فرزند کو۔ اچھا یہ الفاظ فرط محبت پر محمول کیجئے۔ اب ملائک کی زبان سے سنیے کہ یہ فرزند کس کی طرف منسوب ہے۔

سنیے مگر درود کے موتی نچھاور کر کے سنیے۔ ملائک اس مسرت میں زر و جواہر نثار کرتے ہیں حوریں لوٹتی ہیں۔ فرشتوں کی فوجیں اس قدر آسمان سے تہنیت کے لئے نازل ہوئیں جس کا شمار علم خدا میں ہے۔ یا رسول سے پوچھیے جن کے پاس مبارکباد دینے آئے تھے۔ یا علیؑ سے دریافت کیجئے جو آستانہ نبوت پر بیٹھے شمار کرتے تھے۔ ملائک مقربین آئے تہنیت دے کر گئے۔ ہدیہ دینے کے لئے آئے۔ دردائیل و بنا ورد دل لے کر آیا۔ فطرس اپنی خطا معاف کرانے کے لیے آیا۔

فطرس کی پریشانی کا خاتمہ ناسخ از امالی بحار الانوار جلد

ابن بابویہ سے روایت ہے کہ فطرس ایک ملک تھا کہ طواف عرش پر مشغول تھا۔ اپنی بزرگی پر نازہوا۔ خدا کو اس کا عجب پسند نہ آیا۔ سزا و جزا کا نشیب و فراز دکھلانا منظور تھا۔ خلعت بال و پر جسم سے اتار کر ایک جزیرہ میں ڈال دیا گیا کہ کچھ روز ترک اولیٰ کا مزا چکھ لے۔ سات سو سال تک توبہ و انابت کرتے رہے۔ مگر وہ نسخہ ہاتھ نہ آیا جس کی بدولت آدم کی توبہ قبول ہوئی۔ ختم ہوئی مدت ناراضگی اور آیا زمانہ خوشنودی۔ در ہائے آسمان کھلے اور جنت سے ٹھنڈی ہوائیں آنے لگیں۔ کوثر میں جوش آیا۔ سلسبیل نے کروٹ لی۔ حوریں آراستہ ہوئیں۔ ملائکہ نے صف بندی کی۔ فوج در فوج فرشتوں کا لشکر لے کر تہنیت کے لئے روانہ ہوا۔ قدرت کا اشارہ تھا یا فطرس کی خوش قسمتی کہ جبرئیل اسی جزیرہ کی طرف سے گزرے جہاں فطرس بے بال و پر ملول و مضطر تھا۔ فوج ملک کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ پوچھا کہاں جاتے ہو۔ جبرئیل سب کے آگے تھے۔ فَقَالَ وُلِدَ لِمُحَمَّدٍ خَيْرِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ أَحْمَدَ حُسَيْنٌ مِنْ بِنْتِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ مَوْلُودٌ يَكُونُ مِنْهُ أَئِمَّةُ الْهُدَى إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہنے لگے اے فطرس نبی اُمّی احمد مجتبےٰ کے لئے ان کی بیٹی سے فرزند پیدا ہوا ہے جو اُس کے وصی کا فرزند ہے، اسی کی نسل سے امامت

تاقیامت رہے گی۔ ہم لوگ اس پر مامور ہوئے ہیں کہ ان کو جاکر تہنیت دیں۔ فطرس نے کہا۔ اے جبرئیل واسطہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ہم کو بھی لیتے چلو۔ فرشتوں نے اس کو بھی اٹھا لیا۔ جب روح الامین مع فوج ملائکہ خدمتِ باسعادت رسولؐ میں پہنچے خدا کی طرف سے رسم تہنیت ادا کی اور فطرس کا ماجرا عرض کیا۔ آنحضرتؐ نے ترس کھا کر فطرس کو قریب بلایا اور فرمایا اس مولود سے اپنا جسم مس کرو، اور اپنے مقام پر پلٹ جاؤ۔ فطرس نے جونہی اپنا جسم شاہزادے سے مس کیا فوراً جوش نمو عود کر آیا بال و پر پیدا ہو گئے۔ بازوؤں میں قوت شہپریں توانائی آئی اور یہ کہتا ہوا اپنے مقام پر پرواز کر گیا وَمَنْ مِثْلِيْ وَاَنَا عَتَاقَةُ الْحُسَيْنِ بْنِ فَاطِمَةَ میرا مثل کون ہو سکتا ہے کہ میں آزاد کردہ حسینؑ فرزند فاطمہؑ ہوں۔

سُبْحَانَ اللہ! کس قدر کارساز اور ملک نواز ہے ذات اس کی کہ فرشتہ سے ترک اولیٰ صادر ہونے پر حسینؑ کو عفو تقصیر کا ذریعہ قرار دیا۔ جبرئیل کو اسی طرف سے بھیجا۔ رسول کی زبان پر وحی نے جاری کر دیا جسم حسینؑ سے فطرس اپنا جسم مس کرے۔

گویا خدا کی طرف سے امین وحی اور اپنے حبیب کو پہلے سے اشارہ تھا۔ کبھی ہوئی بات تھی کہ جبرئیل بھی وہی اختیار کریں اور حبیب علاج بھی وہی تجویز کرے جس سے مرضِ عصیاں دور ہو۔ صلوٰۃ۔ م

بہر حال روزِ ولادت ہی سے یہ دونوں گل، دامنِ رسول کی زینت ہوئے۔ جب تک صرف حبیب کے مجروح دل کی تشفی مقصود تھی اس وقت تک یہ حالات اشارہ و کنایہ میں رسول کریم پر واضح ہوتے رہے۔ مگر ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو ضرورت پڑی کہ اب عام امت اور کل مخلوق سمجھ لے کہ یہ فرزندِ رسولؐ ہیں لہٰ

صاحب تاریخ التواریخ نے اور کامل ابن اثیر نے تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ جناب پیغمبرِ خداؐ نے نصارائے نجران کے پاس ایک وفد روانہ فرمایا کہ وہ لوگ دین اسلام کو قبول کریں۔ جب یہ وفد پہنچا علمائے نصاریٰ جمع ہوئے اور مباحثہ شروع ہوا۔ ایک بڈھا ایک سو بیس سال کا حصین بن علقمہ فیصلے کے لئے بلایا گیا۔ اس نے کہا۔ میں نے کتب قدیمہ میں دیکھا ہے اور انجیل میں پڑھا ہو کہ سب کے آخر میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا جس میں چند علامتیں ہوں گی۔ وہی آخری رسول بعد پیغمبر آخر الزماں ہوگا۔ عجب نہیں یہ وہی پیغمبر ہو۔ منجملہ ان علامات کے ایک یہ نشانی تحریر ہے کہ اس

نوٹ۔ ای سے مراد مکہ کا رہنے والا۔ اور مکہ کا اصل نام اُمّ القریٰ ہے۔

کے دو فرزند ہوں گے۔ عاقب جو شروع سے دین اسلام کی مخالفت کر رہا تھا کہنے لگا۔ ہم نے سنا ہے جو شخص ہم کو دعوتِ اسلام کر رہا ہے اس کے کوئی فرزند نہیں ہے قاسم و ابراہیم و طاہر اس کے فرزند پیدا ہوئے مگر سب مر گئے۔ پس یہ وہ شخص نہیں ہے۔ حارث بھی ایک زبردست عالم تھا تعصب کی وجہ سے اس نے عاقب کی تائید کی۔ اور کتاب قدیم لا کر دکھلا دی۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ کچھ لوگ جا کر ان علامات کی تصدیق کریں۔ چنانچہ چودہ نفر منتخب کئے گئے۔ عاقب نے اپنے دونوں فرزند صبغۃ المحسن اور عبد المنعم کو بھی ساتھ لیا سیارہ اپنی بیٹی کو بھی ہمراہ لیا۔ اور زوجہ بھی ساتھ ہوئی۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے لباس فاخرہ اور طلائی انگشتری پہنیں اور حضرتؐ کی خدمت میں آئے مگر حضرت متوجہ نہیں ہوئے اور سلام نہ فرمایا۔ یے در یے پہنچے حضرت کے پاس آیا مگر بار یاب نہ ہوا۔ تیسرے روز جب امیر المومنین علیہ السلام نے ہدایت فرمائی کہ حضرت اس لباس تشخص اور شان امارت سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ سادہ مسافرانہ لباس پہن کر آؤ۔ جناب امیر کی ہدایت کے بموجب سب نے انگشتریاں اتار دیں۔ سادی پوشاک پہنکر حاضر ہوئے۔ آپ نے اخلاق سے سب کو بٹھایا۔ تواضع سے پیش آئے پہلے دیر تک مکالمہ و مناظرہ رہا۔ جب لاجواب ہوئے عاقب نے کہا اچھا ہم اور آپ مباہلہ کریں اور خدا کو دعا کریں جو حق پر ہو وہ باقی رہے اور جو باطل پر ہو خدا اس پر عذاب نازل کرے۔ حضرت پر وحی نازل ہوئی اور جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ جو شخص تم سے عیسیٰ کے بارہ میں حجت کرے، بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہو (اے رسولؐ) تم کہدو کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے فرزندوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے جان عزیز کو بلائیں تم اپنے ہمنفسوں کو اس کے بعد خدا سے رجوع کریں۔ حضرت نے مباہلے کے شرائط پیش کئے۔ وقت مقرر ہوا۔ بیرون مدینہ مقام تجویز ہوا حضرت وقت معینہ پر اس شان سے چلے کہ آگے آگے آفتاب نبوت، آغوش میں حسینؑ و حسنؑ کا ہاتھ پکڑے، پشت پر فاطمہؑ اس کے بعد علیؑ۔ غرض پنجتن کی مقدس جماعت مقام موعود پر پہونچی۔ زیر درخت حضرت کھڑے ہوئے۔ اشجار ہیبت سے تھرانے لگے۔ طیور آشیانے چھوڑ کر پرواز کر گئے۔ پہاڑ کانپنے لگے، زمین حرکت میں آئی۔ عاقب اپنی دختر و زوجہ و فرزند اور جماعت کو لے کر آیا۔ نور کی تصویریں دیکھ کر سمجھ گیا کہ اگر یہ بد دعا کریں گے ایک عیسائی بھی روئے زمین پر باقی

ذرے گا۔ مناسب یہ ہے صلح کرلو۔ اور جو کچھ جزیہ طلب کریں قبول کرو۔ سب اس امر پر متفق ہوئے اور حضرت سے عرض کی: ہم کو جزیہ دینا منظور ہے۔ شرائط صلح یہ قرار پائے، کہ ایک ہزار مثقال (۳۵۰ تولہ) سونا اور دو ہزار لباس سالانہ ادا کرتے رہیں اور مسلمانوں کی تکریم کریں۔ تکمیل شرائط کے بعد عیسائی واپس گئے۔

بہرحال خدا نے حسینؑ کی ولادت کے وقت تہنیت میں جن الفاظ میں خطاب کیا ہے آج اس کا اعلان اس طرح فرمایا: نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَکُمْ، اے حبیب وہ اپنے بیٹوں کو لائیں، تم اپنے بیٹوں کو لاؤ۔ اس میں صرف لفظیں تھیں، رسول الفاظ وحی کو روحانی لباس پہنا کر اس طرح لے چلے کہ حسینؑ گود میں اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے۔ معلوم ہوا کہ وحی خدا کی یہ ہی مجسم تصویریں تھیں۔ جن پر ابنیت کا خلعت ٹھیک اترا۔ عاقب نے کتب قدیمہ میں جو صفت پیغمبر آخر زماں کی دیکھی تھی وہ صادق آئی خدا نے جو کچھ وعدہ کیا تھا اس طرح پورا کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ مرقع کھینچ دیا کہ پنجتن میں کوئی داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ چادر تطہیر کا دامن کشادہ تھا مل گئی جگہ جبرئیل کو مگر اس مرقع میں پانچ کے سوا چھٹے کا دخل نہیں ہو سکتا۔ مصور قدرت کے ہاتھ کا کھینچا ہوا مرقع ہے۔ کس میں قدرت ہے کہ اضافہ کردے یا پانچ کے چار بنا دے۔ فتدبّر ہ ۔

اُمّت کو اگر فرزندانِ رسول کی تصویر دیکھنا ہو اس مرقع میں دیکھ لے۔ اگر نفس رسول کی زیارت کرنا ہو اس آئینہ میں عکس نظر آئے گا۔ اگر نساء اہل بیت کی جبہ سائی مقصود ہو تو ہم سے نہیں نصارائے نجران سے پوچھئے۔ رسولؐ کسی کو اپنی مہر نبوت کی آڑ میں لائے تھے، ازواج میں سے کوئی تھا۔ یا وہ پیاری بیٹی جس کی گود سے کہ خدا نے دامن رسول کی زینت بڑھا دی۔ حاصل کلام جب یہ فرزند بحکم خدا فرزند رسولؐ ہو چکے تو مصداق آیہ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا اب لازم آیا کہ نانا کے دین کے ساتھ کوئی ایسا احسان کر جائیں کہ خدا بھی خوشنود ہو۔ اور امت بھی سمجھے کہ بیٹے یوں احسان کرتے ہیں چنانچہ دونوں فرزندوں نے وہ احسان کیا کہ اسلام باقی رہ گیا۔ ورنہ صفحۂ ہستی سے اسلامیت اس طرح مٹ جاتی جس طرح ایام جاہلیت میں ادیان سابقہ محو ہو گئے تھے۔

خصوصاً جس کی شان میں آیہ نازل ہوئی ہے اس کی ابتدا اور انتہا گواہی دیتی ہے کہ بیشک وہ اسی کے لئے پیدا ہوا اور ایام حمل سے خدا اپنے رسول کو اسی کی خبر دیتا رہا اور اسی کے احسانات کا قرآن

میں ذکر ہے۔ جب شکم مادر میں تھے ماں کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مولود جو میرے بطن میں ہے دین کی خدمت میں شہید کیا جائے گا۔ چنانچہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ سیدہ عالمیاں نے ایک روز بابا کی خدمت میں عرض کی۔ جب سے مجھے آثار حمل معلوم ہوئے ہیں بابا خود بخود دل میرا رنجیدہ رہتا ہے۔ اسی وقت رسول کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ پوچھا بابا یہ رونے کا کیا سبب؟ فرمایا تیرے شکم سے جو فرزند پیدا ہوگا بھوکا پیاسا شہید کیا جائے گا۔ یہ سننا تھا کہ جناب سیدہ بیتاب ہو کر رونے لگیں حضرت نے تھوڑا پانی دم کرکے پلایا جس سے کچھ سکون ہوا۔ اسی رنج و ملال کی طرف اشارہ ہے حَمَلَتْهُ كُرْهًا اور جب ولادت ہوئی جب بھی بجائے خوشی کے خبر شہادت نے ماں کو رلا دیا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا پیدا کرنے کے بعد ہی ماں نے دکھ اٹھایا جیسا کہ بحار اور دیگر کتب میں وارد ہے کہ بعد ولادت جناب رسالتمآب تشریف لائے۔ زبان مبارک حسین کے منہ میں دیدی۔ شیر مادر سے بہتر غذا بچے نے پائی۔ رسول نے پیار کرنا شروع کیا دفعتہً منہ سے نکل گیا لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَكَ وَلَعَنَ اللّٰهُ سَالِبَكَ خدا لعنت کرے تیرے قاتل پر خدا لعنت کرے اس پر جو تجھے برہنہ کرے۔ ماں نے یہ کلمات سن لئے بابا میرے بچے سے یہ کلمات کہہ رہے ہیں۔ بے قرار ہو کر پوچھا یا اَبَتِ اَیُّ تَقُوْلُ بابا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا یہ سب باتیں پیش آنے والی ہیں؟ فرمایا بیٹی میرے پیش نظر ہے جو کچھ تیرے فرزند پر مصائب گزرنے والے ہیں۔ اے بیٹی میں دیکھ رہا ہوں کہ اس پر کیا ظلم ہو رہے ہیں اور کس مقام پر اس کو گھیرے ہیں اور کس جگہ اس کا خیمہ نصب ہے۔

مگر دوسری روایت میں اس سے واضح تر ذکر ہے کہ جناب سیدہ خبر شہادت سن کر رونے لگیں اور عرض کی۔ یہ تو فرمایئے یہ حادثہ کب واقع ہوگا؟ فرمایا بیٹی نہ اس وقت میں ہوں گا نہ تو ہوگی نہ علی ہوں گے یہ سن کر بے تابی بڑھ گئی بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ پھر عرض کی یہ تو بتایئے پھر کون میرے فرزند کو روئے گا فَقَالَ النَّبِيُّ (ص) يَا فَاطِمَةُ اِنَّ نِسَاءَ اُمَّتِيْ يَبْكُوْنَ عَلٰى نِسَاءِ اَهْلِ بَيْتِيْ وَرِجَالُهُمْ يَبْكُوْنَ عَلٰى رِجَالِ اَهْلِ بَيْتِيْ وَيُجَدِّدُوْنَ الْعَزَاءَ جِيْلًا بَعْدَ جِيْلٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اے بیٹی! میری امت کی عورتیں زنان اہلبیت کو روئیں گی اور مرد ان امت اہلبیت کے مردوں پر گریہ کریں گے اور ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ ہر سال اس عزا کو تازہ کرتا رہے گا۔ اے نور چشم روز قیامت تو ان عورتوں کی شفاعت کرنا اور میں ان مردوں کی شفاعت کروں گا۔ یہ سن کر دکھے ہوئے دل کو کچھ تسکین ہوئی بہتے ہوئے آنسو تھم گئے آواز گریہ رک گئی۔ سیدہ خاموش ہو گئیں۔ عزادارو!

صادق کا قول ہے غلط نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں تیرہ سو سال گزر گئے مگر ہر سال اس قول کی تائید میں یہ غم تازہ ہوتا ہے کوئی ہزار روکے، رونے والوں پر حملہ کرے، مقدمہ چلائے، فساد برپا کرے، عزاداروں کو صدمہ پہنچائے، ہر بھی پیدا کرے مگر ہر سال یہ غم تازہ ہو کر رہتا ہے۔ ادھر چاند محرم کا دیکھا اور کربلا کے واقعات پیش نظر ہو گئے۔ خاندان رسالت کی تباہی آنکھوں میں پھر گئی۔ مدینہ کی ویرانگی کا مرقع سامنے آ گیا

زمین کربلا پر تو آثار غم در و دیوار سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ضریح مبارک پر سیاہ پوشش چڑھ جاتی ہے۔ روضہ مطہر میں کالے پردے آویزاں ہو جاتے ہیں خدام و زوار لباس عزا پہن لیتے ہیں۔ عزا خانوں کے دروازوں پر سیاہ نشان نصب ہو جاتے ہیں، دیکھنے والوں کا غم سے کلیجہ پاش پاش ہوتا ہے۔ ہر مقام پر مختلف عنوان و انداز سے صف ماتم بچھائی جاتی ہے۔

غریب و امیر ہر دوست اپنے حوصلے کے موافق انہماک ظاہر کرتا ہے۔ شیعوں میں وہ کون سا گھر ہے جس گھر میں صف ماتم نہ بچھی ہو۔ کس مکان سے سینہ زنی اور نوحہ کی آوازیں نہیں بلند ہوتیں، حدیث میں اِنَّ نِسَاءَ اُمَّتِی پہلے مذکور ہوا ہے اسی کی یہ برکت نظر آتی ہے کہ عورتوں کو جس قدر عزاداری میں شغف ہے مردوں کو نہیں۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ عورتوں کے دم سے امام مظلوم کا سوگ قائم ہے۔ آپ دیکھتے ہیں یہ جان و مال کوئی شے عزیز نہیں رکھتیں۔ اگر کوئی نادار عزادار سامان عزاداری نہیں کر سکتا تو عورتیں اپنا زیور کس خوشی سے دے دیتی ہیں کہ کبھی کسی عزت و آبرو کے محل پر اس خوشی سے نہ دیں گی باوجودیکہ عورتوں میں وہم اور شک زیادہ ہوتا ہے مگر عزاداری کے معاملہ میں محرم کا چاند دیکھ کر ان پر وہ الم طاری ہوتا ہے کہ پھر کسی قسم کا خیال نہیں رہتا۔ عیش و آرام زینت و آرائش سب ترک[1]

محرم کا چاند دیکھ کر زیور بڑھا دیا جاتا ہے، کوئی اپنا عزیز مر جائے کبھی زیور نہ اتاریں گی۔ البتہ وارث کے مرنے پر چوڑیاں اور نتھ بڑھا دیتی ہیں مگر غم حسینؑ میں نتھ اور چوڑیاں تک بڑھا دیتی ہیں۔ گویا خلوص محبت میں اس کا اظہار ہے کہ اگر ہم اس وقت ہوتے تو اپنے وارثوں کو ان پر قربان کر دیتے اور اپنے بیوہ ہونے کا ہرگز خیال نہ کرتے۔

[1] مگر جدت پسند اصحاب [illegible] نسواں کے خلوص میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا ہے۔ لباس میں تراش و خراش اور وہ تکلفات شروع ہو گئے ہیں کہ [illegible] ہیں۔ عورتیں شہدا ترک کرتی ہیں رنگین کپڑے اور لیسیں باڈیوں میں اس نزاکت سے [illegible] کہ لباس ہی [illegible] غم کے حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

[2] بے پردگی اب اس قدر عام ہو گئی کہ چادر شرم بالکل باقی نہیں پھر افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہی بے پردہ عورتیں زینب و ام کلثوم کے بے پردہ کئے جانے پر گریہ بھی [illegible] ہیں۔ افسوس صد افسوس!

آپ نے دیکھا ہوگا جب تعزیہ یا تابوت دفن کرنے کے لئے عاشورہ محرم کو گھر سے باہر نکالتے ہیں تو حسینؑ کی عزادار عورتیں، غریب کی سوگوار بیبیاں سر کے بال کھول کر اس طرح بین کرتی ہیں، گویا کڑیل جوان یا گھر کے سردار کا جنازہ نکل رہا ہے دیکھنے والوں کی نظروں میں امام مظلوم کی رخصت آخر کا دلخراش سماں پھر جاتا ہے۔ یا مدینہ سے کوچ کے وقت بنات عبد المطلب اور زنان بنی ہاشم نے جس طرح گھیر لیا تھا وہی منظر ہر گھر میں پیش نظر ہو جاتا ہے۔ عاشورہ محرم سے بے کسی میں وہ وقت کم نہ تھا جب حضرتؑ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینہ چھوڑا ہے

خانۂ ولید سے پھر کر آنا تھا کہ امام مظلوم کو اپنا وعدۂ طفلی یاد آ گیا اور حضرت سمجھ گئے کہ نانا نے جو کچھ وعدہ کیا تھا اور بار بار جس کی تاکید فرمائی تھی یہ وہی سفر ہے وہی وقت امتحان ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے بوالدیہ احسانا چلو حسینؑ نانا کے دین پر سر نثار کرو عزت قربان کرو۔ یہ سمجھ کر نانا کے مزار پر پہنچے پہلے پڑھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ فَاطِمَةَ فَرْخُکَ وَابْنُ فَرْخَتِکَ وَسِبْطُکَ الَّذِیْ خَلَّفْتَنِیْ فِیْ اُمَّتِکَ اے نانا جان حسینؑ کا سلام قبول کیجئے۔ اے نانا میں ہوں حسینؑ آپ کا فرزند اور آپ کی پیاری بیٹی فاطمہؑ کا پارۂ دل، جس کو آپ نے امت میں اس لئے چھوڑا تھا کہ اس کی رعایت ملحوظ رکھیں گے اور حمایت کریں گے۔ نانا جان گواہ رہنا آپ کی اُمت نے میرا کچھ خیال نہیں کیا اور مجھ کو ذلیل و خوار بنائے اور میری عزت و حرمت کو سبک سمجھے آپ سے اس کی شکایت کرنے آیا ہوں یہاں تک کہ آپ کا دیدار مجھ کو میسر ہے۔ یہ کہکر بہت روئے پھر دل کو تھاما اور نماز میں مصروف ہو گئے اور تمام رات عبادت میں بسر کر دی۔ صبح کو روتے ہوئے گھر واپس آئے۔ آج کا روز سامان سفر میں تمام ہوا۔ نصف شب کے بعد پھر نانا سے آخری رخصت کے لئے روضہ مبارک پر آئے اور چند رکعت نماز بجا لا کر قبر مطہر سے لپٹ گئے اور سر رکھ کر عرض کی۔ اے پروردگار یہ میرے رسول کی قبر ہے اور میں تیرے محبوب ترین پیغمبرؐ کا فرزند ہوں۔ جو وقت مجھ پر آ پڑا ہے، تو خوب عالم و دانا ہے۔ خداوندا میں امر کے ساتھ ہوں اور منکر سے روگرداں ہوں۔ اے میرے مالک اس قبر کا واسطہ اور جو اس قبر شریف میں دفن ہے، مجھ کو اس امر پر فائز کر جس میں تیری خوشنودی ہو اور تیرے حبیب کی جس میں رضامندی ہو۔ یہ کلمات کہتے کہتے حضرت سو گئے۔ کبھی یہ ہوا کرتا تھا کہ نانا کی چھاتی پر سر رکھا اور نیند آ گئی۔ آج نانا تو موجود نہیں مگر قبر اسی محبوب نانا کی ضرور ہے۔ آخر رسولؐ

خدا صلعم اکو بھی تاب نہ آئی۔ عالم رویا میں ملائکہ کی ایک فوج کے ہمراہ تشریف لائے اور حسین کو سینہ سے لگا کر دونوں ابروؤں کا بوسہ دے کر فرمایا۔ یَاحَبِیْبِیْ یَاحُسَیْنُ کَاَنِّیْ اَرَاکَ عَنْ قَرِیْبٍ مُرَمَّلاً بِدَمَائِکَ مَذْبُوْحًا بِاَرْضِ کَرْبٍ وَّبَلَاءٍ مِنْ عِصَابَۃٍ مِنْ اُمَّتِیْ وَاَنْتَ مَعَ ذٰلِکَ عَطْشَانٌ[1] اے پیارے حسین گویا میں دیکھ رہا ہوں تجھ کو کہ عنقریب تو اپنے خون میں لوٹ رہا ہے اور میری امت سے ایک گروہ تجھ کو بے ظلم کھینچ رہا ہے۔ حالانکہ تو شدت سے پیاسا ہے مگر تجھ کو کوئی پانی نہیں دیتا باوجودیکہ مجھ سے شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں۔ خداوندا انھیں میری شفاعت سے روز قیامت محروم رکھ۔ اے پیارے حسینؑ تیرا باپ علی مرتضیٰ اور تیری ماں فاطمہ زہرا اور تیرا بھائی حسن مجتبیٰ میرے پاس یکجا ہیں اور تیرے کمال مشتاق ہیں اور تیرے واسطے شہادت کے عوض میں وہ درجات بلند مقرر ہیں جو بہشت میں کسی کو میسر نہیں۔ جب خواب سے بیدار ہوئے روتے ہوئے اہلبیت میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے خواب بیان کیا۔ اہل حرم میں کہرام پڑ گیا۔ شورِ گریہ سے زمین مدینہ ہلنے لگی۔ گو۔ اسی روز رسول خدا صلعم اور فاطمہؑ زہرانے دنیا سے انتقال کیا۔ گویا وہی دن تھا کہ علی مرتضیٰ شہید ہوئے حسنؑ مجتبیٰ کو زہر دیا گیا۔ ہر غم تازہ ہوگیا۔ ہر مصیبت اہل حرم کی نگاہوں میں پھر گئی۔ سب نے سمجھا کہ پنجتن پاک میں ایک حسینؑ کا دم تھا اب وہ وقت مصیبت بھی قریب ہے کہ حضرت ہم سے جدا ہوں حضرت نے سب کو صبر و تسکین کی ہدایت فرمائی اور خود بنفس نفیس ماں کی قبر پر جنت البقیع تشریف لے گئے۔ قبر سے لپٹ کر خوب روئے اور ہمیشہ کے لئے رخصت کیا پھر حسنؑ مجتبیٰ کی قبر سے وداع ہوئے اور اس بھائی سے جدا ہوئے جو ہمیشہ ساتھ رہا۔ اب ایسا فراق درپیش تھا کہ ملنا کیسا پھر اس قبر کی زیارت بھی میسر نہ ہوگی۔ صبح ہوتے ہی حضرت نے سب سے وداع ہو کر نانا کا شہر چھوڑ دیا۔ سواری عجیب بے کسی سے روانہ ہوئی صرف چند بنی ہاشم جن میں بعض کمسن بچے ہیں اور کچھ نوعمر لڑکے دونوں بہنیں زینب وام کلثوم اور چند بیبیاں۔ اس شان سے قافلہ روانہ ہوا۔ اہل مدینہ تا فلک اُٹھتے وابستہ ہوئے۔

قصیدہ در مدح سبط اصغر فرزند رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام

دفا کہتے ہیں کس کو؟ خوگرِ جور و جفا ہونا   حقیقت عشق کی کیا ہے؟ محبت میں فنا ہونا

[1] تاریخ محمودی ملا رجب دہلوی ایک شیخ صفحہ ۹ ماہ رجب شب یکشنبہ سنہ ہجری سلطانی ۵۲۹۵۹ء۔

کرم کیا شے ہے؟ صرفِ خدمتِ اہلِ ولا ہونا
تہی دستی میں بھی دل کا مہیائے عطا ہونا

ہے شوقِ آزمائش کیا؟ سرِ تسلیم کا جھکنا
محبت دوست کی کیا شے ہے؟ پابندِ رضا ہونا

دیا جاتا ہے کیوں کر امتحاں عشق و محبت کا؟
جفا پر صبر کرنا سختیوں میں مبتلا ہونا

ہے کیا شے ہمتِ مردانہ میدانِ تحمل میں
حصولِ مدعا میں دل کا مشتاقِ بلا ہونا

شکیبائی کسے کہتے ہیں؟ کیا ہو صبر کی عادت؟
ستم سہنا شکایت سے مگر ناآشنا ہونا

تقرب کا ذریعہ خدمتِ محبوب میں کیا ہے؟
وفا میں منتخب ہونا، مقدر کا رسا ہونا

صلہ کیا عشق کا ہے بارگاہِ حسن میں آخر؟
نہیں کچھ ماسوا اس کے خود عاشق کی جزا ہونا

شہیدِ ناز کو ملتا ہے کیا مر کر محبت میں؟
حیاتِ جاوداں پانا، خود اپنا خوں بہا ہونا

حیاتِ جاودانی کے ہیں کیا معنی حقیقت میں؟
قیامت تک وفا میں یادِ عاشق کی بقا ہونا

حقیقت حسن کی کیا ہے؟ قباحت سے جدا ہونا
مصیبت آفریں ہونا اطاعت آزما ہونا

کمالِ حسن کا معیار کیا ہے؟ چشمِ عاشق میں
نگاہوں سے نہاں ہونا مگر پہلو میں جا ہونا

ہے صورت وصل کی کیا عاشقِ مہجور کی خاطر
پیامِ مرگ کے حیلہ میں فرمانِ قضا ہونا

سلیم مدح گستر ہو اسی رنگِ تصوف میں
عنادل کو بھی سکھلا دو ذرا نغمہ سرا ہونا

غزل بہ رعایت شانِ ممدوح

بتاتا ہے یہ شاخوں کا قلم ہو کر ہرا ہونا
بقائے گلشنِ ہستی ہے بلبل کا فنا ہونا

دلیلِ حسن ہے ملنا کسی شے کا بہ دشواری
ہے مطلب خیز شاخِ گل میں نوکِ خار کا ہونا

گل و بلبل میں حسن و عشق کی تشبیہ کامل ہے
وہ اس کا دل ربا ہونا وہ اس کا با وفا ہونا

مآلِ محنت و رنج و مصیبت کا نمونہ ہے
خزاں کے بعد عہدِ فصلِ گل کا رونما ہونا

پھل جتنا پسے اتنا ہی رنگِ عشق پختہ ہو
سبق آموز ہے سبزی میں سرخیِ حنا ہونا

وفا

وفا کیا چیز ہے؟ اک ضو ہے نفسِ مطمئنہ کی
بشر کے شیشۂ دل پر اسی ضو کی جلا ہونا

ہیں اوصافِ پنہاں نفس کو کیا خاک سے نسبت
خدا کی شان ہے اضداد کا یوں ایک جا ہونا

ملائے نفس سب تیری بدولت یہ شرف ورنہ
فرشتوں کا بشر کے آستاں پر جبہہ سا ہونا

ہے نفسِ مطمئن پانا بشر کا کیمیا ہونا
بلا میں مبتلا ہونا ہے خود عقدہ کشا ہونا

خطا پوشِ ملک مشکل ہے گر عرفان کا ہونا
تو آساں بھی نہیں فطرس کا مشکل، سو رہا ہونا

محبت میں علیؑ کی تھا جوابِ خانۂ کعبہ
تجھے زیبا ہے اب اے دل شبیہ کربلا ہونا

ملا اے کربلا تجھ کو خطابِ بقعۂ جنت
میسر کب ہوا کعبہ کو فردوسِ عُلا ہونا

ابھی سے ہے حبیب ابن مظاہر کی نگاہوں میں
کسی کی خاکِ پا کا مقصدِ خاکِ شفا ہونا

دیارِ یثرب و بطحا ابھی آباد ہونے دے
کبھی آباد تو بھی اے زمینِ کربلا ہونا

کوئی جنتؑ سے آکر لوریاں اس طرح دیتی ہے
مری جاں ہے تجھے فرزندِ محبوبِ خدا ہونا

مری جاں لے رہے ہو کیوں یہ انگڑائی پہ انگڑائی
وہ دن آنے تو دو، تم ثانیٔ خیبر کشا ہونا

تقابل کیا تمہارا جانِ جاں پچھلے نبیوں سے
نبوت کیلیے۔ تم جد کی رسالت کا صلا ہونا

تمہارے ہاتھ ہے تبلیغ کا بیڑا خدا رکھے۔
تمہیں اسلام کی کشتی کے بیشک ناخدا ہونا

نبوت ختم ہے جد پر، تمہارے حکمِ خالق سے!
امامت میں تم اپنے جد کے نفسِ مدعا ہونا

خطاب "شہسوار الافق" پانے پایا ہے۔
مگر حصے میں ہے تیرے "شہیدِ قتل کفا ہونا

نصیری کا خدا کہنا علیؑ کو شرک ہے بے شک
خدا کو خود پسند آیا تمہارا ناخدا ہونا

کمالِ بندگی کی حدِ آخر ہے یہ اے مولا
عبادت میں تمہاری خاکِ زیرِ ناصیہ ہونا

میسر ہے کسے تاجِ شفاعت کی یہ زیبائش
پھر اس پر وسعتِ رحمت کا دامن قبا ہونا

سلیمؔ بے بضاعت ہے پہ پیاسے زیارت کی
جواب جانا تو ہو نذرِ زمینِ کربلا ہونا

دیگر
منقبت عالی مرتبت سبطِ رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام من مولف

تماشہ صبر کا اے ضبط کے خوگر دکھا دینا
ثباتِ نفس کے جوہر تہِ خنجر دکھا دینا

جہاں میں نقشِ ہستی کس طرح مٹ کر بناتے ہیں
فنا ہو کر بقائے نفس کے جوہر دکھا دینا

ابراہیم

وفا کرتے ہیں کیونکر عہد کو اے ہمتِ عالی
زمینِ امتحاں پر خاک میں مل کر دکھا دینا

مٹا جاتا ہے نقشِ یادِ رہبر صفحۂ دل سے
پرامت کو نشانِ شانِ پیغمبر دکھا دینا

ترے اعجاز پر موقوف ہے ہستی شریعت کی
جِلا کر دینِ مردہ قدرتِ داور دکھا دینا

زمیں پر آ کے کیا کھایا۔ جہاں میں رہ کے کیا پہنا
عبائے کہنہ اور نانِ جویں سے کر دکھا دینا

کرے گا دستِ قدرت خود رفو چاکِ گریباں کا
ٹکے ہوں پارۂ دل جس میں وہ چادر دکھا دینا

ملیں کیا تشنگی میں لذتیں ساحل پہ دریا کے
مزا تشنہ وہاں کا لبِ کوثر دکھا دینا

ترا فیضِ کرم بازارِ محشر میں تو برحق ہے
جہاں میں بھی مسرت کا کوئی زیور دکھا دینا

ترے فیضِ قدم سے عام سرسبزی ہو عالم میں
اثر یمنِ ولادت کا ہر اک دل پر دکھا دینا

بپا ہے بزمِ میلادِ حسینؑ ابنِ علیؑ گھر گھر
سلیم اپنا ہنر تم بھی سرِ منبر دکھا دینا

قلم وقفِ ثنا ہے اپنا کچھ جوہر دکھا دینا
سرِ صفحہ شبیہِ جانِ پیغمبر دکھا دینا

یہ کیا آغوش میں تارہ سا زہرا کے چمکتا ہے
فدا ہوں میں مجھے بھی یہ بلند اختر دکھا دینا

نہاں ہے زیرِ دامن لختِ دل پہلو میں زہرا کے
صبا تو ہی ہٹا کر گوشۂ چادر دکھا دینا

عیاں ہے سب بزرگوں کی شباہت روئے انور سے
یہ بھولی بھالی صورت ہم کو جی بھر کر دکھا دینا

نبی کا خُلق۔ حیدر کی شجاعت، صبر زہرا کا
غضب حمزہ کا علم حضرتِ شبیر دکھا دینا

نہ کھولے گا یہ آنکھیں اے حبیبِ کبریا ہرگز
ذرا جا کر نواسے کو رخِ انور دکھا دینا

مبارک تجھ کو اے کعبہ طلا سرکار سے خلعت
مگر رضواں کو بھی یہ حلۂ پُر زر دکھا دینا

تمہاری فردِ عصیاں کو ملک جب تک کریں حل
سلیم اپنا قصیدہ تم سرِ محشر دکھا دینا

بیان آٹھواں ۸

نکات متعلق امن خانہ کعبہ، ابو حنیفہ سے امام جعفر صادق کا سوال، حضرت کی روانگی خانہ کعبہ سے، اہل مکہ کا اصرار

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاہِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ

كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ. ترجمہ :- اور جبکہ ابراہیم نے درخواست کی۔ اے پالنے والے اس شہر کو جائے امن قرار دے اور اس کے باشندوں کو رزق ثمر عطا فرما مگر (مخصوص) اُن کو جو خدا پر اور قیامت پر ایمان لائیں۔ جواب ملا۔ جو انکار کرنے والے ہیں (کافر) ان کو بھی چند روز نفع پہونچائے گا پھر تو ان کے واسطے عذاب آتش ہے۔ جس سے بدتر کوئی بازگشت نہیں ہے۔" آیت کی سادہ لفظیں رموزِ کلام ربانی کا انکشاف کرتی ہیں۔ ہر حرف باعث سے خالی نہیں ہر لفظ میں اعجاز کی شان ہے۔ مگر سمجھانے کے لئے کوئی لہجہ شناس، مطلب سمجھانے کے کوئی رازدار ہونا چاہئے جو فصاحت و بلاغت کی گتھیوں کو کھول کر کنہ حقیقت آشکار کر دے۔ جب ہم سمجھ سکتے ہیں ورنہ قرآن کا دعویٰ لَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ غلط ہوا جاتا ہے۔

صرف ہمارا نہیں بلکہ اسلام کے تہتر فرقوں میں ہر فرد کا ایمان ہے کہ خشک و تر سب کچھ قرآن میں موجود ہے لیکن رطب و یابس کا جو مزاج شناس ہو وہی قرآن کے اس دعوے کو سچا ثابت کر سکتا ہے ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ خشک کس کو کہتے ہیں اور تر کیا شے ہے۔ علم الٰہی کا درس یافتہ رسول جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ جس کو سبق دیا جائے وہی اس علم کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ قرآن ایک اصول بتلا کر خاموش ہو گیا وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ جس کے پاس علم قرآن ہو وہی کلام الٰہی کا رازدار ہے اب رسول کو ضرورت ہوئی کہ اس کی شرح کر دیں کہ قرآن سے تمسک کرنے والے حیرت میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جاویں۔ اسی دن کے لئے رسول امی نے پہنچوا دیا أَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔ کبھی ارشاد ہوا أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں شہر علم ہوں علی اس شہر کے دروازے ہیں اپنے علم کی انتہا بھی ظاہر کر دی اور علی کے علم کا اندازہ بھی کرا دیا۔" میرے علم سے علی کو وہی نسبت ہے کہ جو نسبت شہر سے دروازے کو ہوتی ہے۔

دوسرا پہلو کلام رسول کا اس سے واضح ہے کہ بغیر دروازے کے کسی محدود شہر میں داخل ہونا محال ہے۔ اگر جائز صورت سے مجھ تک رسائی چاہتے ہو پہلے علی کے آستانہ پر جبہ سائی کرو ورنہ مجھ تک پہونچنا ممکن نہیں جب تک علی سے متمسک نہ ہو گے کوئی راز قدرت تم پر آشکار نہیں ہو سکتا۔ پھر اس سے زیادہ واضح طور پر سمجھا دیا کہ قرآن کی ہر منزل آسان ہو جائے۔ عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ لَا يَفْتَرِقَانِ حَتَّىٰ يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ. جناب اُم سلمیٰ اُم المومنین سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول

خدا صلعم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔ ثابت ہوا کہ قرآن کو علی سے وہ تعلق ہے جو لفظ کو معنے سے ہوا کرتا ہے۔ اگر علی قرآن سے جدا کر دئے جائیں تو الفاظ قرآن بے معنے ہو کر کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ خود لسان اللہ نے کہدیا عَنْ اِبْنِ سَعْدٍ۔ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا نَزَلَتْ اٰیَۃٌ اِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِیْمَا نَزَلَتْ وَاَیْنَ نَزَلَتْ وَعَلٰی مَنْ نَزَلَتْ اِنَّ رَبِّیْ وَھَبَ لِیْ قَلْبًا عَقُوْلًا وَلِسَانًا نَاطِقًا۔ ابن سعد محدث اہلسنت کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی ایسی آیت نہیں ہے کہ میں اس کو نہ جانتا ہوں کہ کس لئے نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کس پر نازل ہوئی۔ کیونکہ مجکو خدا نے دل دانا اور زبان گویا عطا فرمائی ہے۔ گویا قلب مبارک رموز قرآن کا ایک خزانہ تھا اور زبان اقدس گنجینۂ علوم الٰہی کی کنجی۔ اب جو اس خزانہ علوم ربانی سے بہرہ یاب ہوا اس نے در مقصود سے جھولیاں بھر لیں اور جو اس سے محروم رہا وہ نفس قرآن سے محروم رہا ۔ صلوٰۃ

طبرانی فی الاوسط

بہ

ابھی جس آیۂ کریمہ سے آغاز بیان ہوا ہے اگر اہلبیت سے ہٹ کر اس آیت کے مفہوم پر غور کیجئے گا تو بَلَدًا اٰمِنًا کے اصل مطلب سے اتنا دور ہو جائے گا جتنا کوئی جاہل لفظ کے معنوں سے بعید ہوتا ہے۔ ظاہر معنے آیت کا یہ ترجمہ کیجئے گا جبکہ حضرت ابراہیم نے تعمیر خانہ کعبہ کے بعد دعا کی خداوندا اس کو جائے امن قرار دے اور اس کے رہنے والوں کو رزق عطا فرما۔

محل نزول بھی بتلاتا ہے کہ ہر بانی مکان کو خواہش ہوتی ہے کہ اس میں رہنے والے مطمئن اور خوش حال رہیں۔ پیغمبر جلیل المرتبت خلیل خدا کی دعا تھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ درگاہ خدا میں قبول نہیں ہوئی۔ مگر جن شرائط سے قبول ہوئی آیت کے الفاظ سے واضح ہے اور اسی مقام سے عبد معبود اور نبی و خدا میں فرق محسوس ہوتا ہے ۔

جناب ابراہیمؑ نے دعا کی خداوندا کعبہ کو جائے امن قرار دے! معبود نے کعبہ ظاہری کو مقام امن قرار دیا۔ ایک چوں مارنے کا بھی حکم نہیں۔ اس کے بعد عرض کرتے ہیں وارزق اھلہ من الثمرات مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ پروردگار اس میں بسنے والوں کو رزق عطا فرما۔ زمین کہ ناقابل زراعت ہے اس کو زرخیز کر دے کیونکہ تیرا حج بجا لانے والے اور اس گھر کی حفاظت کرنے والے کیا کھائیں گے اب یہ جوش ایمانی تھا کہ دعا میں تخصیص کر دی۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ مگر ان کو رزق عطا فرما جو تجھ پر اور روز

قیامت پر ایمان لائیں مگر خدا کو علم تھا کہ اس تخصیص میں کیا نقصان واقع ہوگا۔ ارشاد ہوا وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا نہیں نہیں ہم جو انکار کرنے والے کافر ہیں ان کو بھی چند روز نفع پہونچائیں گے معلوم ہوا۔ اس تعمیم کی مصلحت جناب ابراہیم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہ بات علم الٰہی میں محفوظ تھی۔

میں عرض کروں گا یہ معجزہ قرآنی ہے اور علم الٰہی کا ثبوت کہ چار ہزار سال پیشتر استجابت دعا میں بجائے اہل ایمان کے تخصیص کے تعمیم کردی کہ ابن مسعود یا اس کے امثال الفاظ قرآن سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ ورنہ آج ابن مسعود اہل ایمان ہونے کا دعویٰ کرتا اور جناب ابراہیم کے الفاظ دعا سے فائدہ اٹھاتا۔ اور مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کا خود مصداق بن جاتا۔ صلوٰۃ

یہ تو ظاہر قرآن ہے کہ ہم اور آپ سمجھتے ہیں کہ کعبہ بظاہر مقام امن قرار پایا اور کسی ذی روح کو مارنے کا حکم نہیں۔ ایک ایک چیونٹی کے عوض میں دنبہ دینا پڑتا ہے۔

مگر قلب دانا اور زبان صادق سے سنئے اس مخزن علم کے سامنے دامن کشادہ کیجئے جس کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي وہ باطن آیت کی تفسیر بتلائے گا۔

ہمزو قرآن ہمزو اہلبیت

بغداد کے مفتی اعظم نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) حج کر کے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے بعد مراسم ضیافت دریافت فرمایا تم تو شاہی مفتی ہو اور فتویٰ دیا کرتے ہو؟ عرض کی یا ابن رسول اللہ۔ میں فتویٰ دیتا ہوں۔ حضرت نے پوچھا تم کس چیز سے فتویٰ دیتے ہو؟ عرض کی قرآن سے۔ فرمایا قرآن میں پڑھا ہوگا رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا۔ عرض کی ہاں قرآن میں موجود ہے میں نے پڑھا ہے۔ پوچھا اس کا مطلب کیا ہے؟ عرض کی خانہ کعبہ کہ وہ مقام امن ہے ہر ذی روح کے لئے۔ فرمایا لازم آیا کہ جو کعبہ تک پہونچ جائے اس کے لئے امان ضروری ہوا۔ عرض کی یا ابن رسول ہاں۔ ارشاد ہوا کہ پھر عبداللہ ابن زبیر کیوں کعبہ میں قتل ہوا۔ اور سعید بن جبیر قاضی شہر کہ زمانہ حج اور حالت احرام میں کیوں مارا گیا۔ کعبہ نے کیوں نہ حفاظت کی امان کہاں باقی رہی؟ نعمان متحیر ہو گئے اور عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ ہی بیان فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا کہ قرآن میں دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا یہ مطلب لوگے؟ عرض کی اب آپ ہی بیان فرمائیں۔ چشمہ فیوض الٰہی موجزن ہوا۔ ارشاد فرمایا۔ أَنَا بَابٌ فَتَحَهُ اللّٰهُ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا مِنَ النَّارِ۔ اے نعمان: ہم اللہ کی امان کے دروازہ ہیں: جو اس میں داخل ہوا اس نے عذاب

جہنم سے نجات پائی۔ اس کے بعد حضرت نے کئی سوال کئے۔ آخر امام اعظم مفتی محترم عاجز آ کر کہنے لگے۔ اِغْفِرْنِیْ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ مجکو اب معاف فرمایئے۔ صلوٰۃ ✦

سنا آپنے تفسیر قرآن اس کی زبان سے جس کو خدا نے اہل بنایا ہے اور رسولؐ نے جن کو قرآن کا ہم وزن قرار دیا ہے۔ یہ تھے رموز قرآن کے جاننے والے اور نفس قرآن کے سمجھنے والے ظاہر مطلب جو کچھ ہم سمجھتے ہیں اس طرح رد کر دیا کہ کلام کی گنجائش ہی نہ رہی۔ امام اعظم ایسے مفتی قرآن اور جلیل الشان شخص کو فرزند رسول امام جعفر صادقؑ سے معافی مانگنا پڑی۔ کعبہ کو جائے امن سمجھنے والوں کے سامنے عبداللہ ابن زبیر اور سعید قاضی شہر کی وہ روشن مثال ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں اور یہی واقعہ مستحکم ثبوت ہے کہ اگر جناب سیدالشہدا۔ خامس آل عبا وارث کعبہ حج کو عمرہ مفردہ سے بدل کر کعبہ سے سفر نہ اختیار فرماتے تو فرزند رسولؐ کو بھی کعبہ میں ضرور شہید کر ڈالتے۔ اور حرمت کعبہ ضائع کرنے کا الزام حضرت ہی کو دیا جاتا۔ اب بنی امیہ کے جنبہ دار آل حرب کے طرفدار یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی مسلمان سے کب یہ ممکن تھا کہ خانہ کعبہ کی حرمت کا خیال نہ کرتا اور حضرت کو عالت احرام میں شہید کر ڈالتا۔ رہی اسلام نما منافق فرزند رسولؐ کو آغوش کعبہ میں اسی بے باکی سے شہید کرتے جس طرح کربلا کے جنگل میں شہید کیا۔ فرزند رسولؐ نے خانہ کعبہ کا بڑا احترام کیا۔ عین زمانہ حج میں آپ نے مکہ کو چھوڑ کر سفر غربت اختیار کیا۔ اور ظاہری امن کو چھوڑ کر اپنے کو خطرہ میں ڈالا۔ ورنہ حضرت بھی خانہ معبود کو جنگی قلعہ بنا سکتے تھے۔ جس طرح عبداللہ ابن زبیر نے حصین ابن نمیر کے مقابلہ میں خانہ معبود کو قلعہ جنگی بنا کر پناہ لی اور فوج یزید نے مکہ پر آگ برسائی۔ حرمت کعبہ برباد ہوئی۔ فرزند رسول حرمت کو پہچانتے تھے۔ کعبہ فرزند رسول کا رتبہ شناس تھا۔ امام نے کعبہ کی حرمت بچا دی۔ کعبہ نے امام کے رتبہ کو ظاہر کر دیا یہ اس کے رتبہ شناس تھے وہ ان کا مرتبہ دان۔ زمین مکہ پر قدم رکھتے ہی ہر سنگریزے نے گواہی دی کہ یہ ہیں امام خلائق اور وارث کعبہ۔ ہر نقش قدم نے ابھر ابھر کر تصدیق کرا دی کہ یہ ہیں ہادی راہ نجات ✧

حسینؑ اور مکہ

مکہ میں داخلہ

حضرت مدینہ سے مکہ تشریف لا رہے تھے۔ جب سواری قریب مکہ پہونچی ایک اعرابی نے حضرت سے سوال کیا۔ آپکے پاس کیا دلیل ہے کہ آپ امام برحق اور جانشین پیغمبرؐ ہیں؟ حضرتؑ نے ایک مٹھی سنگریزے اٹھائے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اعرابی نے اب جو دیکھا ہی تو در و مرجان تھے حیرت میں آ گیا۔ پھر امام نے فرمایا پوچھو اس سے میں کون ہوں۔ ہر موتی گوہر مدعا و شاہد بن کر گویا ہوا منفقاً مل۔

اَنْتَ حُجَّةُ اللّٰهِ اے مولا آپ حجتِ خدا ہیں۔ اعرابی یہ سن کر گویا ہوا۔ بیشک آپ امام برحق ہیں اور ہادیٔ مطلق۔ صلوٰۃ۔ اب سواری قریب حرم پہونچی، حضرت بیت اللہ میں باآداب تمام داخل ہوئے طواف کرتے کرتے حجرالاسود کے قریب پہونچے۔ سنگ اسود نے آواز دی۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَفَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَجْمَعِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تُقْتَلُ وَحِيْدًا غَرِيْبًا مَظْلُوْمًا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَكَ وَلَعْنَةُ عَلٰى مَنْ ظَلَمَكَ۔ اے فرزند رسولؐ آپ پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں سوائے خدائے واحد کے اور کوئی دوسرا خدا نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ (صلعم) اُس کے رسول اور علیؑ امیرالمومنین اور فاطمہؑ زنانِ عالم کی سردار ہیں اور حسنؑ حسینؑ سردار جوانانِ جنت ہیں اور اے دلبند رسولؐ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یکہ و تنہا عالم غربت و بےکسی میں بظلم و ستم شہید ہوں گے۔ خدا اس پر لعنت کرے جو آپ پر ظلم کرے اور شہید کرے۔ یہ سن کر بیت اللہ میں شور گریہ بلند ہوا لوگ چیخیں مار کر رونے لگے۔

بہرحال کعبہ نے بھی اوبا کہ یہ خدا کا گھر ہے اس میں امام کا یہ احترام ہونا چاہیے کہ پتھر زبانِ بےزبانی سے اس کی امامت کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر دشمن دین خدا اس کو چین سے حرم خدا میں بیٹھنے نہ دینگے۔ عزادارو! ایسا ہی ہوا کہ حضرت شعبان میں وارد مکہ ہوئے اور اس وقت سے یزید کے فرمان والیٔ مکہ عمر ابن سعید کے پاس پہونچنے لگے کہ حضرت امام خانہ کعبہ میں مطمئن ہو کر بیٹھنے نہ پائیں۔ اور جب موقع ملے گرفتار کر کے بھیجدیا یا قتل کر ڈالا۔

دوسری طرف اہل کوفہ کو جب خبر پہونچی کہ حضرت مدینے سے ہجرت کر کے مکہ میں مقیم ہیں، حضرت کے پاس خط پر خط بھیجنے شروع کر دیئے۔ یا ابن رسول اللہ آپ کی نصرت کے لئے لشکر تیار ہیں، باغ سرسبز ہیں، درخت پرمیوہ ہیں۔ جلد تشریف لائیے۔ باغیوں نے حضرت کو یہ سبز باغ دکھلایا اور جو عقیدتمند تھے انہوں نے تحریر کیا، فرزند رسولؐ! ہم بے رہنما اور بے امام کے ہیں آپ ہماری رہبری فرمائیے تاخیر نہ کیجئے جلد آئیے۔ تمام لوگ چشم براہ ہیں اور آپکے سوا ہم کسی کی بیعت نہ امامت اور خلافت سے رضامند نہیں بعض لا معقولوں میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا کہ حضرت کو لکھا۔ اِنْ لَمْ تَقْبَلْ اِلَيْنَا فَاَنْتَ اٰثِمٌ (یعنی)

له مولا! جبکہ ہم طالب ہدایت ہیں اگر آپ ہماری طرف توجہ نہ فرمائیے گا تو بارِ گنہ آپ کے سر ہے۔

اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت پر کس قدر ذمہ داری عائد ہو گئی اور عدم توجہ سے حضرت پر کتنا شدید الزام عائد ہوتا ہے۔ غرض (بروایت ابو مخنف) پانچسو اکتیس خط حضرت کی طلب میں مختلف مضامین کے پہونچے۔ آخر میں دسویں رمضان ۶۰ھ کو قیس بن مسہر اور عبداللہ بن وال اور عبداللہ بن سبع اور سب کے آخر میں ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ سفیر بن کر حضرت کے پاس پہونچے اور خطوط پیش کرکے باصرار تمام حضرت کو مدعو کیا۔ حضرت نے مجبور ہو کر جواب میں اہل کوفہ کو نامہ لکھا۔ اور اپنے بھائی جناب مسلم بن عقیل کو اپنا نائب و سفیر بنا کر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ یزید لعین کو اہل کوفہ کے نامہ و پیام اور اہل مکہ کے خلوص کی اطلاع ہوئی اب زمانۂ حج بھی قریب تھا' تیس ۳۰ آدمی بنی اُمیہ سے منتخب کر کے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ بلباس حجاج بھیجے اور حکم دیا کہ حضرت کو جس حال میں پائیں قتل کر دیں جب حضرت نے دیکھا کہ خانۂ خدا میں بھی میرے لئے امن مفقود ہو گیا' امام مظلوم نے حج کو عمرۂ مفردہ سے بدل کر عراق کا قصد فرمایا۔ اہل مکہ کو خبر ہوئی گروہ در گروہ حضرت کے پاس آنے لگے۔ اور عرض کی۔ مولا! اب اہلبیت میں سوا آپ کے اور کون ہے۔ آپ ہمارے پیغمبر کی نشانی ہیں اور فرزند رسولؐ ہیں مکہ سے باہر نہ تشریف لے جائیے۔ ہم آپ کی نصرت کو حاضر ہیں' حضرت نے فرمایا واللہ اگر میں مکہ سے ایک بالشت باہر قتل کیا جاؤں تو یہ امر مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ مکہ کے اندر قتل کیا جاؤں۔ قسم ہے خدا کی اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں بھی چھپ جاؤں تو یہ لوگ مجھ کو ڈھونڈھ کر ضرور قتل کریں گے۔ حضرت کا کلام سنکر لوگ روتے ہوئے مایوسانہ واپس ہوئے۔ یہ خبر سن کر عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمٰن حاضر ہوئے۔ اور حضرت کو روکنے کا قصد کیا۔ اور باصرار تمام مانع آئے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے ابن عمر افسوس تو اس بات کا ہے کہ لوگ کہیں چین سے مجھ کو بیٹھنے نہ دیں گے۔ اور بیعت یزید پر مجبور کریں گے اور اگر انکار کروں گا تو قتل کر دیں گے۔

اے عبدالرحمٰن تو نے سنا ہوگا کہ بنی اسرائیل نے ایک رات میں قبل سورج نکلنے کے ستر نبی قتل کر ڈالے اور صبح کو باطمینان تمام خرید و فروخت میں مصروف ہو گئے۔ خدا نے ان سے بدلہ لینے میں جلدی نہیں کی۔ مگر انجام کار میں وہ سب مبتلائے عذاب ہوئے۔ میں وہ شخص بننا نہیں چاہتا جس کے ذبح ہونے سے حرمت خانہ کعبہ زائل ہو۔ عبداللہ بن جعفر شوہر جناب زینب

بھی حج کے لئے آئے تھے۔ جب ان کو خبر ہوئی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ بھائی آپ
اہل کوفہ کے مکر و غدر سے واقف ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد ماجد اور آپ کے بھائی کے ساتھ کیسا دغا و
فریب پیش آئے ایسی صورت میں آپ اُن کے وعدوں پر اعتماد نہ فرمائیے اور عراق نہ جائیے۔ میں ڈرتا ہوں
کہ کہیں خاندان نبوت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا اے بھائی میں نے اپنے نانا
رسولِ خدا کو خواب میں دیکھا ہے۔ اُن جناب نے مجھکو ایک امر خاص کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ میں اس کی تعمیل
ضرور کروں گا۔ عبداللہ اس وقت مجبور ہو کر خاموش ہو گئے اور بچشم پُرآب اُٹھ گئے۔ صاحبان فہم و انصاف
حضرت کے اس سیاستِ امامت کی قدر کرتے کہ حضرت نے مکہ میں بجائے پناہ لینے کے عین حالتِ احرام
میں ترک قیام فرمایا۔ ایک پہلو تو یہ روشن ہے کہ حرمتِ خانہ کعبہ زائل ہوتی۔ بے دین حضرت پر حملہ کرتے اور
حضرت حرمتِ خانہ کعبہ کے خیال سے تلوار ہی نہ اُٹھا سکتے۔ دوسرے یہ زبردست مصلحت تھی کہ زمانہ حج کی وجہ
سے مسلمان کثرت سے جمع ہیں۔ اگر میں یزید کی موجودہ جماعت سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا تو اس
مجمع اہل اسلام میں کثیر تعداد مجھے فرزند رسول سمجھ کر ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گی اور موجودہ جماعتِ
یزید ظاہری شکست کھا کر مغلوب ہو جائے گی۔ میں فرض شہادت سے بھی محروم رہوں گا اور دنیا یزید سے
نا آشنا رہ کر یہ سمجھے گی کہ حسین نے ملک گیری کے لئے کعبہ کو قلعہ بنا کر حاجیوں کو لڑوا کر یزید کو مغلوب کر لیا
اس لئے عمرہ کو حج پر ترجیح دی۔ سفر غربت اختیار کیا۔ اللہ سیاستِ حسین!! کیا کہنا اے فرزند رسول کس قدر
صائب رائے تھی کہ ہر چند اعداء نے ظاہری مصالح کے بنا پر روکا مگر کوئی اصل غرض کو نہ سمجھا۔ چنانچہ محمد حنفیہ
نے جب سنا بے قرار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ پوچھا بھائی کہاں کا قصد ہے کیا آپ اہل کوفہ کے مکر و
زور سے واقف نہیں۔ بابا جان اور بھائی حسنؑ کے ساتھ جو کچھ بے وفائیاں کی ہیں وہ سب آپ
کو معلوم ہیں۔ پھر ان پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے۔ میری عرض یہ ہے کہ آپ مکہ ہی میں قیام فرمائیں۔
حضرت نے فرمایا اے جان برادر میں ڈرتا ہوں کہ بنی اُمیہ مجھے مکہ میں نہ قتل کر ڈالیں اور میں ہی
وہ شخص نہ قرار پاؤں جس کا خون بہانا حرم طاہر میں مباح ہو۔ محمد حنفیہ نے عرض کی پھر آپ یمن کی طرف
تشریف لے جائیں۔ وہاں کے لوگ آپ کی حفاظت کریں گے۔ امام عالی مقام نے جواب دیا۔ بھائی
محمد حنفیہ میں اگر پتھر میں بھی سما جاؤں جب بھی یہ بے دین مجھکو وہاں سے نکال کر ضرور قتل کریں گے
اب مناسب یہ ہے کہ جو کچھ میں تم سے کہہ چکا ہوں اس پر عمل کرنا۔ محمد حنفیہ کو تاب نہ ہوئی

اور بے قرار ہو کر رونے لگے اور عرض کی اچھا آپ اس سفر میں تعجیل نہ فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا اچھا میں تمہاری رائے پر غور کروں گا۔ محمد حنفیہ گریاں و نالاں اس وقت چلے آئے۔ اس فکر میں تھے کہ کسی تدبیر سے فرزند رسول کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ کبھی اضطرابانہ عامل مکہ کے پاس پہونچے کبھی عبداللہ بن جعفر سے مشورہ لیا کبھی عبداللہ بن عمر کو آمادہ کیا۔ غرض یہ فکر تھی کہ امام عالی مقام کو نہ جائیں۔ ورنہ نخلِ حق کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آپ اسی تدبیر میں تھے کہ صبح کو سنا ناقہ تیار ہیں، اونٹ بٹھائے گئے ہیں، شہزادیاں سوار ہو رہی ہیں، عماریوں پر پردے ڈالے گئے ہیں۔ مضطربانہ حاضر ہوئے اور جوشِ محبت میں مہارِ ناقہ پکڑ لی اور عرض کی۔ اے برادر بزرگوار اے یادگار حیدر کرار آپ نے تو وعدہ فرمایا تھا کہ غور کروں گا۔ پھر تعجیل کا کیا سبب ہوا؟ فرمایا اے برادر عزیز شب کو میں سو گیا تو عالم رویا میں نانا جان کو میں نے دیکھا۔ فرما رہے ہیں۔ "اے خنکیِ چشم حسینؑ جانبِ عراق جلد روانہ ہو۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ قتل ہو اور اپنے خون میں رنگین ہو۔" اتنا سننا تھا کہ محمد حنفیہ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور فرمایا جب آپ کو یہ علم ہے تو پھر بچوں اور عورتوں کو کیوں ہمراہ لئے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ بھائی محمد حنفیہ نانا جان نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ ہماری عورتیں لوٹی جائیں اور قید کر کے پھرائی جائیں یہ کہہ کر حضرت بھی رونے لگے۔ اور محمد حنفیہ جوشِ بکا سے بیتاب ہو گئے۔ پھر عرض کی اے بھائی حسینؑ جایئے۔ میں نے آپ کو خدا کے سپرد کیا۔ عزادارو! اُس وقت تمہارے مسافر امام کے لئے سخت وقت تھا۔ ایک طرف حجاج احرام باندھے حج کی تیاریاں کر رہے ہیں اور حضرت عین یوم ترویہ خانہ کعبہ کو چھوڑنے پر مجبور ہیں۔ اس کے دل سے پوچھیے جس نے پچیس حج کئے ہوں اور اکثر پیادہ سفر اختیار کیا ہو۔ آج حج سے محروم ہو کر خانہ کعبہ سے رخصت ہو رہا ہے۔ ایک طرف حجاج گھیرے ہوئے حضرت کو رو رہے ہیں، دوسری طرف محمد حنفیہ ایسے مطیع بھائی اور اہل وطن کا فراق دل کو تڑپا رہا ہے۔ لوگ ناقہ سے لپٹے جاتے ہیں مگر جذبات شہادت مہارِ ناقہ پکڑے ہوئے قتل گاہ کی طرف کھینچے لے جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور اہل حرم چیخیں مار مار کر رو رہے ہیں، دوست اور بنی ہاشم سر پیٹ رہے ہیں۔ حضرت نے خانہ کعبہ کو حسرت سے دیکھا اور دل پر صبر کی سل رکھ کر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو خانہ خدا سے رخصت ہوئے۔

بیان نہم

لسان صدق کون ہے؟ حضرت خلیل کیساتھ جناب لوطؑ کی رفاقت، جناب ختمی مرتبت سے حضرت علیؑ کی رفاقت، جناب امام حسینؑ سے مسلم ابن عقیل کی رفاقت۔

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِیْ كِتَابِهِ الْمَجِیْدِ وَفُرْقَانِهِ الْحَمِیْدِ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ۔ ترجمہ: "اے پالنے والے مجھ کو حکومت تحقیقی عنایت فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کر اور میرے لئے آخر آنے والوں میں سے ایک سچی زبان مقرر فرما۔ اور مجھ کو جنات نعیم کے وارثوں میں سے قرار دے۔" خلیلؑ کی دعا کیوں نہ مستجاب ہو۔ دوست کی مناجات ہے کیوں نہ مقبول ہو۔ مالک سے جب مانگا جو کچھ مانگا پایا۔ کبھی اسی وقت دیا کبھی کچھ دنوں کے بعد دیا۔ مگر اپنی درگاہ سے محروم نہیں پھیرا۔ پیک دعا کبھی خالی نہیں پلٹا۔ حضرت ابراہیم کی اکثر دعاؤں کا ذکر خدا نے قرآن میں بکثرت کیا ہے۔ اس مناجات میں خلیل خدا نے حکومت باطنی کی تمنا کی ہے اور اسی سلسلہ میں اچھے لوگوں سے توسل کی تمنا کی ہے۔ ایک لسان صدق کی خواہش ظاہر کی ہے جو سب کے آخر میں ظاہر ہو۔ دعا میں نیاز مندانہ اشارے کنائے ہیں جس کو مانگنے والے نے جو کچھ سمجھ کر مانگا، دینے والا ضمیر شناس بلکہ خالق ضمیر ہے اس کو سمجھ کر دیا۔ درخواست منظور ہوئی مراد بر آئی۔ دعا مقبول ہوئی اور اس شان سے کہ حاجت سے بڑھ کر ملا۔ خواہش سے سوا پایا۔ در پردہ امامت کی خواہش تھی، صالح اولاد چاہتے تھے۔ امامت بھی ملی اور صلب طیب سے دو فرزند صالح پیدا ہوئے۔ ایک اسحٰق انبیائے بنی اسرائیل کے مورث، جن کی نسل سے ہزارہا پیغمبر پیدا ہوئے۔ دوسرے جناب اسمٰعیل ذبیح اللہ جن کی نسل طاہرہ سے وہ صالح پیغمبر پیدا ہوا کہ خدا نے ہر ہر فضیلت کا اس پر خاتمہ کیا۔ وہ خود ایسا صالح کہ خدا نے خلق عظیم کا خطاب عطا فرمایا۔ اس کا بھائی ایسا صالح کہ صالح المؤمنین کے نام سے خدا نے قرآن پاک میں تذکرہ فرمایا۔ اسکی نسل پر امامت کو ختم کیا۔ صداقت کا بھی اس پر خاتمہ ہوا۔ خود ایسا صادق کہ جس کے لعاب دہن میں یہ تاثیر تھی کہ جس کو زبان دیدی وہ صدیق اکبر ہو گیا۔ بدگمان نہ ہو جیئے شہرت ظاہری پر نہ جایئے، زبان قرآن سے پوچھئے خدا نے کس کو کہا لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا۔ خود صادق اللہجہ پیغمبرؐ حضرت ختمی مرتبت سے دریافت کیجیے۔

صدیق اکبر کون ہے؟ اگر آپ کی رسائی مقام صدق تک نہ ہو دربار رس صحابی بوذر و سلمان سے استفسار کیجئے۔ رسول خدا نے کس کو صدیق اکبر کہا۔ کون اس خطاب سے سرفراز ہوا۔ گوش دل سے سنئے تو ابوذر اور سلمان کی آواز آئے گی۔ ہم نے دیکھا جناب اصدق الصادقین خاتم النبیین، سید الوصیین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے فرما رہے تھے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں یہ وہ شخص ہے جو سب کے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے۔ اور یہ اس امت میں حق و باطل کو جدا کرنے والا ہے۔ اور یہ مومنوں کا یعسوب ہے اور یہ وہ شخص ہے جو قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرے گا اور یہ صدیق اکبر ہے[1]۔

تفسیر ثعلبی

بحوالہ ارجح المطالب

اب اگر اس سے بالاتر سننا ہو تو آل محمد پر درود بھیجئے۔ لوح دل صاف ہو تو ذہن میں صلاحیت آئے عقل میں رسائی پیدا ہو۔ مفسر قرآن بلکہ امام المفسرین ابن عباس اس سے بالاتر کہتے ہیں۔ کہ ایک روز جناب امیر علیہ السلام نے حضرت رسول خدا سے سوال کیا۔ یا حضرت کیا آپ ہم کو جنت میں بھی اسی طرح دکھلائی دیں گے اور ہم آپ کو دیکھ سکیں گے؟ فرمایا۔ ہر نبی کا رفیق ہوتا آیا ہے، جو اس پر سب کے پہلے اسلام لایا ہو۔ یہ فرما رہے تھے کہ اسی وقت آیۃ نازل ہوئی۔ - وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ پس حضرت علی کو اور قریب بلایا اور فرمایا لو! تمہارے سوال پر خدا نے بھی آیۃ نازل کر دی اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے۔ کیونکہ تو سب کے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور تو صدیق اکبر ہے۔ مبارک ہو۔ جناب خلیل کو۔ جو کچھ خدا سے مانگا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ صالحین سے الحاق کی تمنا تھی، لسان صدق کی آرزو تھی، یہاں سب باتیں یک جا حاصل ہو گئیں۔ ایک ذات میں صدق و صفا کے جوہر بھی، شہادت کا رنگ بھی ایک ذات پر منحصر نہیں۔ فرد واحد پر منتہی نہیں۔ وہ ذات جس کی ذات میں گیارہ فرزند اسی صفت کے اور ہر ایک جمیع صفات کا حامل اور ہر ایک ویسا ہی الحاق اور نسبت۔ جناب ابراہیم کو جیسا دل چاہتا تھا۔ (صلوٰۃ) اس روایت نے ایک بات اور واضح کر دی کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے جو سابق الاسلام ہو۔ پھر آیت نے اس پر مہر کر دی وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا رفیق سبھی طرح کے ہوتے ہیں لیکن جس میں یہ تمام صفتیں جمع ہوں وہ بھی بہتر رفیق ہے۔ ایسے رفیق صادق کی معیت

---

[1] مولوی نذیر احمد اور دیگر حضرات اہلسنت نے اس امر میں خلیفہ اول کو صدیق اور شہید دوم و سوم کو کہا ہے۔ مگر عبداللہ امرتسری نے تفسیر ابن الہام میں اسی آیت کے حوالے سے ہر صفت کا موصوف جناب امیر علیہ السلام کو لکھا ہے اور ابن عباس کی اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے (ارجح المطالب ص ۳۳)

کا قرآن میں خدا نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو۔ مگر ہم کو تو ابتداء سے سچوں کا ساتھ دینے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔ جناب عیسیٰ کے حوارین کا تجربہ ہو چکا۔ جناب موسیٰ کے متابعین کو دیکھ لیا۔ جب سبقت دینے والوں کا شمار کیا ایک ہی نظر آیا۔ ابن عباس والی روایت کی تصدیق ہو گئی کہ ہر نبی کا ایک رئیس ہوتا ہے۔ جو سب سے پہلے اس پر ایمان لائے۔ میں اگر اپنے مولا کو پیش کروں کہ سب سے پہلے ایمان لائے تو غلو سمجھا جائے گا۔ امام احمد ابن حنبل نے اپنے مناقب میں معقل ابن یسار سے روایت کی ہے اور تمام معتبرین علماء اہلِ سنت کا اجماع ہے اس امر پر کہ علی علیہ السلام سابق الایمان ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی کمسنی کا عذر پیش کر کے کسی بڈھے سمجھدار مرد بزرگ کو باعتبار عمر کے سبقت کی فضیلت میں پیش کریں۔ لیکن دس سال سے کم امیر المومنین کی عمر کسی نے نہیں تسلیم کی۔ قرآن اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ اور مورخین جناب لوط کی عمر نو سال کی تحریر کرتے ہیں جبکہ ایمان لائے۔ [1]

خدا کے نزدیک جب نو سال میں ایمان لانا قابلِ مدح ہو سکتا ہے تو دس سال میں کس مسلمان کو تامل ہو سکتا ہے جس سے قرآن کی تکذیب ہو (صلوٰۃ)

نو سال کی عمر میں جناب لوط کا ایمان ایسا معتبر تھا کہ جناب ابراہیم کی سیرت میں جناب رسولِ خدا صلعم کے واسطے اور اہلِ ایمان کے لیے جناب باری نے نمونہ قرار دیا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ اے رسول ابراہیم اور جو اُن کے ساتھ تمہارے واسطے بہترین نمونہ تھے۔ دیکھنا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جناب ابراہیم کے ساتھ کون لوگ تھے جن کی طرف قرآن اشارہ کر رہا ہے "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کتب تواریخ میں سوائے جناب لوط کے اور سارہ کے تیسری ذات نظر نہیں آتی۔ یہاں بھی قول کی تصدیق ہو گئی۔ خلیل خدا کی رفاقت میں ایک ہی مرد نکلا فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ۔ لوط ایمان لائے اور کہا میں بھی اپنے خدا کی طرف (آپ کے ساتھ) ہجرت کروں گا۔

ہجرتِ خلیل

مفسرین متفق ہیں کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب جناب ابراہیم کو نمرود نے شہر سے نکلنے کا حکم دیا ہے اور آپ ہجرت کے لیے تیار ہو گئے جناب لوط بھی ساتھ ہو گئے۔

---

[1] ہم اس بحث کو مناظرہ امورت الرشید میں مفصل ذکر کریں گے یہاں اختصار کے ساتھ استدلال مقصود ہے۔ مولوی عبد اللہ امرتسری نے کتاب ارجح المطالب میں ۲۰ علماء اہلسنت سے روایات نقل کی ہیں اور آخر میں امام فخر الدین رازی کا قول درج کر دیا ہے کہ وہ حدیث جس سے علی کے سابق الاسلام ہونے پر استدلال کیا جاتا ہو قول اس امت ہو علی کی نسبت تقریباً اجماع ہو جاتا ہو۔ ابو حنیفہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (ابو البیان)

خدا کی دی ہوئی تشبیہ ہے، دستِ قدرت کا بنایا ہوا نمونہ ہے۔ سرِمُو فرق نہیں ہو سکتا۔ حبیب خدا کو بھی اسی طرح ہجرت کا اتفاق ہوا۔ علی نے بمصداق وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اسی طرح ساتھ دیا جس طرح جناب لوط نے۔ اور ایسا ساتھ دیا وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کی تصدیق ہو گئی۔ لوط جناب ابراہیم کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ابتدائے عمر میں ایمان لائے سب سے پہلے جناب ابراہیم کا دین قبول کیا۔ نہ بتوں کو سجدہ کیا نہ ستاروں کی پرستش کی۔ ہمیشہ رفاقت میں مصائب برداشت کئے۔ یہاں بھی علیؑ نے ابتدائے عمر میں اسلام قبول کیا۔ سوائے خدا کے نہ کبھی کسی کے سامنے سجدہ کیا نہ سر جھکایا نہ مغلوب ہوئے۔ جب بھی سر جھکا خدا کی بندگی میں جھکا۔ پیدا ہوئے تو خدا کو سجدہ کیا اور جب دنیا سے رحلت کا وقت آیا جب بھی سر سجدہ میں تھا۔ صلوٰۃ یہ بھی نمونہ کی ایک شان تھی کہ جب جناب ابراہیم ہجرت کر کے زمینِ فلسطین پر پہونچے اور وہاں اپنا مستقر بنایا، اہلِ موتفکات[1] نے جناب ابراہیم کو دعوت دی ہم ہر طرح کی راحت آپ کو دیں گے۔ آپ ہماری زمین پر تشریف لا کر قیام کریں۔ ہم سب آپ کا ایمان قبول کر لیں گے۔ جلد آئیے۔ جناب خلیل نے اپنی طرف سے اپنے بھائی لوط نبی کو اُن کے پاس بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں اور جب ہدایت پا جائیں جناب ابراہیم کو اطلاع دیں۔ برادرِ رسولؐ امیر المومنین علیہ السلام کو موافق اس اُسوۂ حسنہ کے متعدد مرتبہ شرفِ سفارت حاصل ہوا جس کو بلحاظ طوالت ترک کرنا مناسب ہے لیکن بموافق اس نمونہ کے جو مناسبتیں عہدِ رسول میں باقی رہ گئیں بمفادِ وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ اس کی تکمیل خلیل کی آنے والی نسل میں فرزندِ رسول کے ہاتھ سے ظہور میں آئی اور اسی بنا پر پیغمبرِ خدا کی زبانِ مبارک پر بار بار آ جاتا تھا۔ حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ منجملہ اور چند مطالب کے ایک اشارہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ بعض مناسبات انبیا کی تکمیل بجائے میرے حسینؑ کے ہاتھ سے ہوگی اور ان کو میرے عوض میں میرا فرزند حسینؑ پورا کرے گا +

علی جیسی القلوب

حضرت ابراہیم و لوط کا بھیجنا

علی بھی جلیب القلوب

ہجرت خلیل سے ہجرت حسینی کا مقابلہ

معاملہ ہجرت حضرت ابراہیم کو دیکھئے جس بے کسی اور مجبوری سے جناب خلیل نے اپنا وطن چھوڑا ہے کہ آپ کے ناموس میں جناب سارہ اور بھائیوں میں جناب لوط تھے۔ اسی طرح سے امام حسینؑ کو بھی اپنا مسکن و مولد چھوڑنا پڑا۔ اس مسافرِ غربت زدہ کے ہمراہ بھی ناموس اور چند بھائی بھتیجے لڑکے ہیں۔ مگر حسینؑ کی قدر کرنے والو! حسینؑ کے کس بھائی کو مشابہت تام اس معاملہ میں حاصل ہے۔ علیؑ کے ساتھ

---

[1] ایک بستی تھی جس پر عذاب نازل ہوا اور وہ اُلٹ دی گئی تھی +

شیر ہمراہ رکاب ہیں، عباس سا دلاور سر بکف جان دینے کے لئے ضعیف ماں کو خدا پر چھوڑ کر گھر سے نکلا ہے مگر مہمان حسینؑ یہ حصہ نیابت یہ عہدہ سفارت کسی اور ہی کے حصہ میں ہے جس نے جناب لوطؑ کی مناسبت کو کچھ اس سے بالاتر عمل کر کے دکھلا دیا +

مسافر کربلا! مدینہ سے رخصت ہو کر کہ پہنچ چکا ہے کوفے سے خط پر خط طلب میں آچکے ہیں ان عریضوں کا بھی وہی مضمون ہے جو جناب ابراہیم کی طلب میں تھا، اسی طرح فرزند رسولؐ مدعو کیا جاتا ہے درخت بار در ہیں، چراگاہیں شاداب ہیں۔ میوہ سے شاخیں لدی ہوئی ہیں جلد آئیے۔ امام کو سبز باغ دکھلا کر دام فریب میں لانا چاہتے ہیں، حضرت پر انجام ہر ارادے کا روشن ہے مگر اتمام حجت کے لئے حجت خدا نے اپنے بھائی مسلم ابن عقیل کو اپنے مردان اہل بیت میں جو : کر نیابتاً کوفہ کی طرف روانہ فرمایا۔ جناب مسلم کو راہ میں مصیبتیں پیش آئیں، رفیق ہلاک ہوئے مگر یہ فدائے برادر حتم امام کا پابند کوفہ میں پہونچا۔ مختار کا مہمان ہوا۔ لوگ جوق در جوق جمع ہوئے، اٹھارہ ہزار مردم کوفہ نے امام حسین کے سفیر کے ہاتھ پر بیعت کی جس طرح آخر میں جناب لوط نبی خدا کے لوگ دشمن جانی ہو گئے تھے۔ اور پتھروں سے جناب لوط کو ایذا دیں۔ اسی طرح سے غریب مسلم سے اظہار عقیدت کے بعد سب دشمن جانی ہو گئے۔ ہر سنگ راہ دشمن ہو گیا چند جاں نثار مثل سلیمان ابن صرد خزاعی اور مختار و مسیب قید ہو گئے، جن کی تعداد چار سو تک پائی جاتی ہے۔ تن تنہا وہ مقابلہ کیا ہے کہ صفحات تاریخ پر کم ایسے بہادر نظر آئیں گے۔ آپ کا آغاز اس انتہا کی خبر دیتا تھا وہ زمانہ یاد کیجئے جب حضرت مسلم تیرہ چودہ سال کے تھے عہد خلافت ثالث میں جناب عقیل امیر معاویہ کے پاس تشریف لائے۔ ایک روز دربار آراستہ تھا۔ کرسیوں پر گرد و پیش مصاحبین و روسائے شام بیٹھے تھے، خود امیر شام ایک تخت پر متمکن تھا، ناگاہ ایک صاحبزادہ کمر میں نیمچہ لٹکائے داخل دربار ہوا۔ دربار پر نظر ڈالی۔ دیکھا کوئی جگہ خالی نہیں ہے، نیمچہ میان سے کھینچ لیا۔ تیور پر بل آگئے۔ کہا۔ کیوں امیر شام تیرے دربار میں کیا اہل عزت کی یہی قدر ہوتی ہے۔ معاویہ بپھرے ہوئے شیر کے تیور دیکھ کر جناب عقیل سے مخاطب ہوا، اور کہا بھائی عقیل مجھکو ایک بات یاد آئی۔ جب ہم تم مدینہ میں مسجد رسول میں بیٹھے ہوئے تھے، اور عبداللہ بن عباس اور کچھ لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے، تم نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا، کہ قبیلہ بنی کلاب میں سے شادی کی ہے۔ اس سے وہ لڑکا پیدا ہوگا کہ تم سے سر دربار کلہ بکلہ مقابلہ کرے گا۔ لے بھائی لو وہی صورت پیش آئی۔ یہ کہہ کر معاویہ نے اظہار شفقت میں جناب مسلم کو

اپنے پاس تختِ حکومت پر جگہ دی، پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر مدح و ثنا کرنے لگا۔ ؑ

یہ ابتدا تھی جناب مسلم کی۔ پھر کیوں نہ حضرت سید الشہدا اپنی نیابت کے لئے اہل بیت میں آپ ہی کو منتخب کریں۔ بڑی عزت دی۔ جن کلمات سے حضرت نے جناب مسلم کا اپنے خط میں تذکرہ فرمایا ہے مایۂ ناز ہے۔ آلِ عقیل کے لئے آپ نے اس خط میں جو اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا تھا یہ عبارت رقم فرمائی۔ وَ اَنَا بَاعِثٌ اِلَیْکُمْ اِبْنَ عَمِّیْ وَ ثِقَتِیْ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ مُسْلِمُ ابْنُ عَقِیْلٍ (حضرت نے اہل کوفہ کو خط میں تحریر فرمایا تھا) تمہارے نامے پے در پے میرے پاس پہونچے۔ اور سب کے آخر میں سعید تم لوگوں کے خط لائے۔ تم نے باتفاق لکھا ہے کہ ہم لوگ بے ہادی و امام ہیں، اور باصرار مجھکو طلب کرتے ہو، لہٰذا میں اپنے چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو جو میرے اہل بیت موثق ہیں، بھیجتا ہوں۔ یہ تم لوگوں کے ارادے سے مجھکو اطلاع دیں گے اور تمہارے خلوص کی تصدیق کریں گے۔ تو میں جلد تمہارے پاس پہونچوں گا۔ یاد رکھو امام وہی ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے اور احکام خدا و رسولؐ پر قائم ہو۔ والسلام۔ جناب مسلم کو بڑی عزت دی، امام نے اپنی نیابت خاص کے لئے اہل بیت میں آپ ہی کو موثق سمجھ کر کوفہ بھیجا۔ امام کی بیعت انھیں ہاتھوں پر ہوئی۔ یہ شرف کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔ جناب مسلم نے بھی حق اخوت و رفاقت ادا کر دیا۔ پہلے اہل کوفہ نے بھی بڑی توقیر کی۔ جس طرف سے گزر جاتے تھے لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ جس گھر میں جلوہ افروز ہوتے تھے کثرتِ مردم سے بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ مگر خدا نہ کرے زمانہ یوں کسی سے برگشتہ ہو جیسا اس غریب مسافر سے ہوا۔ خدا نہ کرے کسی کی بات بن کر یوں بگڑ جائے جیسے جناب مسلم کی بات بگڑی۔ ایک وہ وقت تھا کہ نماز جماعت میں ۱۸ ہزار کا مجمع تھا، ایک یہ وقت ہے کہ سلام پھیرنے کے وقت تیس آدمی ہیں۔ اور مغرب کے وقت صرف مسلم ابن عوسجہ باقی رہ گئے۔ اپنی غربت دیکھ کر ابن عوسجہ سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے سے ہانی بن عروہ کے یہاں پناہ لی۔ مگر جب یہ راز بھی فاش ہو گیا اور ہانی قید ہو گئے، ہانی کا گھر چھوڑا۔ محمد بن کثیر کا گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ اب کوفہ کی غیر مانوس گلیاں ہیں اور حسینؑ کا غربت زدہ سفیر۔ وفا پیشہ اہل کوفہ ہیں اور

له جناب مسلمؑ کی ولادت عہدِ خلافتِ عمر ابن خطاب میں پائی جاتی ہے۔ سنہ کا پتہ نہیں چلتا۔ واقعہ دو بار معاویہ عہدِ امیر المومنینؑ میں جنگِ صفین آئے جس سے عمر ۲۸ سال ہوئی ہو۔ آپ کی والدہ ام البنین کے خاندان کی ہیں۔ اس حیثیت سے خالہ زاد بھائی جناب عباس کے آپ کے بھائی خواہر جناب عباسؑ کی زوجہ تھیں۔ جو کلمات جناب عقیل نے معاویہ سے قبل از وقت کہے تھے۔ ممکن ہے جناب رسول سے سنے ہوں یا امیر المومنین سے آپ بی بی آمنہ والدہ حضرت رسول کے خاندان کی ہیں۔ ۱۲

تنہا مسلمؑ۔ شام ہوگئی ہے۔ پرآشوب شہر کے دروازے بند ہیں، گلیاں سنسان کہاں جائیں کس کو
اپنا ہمدرد سمجھیں ذرہ ذرہ دشمن ہے۔ پیاس کا بھی غلبہ ہے اور موافق بعض اقوال کے روزے سے
بھی ہیں۔ مگر افطار کا کیا سامان ہو۔ کوئی ساغر آب بھی دینے والا نہیں۔ ایک غریب ضعیفہ
کے دروازے پر پہونچے۔ دیکھا وہ دروازہ بند کرنا چاہتی ہے فَسَلَّمَ عَلَيْهَا جناب مسلمؑ نے اس کو سلام
کرکے مخاطب کیا۔ فَرَدَّتْ بڈھی نے جواب دے دیا۔ فَقَالَ يَا اَمَةَ اِسْقِيْنِيْ مَاءً جناب مسلم
نے کہا اے کنیز خدا مجکو ایک جام آب سے سیراب کر۔ ضعیفہ نے جس کا نام طوعہ تھا، پانی لاکر حاضر
کیا۔ اور جناب مسلم نے پی لیا۔ مگر خدا جانے کیا تغیر طبیعت میں پیدا ہوا کہ حضرت مسلم بیٹھ گئے۔ قَالَتْ
اَلَا تَشْرَبْ؟ طوعہ نے پوچھا کیا ابھی سیراب نہیں ہوئے؟ آپ نے کہا نہیں میں سیراب ہوگیا، خدا
مجکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ قَالَتْ فَاذْهَبْ۔ طوعہ نے کہا پھر جاتے کیوں نہیں فَسَكَتَ بجز خاموشی
جواب ہی کیا تھا۔ چپ ہوگئے جناب مسلم۔ اب ضعیفہ کی ناگواری میں کچھ اضافہ ہوا۔ لہجہ بدل گیا
قَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ يَا عَبْدَ اللهِ قُمْ اِلٰى مَكَانِكَ وَاَهْلِكَ عَافَاكَ اللهُ فَاِنَّهٗ لَا
يَصْلُحُ لَكَ الْجُلُوْسُ عَلٰى بَابِيْ وَلَا اُحِلُّهٗ لَكَ ۔ صاحبان غیرت!! کچھ حد ہے اس انقلاب
کی! ایک ضعیفہ کس سے گفتگو کر رہی ہے اس کو اپنے دروازے سے ہٹا رہی ہے، خاندان رسالت
کے مذہبی وقار کو جانے دیجیے، ہائے مسلم کی یہ عزت کیا کم تھی کہ ابھی تھوڑا زمانہ گزرا تھا کہ ان کے
چچا علیؑ ابن ابی طالب اس شہر میں بادشاہت کرتے تھے۔ چچا کا تخت حکومت اسی شہر میں تھا
آج بادشاہ کون بلکہ شہنشاہ عالم کا نور چشم کس حقارت سے ٹھکرا رہا ہے، ضعیفہ دروازے پر بیٹھنے
کی روادار نہیں۔ کہتی ہے اے بندۂ خدا اپنے گھر بار اور عیال میں جاکر بسر کر۔ تجکو زیبا نہیں کہ میرے
دروازے پر یوں بیٹھ جائے!

رو دیئے مسلمؑ، حمیت ہاشمی نے اٹھا کر کھڑا تو کر دیا مگر مایوسی نے قدم پکڑ لئے۔ بہ نظر حسرت
طوعہ کی طرف دیکھا اور فرمایا يَا اَمَةَ اللهِ مَا لِيْ فِيْ هٰذَا الْمِصْرِ مَنْزِلٌ وَلَا عَشِيْرَةٌ۔ اے
کنیز خدا۔ کہاں جاؤں مسافر ہوں۔ نہ میرا اس شہر میں گھر ہے نہ قوم و قبیلہ۔ اس کے بعد عجب حسرت
سے فرمایا۔ اے مادر کیا نہیں ہو سکتا کہ تو مجکو اپنے یہاں قیام کی جگہ دے اور اس کی جزا میں اپنے
پیغمبرؐ کی شفاعت حاصل کرے! ضعیفہ نے پوچھا مَنْ اَنْتَ مَا اسْمُكَ؟ تمہارا کیا نام ہے۔ تم کون

ہو۔ قَالَ مُسْلِمُ ابْنُ عَقِیْلٍ فرمایا میں مسلم ابن عقیل ہوں۔

طوعہ یہ سُن کر لرزنے لگی اور کہا پھر تو یہ گھر آپ کا ہے اور میں آپ کی کنیز ہوں۔ بسم اللہ آئیے میرے گھر میں آرام کیجیے۔ طوعہ نے یہ سمجھنے کے بعد کہ آپ وہی مسلم ہیں جن کو امام نے سفیر بنا کر بھیجا ہے، بڑی عزت کی۔ ایک حجرہ میں فرش بچھا کر آپ کو ٹھہرایا سامان راحت جہیا کیا، مگر طوعہ کے فرزند ناخلف نے کہ نام اس کا بلال تھا خوب حق میزبانی ادا کیا، جب شب کو وہ آیا اس کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مسلم میرے گھر میں ہیں، انعام کے لالچ میں صبح دم ابن زیاد کو خبر کر دی۔ یہاں حضرت مسلم نوافل شب بجا لا کر سو گئے تھے کہ اپنے چچا امیر المومنینؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ اے فرزند جلد میرے پاس چلا آ۔ جلد آ۔ یہ خواب دیکھ کر آنکھ کھلی، اپنی مرگ کا یقین ہوا۔ وضو کر کے نماز بجا لائے اور مرنے پر کمر باندھی۔ ناگاہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی اور اسلحہ کے کھڑکنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ طوعہ نے پوچھا شہزادے کہاں کا قصد ہے، فرمایا تو گھوڑوں کے ہنہنے اور ٹاپوں کی آواز نہیں سنتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے لشکر ابن زیاد آ گیا اور تیرے گھر کو گھیر رہا ہے۔ اے ضعیفہ دروازہ کھول دے۔ میں نہیں چاہتا کہ تیرے گھر کی بے حرمتی ہو۔ اللہ اکبر۔ اس عالم اضطراب میں میزبان کے گھر کی عزت کا لحاظ رکھنا اسی گھرانے کا کام ہے۔ مگر اس صفت کی قدر کربلا میں خوب کی گئی۔ بے تامل بے وارثوں کو لوٹنے کے لئے اشقیا خیموں میں چلے گئے، اور خاندان رسالت کی عزت کو لوٹ لیا۔ عورتوں کو بے ردا کیا۔ کانوں سے گوشوارے اتارے۔ بہرحال محمد ابن اشعث تین سو پیادے لے کر پہونچ گیا۔ اور طوعہ کا گھر گھیر لیا۔ عقیل کا فرزند علی کا شیر تلوار کھینچ کر نکل آیا اور فوج پر حملہ آور ہوا۔ چاروں جانب سے لوگ گھیرے ہوئے تھے مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ قریب آ کر گرفتار کر لیتا۔ دور سے حملہ کرتے تھے۔ پتھر مارتے تھے اگر کوئی قریب آ جاتا تھا جناب مسلم تلوار سے اس کو دو کر دیتے تھے۔ اور دو ایک ساتھ آ گئے تو دونوں کی گردن پکڑ کر ٹکرا دیا کہ دونوں کے کاسۂ سر ہو گئے۔ کبھی کسی کا بازو پکڑ کر بام خانہ پر پھینک دیا۔ گویا علیؑ کے شیر کے سامنے یہ معرکہ بازی گاہ تھا۔ تھوڑی دیر میں سپاہ یزید پسپا ہو گئی۔ ایک سو پچاس آدمی سپاہ شام کے کام آئے۔ محمد ابن اشعث نے ابن زیاد سے مزید فوج طلب کی اس کے جواب میں اس نے کہلا بھیجا۔ تم کو شرم نہیں آتی ہے کہ ایک شخص کی گرفتاری کے لئے اس قدر سپاہ لے گئے پھر بھی گرفتار نہ کر سکے۔ محمد ابن اشعث نے جواب دیا۔ کہہ دینا

فوج مخالف کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابو مخنف اور صاحب ناسخ و بحار پہلی مرتبہ ۳۰۰ اور پھر پانچسو لکھتے ہیں۔ صاحب بیت الاحزان مرتبہ اول لکھتے ہیں۔ طبری پہلی مرتبہ میں ستر پھر بارہ سو۔

ابن زیاد سے یہ لڑائی کوفہ کے کسی بطال سے نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ شیر بیشہ شجاعت فرزند عقیل اید
اسداللہ سے جنگ ہے۔ غرض پانچسو پیادہ و سوار در آئے اور پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بالائے بام
اشقیا پہونچ گئے اور وہاں سے پتھر برسانے شروع کئے۔ یہ بھی حضرت لوط سے ایک مشابہت تھی جیسا
ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ حضرت لوط کو امت نے مہمان بلاکر دغا دی اور دشمن جانی ہو گئے۔ ہر طرف سے
پتھر برسائے۔ یہاں بھی وہی شان ہے بلکہ اس کو کیا نسبت۔ ایک مسافر غریب بے یار و مددگار کو جماعت
کثیر گھیرے ہوئے ہے، ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، مگر سبحان اللہ کیا بہادر تھے جناب مسلم اور کس قدر فن
جنگ سے ماہر تھے کہ فوج کثیر کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ عجب نہیں شیر خدا نے اسی روز کے لئے تعلیم دی ہو۔ غرض
چھ سو سے زیادہ اشقیا اس مجبوری اور تنہائی میں آپ نے قتل کئے۔ آخر یہ تدبیر اختیار کر کے محمد ابن اشعث
آگے بڑھا۔ قَالَ لَكَ الْاَمَانُ لَا تَقْتُلْ نَفْسَكَ کہا اے مسلم تمہارے لئے امان ہے کیوں اپنی جان دئیے دیتے
ہو۔ جناب مسلم سمجھ گئے فرمایا بِاللّٰہِ لَا اُبَایِعُ فَاسِقاً قسم ہے خدا کی میں بیعت فاسق ہرگز نہ کروں گا
مطلب یہ تھا کہ امان کے تو یہی معنے ہیں کہ میں بیعت یزید کروں اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس کا
سفیر ہوں جو بیعت یزید سے انکار کرتا ہے جس کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی۔ کیوں نہ ہو اگر ایسے نہ ہوتے
تو امام اپنے کنبہ میں منتخب کر کے ان کو نہ بھیجتے۔ مسلم نائب امام کی حیثیت سے کوفہ میں آئے تھے۔ ان کا ہر
فعل امام کا سمجھا جاتا۔ اگر مسلم کا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھ جاتا تو امام کی محنت برباد ہو جاتی۔ تن تنہا حسینؑ
کے ایلچی نے تلواریں کھائیں، پتھروں کے مینھ سے مقابلہ کیا مگر نہ ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا نہ قدم پیچھے ہٹا
جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ ایک غار کھود کر فوج نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جناب مسلمؑ جوش شجاعت
میں تلوار علم کئے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ ناگاہ غار میں پاؤں جا پڑا۔ پھر سنبھل نہ سکے۔ زخموں سے چور
چور، خون کثرت سے بہ چکا تھا۔ ضعف نے مضمحل کر دیا۔ زمین پر گرنا تھا کہ ہر طرف سے فوج نے گھیر لیا۔ تلوار
چھن گئی۔ اب کیا تھا دشمنوں کی جسارتیں بڑھ گئیں۔ دشمنوں کو ہمتیں پیدا ہوئیں۔ دست ظلم بڑھنے لگے۔
دست درازیاں شروع ہو گئیں کسی نے سر سے خود لیا کسی نے دستانے ہاتھ سے کھینچ لئے۔ ہر طرح سے بے بس دیکھ
کر ایک ریسمان میں دونوں ہاتھ پس پشت سے باندھ دئیے اور ایک خچر پر بٹھا کر دار الامارۃ تک لائے
دیکھا غلام پانی کی صراحیاں بھر رہے ہیں۔ وَكِيزَانٌ مُعَلَّقَةٌ فِي الدَّهْلِيزِ وَفِيهَا مَاءٌ بَارِدٌ اھ
کچھ کوزے آب سرد کے دہلیز میں آویزاں ہیں، جناب مسلمؑ جنگ میں سخت مشقت کر چکے تھے، کثرت زخم

جناب مسلم کی گرفتاری [illegible]

سے پیاس کا غلبہ تھا۔ ایک غلام سے پوچھا اَسْقُوْنِیْ مِنْ هٰذَا الْمَآءِ کیا اس میں سے تھوڑا پانی مجھے دے سکتے ہو؟ غلام نے جواب دیا کلّا وَاللّٰہ لَا تَذُوْقُ مِنْهَا اَبَدًا قسم بخدا اس میں سے پانی تم کو چکھنے کو بھی نہ دیا۔ اس کے بعد جناب مسلمؑ سے کچھ ایسے کلمات اس غلام نے کہے کہ آپ کو غصہ آ گیا۔ باوجود ریسمان میں ہاتھ بندھے تھے مگر آپ نے ایک جھٹکا دیا۔ بند ریسمان ٹوٹ گیا۔ ایک طمانچہ غلام کو مارا کہ واصل جہنم ہوا۔ مگر پیاس سے آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ پھر آپ نے سوال کیا مجھکو کوئی پانی پلا دے۔ عمارہ ابن عقبہ نے کہا مجھ سے یہ حالت مسلمؑ کی نہیں دیکھی جاتی۔ اپنے غلام کو حکم دیا ایک جام آب لا۔

کوفہ تھا مگر ابھی بندش آب کی رسم جاری نہیں ہوئی تھی۔ یہ ظلم کربلا کے لئے مخصوص ہو گیا کہ تین دن کا پیاسا نہر کے کنارے پانی مانگ رہا ہے اَلَا تَسْقُوْنِیْ شَرْبَةً مِّنَ الْمَآءِ فَقَدْ تَشَقَّقَتْ کَبِدِیْ مِنَ الظَّمَآءِ مگر بجائے پانی کے آب تیر و شمشیر سے تشنہ جگر سیراب ہو رہا ہے۔ بہرحال کوفہ کے دربار میں ایک شخص جناب مسلمؑ کی پیاس دیکھ کر آمادہ ہو گیا اور غلام سے پانی منگوا کر آب پیش کیا۔ مگر بکر ابن عمران کے ہاتھ سے لبہائے مبارک جناب مسلمؑ کے کٹ چکے تھے۔ جب پیالہ منہ سے لگایا خون سے رنگین ہو گیا۔ فرمایا اے مسلم! اب رزق دنیا تیری قسمت سے اٹھ گیا۔ غرض **جناب مسلمؑ** ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے۔ مگر آپ نے اس دشمن خدا کو سلام نہ کیا۔ کسی نے ٹوکا بھی اے مسلم تم نے امیر کو سلام نہ کیا۔ آپ نے اسی دلیری سے جواب دیا جو میرا امیر ہے اس پر میرا اسلام ہے۔ مجھے اس سلام سے کیا فائدہ پہونچے گا۔ ابن زیاد کو یہ صاف جواب سن کر طیش آ گیا۔ مسلم تم مجھے سلام کرو یا نہ کرو تم قتل ضرور کئے جاؤ گے۔ فرمایا ہاں تجھ سے بدتر شخصیتوں نے مجھ سے بہتر حضرات کو قتل کیا ہے۔ یہاں تک ابن زیاد سے طول کلام ہوا کہ جناب مسلمؑ کو غصہ آ گیا اور سر دربار آپ نے فرمایا اے ابن زیاد قسم بخدا میں اس وقت مجبور ہوں اگر دو آدمی بھی میرے رفیق ہوتے اور تھوڑا پانی پینے کو مل جاتا تو میں اس قصر میں مزا چکھا دیتا۔ اے ابن زیاد مجھے معلوم ہے کہ تو مجھکو ضرور قتل کرے گا۔ اچھا میری چند وصیتیں ہیں کسی قریشی کو بھیج دے کہ سن لے۔ ابن زیاد نے عمر سعد کی طرف اشارہ کیا۔ پسر سعد قریب آیا۔ آپ نے فرمایا۔ گواہ رہنا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اے پسر سعد تو بھی قریشی ہے اور میں بھی قریشی ہوں تجھ سے امید ہے کہ میری وصیتیں سنکر اس پر عمل کریگا۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ میری زرہ اور گھوڑا فروخت کر کے سات سو درہم سے میرا قرض ادا کر دینا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ امام حسینؑ کو ایک نامہ لکھ بھیجنا کہ آپ اس طرف نہ تشریف لائیں۔ ورنہ جو حال

ابن زیاد سے یہ لڑائی کوفہ کے کسی بقال سے نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ شیر بیشۂ شجاعت فرزند عقیل یداللہ
اسداللہ سے جنگ ہے۔ غرض پانچسو پیادہ و سوار اور آئے اور پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بالائے بام
اشقیا پہونچ گئے اور وہاں سے پتھر برسانے شروع کئے۔ یہ بھی حضرت لوط سے ایک شباہت تھی جیسا
ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت لوط کو امت نے مہمان بلاکر دغا دی اور دشمن جانی ہو گئے۔ ہر طرف سے
پتھر برسائے۔ یہاں بھی وہی شان ہے بلکہ اس کو کیا نسبت۔ ایک مسافر غریب بے یار و مددگار کو جماعت
کثیر گھیرے ہوئے ہے، ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، مگر سبحان اللہ کیا بہادر تھے جناب مسلم اور کس قدر فن
جنگ سے ماہر تھے کہ فوج کثیر کا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ عجب نہیں شیر خدا نے اسی روز کے لئے تعلیم دی ہو۔ غرض
چھ سو سے زیادہ اشقیا اس مجبوری اور تنہائی میں آپ نے قتل کئے۔ آخر یہ تدبیر اختیار کر کے محمد ابن اشعث
آگے بڑھا۔ فَقَالَ لَکَ الْاَمَانُ لَا تَقْتُلْ نَفْسَکَ کہا اے مسلم تمہارے لئے امان ہے کیوں اپنی جان دیئے دیتے
ہو۔ جناب مسلمؑ سمجھ گئے فرمایا باللہ لَا اُبَایِعُ فَاسِقاً قسم ہے خدا کی میں بیعت فاسق ہرگز نہ کروں گا
مطلب یہ تھا کہ امان کے تو یہی معنے ہیں کہ میں بیعت یزید کر لوں اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس کا
سفیر ہوں جو بیعت یزید سے انکار کرتا ہے جس کے ہاتھ پر بلاکر نے بیعت کی۔ کیوں نہو اگر ایسے نہ ہوتے
تو امام اپنے کنبہ میں منتخب کر کے ان کو نہ بھیجتے۔ مسلم نائب امام کی حیثیت سے کوفہ میں آئے تھے۔ ان کا ہر
فعل امام کا سمجھا جاتا۔ اگر مسلم کا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھ جاتا تو امام کی محنت برباد ہو جاتی۔ تن تنہا حسینؑ
کے ایلچی نے تلواریں کھائیں، پتھروں کے مینھ سے مقابلہ کیا مگر نہ ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا نہ قدم پیچھے ہٹا
جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ ایک غار کھود کر فوج نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جناب مسلمؑ جوش شجاعت
میں تلوار علم کئے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ ناگاہ غار میں پاؤں جا پڑا۔ پھر سنبھل نہ سکے۔ زخموں سے چور
چور، خون کثرت سے بہہ چکا تھا، ضعف نے مضمحل کر دیا۔ زمین پر گرنا تھا کہ ہر طرف سے فوج نے گھیر لیا۔ تلوار
چھین لی گئی۔ اب کیا تھا دشمنوں کی جسارتیں بڑھ گئیں۔ دشمنوں کو ہمتیں پیدا ہوئیں۔ دست ظلم بڑھنے لگے۔

جناب مسلم کی گرفتاری قصر کی بلندی پر

دست درازیاں شروع ہو گئیں کسی نے سر سے خود لیا کسی نے دستانے ہاتھ سے کھینچ لئے۔ ہر طرح سے بیبس دیکھ
کر ایک ریسمان میں دونوں ہاتھ پس پشت سے باندھ دیئے اور ایک بغلہ پر بٹھا کر دار الامارۃ تک لائے
دیکھا غلام پانی کی صراحیاں جھل رہے ہیں۔ وَکِیزَانٌ مُعَلَّقَةٌ فِی الدّھلیز وَفِیهِ مَاءٌ بَارِد الخ
یعنی کوزے آب سرد کے دہلیز میں آویزاں ہیں، جناب مسلمؑ جنگ میں سخت مشقت کر چکے تھے، کثرت زخم

سے پیاس کا غلبہ تھا، ایک غلام سے پوچھا اَسْقُوْنِیْ مِنْ ھٰذَا الْمَاءِ کیا اس میں سے تھوڑا پانی مجھے دے سکتے ہو؟ غلام نے جواب دیا کہ وَاللہِ لَا تَذُوْقُ مِنْھَا اَبَدًا قسم بخدا اس میں سے پانی تم کو چکھنے کو بھی نہ ملیگا اس کے بعد جناب مسلمؑ سے کچھ ایسے کلمات اس غلام نے کہے کہ آپ کو غصہ آ گیا۔ باوجود ریسمان میں ہاتھ بندھے تھے مگر آپ نے ایک جھٹکا دیا۔ بند ریسمان ٹوٹ گیا۔ ایک طمانچہ غلام کو مارا کہ واصل جہنم ہوا۔ مگر پیاس سے آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ پھر آپ نے سوال کیا مجھکو کوئی پانی پلا دے۔ عمارہ بن عقبہ نے کہا مجھ سے یہ حالت مسلمؑ کی نہیں دیکھی جاتی۔ اپنے غلام کو حکم دیا ایک جام آب لا۔

کوفہ تھا مگر ابھی بندش آب کی رسم جاری نہیں ہوئی تھی۔ یہ ظلم کربلا کے لئے مخصوص ہو گیا کہ تین دن کا پیاسا نہر کے کنارے پانی مانگ رہا ہے اَلْاٰنَ اِسْقُوْنِیْ شَرْبَۃً مِّنَ الْمَاءِ فَقَدْ تَشَقَّقَتْ کَبِدِیْ مِنَ الظَّمَاءِ مگر بجائے پانی کے آب تیر و شمشیر سے تشنہ جگر سیراب ہو رہا ہے۔ بہرحال کوفہ کے دربار میں ایک شخص جناب مسلمؑ کی پیاس دیکھ کر آمادہ ہو گیا اور غلام سے پانی منگوا کر آپ پیش کیا۔ مگر بکیر ابن عمران کے ہاتھ سے لبہائے مبارک جناب مسلمؑ کے کٹ چکے تھے۔ جب پیالہ منہ سے لگایا خون سے رنگین ہو گیا۔ فرمایا مسلم اے مسلم! اب رزق دنیا تیری قسمت سے اٹھ گیا۔ غرض جناب مسلمؑ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے۔ مگر آپ نے اس دشمن خدا کو سلام نہ کیا۔ کسی نے ٹوکا بھی اے مسلم تم نے امیر کو سلام نہ کیا۔ آپ نے اسی دلیری سے جواب دیا جو میرا امیر ہے اس پر میرا سلام ہے۔ مجھے اس سلام سے کیا فائدہ پہونچے گا۔ ابن زیاد کو یہ صاف جواب سن کر طیش آ گیا۔ مسلم تم مجھے سلام کرو یا نہ کرو تم قتل ضرور کئے جاؤگے۔ فرمایا ہاں تجھ سے بدتر شخصیتوں نے مجھ سے بہتر حضرات کو قتل کیا ہے۔ یہاں تک ابن زیاد سے طول کلام ہوا کہ جناب مسلمؑ کو غصہ آ گیا اور سر دربار آپ نے فرمایا اے ابن زیاد قسم بخدا میں اس وقت مجبور ہوں اگر دو آدمی بھی میرے رفیق ہوتے اور تھوڑا پانی پینے کو مل جاتا تو میں اس قصر میں مزا چکھا دیتا۔ اے ابن زیاد مجھے معلوم ہے کہ تو مجھکو ضرور قتل کرے گا۔ اچھا میری چند وصیتیں ہیں کسی قریشی کو بھیجدے کہ سن لے۔ ابن زیاد نے عمر سعد کی طرف اشارہ کیا۔ پسر سعد قریب آیا۔ آپ نے فرمایا۔ گواہ رہنا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ اے پسر سعد تو بھی قریشی ہے اور میں بھی قریشی ہوں تجھ سے امید ہے کہ میری وصیتیں سنکر اس پر عمل کریگا۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ میری زرہ اور گھوڑا فروخت کر کے سات سو درہم سے میرا قرض ادا کر دینا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ امام حسینؑ کو ایک نامہ لکھ بھیجنا کہ آپ اس طرف نہ تشریف لائیں۔ ورنہ جو حال

اور ابن زیاد ہم کلام

میرا خیال ہے آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا۔

بعض مقاتل میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میری وصیت یہ ہے کہ تو میرا اہم تو قوم اور بد مجھے دفن کرا دینا۔ عمر سعد نے کہا تم اپنا فرض پورا کر چکے اب پورا کرنا یا نہ کرنا میرا کام ہے۔ غرض جناب مسلم کو اس سے بھی مایوسی ہوئی۔ اس وقت کچھ یاد آیا بیقرار ہو کر رونے لگے کسی نے کہا مسلم کیوں ایسا کام کیا تھا کہ اب روتے ہو۔ فرمایا اُبْكِي لِلْحُسَيْنِ وَآلِ الْحُسَيْنِ وَلَا اَبْكِي لِاَهْلِي لاحول ولاقوۃ میں اپنے یا اپنے عیال کے لئے نہیں روتا بلکہ مجھکو حسینؑ اور ان کے چھوٹے بچوں پر رونا آیا ہے۔

حسینؑ کے رونے والو! دمِ آخر حسینؑ کے ایلچی نے تمہارے امام کو یاد کر کے تمکو سبق دیا کہ ہر مصیبت میں حسینؑ کو یاد کر کے رونا۔ مگر میں اس وقت آپ کو مسلم کی بے کسی دکھلانا چاہتا ہوں۔ یہ عجیب وغریب بے کسی کی موت واقع ہوئی ہے۔ جس کو یاد کر کے رسول پہلے رو چکے۔ امیر المومنینؑ کے جواب میں فرمایا تھا اِنَّ وَلَدَهٗ مَقْتُوْلٌ فِیْ مَحَبَّةِ وَلَدِكَ تَدْمَعُ عَلَيْهِ عُيُوْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ یا علی۔ فرزند عقیل تمہارے فرزند کی محبت میں قتل ہوگا۔ مومنوں کی بے کسی پر مومنوں کی آنکھیں روئیں گی اور فرشتے صلوٰۃ بھیجیں گے۔

مسلم کی موت ایسی نہیں جو دل کو گداختہ کرے، منہ سے آہ، آنکھ سے آنسو نہ نکلے۔ نہ ایسا بہادر کوئی گزرا نہ ایسا مظلوم۔ شجاعت تو آپ کی کوفہ کی گلیوں میں رائگاں ہوئی۔ نہ کوئی دادِ شجاعت دینے والا نہ دل بڑھانے والا۔ ایک طوعہ تھی۔ عجب نہیں ہر وار پر صدا بلند کرتی ہو۔ کاش آپ کربلا میں ہوتے تو آپ کو ثانیٔ زہراؑ جناب زینبؑ سے داد ملتی۔ امام حسینؑ کے دونوں بازو قوی ہوتے ایک طرف سے جناب عباس حملہ کرتے اور ایک طرف سے جناب مسلم۔ پھر مجال نہ تھی کہ اشقیا چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس طرح ذبح کرتے۔

امام مسلم کے مرتبہ کو پہچانتے تھے۔ اپنے ایک بھائی کو ثِقَتِيْ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ کہا۔ اور ایک بھائی کو افضل الشہدا کا خطاب ملا۔ مگر عالم غربت میں مشتاق شہادت کو نئی طرح سے معراج حاصل ہوئی۔ بکیر بن حمران کو حکم ملا۔ جناب مسلم کو کشاں کشاں بالاخانہ پر لے چلا۔ یہاں ہر قدم پر کلمہ شہادت لب پر ہے۔ آنکھیں حسینؑ کی طرف۔ دل بے تابی کر رہا ہے کہ کیونکر آقا کو خبر کر دوں کہ مولا ادھر نہ آئیے

بالائے قصر پہونچ گئے ہر۔ روحانیت نے اس عروج پر قدم کے بوسے لئے۔ ناگاہ تلوار کا وار چل گیا۔ ضربت کارگر نہ ہوئی۔ کس زبان سے عرض کروں کہ کیا ظلم ہوا۔ اشارۃً جسارت کرتا ہوں کہ دیوار قصر نے چاہا تن مجروح کے بوسے لئے۔ اس ظلم پر بھی اکتفا نہ ہوئی غریب مسافر کے پیر میں رسی باندھ کر لاش بازاروں میں تشہیر کرائی گئی۔ ملہ بازار کے لڑکے لاش کے گرد جمع ہو کر بازی کرتے تھے۔ هٰذَا مُسْلِمُ ابْنُ عَقِيلٍ هٰذَا مُسْلِمُ ابْنُ عَقِيلٍ۔ تیسرے روز قبر ملی۔ یہ ہی ایک شان سفارت تھی کہ جس کا میں سفیر ہوں وہ بھی تیسرے روز دفن ہوگا۔ مگر کسی روایت میں نہیں کہ مسلم کا لباس بعد شہادت اتار کر لوٹ لیا گیا ہو۔ یہ مصیبت غریب کربلا کے لئے مختص ہو گئی۔ کوئی عمامہ لے گیا کوئی زرہ۔ کسی نے موزے اتار لئے کسی نے کمر بند کے لئے وہ ظلم کیا کہ روح رسول تڑپ اٹھی۔

بیان دسواں

امتحان کی ضرورت، جناب خلیلؑ کی سخاوت و ایثار، امام حسین علیہ السلام کا سفر، راہ میں منزل شراف پر اصحاب کا امتحان اور لشکر حرؑ کو پانی پلانا۔

قَالَ اللّٰهُ الْحَمِيدُ فِي كِتَابِهِ الْمَجِيدِ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ کتاب مقدس میں حق سبحانہ وتعالیٰ ذکر فرماتا ہے اور جبکہ ہم نے ابراہیم کا چند کلمات سے امتحان لیا اس نے ان کو تمام کر دکھایا۔ ہم نے کہا (اس کے صلہ میں) ہم تم کو گروہ انسان کا پیشوا بنائیں گے۔ آیہ کریمہ میں جو لفظ سب سے مقدم ارشاد ہوا ہے وہ "ابتلا" ہے۔ اور اس لفظ کے اندر خدا نے انتظام دنیا وما فیہا و اجر و ثواب آخرت کا اصول ذکر فرمایا ہے۔ بظاہر کس قدر لطف الٰہی سے بعید نظر آتا ہے کہ جس کو اپنا مقرب خاص بنائے، اپنا خلیل گردانے، دوست کے خطاب سے یاد کرے اسی کو مصائب اور سختیوں میں مبتلا کرے! حبیب کو کب زیبا ہے کہ محبوب کو سختیوں میں ڈالے!

مگر جناب بغیر آزمائش و سختی جھیلے عروج حاصل نہیں ہوتا۔ کوئی شے اپنی مراد پر نہیں پہونچتی جواہر جب تک سان پر نہیں چڑھایا جائے چلا نہیں آتی۔ پتھر جب تک تراشا نہ جائے حسن نہیں پیدا ہوتا۔ انسان جس قدر سختی اٹھائے گا اتنا ہی عروج پائے گا۔ سونا کسوٹی پر کسنے سے پہچانا جاتا ہے۔ بغیر

ملہ جناب مسلم کی شہادت ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو واقع ہوئی بقول اخبار شیعی امام کرقی اور طبری نے ۸ ذی الحجہ لکھی سنہ ۶۰ھ تبر سنہ ۶۸۰ء

آزمائش اس کی بھی تھاہ نہیں ملتی۔ ترقی کا یہی معیار قرار پایا ہے کہ اس کو امتحان میں کس کر دیکھ لیا جس قدر کھری ہوگی اتنا ہی بلند درجہ پر فائز ہوگا۔ ہر حکومت کی طرف سے امتحان کے درجات قائم کئے گئے ہیں اور اسی مناسبت سے منصب اور عہدے مقرر کئے گئے ہیں ورنہ بنی نوع انسان میں سب کا درجہ مساوی ہے۔ جب تک کوئی استحقاق کی وجہ عقل نہ رکھتا ہو۔ جب ایک شخص نے انٹرنس کا امتحان دیا اور دوسرے نے بی اے کی سند حاصل کی تو انصاف اسی اصول پر ہے بی اے والے کو ترجیح دیگا۔ اور جس نے زیادہ سختی اٹھائی ہے اس کو بلند مرتبہ کا منصب عطا ہوگا۔ یہ ایک عام انتظام عالم ہے۔

اگر وادیٔ عشق و محبت میں قدم رکھے تو وہاں بھی قدم قدم پر خار صحرائے ہولناک کی سخت منزلیں۔ کہیں سر بفلک پہاڑ کی چوٹیاں ہیں کہیں تحر مصیبت کی تیرہ و تار گھاٹیاں گلی گلی کی خاک چھانئے۔ خار مصیبت سے تلوے فگار کیجئے غرض ہر تلخ اذیت کو برداشت کیجئے تب ایک شیریں نتیجے تک پہونچئے۔

عالیجناب! اگر خدا نے درجات اخروی کے لئے مصائب کی قید لگائی اور اپنے مخصوص بندوں کے لئے امتحانات مقرر کئے تو خلاف عقل کیا ہے۔ عین انصاف ہے یا نہیں؟

ثابت ہوا ابتلا و آزمائش عین لطفِ باری تعالیٰ ہے۔ جناب سید مرتضیٰ کا قول ہے۔ اگر خدا لطف کے ساتھ ابتلا کو شروط نہ کرتا تو کل مخلوق پر لطفِ عام لازم آتا۔ اور پھر انبیا و اوصیا و صالحین و شہدا و عباد میں اور عام امت میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہ رہتا۔ جو راہ خدا میں جان دے وہ بھی مستحق جنت اور جو کسی کو قتل کرے وہ بھی جنت کا طلب گار۔ اس کے علاوہ بغیر امتحان و آزمائش کے درمیان نفوس قدسیہ اور نفوس خبیثہ کوئی فرق نہ رہ جاتا۔ یہ عدل باری تعالیٰ ہے کہ اس نے ایک کو دوسرے پر مدارج میں ترجیح دی ہے اور اس کے لئے ابتلا کو حجت قرار دیا کہ مستحق و غیر مستحق میں عقل خود فیصلہ کرے۔ صرف یہ نہیں کہ نبی بنا دیا بار رسالت پر فائز کیا اس لئے جنت کے مستحق ہوگئے یا امام کر دیا اس وجہ سے بہشت انکی ہوگئی بلکہ نبوت و رسالت و امامت کے درجات قائم کئے۔ اس کے لئے ابتلا میں بھی فرق رکھا۔ کسی کے لئے زیادہ سختی کسی کے لئے کچھ کم مصائب رکھے۔ اسی مناسبت سے درجات میں کم و بیش صلہ مقرر فرمایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس پر زیادہ سختی ہوئی اس پر لطف کا اضافہ ہوا۔ جناب ابراہیم کو درجہ خلت عطا کرنا تھا اس لئے

سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے۔ بظاہر جناب ابراہیم کی آزمائش صرف ایک نسل انسان کی سرگزشت ہے لیکن اس ایک وجود کے اعمال و واردات کے اندر تمام نسل انسانی کا راز پوشیدہ تھا جناب خلیل کی تاریخ بادی النظر میں یہ ایک ایسے تخم کی تاریخ ہوگی جو اب سے چار ہزار سال پہلے ایک ناقابل زراعت وادی میں ڈالا گیا۔ چونکہ سعادت بشری اور صفات حسنیٰ کا سب سے بڑا درخت اس سے اُگنے والا تھا اس لیئے در اصل وہ اس نبی کی سرگزشت ہوگی جس کا مواصل کے اندر مخفی کیا گیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کسی ایسی ذات کا پیدا ہونا بھی لازم و ضروری ہوگیا جو اپنے خون سے سینچ کر صفات حسنہ کے تخم کو ریتیلے میدان میں اگنے کی صلاحیت پیدا کر کے ایسی ہری بھری کھیتی بنا دے کہ اس سے نفع اٹھانے والے فائدہ اٹھائیں اور یہ سمجھیں کہ بونے والا بو گیا پیدا کرنے والا پیدا کر گیا یہ سب ہمارے لیئے ہی تھا۔ آج اگر اس تخم صفات حسنہ کی پرورش کرنے والا نہ ہوتا۔ آزمائش جناب ابراہیم قارون کی دولت کی طرح ریت اپنی چمک دکھلا کر کہاں اسوۂ حسنہ کے درخت کے سراب کی حیثیت رکھتی بلکہ کوئی ابراہیم کا نام بھی نہ جانتا کہ دنیا میں کون سی ذات گذری جو تمام حسنات کا مجموعہ بن کر آئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نیکیاں بھی خاک میں مل جاتیں اور اس کے پیدا کرنے کی غرض بھی فوت ہو جاتی۔ در اصل یہ حسینؑ کے ابتلا کی تاریخ ہے جو انبیا کے قصوں کو زندہ کر رہی ہے در حقیقت یہ حسینؑ کے خون مقدس کی تاثیریں ہیں جس نے صفات حسنہ کے ایک بیج کو اتنا بڑا درخت کر دیا کہ شریعت محمدؐ اس کے سایہ میں دنیا پر حکومت کر رہی ہے۔ آج دنیا پہچان گئی کہ ابراہیم کیوں پیدا ہوئے اور کیا کر گئے!

دنیا آگاہ ہو گئی کہ کوئی بڑی عظمت والا سلیمان پیغمبر گذرا ہے مگر باوجود بادشاہ عالم ہونے کے کھجور کی چٹائی بنا کر اس کی اجرت سے کسب معاش کرتا تھا۔ دنیا موسیٰ کی شان نبوت کو پہچان گئی، عیسیٰ کی روحانیت سمجھ گئی یہ سب کس کی بدولت ہوا؟ اس تشنہ کام مسافر کربلا کی بدولت جس کے صفات حسنہ کی بقا ہوئی جس کی خلقت سے اوصاف انبیا کی تکمیل ہوئی۔ اسی حسینؑ کی مجلس کا یہ فیض ہے کہ آج ممبروں پر کبھی آدمؑ کا ذکر ہوتا ہے کبھی نوحؑ کا۔ کبھی ابراہیمؑ کا کبھی یوسف کا۔ ورنہ انبیائے ماسبق کے سوانح سے کسی کو کیا واسطہ!

حسینؑ کی فضیلتوں کو تعصب کے پتھر سے کچلنے والے کہدیں گے کہ قرآن میں تمام انبیا کا ذکر موجود ہے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ لیکن جب چاہے تجربہ کر لیجیے پورا قرآن حفظ کر لینا آسان ہے مگر ایک آدمؑ کے معنے سمجھنا مشکل ہے۔ بلکہ جب تک حسینؑ کے صفات حسنہ کا مرقع نہ دکھلایا جائے کسی کے قیاس میں نہیں آسکتا کہ آدمؑ کس

طرح مصائب برداشت کرکے صفات کی خلقت کا سبب ہوئے۔ حسینؑ اور حسینؑ کے جانشین ان تمام صفات
کے آئینہ ہیں جو تمام انبیا میں خلق ہوئے تھے۔ اسی ابتلا کے سلسلے میں جناب ابراہیم کے اخلاق حمیدہ سے بعض
صفات کا تذکرہ منظور ہے موازنہ کر لیجئے۔ منجملہ صفات حسنہ کے نمایاں صفت آپ میں یہ تھی کہ کبھی کسی کے سوال کو
نہ رد کیا نہ خود کبھی کسی سے کوئی سوال کیا۔ اگر آپ مرکب پر سوار ہوئے اور تازیانہ گر گیا تو کبھی کسی سے نہیں کہا کہ کوئی
تازیانہ اٹھا کر دیدے بلکہ خود اتر کر اٹھا لیتے تھے۔ اور حاجت روائی کی تو یہ حالت تھی کہ بچہ کو کوہ صفا و مروہ کے
درمیان صحرائے بے آب ودانہ میں ایک چھوٹی سی مشک اور کچھ نان و خرمہ دیکر حفظ معبود میں چھوڑ آئے ہیں۔
ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ محبت پدری کا تقاضہ ہوا کہ چل کر دیکھنا چاہئے بچہ کس حال میں ہے۔ مشک کا پانی بھی ختم
ہو گیا ہوگا۔ نان و خرمہ صرف ہو گئے ہوں گے یہ خیال کر کے دو روٹیاں اور ایک بکری کی کھال میں پانی لے کر اپنے
مرکب پر سوار ہو کر چلے۔ اب خدا کو منظور ہوا ذرا نفس خلیل کا امتحان لیا جائے کہ اپنی اولاد وعیال پر دوسروں کو
کیونکر مقدم کرتے ہیں۔ راہ میں جاتے جاتے دیکھا ایک ضعیف العمر مسافر سر راہ تھک کر بیٹھ گیا ہے۔ جناب
ابراہیم قریب پہونچے پوچھا کس حالت میں ہے؟ کہا مسافر ہوں۔ مرکب ہلاک ہو گیا۔ مشک کا پانی ختم ہو گیا پیاس
کے مارے حلق خشک ہے راستہ نہیں سجھائی دیتا۔ اے مرد خدا اگر تیرے پاس کچھ پانی ہو تو مجھکو پلا کر جان بچالے۔ اب
کہاں تاب تھی خلیل اللہ کو۔ مرکب سے اترے چادر سے روٹی کھول کر دیدی پانی حاضر کر دیا۔ مسافر نے خوب سیر
ہو کر پیا۔ اور آپ کو دعائیں دیکر اٹھ کھڑا ہوا۔ فرمایا بھائی مسافر تیرا مرکب ہلاک ہو گیا ہے لے یہ میرا خچر ہے تو اس
پر منزل طے کر۔ میرا خدا مالک ہے۔ مسافر بہت خوش ہوا اور کہا میں نے خلیل اللہ کی سخاوت کا شہرہ سنا تھا،
مگر تو کچھ ان سے بہتر ہے۔ اے بھائی جہاں اتنا کرم کیا ہے تو مرد کریم ہے، خدا تیری دعا قبول کرے گا اتنا کرم اور
کر کہ خدا سے دعا کر کہ خلیل خدا ابراہیم کی زیارت ہو جائے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا بھائی تو نے خوش نصیبی سے
قصد کیا تھا، تو خلیل تک پہونچ گیا۔ میں ہی تو بندۂ ناچیز خلیل خدا ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے اسے مع مرکب روانہ
کیا اور خود واپس ہوئے۔" دیکھنے میں بات کچھ نہیں ہے۔ ایک مشک آب اور دو روٹیاں مسافر کو دیدیں
مگر در حقیقت ابتلائے عظیم تھا۔ نفس کا سخت امتحان تھا۔ صرف ایک مشک آب اور کچھ نان و خرمہ ہاجرہ کو دے
آئے تھے، اور شیرخوار بچہ کو ایسی زمین میں جہاں پانی ممکن ہی نہیں چھوڑ آئے تھے، مکہ کی خشک پہاڑی اور نایابی
آب جس کو خدا نے وادی غیر ذی زرع کہا ہے۔ لے معاذ اللہ اس زمین پر بچہ کو خدا کے حوالے کرکے چھوڑ آنا ہی
مخصوص بندوں کا کام تھا نہ کہ اس کی ماں کے لئے پانی اور غذا لے کر چلے ہیں اور ایک اجنبی مسافر کو راہ میں حاجت

مطالب نوٹ کرلو۔ احمد دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔

پیش آگئی ہو۔ اس ضرورت شدید اور اشتعال محبت پدری میں بچہ کی سلامتی پر اجنبی سائل کو مقدم کرنا خلیل ہی کا کام تھا۔ اور نفس جناب ابراہیم کا سخت امتحان تھا! میرا عقیدہ کہتا ہے کہ ہرگز وہ مسافر انسان نہ تھا بلکہ فرشتہ تھا جو آزمائش کے لئے ادھر سے بھیجا گیا۔ اور ادھر سے کمال استقلال کے ساتھ بچے کی سلامتی زوجہ کی زندگی کا سامان پیارے کو دیکر لطف الٰہی کو خرید لیا۔ اس ابتدا کی انتہا تین ہزار سال کے بعد سرزمین عراق پر اس مرد کریم کے ہاتھ سے ہوئی جو فخر خلیل ثابت ہوا۔ یہاں بھی قدم قدم پر امتحان کا سامنا سختیوں کا مقابلہ تھا۔ خدا آپ کا امتحان لے رہا ہے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کو آزما رہے ہیں، دوستوں رفیقوں کو جانچ رہے ہیں کون ہمارے ساتھ سختیوں کا مصیبتوں کا تحمل کر سکتا ہے۔ اور کون اس میدان میں آفتوں کی برداشت سے قاصر ہے۔ کوچ سے چھٹی منزل زبالہ پر پہونچے تھے کہ جناب مسلم وہانی کی خبر شہادت پہونچی۔ حضرت نے آل عقیل کو اپنے پاس بلا کر فرمایا۔ تمہارے واسطے یہ مصیبت عظیم ہے اور شہادت مسلم تمہارے لئے کافی ہے۔ اب تم لوگ پلٹ جاؤ۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے جب تک مسلم کا بدلہ نہ لیں گے یا ہم بھی ان کے مانند شہید نہ ہوجائیں گے۔ حضرت نے فرمایا ہاں ایسے عزیزوں کے بعد اب لطف زندگی باقی نہیں رہا۔

اسی منزل پر ہلال ابن نافع اور عمرو بن خالد کوفہ سے آکر حضرت کے ساتھ ہو گئے اور کوفہ کی پوری حالت عرض کی۔ حضرت نے تمام ہمراہیوں کو جمع کیا اور خطبہ فصیح و بلیغ انشا فرمایا۔ جس کا بعد حمد و نعت مذمت دنیا کے بعد ارشاد فرمایا جو لوگ تلواروں کی آنچ اور نیزوں کی سنانوں کا مقابلہ کر سکیں وہ تو میرا ساتھ دیں اور جو لوگ مصائب برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ہم سے علیحدہ ہو جائیں ۔

مطلب حضرت کا یہ تھا ہم آل رسول ہیں، دھوکا دینا ہمارا شیوہ نہیں ہم ملک گیری کے لئے نہیں جاتے ہیں۔ سر کٹانے اور شمشیر و نیزہ و تیر کھانے کے لئے نکلے ہیں۔ جس کو ہمارا ساتھ دینا ہو وہ رفاقت اختیار کرے۔ حضرت سے یہ سن کر لوگ متفرق ہونے لگے اور مکہ سے جو ایک جماعت کثیر مال غنیمت اور حکومت عراق کی طمع میں چلی آئی تھی وہ حضرت سے علیحدہ ہو کر منتشر ہو گئی جس کی تعداد مورخین نے ایک ہزار سے زائد لکھی ہے۔ سوائے فرزند رسول اور حجت خدا کے دنیا میں یہ کون کر سکتا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں جانے کے لئے اپنی جماعت کو خطرے سے آگاہ کرے۔ اپنی قوت کو کم کر دے اور خود اپنی کمزوری کا باعث ہو۔ یہ تھی صداقت اور حکومت اور دنیا سے کنارہ کشی! اب اس کے بعد بھی

کوئی انصاف کرنے والا امام کو یزید کے مقابلہ میں فوج کشی کا الزام دے سکتا ہے۔

حضرت کا ہر ارادہ پکار کر کہتا ہے کہ حسینؑ میدان ابتلا میں سر فروشی کے لئے جا رہے ہیں۔ جس کو اس نیت سے ساتھ دینا ہو آئے۔ جتنا منزل مقصود سے قریب ہوتے جاتے ہیں مصیبتوں کا طوفان قریب ہوتا جاتا ہے۔ منزل شراف[1] میں پہونچے۔ ستمبر کا آخری مہینہ جس زمانے میں عرب میں بالخصوص سخت دھوپ اور گرمی پڑتی ہے[2] اس موسم میں چھوٹے بچوں کا ساتھ عورتوں کی ہمراہی عرب کا ملک نایابی آب مشہور ہے حضرت نے ایک بلندی پر خیمہ نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ تھوڑے فاصلہ پر چشمۂ آب بھی تھا۔ لشکر سیراب ہوا۔ شب اسی مقام پر بسر کی۔ صبح کو حضرت نے خادموں کو اور غلاموں کو حکم دیا کہ تمام مشکیں اور ظروف پانی سے بھر لو۔ لوگ پانی بھر کر دھیانے سفر ہوئے۔ حضرت نے کوچ کا حکم فرمایا۔ دوپہر راستہ طے کیا تھا کہ ایک رفیق نے صدائے تکبیر بلند کی۔ حضرت نے فرمایا اللہ اکبر بھائی یہ تو بتلا اس وقت تکبیر کا کیا موقع تھا۔ اس نے عرض کی یابن رسول اللہ خرمے کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں۔ شاید کوئی نخلستان قریب آگیا۔ واقف کار اصحاب بول اٹھے۔ اس طرف کوئی نخلستان نہیں۔ تم کو شبہ ہوا۔ اب سب نے غور کیا تو گھوڑوں کی کنوتیاں اور نیزوں کی انیاں نظر آنے لگیں۔ لوگوں نے عرض کی فرزند رسول معلوم ہوتا ہے کوئی لشکر آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اچھا کوئی جگہ قیام کی تجویز کرو۔ اصحاب نے عرض کی ذوحسب کی پہاڑی یہاں سے قریب ہے۔ اس راہ سے بائیں طرف نکل چلئے اور وہاں قیام فرمائیے۔ حضرت نے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ تمام قافلہ امام کے ساتھ اسی طرف مڑ گیا۔ لڑنے آنے والی فوج نے جو رخ قافلہ کا دوسری طرف دیکھا۔ اسی طرف اس نے بھی اپنا رخ کیا۔ اور مثل ٹڈیوں کے دل کے ہجوم کر لیا۔ چاہتے تھے کہ حضرت کا راستہ روکیں مگر حضرت کا کاروان ان سے پیشتر ذوحسب کی بلندی پر پہونچ گیا۔ خیمہ نصب ہونے لگے۔ سوار گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ناقہ بٹھائے گئے ناگاہ لشکر حر ابن یزید ریاحی ہزار سواروں سے پہونچ گیا۔ لشکر امام کے مقابل میں صف باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر وفاداران حسینی و جوانان ہاشمی نے فوج مخالف کو دیکھا۔ سروں پر عمامے باندھے کاندھوں پر شمشیریں رکھے، نیزے اٹھائے، سینہ تانے، حملوں کے سامنے آکر جم گئے۔ حضرت نے لشکر حر کیطرف دیکھا کہ پیاس سے گھوڑوں کی زبانیں باہر نکل آئی ہیں اور شدت تشنگی سے جاں بلب ہیں۔ فوراً

---

[1] بعض مقامی میں شراف اور اکثر جگہ اشراف لکھا ہے

[2] اسپرٹ آف اسلام۔ مسٹر امیر علی۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۰ء

حکم دیا دیکھتے کیا ہو یہ لوگ پیاس سے ہلاک ہوا چاہتے ہیں جلد ان کو سیراب کرو جس بن کے کرم ہونے ہو جانے والو! عجب نہیں یہ حکم مخصوص ہے بھائی عباسؑ کو دیا ہو۔ مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار میں کسی کا نام نہیں لکھا ہے۔ مگر حکم کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ کہ حضرت نے یہاں تک حکم دیا کہ یکمبار پانی دفعۃً کسی کو نہ پلا دینا بلکہ تھم تھم کر ہر شخص کو سیراب کرو۔ اور جب سواروں کی پیاس بجھ جائے تو گھوڑوں کو بھی اس طرح پانی پلاؤ کہ تھوڑا تھوڑا پانی ان کے سامنے سے جاؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ کسی انسان یا حیوان کو کثرت عطش میں ضرر پہونچ جائے۔ خدام و غلام و رفقا مشکیں لے لے کر دوڑے۔ فرزند ساقی کوثرؑ کے فیض کی سبیل عام ہو گئی۔ پھر تاب نہ آئی۔ خود حضرت بنفس نفیس قریب آ گئے اور پانی پلانے لگے۔ علی ابن طعان خود ناقل ہے کہ میں سب کے پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے دیکھا حضرت خود پانی پلانے کی طرف متوجہ ہیں اور شتر آب کے قریب کھڑے ہیں مجھ کو پیاس سے بدحواس دیکھ کر فرمایا اَنِخِ الرَّاوِيَةَ یعنی اونٹ کو بٹھا لے۔ ابن طعان کہتا ہے "راویۃ" کے معنے اس وقت نہ سمجھا۔ پھر بکمال شفقت فرمایا یَابْنَ الْاَخِ اَنِخِ الْجَمَلَ اب میں مطلب حضرت کا سمجھا اونٹ کو بٹھا دیا مگر دہانہ مشک کو حالت اضطراب میں درست نہ کر سکا۔ پانی علیحدہ بہا جاتا تھا۔ حضرت خود تشریف لائے اپنے ہاتھ سے دہانہ مشک درست فرما کر مجھ کو سیراب کیا اور میرے اونٹ کو بھی سیراب کیا۔

اللہ رے ایثار اور کرامت نفس، اس اہتمام اور خاص توجہ سے لشکر مخالف کو پانی پلانا جناب ابراہیم کی سخاوت کی تکمیل کرنا ہے۔ جناب خلیل نے مسافر کو پانی پلانے میں اپنے بچے اور عیال پر ترجیح دیکر ابتدا کی۔ مگر فرزند رسولؐ نے وہ دریا دلی دکھائی کہ اس سے آپ کی شان امامت کی تصدیق ہو گئی۔ اس حالت میں کہ لشکر حر پیاس سے نیم جان تھا ہر طرف سے گھیر کر تہ تیغ کر دینا بنی ہاشم کے سامنے کیا مشکل تھا اور جس مختصر فوج نے ہزاروں سے ایسا معرکہ کیا ہو کہ سرداران سپاہ کو فتح کے لالے پڑ گئے ہوں، اس بہادر سپاہ کے سامنے پیاس کا مارا لشکر جس کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہ تھی کیا ہستی رکھتا تھا۔ مگر حضرت نے باوجود اس کے کہ یہ معلوم تھا اور سمجھے ہوئے تھے کہ کل ہم کو پانی کی ضرورت ہوگی، چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے تڑپیں گے اور لوگ ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے۔ پھر بھی اس طرح سیراب کیا اور سب کی سلامتی کا لحاظ فرما کر عام طور پر ہدایت کر دی کہ دفعۃً پیاسوں کو پانی نہ پلا دینا کہ سبب ہلاکت ہوگا۔

ہماری جانیں قربان ہوں امام کے اس لطف عام پر کہ مخلوق کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرما دیا اور ثابت کر دیا کہ میں اس باپ کا بیٹا ہوں جس نے اپنے قاتل کو سیراب کیا تھا۔ میں تمہارے ساتھ نیکی کے جاتا ہوں

تم میرے ساتھ جو چاہنا کرنا۔ یہی لشکر کربلا میں موجود تھا جب حضرت پے در پے پانی مانگتے تھے مگر احسان فراموش کوئی جواب تک نہیں دیتے تھے۔ اسی لشکر کے سامنے علی اصغر نازک ہونٹوں پر زبان پھرا کر اپنی تشنہ دہنی کا ثبوت دے رہا تھا مگر سنگ دلوں میں کسی کو رحم نہ آیا۔ کہ ایک چلو پانی پلا کر بچہ کی جان بچا لیتا۔

بہر حال جب لشکر حر خوب سیراب ہو گیا ظہر کا وقت آ گیا تھا۔ حجاج ابن مسروق نے اذان دی۔ حر مع لشکر کے شریک جماعت ہوا۔ حضرت نے ایک خطبہ انشا فرمایا جس میں اہل کوفہ کا خطوط لکھ کر دعوت دینا ذکر فرمایا۔ حر حضرت کو ملائم الفاظ میں جواب دیتا رہا۔ ثُمَّ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ قُوْمُوْا فَارْكَبُوْا بس ہو چکا یہ لوگ سمجھیں گے نہیں، اٹھو اور سوار ہو۔ یہ حکم پاتے ہی حضرت کے رفقا گھوڑے کس کر تیار ہو گئے۔ جلو میں شہزادیاں سوار ہوئیں، عباسؑ و قاسمؑ و عون و محمدؑ و جعفرؑ و علی اکبرؑ ہتھیار لگا کر امام کے یمین و یسار جمع ہو گئے۔ حر نے بھی اپنی فوج آراستہ کی اور سپاہ کو لے کر مقابلہ میں عین راستہ پر راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت کو اس جسارت پر غیظ آ گیا۔ اصحاب کے تیور بدل گئے۔ شہزادوں کے ہاتھ قبضوں تک پہنچ گئے۔

بحار عقل برجنگ حسینؑ کی نماز و پیچھے

صاحب کنز العبادات نے یہاں تک لکھ دیا کہ حر نے آگے بڑھ کر حضرت کے گھوڑے کی باگ پر ہاتھ ڈال دیا مگر صاحب ناسخ و مجلسی اور دیگر مورخین نے حر کا راستہ روکنا لکھا ہے۔

میرا قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ جناب عباسؑ کی موجودگی میں یہ جسارت ناممکن تھی۔ علی کا شیر بپھر جاتا۔ جب تک حضرت روکتے حر کے جسم پر سر نہ ہوتا۔ لیکن اتنا سب نے بیان کیا ہے کہ حضرت کو غصہ آ گیا۔ اور فرمایا ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ مَا تُرِيْدُ اے حر! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تیرا کیا ارادہ ہے۔ غیرت دار حر ماں کا نام سن کر کانپنے لگا۔ مگر بکمال ادب عرض کرنے لگا آپ فرزند رسول ہیں۔ کس طرح آپ کی مادر گرامی کا نام لوں سوائے بہتر ائی کے اور زبان سے کلمہ نہیں نکال سکتا۔ اور کسی عرب نے اگر اس طرح میری ماں کا نام لیا ہو تو میں بھی اس کی ماں کو کہہ لیتا۔

غیرت دارو! اسوقت حر کو جوش محبت میں حضرت کا یہ کہنا برا معلوم ہوا مگر درحقیقت امام کی زبان سے یہ کلمہ دعا ہو گیا اور مادر حر نے ضرور اپنے شہید فرزند کو یاد کر کے گریہ کیا ہو گا اور ماں پر کیا منحصر ہے حر نے شہید ہو کر وہ عزت پائی کہ عجب نہیں حر کی شہادت کی خبر جب خیمہ میں آئی ہو گی شہزادیاں حر کا حال سن کر روئی ہوں گی صف ماتم بچھی ہو گی۔

عزادارو! حر کا یہ جوش ایمان تھا کہ اس وقت ماں کا نام مجمع عام میں لیا گیا مگر باوجود جوش غضب کے

جناب معصومہ کا ذکر زبان پر کمال ادب سے لا دیا۔ ہائے۔ جس نام کا حرسے یہ احترام کیا۔ کربلا میں وہ نام کس طرح پکارا جاتا تھا۔ امام حسینؑ لشکر شام کو مخاطب کرنا چاہتے تھے۔ اس پر شمر ملعون نے پکار کر کہا مَا نَقُوْلُ یَا ابْنَ الفَاطِمَۃ اے فرزند فاطمہ کیا کہنا چاہتے ہو۔ معاذ اللہ۔ اب کوئی امام کے دل سے پوچھے۔ کیا صدمہ گزرا تھا۔ گویا شمر نے امام کی زندگی میں ہتک حرمت کی ابتدا کر دی اور حضرت کو یقین دلا دیا کہ اے حسین ابھی مجمع عام میں تمہاری یہ توہین کرتا ہوں۔ تمہارے بعد تمہاری بہنیں سر برہنہ بازاروں میں پھرائی جائیں گی۔ ان کو دربار عام میں لے جائیں گے۔ غیرت دارو! شمر نے کر کے دکھا دیا۔ یہی ملعون تو شہزادیوں کو باب الساعات سے دربار یزید تک رسیوں میں جکڑ کر لے گیا تھا جس کو یاد کر کے آپ کے امام بیمار یزید کا بعدی یاد کر کے ہمیشہ رویا کیا۔ اور شام کا نام لے کر روتے تھے۔ الشام الشام

اے فلک آں ابتدا، ایں انتہائے اہل بیت
خانیاں بستند بازو زینب و کلثوم را

بیان گیارہواں

کلمہ کی تعریف، انوار ائمہ کا قبل آدم عرش پر وجود، انبیا کا اور امیر المومنین کا اپنا مدفن خرید کرنا، امام حسین علیہ السلام کا زمین کربلا پر پہنچنا اور زمین خرید کرنا۔

قَالَ اللہُ تَعَالٰی فِی کِتَابِہِ المَجِیْدِ۔ وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور جبکہ ابراہیم کو ہم نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا اس نے اس کو تمام کر دیا۔ ہم نے کہا اس کے صلہ میں ہم تم کو ان کا امام بنائیں گے۔ کلام الٰہی میں بظاہر چند ایسے کلمات کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی آزمائش جناب ابراہیم علیہ السلام کو سخت مصائب جھیلنا پڑے اور مصیبتوں کی وہ منزلیں طے کرنا پڑیں کہ اور نبیوں کو ان دشوار گزار راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا۔ مگر ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ان ت کے اندر کیا شرائط ہیں۔ جس کا صلہ امامت قرار پایا۔ کلمہ دیکھنے میں ایک جو حرفی لفظ جو چار حروف سے مرکب ہو کر زبان پر آتا ہے۔ علم نحو میں کلمہ کی تعریف جو کچھ کی ہے ہم کو اس سے غرض نہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے زبان قرآن میں کلمہ کا استعمال کس محل پر ہوا ہے۔

مفسرین عامہ میں کوئی اسم اعظم کہتا ہے کوئی چند سوالات کے معنے لیتا ہے لیکن قرآن خود دوسری آیات میں کلمہ کی تفسیر کرتا ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللہَ یُبَشِّرُکِ

بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ جبکہ فرشتوں نے خوشخبری دی اے مریم خدا تم کو اس فرزند کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام ہوگا عیسیٰ مسیح بن مریم۔ اس آیت میں قرآن نے بتلادیا کہ کلمہ سے مراد اسماء اعظم الٰہی نہیں بلکہ نبی کے نام پر کلمہ دلالت کرتا ہے۔

دوسرے مقام پر قرآن نے کلمہ کا مرقع دکھلایا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ترجمہ) کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ خدا نے اس پاک کلمہ کی مثال کیسی بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے جڑ اس کی مضبوط ہے اور شاخیں آسمان سے ملی ہوئی ہیں۔ اور بحکم خدا ہر زمانہ میں پھل دیتا رہتا ہے۔ کلام الٰہی نے کلمہ کی ایک مثال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک پاکیزہ درخت سے پیش کی، اور رسول نے اس مثال کو خانہ خدا میں اور بلند کر کے دکھلا دیا اور اپنے کاندھے پر سوار کر کے تشبیہ کو اہلبیت کا جامہ پہنا کر مرقع کھینچ دیا جس کی اصل نبوت شاخیں امامت، ثمر نسل خلافیہ مبارک، اور سند ادر ہے۔ صلوٰۃ

استدلال

دنیا میں کسی طرح کے درخت ہوتے ہیں، خاردار بھی ہوتے ہیں، پھولوں سے بدبو دینے والے بھی ہوتے ہیں، مگر رسول نے دکھلا دیا کہ خدا نے جس درخت طیب سے مثال دی ہے وہ یہی ہے جس کا تخم زیر کسا بو یا گیا اور آج اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ بلکہ آج ہی پر منحصر نہیں تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ میں وہ مستحکم جڑ ہوں کہ میری شاخ امامت ہمیشہ قایم رہے گی اور ثمر ہدایت سے فائدہ اٹھانے والے اٹھائیں گے۔ بحکم خدا ہر عہد میں ہر زمانہ میں یہ شاخ پھل دے گی جو اس کے پھل سے محروم رہے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ صلوٰۃ

باغ و بہار کے دلدادہ چمن قدرت سے پھول چن لیں، کانٹوں میں نہ الجھیں، خیابان معرفت کی پتی پتی کلام الٰہی کی تفسیر کرے گی ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اگر قدرت کے مہکتے ہوئے پھولوں سے تسکین نہ ہو اور طبع رواں کلمہ کے تجسس میں نقش آب پر تفسیر کی متلاشی ہو تو قرآن مجید کلمہ کی توضیح میں دریا بہا دے گا۔ موج کی سطروں پر حباب کے مانند

ہر لفظ ابھر کر تصدیق کریگی۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ۔ (ترجمہ) اور زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب قلم ہوں اور سمندر بجائے روشنائی کے ہوا اور پے بہ پے دیگرے ایسے سات سمندر اس میں شامل ہوں جب بھی کلمات الٰہی کی تعریف ختم نہ ہو۔ اسی دریائے مدِ الٰہی کی ایک موج تھی کہ رسولِ الٰہی کی زبان سے شرح بن کر جاری ہوئی۔ لَوْ کَانَ الرِّیَاضُ اَقْلَامًا وَّ الْبُحُوْرُ مِدَادًا وَّالْجِنُّ حُسَّابًا وَّالْاِنْسُ کُتَّابًا مَّا اَحْصَوْا فَضَائِلَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ۔ اشجار بڑھ کر قلم بن جائیں اور تمام دریا سیاہی ہوں اور جنات محاسب قرار دیئے جائیں اور انسان کتابت کریں جب بھی فضیلت علی کی تعداد نہ پائیں۔ صلوۃ پڑھئے۔ غالبا وہ تمام شبہے دل سے دھل گئے ہوں گے اور کلمہ کے متعلق کلام کو گنجائش نہ ہوگی۔

لیکن اس سے بالاتر سنیئے اور درود پڑھ کر سنئے کہ لوحِ دل پر نقش ہو جائے۔ جناب ابوالبشر حضرت آدم کو عالم وجود میں آتے ہی سبق ملا۔

چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی چند معتبر اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ جناب آدم نے یمین عرش کی طرف پانچ نور مجسم رکوع و سجود بجالاتے ہوئے دکھلائی دیئے حضرت آدمؑ نے درگاہ الٰہی میں عرض کی یہ کون لوگ ہیں جو مجھ سے پیشتر خلق ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ تیری اولاد میں سے پانچ شخص ہیں، اور جب جبکہ میں نے تجھے پیدا کیا ہے ان کی خلقت اس سے نہیں ہے۔ میں نے اپنے ناموں سے ان کے نام مشتق کئے ہیں۔ اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو نہ آسمان نہ زمین کو پیدا کرتا نہ عرش و کرسی جن و انس کو۔ اے آدم میں محمود ہوں اور یہ محمد میں عالی ہوں اور یہ علیؑ۔ میں فاطر ہوں اور یہ فاطمہؑ۔ میں۔ میں صاحب احسان ہوں اور یہ حسنؑ۔ میں محسن اور یہ حسینؑ۔ اے آدم جب تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو ان سب کو اپنا وسیلہ قرار دینا۔

ثابت ہوا کہ ابوالبشر کو درگاہ الٰہی سے یہ ایک سبق دیا گیا کہ جب مصیبت کا وقت آئے تو ان کے واسطے سے دعا کرو مشکل حل ہو جائے گی۔ گویا بنی نوع انسان کو ہدایت ہے کہ ان کا ذریعہ حاجت روا ہے۔ یہی کلمات ہر نبی کے وقت مصیبت کام آئے۔ اور یہی کلمات جن کی تعلیم وقت خلقت دی گئی تھی حضرت آدم کی نجات کا سبب ہوئے۔ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ، آدم نے اپنے پالنے والے سے چند کلمات سیکھے پس توبہ ان کی قبول ہوئی۔ آیت نے یہاں پر اشارہ کر دیا کہ کلمات کی برکت

حاشیہ: کی تفسیر مثال بارہ برج ... در کلمہ ..... ان فضل .....

توبۂ آدم بھی بوسیلہ محمد قبول ہوئی

..... منتخب ..... تفسیر درمنثور ..... تفسیر ..... (ابو.....)

سے توبہ قبول ہوئی۔ اب اس کے دریچہ سائی کیجئے جس کے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ وہ بتلائیں گے کہ کلمات سے کیا مراد ہے۔
حدیث "کافی" ہماری تائید کے لئے کافی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام اسی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب آدم سے جب ترک اولیٰ سرزد ہوا آپ نے مناجات کی یَا رَبِّ تُبْ عَلَیَّ وَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَاَعِدْنِیْ اِلٰی مَرْتَبَتِیْ اے پالنے والے میری توبہ قبول کر اور میرے عذر کو سماعت فرما اور مجھکو میرے پہلے مرتبہ پر فائز کر۔ جواب ملا۔ اے آدم تم کو یاد نہیں ہم نے تم کو تعلیم کیا تھا کہ جب تم پر کوئی مصیبت واقع ہو محمد و آل محمد کا واسطہ دیکر دعا کرنا۔ ہم تمہاری درخواست کو قبول کریں گے۔

واب آدم کو یاد آیا پس آدم نے ان کلمات کا واسطہ دیکر دعا کی اور توبہ قبول ہوئی۔

صاحب تفسیر در ثمین اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں جس سے دونوں قولوں کی تائید ہوتی ہے۔ اِنَّہٗ رَاٰی سَاقَ الْعَرْشِ اَسْمَاءَ النَّبِیِّ وَالْاَئِمَّۃِ۔ گویا خدا نے بھولے ہوئے سبق کو لوح عرش پر مطالعہ کرا دیا۔ آدم نے ساق عرش پر نبی کا اسم گرامی اور ائمہ علیہم السلام کے نام لکھے ہوئے دیکھے فَلَقَّنَہٗ جِبْرَئِیْلُ قُلْ یَا حَمِیْدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ یَا عَالِیْ بِحَقِّ عَلِیٍّ یَا فَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَۃَ یَا مُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ۔ جبرئیل نے تعلیم دینا شروع کیا۔ اے آدم کہو حمید بحق محمدؐ یا عالی بحق علیؑ یا فاطر بحق فاطمہؑ یا محسن بحق حسنؑ و حسینؑ میری توبہ قبول کر۔ ان کلمات کی برکت سے توبہ آدم قبول ہو گئی۔ ثابت ہوا کہ یہی کلمات تھے جن کی معرفت کا خدا نے اپنے خلیل سے امتحان لیا اور انھیں کلمات کی برکت سے آزمائش کی سخت منزلیں طے ہوئیں اور درجہ امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔

لیکن کچھ یہ بھی خیال فرمایا آپ نے: جناب ابوالبشر کا استاد کون قرار پایا؟ کس نے کلمات کی تعلیم دی؟ کس کے ذریعہ سے بھولا ہوا سبق یاد کر پائے؟ تو یہی جبرئیل جو باب علم مدینہ سے درس خارج پا کر وقت امتحان اَنَا جِبْرَئِیْلُ وَاَنْتَ الرَّبُّ الْجَلِیْلُ کہہ کر کامیاب ہوا۔ ابوالبشر کو سبق دیکر استاد آدم بن گیا۔ گویا علی کے ایک شاگرد نے آدم صفی اللہ کو سبق دیکر توبہ قبول کرا دی۔ اب علم کی ابتدا آپ کو معلوم ہو گئی۔ صلوٰۃ۔

صاحب تفسیر در ثمین اسی سلسلہ میں نتیجہ ان کلمات کی تعلیم کا تحریر فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا ذَکَرَ الْخَامِسَ سَالَتْ دُمُوْعُہٗ وَانْخَشَعَ قَلْبُہٗ وَقَالَ یَا اَخِیْ جِبْرَئِیْلُ فِیْ ذِکْرِ الْخَامِسِ یَنْکَسِرُ قَلْبِیْ وَتَسِیْلُ عَبْرَتِیْ جناب آدم نے جو تھی پانچواں نام لیا آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوئے اور دل پر چوٹ لگی۔ پوچھا اے بھائی جبرئیل کیا سبب ہے کہ جب پانچواں نام لیتا ہوں تو دل شکستہ ہو جاتا ہے اور آنسو جاری

ہوجاتے ہیں، قَالَ جِبْرَئِیْلُ وَلَدُکَ ھٰذَا یُصَابُ بِمُصِیْبَۃٍ تَصْغُرُ عِنْدَھَا الْمَصَائِبُ۔
جبرئیل نے کہا اے آدم آپ کے اس فرزند پر وہ مصائب پڑیں گے کہ اس کے سامنے تمام مصیبتیں حقیر ہوجائیں
گی. جناب آدم نے پوچھا وہ کیا مصیبتیں کیا ہوں گی؟ قَالَ یُقْتَلُ عَطْشَانًا غَرِیْبًا وَحِیْدًا فَرِیْدًا لَیْسَ لَہٗ
نَاصِرٌ وَّلَا مُعِیْنٌ۔ جبرئیل نے کہا یہ آپ کا فرزند پیاسا بیکس و تنہا بے یار و مددگار عالم غربت میں شہید کیا جائے گا۔
آدم علیہ السلام یہ سن کر چیخیں مار کر اس طرح رونے لگے جیسے کوئی ماں اپنے فرزند جوان کو روئے۔ آیت کی تفسیر
سے معصوم ناطق کی حدیث کی تصدیق ہوتی ہے۔ مشہور حدیث ہے امام حسینؑ نے فرمایا اَنَا قَتِیْلُ الْعَبْرَۃِ لَا یَذْکُرُنِیْ
مومنٌ اِلَّا بَکٰی۔ میرا ذکر شہادت ایسا عبرتناک ہے کہ نہ ذکر کیا جائے گا مگر یہ کہ مومن اسکو سن کر گریہ کریگا۔

جناب آدم صفی اللہ کے مومن ہونے میں کس کو شک ہوگا قبل از واقعہ صرف نام زبان پر آتے ہی دل
بے چین ہوگیا اور جبرئیل سے سوال کیا یہ پانچواں نام کس کا ہے کہ ذکر سے قلب پر اثر ملال طاری ہے جبرئیلؑ نے
تمام واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت آدم رونے لگے۔ گویا صاحب ایمان کی خاصیت ابتدا سے یہ قرار پائی کہ
نام حسینؑ سن کر رو دے۔ اور وہ بھی آدم جن میں آدمیت کے خواص ہیں اس کی فطرت قرار پاگئی۔ ایک
طرف قول امام مظلوم کی تصدیق ہوگی دوسری طرف نام کا اثر آشکار ہوگیا۔

عزاداران حسینؑ: خلقت آدم کے بعد یہ ایک پہلی مجلس تھی کہ جبرئیل ذاکر اور ابوالبشر سامع
تھے۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حسین پر رونا وراثت آدم اور مقتضائے بشریت ہے۔ پھر یہ رونا آدم
ہی تک ختم نہیں ہوا۔ ہر پیغمبر اس مظلوم کو رویا۔ جس نے نام سنا یا جو اس وادی سے گزرا حسین کا ماتم دار ہوا
جناب موسیٰ اور یوشع بن نون ایک زمین پر پہنچے۔ ایک ٹھوکر کھائی نعلین پیر سے نکل گئی۔ کف پا میں خار
چبھا خون جاری ہوا۔ بیساختہ منہ سے نکل گیا یا اللہ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا جس کی یہ سزا مجھکو ملی۔

موسیٰ زمین کربلا پر

وحی ہوئی اے موسیٰ اس زمین پر حسین کا خون بہایا جاوے گا۔ اسی کی موافقت میں تمہارا خون جاری ہوا
پوچھا کون حسین؟ ندا آئی حسینؑ سبط محمد مصطفےٰ فرزند علی مرتضےٰ۔ یہ سنکر موسیٰ علیہ السلام چیخیں مار کر رونے لگے۔
پوچھا خداوندا اس کا قاتل کون ہوگا۔ جواب ملا یزید ابن معاویہ۔ کلیم اللہ نے اس پر لعنت کی اور روتے ہوئے
اپنی راہ لی۔ الغرض وہ کون نبی تھا جو اس سرزمین پر آکر مغموم و محزون نہ ہوا ہو۔ مگر فرزند رسول کا قدم جب
اس سرزمین پر پہنچا پھر ارض کربلا نے حضرت کے قدم نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ یہ وادی ہولناک اور صحرائے بے
نسبت فاطمہ کے لال کو ایسا پسند آیا کہ یہ ارض مقدس خرید کر ہمیشہ کے لئے قیام کر دیا۔

یہ بھی اپنے جدِ ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول خدا صلعم کی تاسی ہی تھی کہ اپنا مدفن خود خرید کیا۔

چنانچہ جناب خلیل جب اپنے اہلبیت کے ہمراہ ارض فلسطین پر پہونچے جہاں اب بیت المقدس ہے، ایک قریہ میں روز زلزلہ آتا تھا۔ آپ کے قیام کی برکت سے زلزلہ نہیں آیا۔ اہل قریہ نے تین روز تجربہ کرنے کے بعد آپ کو باصرار تمام روکا۔ آپ نے مالکان زمین سے چار خچر اور سات بکریوں کے عوض میں ایک مختصر قریہ خرید کر لیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہیں آپ کا مدفن قرار پایا۔ اسی کی پیروی جناب رسالت مآب نے مدینہ پہونچکر دو یتیموں سے جن کا نام سہل و سہیل تھا، دو سو دینار کو اپنے مسکن کے لئے اراضی خرید فرمائی اور ان کے ولی سے بیع کامل کرایا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مسجد نبوی صلعم اور گنبد خضرا ہے۔

اسی سنت نبوی و سیرت انبیاء کی پیروی وصی رسولؐ جناب امیرؑ نے اپنے عہد خلافت میں کی۔ آپ ایک روز کوفہ سے نکلے ایک بلندی پر پہونچے، گھوڑا روکا، حد و د اربعہ پر نظر ڈالی۔ کچھ پہچان کر حکم دیا مالک الاراضی اس کا کون ہے، اسے حاضر کرو۔ جب حاضر ہوا آپ نے فرمایا۔ یہ اراضی ہمارے ہاتھ بیع کر ڈالو۔ زمیندار نے عرض کی۔ مولا یہ زمین کس مصرف کی ہے۔ بالو کا ٹیکرا جس میں نہ پانی کا ذریعہ ہے نہ زراعت ممکن ہے۔ فرمایا تم کیا جانو۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ کُوْفَانُ یُحْشَرُ مِنْ ظَهْرِهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ فَاشْتَهَیْتُ اَنْ یُحْشَرُوْا فِیْ مِلْکِیْ۔ میں نے اپنے حبیب رسول کریمؐ سے سنا ہے کہ کوفہ میں ایک زمین ہوگی جس میں سے ستر ہزار مُردے اس زمین سے روز قیامت محشور ہوں گے جو بے حساب و کتاب داخلِ جنت ہوں گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ زمین میری ملک قرار پائے۔ زمیندار نے عرض کی اگر آقا کی خوشی ہے تو ہم بیع پر راضی ہیں۔ حضرت نے چار ہزار درہم پر وہ اراضی خرید لی۔ یہ وہی ارض مقدس ہے جس کو وادی السلام کہتے ہیں۔ سبحان اللہ کس قدر خوش قسمت وہ زمین ہے کہ جس کو دنیا کا طلاق دینے والا علی سا تارک الدنیا اپنی رغبت سے خرید کرے۔!

علیؑ نے یہ عزت بھی اس زمین کو دی کہ اپنی خرید کردہ زمین اپنے آرامگاہ کے لئے پسند فرمائی۔ اور صالحؑ و ہودؑ، نوحؑ و آدمؑ ایسے پیغمبر اس میں پیوند خاک ہیں۔ خوشا قسمت اس زمین کی جس میں ایسی بزرگ ہستیاں دفن ہوں۔ اور خوشا طالع اس رعایا کے جو اپنے بادشاہ کے گرد و جوار آباد ہو کر حساب و کتاب سے محفوظ رہے۔ دنیا میں ہے کوئی زمین جو اس خصوصیت سے ممتاز ہو کہ اس کی رعایا سے قیامت میں بھی پرسش اعمال نہ کی جائے۔ علم الٰہی میں گزر چکا تھا کہ علی کو اپنا مدفن خریدنے کی ضرورت ہوگی اسی

زمین مدفن خریدنا جناب ابراہیم کی سیرت ہے۔ (حیات القلوب۔ مجلسی)

علیؑ کا زمین خریدنا۔ تاریخ جلد ۴

لئے ایسے متبرک خواص اس زمین کو عطا فرمائے کہ باوجود تارک الدنیا ہونے کے علی نے خرید کر ہی لیا۔ دنیا میں نہ ایسی برکت خیز زمین ہے نہ ایسا مالک اراضی۔ مگر کربلا کی زمین نے بھی فرزند رسول کے ہاتھ بیع ہو کر بُقعَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ کہنے کی مستحق ہو گئی۔ اور زیر زمین بسنے والی رعایا کے معافی کی سند حاصل کر لی۔ لیکن زمین نجف کو مدفن انبیا و اوصیا بن کر یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ اس کے ذرات تسبیح کا کام دیں۔ مگر حسین علیہ السلام نے زمین کربلا خرید کر اس کو یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ خدا کے سجدے کے واسطے مخصوص بیمار کے لئے اکسیر گنہگار کے لئے شفیع قرار پائی۔ مگر زمین کربلا اپنے ساتھ آفتیں لے کر خلق ہوئی۔ جو اس زمین پر آیا آفت میں گرفتار ہوا۔ جس نے اس زمین پر قدم رکھا مبتلائے غم ہوا۔ یہ سب کچھ تھا مگر وہ قیامت کا جذب تھا کہ منزلیں طے کر کے فرزند رسول جب اس زمین پر پہنچا تو پھر یہاں سے قدم نہ نکلا۔ چلتے چلتے گھوڑا خود بخود رک گیا۔ کئی گھوڑے بدلے مگر زمین نے دامن نہ چھوڑا۔ گویا زمین کا مطلب یہ تھا فرزند رسول آپ ہی کے دم سے تو میری آبادی ہے مجکو چھوڑ کر کہاں جائے گا۔

حضرت نے چار طرف نظر کی پھر پوچھا مَا يُقَالُ لِهٰذِهِ الْاَرْضِ اس زمین کا کیا نام ہے لوگوں نے عرض کی ماریہ کہتے ہیں۔ هَلْ لَهَا اِسْمٌ اٰخَرُ پھر پوچھا اور کوئی نام بھی ہے؟ رفقا نے عرض کی نینوا بھی کہتے ہیں۔ پھر فرمایا هَلْ لَهَا اِسْمٌ اٰخَرُ نہیں اور کوئی نام بھی ہے؟ عرض کی غاضریہ بھی کہتے ہیں۔ فَقَالَ هَلْ لَهَا اِسْمٌ اٰخَرُ؟ اس کے علاوہ اور کوئی نام ہے يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَا اصحاب نے عرض کی مولا اس کو کربلا بھی کہتے ہیں۔

کیوں عزادارو! کس قدر باوفا اصحاب تھے حضرت کے کہ بار بار حضرت نام پوچھتے تھے مگر رفقا تا امکان تامل کرتے تھے۔ سن چکے تھے کہ جہاز آل محمدؐ زمین کربلا میں تباہ ہو گا

اصحاب چاہتے تھے کہ حضرت اس زمین سے جلد نکل چلیں، اور کوئی مصیبت ہمارے آقا پر واقع نہ ہو۔ مگر بچپن سے حضرت اس نام کے شناسا تھے۔ کان اسی نام کے مشتاق، دل اسی نام کا متمنی۔ آنکھیں اسی زمین کی مشتاق۔ کربلا کا نام سن کر گھوڑے سے کود پڑے۔ چہرے پر آثار صبر اور استقلال نمودار ہوئے۔ گویا منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

ایک مٹھی خاک زمین سے اٹھائی۔ پھر جیب سے ایک صرۂ خاک نکال کر اس کی خوشبو سے ملایا۔ ایک آہ

کی اور فرمایا۔ ہاں ہاں۔ یہ وہی خاک ہے جس کی خبر جبرئیل نے نانا جان کو دی تھی۔ اور کہا تھا یہ مٹی تربت حسینؑ کی ہو۔ بیشک یہی زمین ہے جہاں میرے اطفال ذبح کیے جائیں گے۔ قسم بخدا اسی زمین پر میری شہ رگ قطع کی جائے گی۔ اور یہ ریش خون سے مخضب ہوگی۔ واللہ یہ وہی مقام ہے جہاں ہمارے عزیز ذلیل کیے جائیں گے۔ اور میرے اہل حرم قید ہوں گے۔ اور اسی زمین پر ہماری قبریں ہونگی۔ پھر حکم دیا ناقہ بٹھائے جائیں خیام برپا ہوں۔

حکم پاتے ہی انصار گھوڑوں سے کود پڑے۔ شہزادے سواریوں سے اُترے۔ ناقہ بٹھا دیے گئے حر بھی اپنا رسالہ لے کر مقابلہ میں جم گیا۔ ناگاہ ایک ناقہ سوار تیز رفتار کوفے سے آیا اور حضرت کیطرف دیکھتا ہوا حر کے پاس پہونچا۔ نامۂ ابن زیاد دیکر حکم یزید سے آگاہ کیا۔

حر نے حضرت کے پاس پیام بھیجا کہ میں حکم امیر سے مجبور ہوں۔ آپ نہر کا کنارہ چھوڑ کر ریتی پر اپنے خیمے نصب کرنے کا حکم دیں۔ حضرت غاضریہ یا نینوا میں ٹھہریں۔ مگر حر نے نہ مانا۔ اور کہا ابن زیاد کا ایلچی موجود ہے وہ ہر بات کا نگراں ہے۔ ہم حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ اصحاب یہ پیام سنکر بگڑ گئے۔ تیوروں پر بل آگئے۔ ہاتھ قبضۂ شمشیر پر پہونچ گئے۔ زہیر ابن قین نے بکمال ادب عرض کی مولا! اسوقت ان سے جنگ نہایت آسان ہے۔ ان کی جماعت کچھ ایسی نہیں ہے کہ ہم ان کو ہٹا نہ دیں۔ اب جو فوجیں آنے والی ہیں ان کی تعداد بڑھ جائے گی۔ پھر مقابلہ دشوار ہوگا۔ حضرت نے بکمال صبر و وقار امامت فرمایا میں اپنی طرف سے پیش قدمی نہ کروں گا۔ پھر حضرت نے حکم دیا۔ ہمارے خیمے ریتی پر نصب کیے جائیں۔ حکم امام سن کر اصحاب اپنے کلیجے مسوس کر رہ گئے اور ریتی پر خیمے برپا کیے۔ اہل حرم کجاووں سے اترے۔

حضرت نے پھر اہل غاضرہ و نینوا کو طلب فرمایا اور اس شرط پر ساٹھ ہزار پر اراضی خرید فرمائی[1] کہ جب زوار ہماری قبر پر زیارت کو آئیں تو ان کو تین روز اپنا مہمان کرنا۔

[illegible]

[1] حضرت کا بعوض اسعد زمین خرید نا کثرت سے بیان میں آتا ہے مگر [illegible] تفصیل سے کسی معتبر کتاب میں نہ ملا۔ جب بحار و ناسخ، انوار رحمانیہ و مقاتل حضرات اہل سنت بالکل خاموش ہیں۔ بحر بیت، عمر آقا باز خراسانی بعہد تصنیف ہے۔ اسی میں کشکول بہائی اور بعض بیشتر کتب کے حوالہ سے اسی قدر نقل ہو جیسا ہیں سے ذکر ہوا۔ کشکول شیخ بہائی میں بھی اسی قدر ہے۔

تنبیہ:- جو ذکر علماء مکتوبہ تواریخ سے ثابت ہے۔ اس کی ترتیب کا مکمل نہیں۔ کربلا نجف میں ماہ اکتوبر میں تیز گرم ہوا چلتی ہے اور چونکہ وہاں بارش موسم سرما میں ہوتی ہے لہذا یہ موسم خشک ہے گرم ہوتا ہے۔ یہ ناچیز کربلا کا موسم دیکھ چکا ہے۔ تیز چلتی ہے۔ مستقلاً زمین گیلی اس سال قحط باران ہوا اور بارش بالکل نہ ہو۔ جہاں بھی مخصوصی گرمی اور تمازت سے جلا تر تی ہوئی ہے۔

بہر حال یہاں کربلا کی پہلی رات تھی۔ بربادی کے مناظر تباہی کے علامات پیش نظر تھے، کبھی قدرت مناجات تھی، کبھی بے ثباتی دنیا اور بے وفائی اہل دنیا کے مضامین اشعار میں نظم ہو رہے تھے۔ جن کو سن کر اہل بیت میں مایوسی اور نا امیدی بڑھ گئی۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار اپنے خیمہ میں کچھ اشعار مذمت دنیا میں پڑھ رہے تھے اور آلات حرب کو درست فرما رہے تھے۔ میرا دل وہ اشعار سن کر بھر آیا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ میں نے تو ضبط سے کام لیا لیکن اہل بیت کو ضبط نہ ہو سکا۔ جناب زینبؑ بیتاب ہو کر حضرت کی طرف چلیں اور عرض کی۔ اے مولا۔ کاش موت آجاتی اور یہ کلمات نہ سنتی۔ اے حامی بے چارگاں یہ باتیں تو ایسی ہیں جیسے کسی کو موت کا یقین ہو جائے۔ میرا دل آپ کے اشعار کو سن کر کباب ہو گیا کلیجہ منہ کو آگیا۔ یہ کہہ کر بے تابی سے رونے لگیں۔ ان کے رونے سے تمام بیبیاں رونے لگیں جناب اُمّ کلثوم نے نعرہ مارا۔ واحمداہُ واعلیاہُ۔ اے فرزند رسول وائے ہو ہم پر کہ آپ کے بعد زندہ رہیں حضرت نے سب مخدرات کو تسلی دی اور تسکین دے کر فرمایا۔ اے بہنو! تم ماتم داری میں بھی مرضی الٰہی کا خیال رکھو مجھ پر کیا منحصر ہے، ساکنان فلک بھی ایک روز ضرور فنا ہوں گے اور ساکنان زمین بھی ہلاک ہوں گے۔ کل مخلوق کے لئے فنا ہونا ضروری ہے۔ اے ام کلثوم اور اے فاطمہ، اے عاتکہ اور اے سکینہ جب میں قتل ہو جاؤں، میری لاش پر اپنا گریبان چاک نہ کرنا۔ اور منہ پیٹ کر چہرہ زخمی نہ کرنا۔ حضرت کے ان کلمات سے اس وقت تو سب خاموش ہو گئیں مگر بی بی خیمے میں پہونچ کر سب بیتاب ہو کر رونے لگیں۔ شور گریہ سن کر خود حضرت خیمۂ اہل حرم میں تشریف لائے اور فرمایا اے اہل بیت صبر کرو۔ جناب زینب نے عرض کی اے بھائی، آپ کی خبر مرگ سن کر کیونکر صبر آئے نہ ہم کو آپ کے مرنے کے بعد زندگی کی خواہش ہو جبکہ آپ ایسے کلمات حسرت کہتے ہیں تو ہم کیونکر صبر کریں۔ بھائی آپ مقتول ہوں اور آپ کا مال و اسباب لوٹا جائے آپ کے حرم محترم قید ہوں، آپ کی لاش اطہر پر گھوڑے دوڑائے جائیں اور جسم مبارک بے گور و کفن پڑا رہے اور بہن نوحہ نہ کرے! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت نے پھر سب کو تشفی دی اور ہدایت صبر فرما کر خود بھی روتے ہوئے خیمے سے باہر تشریف لائے۔

فریاد از غریبی و بے یاریِ حسینؑ

وز نالہ ہائے دم بدم و زاریِ حسینؑ

بیان بارہواں [١٢]

امام بنانے کا حق کس کو ہے؟ دعوت ذوالعشیرہ، عمرو ابن عبدود کی مبارزطلبی نکات لطیف، اصحاب کی وفاداری، وہب ابن عبداللہ کی شہادت۔

قَالَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْ كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو چند کلمات میں آزمایا اس نے پورا کر دکھایا۔ ہم نے کہا اس کے بدلے میں ہم تم کو آدمیوں کا امام بنانے والے ہیں۔

معبود نے اپنی کتاب مقدس میں شانہٗ ذکرہٗ ابراہیم سے اپنے حبیب کو امامت کے درجات تعلیم فرماتا ہے۔ سب سے پہلے جَاعِلُكَ پر اپنے کلام میں زور دیا ہے۔ یوں تو وہ ہر شے کا خالق ہے۔ یہ شامیانہ نیلگوں جس کو اپنے قیاس میں حد نگاہ کہیے یا گردش کرنے والے آسمان۔ یہ فرش زمین۔ یہ بہتے ہوئے دریا۔ یہ پست و بلند پہاڑ، لہلہاتا ہوا سبزہ، مہکتے ہوئے پھول، چٹکتے ہوئے غنچے غرض جو کچھ عالم ہستی میں ہے سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ وہ سب کا خالق ہے اور ہر شے اس کی مخلوق۔ مگر امامت یا اس کے ہم معنی خلافت کا جہاں بھی اس نے ذکر کیا ہے جَعَلْنَا کے لفظ سے کیا ہے۔ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ان کو ہم نے پیشوا بنایا۔ جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ملائکہ سے خطاب ہے ہم زمین پر خلیفہ مقرر کرنے والے ہیں۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ، اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا۔ غرض ہر مقام پر امام ہو، خلیفہ یا سردار امت خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اسی کو یہ منصب دینے کا اختیار ہے۔ ہم کو کوئی حق انتخاب کا نہیں۔ ہم نہ امام بنا سکتے ہیں نہ خلیفہ نہ ہماری جمہوریت اس کی مجاز ہے۔ بلکہ یہ اختیار اس نے اپنے قبضۂ خاص میں رکھا ہے۔

دنیا میں کوئی فرقہ قرآن سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی عہد میں کوئی امام یا خلیفہ یا رسول گروہ انسان کا بنایا ہوا ہو۔ ایسا ہو کہ جس کو خدا نے بھی تسلیم کر لیا ہو۔

یہ اس کا کمال عدل و تفضل ہے کہ ہماری عقلوں کو اس اہم فریضہ سے سبکدوش کیا اور اس نے ہادی بنانے کا فرض اپنے سر لیا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

ورنہ ہمارا انتخاب نہ انفرادی حیثیت سے غرض ہدایت کو سمجھ سکتا تھا نہ اجتماعی طریقہ سے۔
بعض آیات میں صانع نے امام بنانے کی علتِ غائی خود ظاہر کر دی۔ وَ اِذْ جَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا. ہم نے ہدایت کے لیے امام مقرر کئے اب اس کو بندہ نہیں سمجھ سکتا کہ ہدایت کے لیے کس کس قوت کی ضرورت ہوگی۔ ہادی میں کیا کیا اوصاف ہونا چاہئیں۔ ہمارا بنایا ہوا امام یا ہادی ہماری سمجھ کے موافق ہمارے کام کا ہوگا جس کو ہم مجلس انتخاب میں خلافت کا ووٹ دیں گے۔ وہ کرسی صدارت پر بیٹھ کر ہم کو کسی حکومت پر فائز کر دے گا۔ مگر خدا کا بنایا ہوا امام خدا کے کام کا ہوگا۔ اس کے پاس جب آرزو لئے حکومت سے کرجائیں تو ہمارا چراغ اسی گل کر دیگا۔

امام کی علت غائی

محترم مجمع کو فراموش نہ ہوا ہوگا کہ طلحہ و زبیر امیرالمومنین علیہ السلام کو حکومت ظاہری کی تہنیت دینے کے لیے آئے۔ اس وقت حضرت بیت المال کا حساب ملاحظہ فرما رہے تھے، چراغ روشن تھا۔ قنبر کو حکم دیا گھر سے دوسرا چراغ لے آؤ۔ اور اس کو فوراً گل کر دیا۔ سبب پوچھا تو فرمایا یہ چراغ بیت المال سے روشن ہوا۔ اب تم لوگوں سے ذاتی باتیں کرنی ہیں بیت المال کا چراغ کیوں صرف میں لاؤں۔ اسی وقت طلحہ و زبیر کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ ان سے کام نہیں چلنے کا کھانے پینے کا اور سہارا دستگیر و۔ دوسرے ہی روز مکہ کی روانگی اور جناب عائشہ کو دام فریب میں لانے کی کوشش شروع ہو گئی۔

بہرحال جب ہم ہادی کے تجسس میں نکلیں گے اور کسی کو دیکھیں گے کہ اتنا کمزور ہے کہ روٹی زانو کے نیچے دبا کر توڑتا ہے تو ہماری نظر انتخاب پلٹ آئے گی۔ لیکن وہ بنانے والا جو عالم الغیب ہے، خوب جانتا ہے کہ آج جس ہاتھ سے روٹی نہیں ٹوٹتی کل وہی ہاتھ قلعہ قموص کی بنیادیں ہلا دے گا۔ بلکہ خیبر کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ وہی ہاتھ جس سے روٹی نہ ٹوٹے بلا آہن کو کاغذ کی طرح پھاڑ کر تقسیم کرے گا۔ صلوٰۃ

اگر عقل رکھتا ہے انسان تو اتنی سی بات میں اپنے زور نظر کی تھاہ معلوم کر سکتا ہے۔ بڑا تفضل ہے اس کا کہ اس نے ہادی بنانے کا ذمہ اپنی ذات سے متعلق کیا اور ہم کو صرف یہ تکلیف دی کہ ہم پہچان لیں کہ خدا کا بنایا ہوا ہادی کون ہے اور بندوں کا بنایا ہوا ہادی کون ہے۔

اس میں بھی اس کا فضل شامل حال ہے کہ جب تک بشر ہیں تو ہادی خلق فرمائے۔ مگر ایسی روشن

علامتیں رکھیں کہ انسان اگر عقل کا اندھا نہ ہو تو ہر بصیر و اعمیٰ پہچان لے کہ خدا کا بنایا ہوا ہادی و امام کون ہے۔ انسان ہی کو عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا اخلاق کا پتلا بنا کر بھیجا۔ آیات کے زیور سے سج کر بھیجا۔ معجزے دیکر بھیجا کہ یہ ہمارے عطا کئے ہوئے جوہر جس میں نظر آئیں وہی خدا کا بنایا ہوا امام ہے اور جو ان صفات سے خالی ہو وہ گڑھا ہوا پیشوا ہے۔ صلوٰۃ۔

اب ہم پر فرض ہوا کہ ہم خوب آزمالیں کہ خدا کی دی ہوئی صفات کس میں ہیں۔ کیونکہ خدا نے بھی بے آزمائے درجہ امامت نہیں دیا۔ وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ رسول نے بھی امتحان لے کر آزما کر اپنے وصی و جانشین و امام کو پہچنوایا۔ اور یہ امتحان ایسا اہم تھا کہ خدا کے نزدیک بھی تصدیق وحدانیت و رسالت کے بعد امامت کی معرفت تبلیغ پر مقدم سمجھی گئی۔ بعثت کے بعد ہی وحی ہوئی وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ۔ اے رسول پہلے اپنے کنبہ والوں کو خدا کا خوف دلاؤ۔ تمام مورخین شیعہ و سنی و عیسائی نے اتفاق کیا ہے اس روایت سے۔ اور خود امیر المومنین سے روایت کی ہے کہ جب حضرت پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت نے اپنے کنبہ کے چالیس آدمی منتخب کئے جس میں ابوطالبؑ و حمزہؑ، ابولہب و ابوجہل سب ہی تھے۔ ایک ران گوشت اور ایک کاسہ شیر اور چند روٹیاں دسترخوان پر رکھی گئیں۔ یہ منتخب گروہ عزیزوں کا جمع ہوا۔ سیر چشم رسول کی برکت نے اس مقدار قلیل سے سب کو سیر کر دیا۔ ابوجہل نے یہ کہہ کر کیا اچھا سحر کیا ہے موقع کو ٹال دیا۔ لوگ ہنس کر منتشر ہو گئے۔ دوسرے روز پھر اسی طرح انتظام کیا گیا۔ لوگ بلائے گئے اور پہلے بٹھا کر کھانا کھلایا گیا۔ دعوت طعام کے بعد حضرت نے غذائے روح کی طرف ان الفاظ سے سب کو مدعو کیا۔

اے اولاد عبد المطلب میں نہیں گمان کرتا کہ کوئی شخص عرب کا اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر تحفہ لایا ہو جو میں لایا ہوں۔ یقین جانو کہ میں تمہارے واسطے آخرت کی نیکیاں لے کر آیا ہوں اور مجھے خدا کا یہ فرمان ہوا ہے کہ میں تم کو خدا کی طرف دعوت دوں۔ اب تم میں سے جو میرا بوجھ بٹائے اور میرا مددگار ہو اس کام میں میری اعانت کرے وہی میرا بھائی۔ میرا وصی۔ میرا خلیفہ

ملاحظہ بحار الانوار۔ ناسخ التواریخ۔ ریاض النضرہ۔ تفسیر معالم التنزیل۔ در منثور۔ ازالۃ الخفا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ اس کے علاوہ سب نے اس روایت کو کم و بیش تحریر کیا ہے۔ یہاں خلاصہ اس کا درج کیا گیا۔ (ربوبیان علیم)

میرا جانشین ہوگا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ باوجودیکہ میں کمزور تھا اور اعضائے بدن دبلے پتلے تھے مگر اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کا بوجھ بٹانے کو حاضر ہوں۔ آپ کی نصرت کروں گا اور آپ کے کاموں میں مدد دوں گا۔ حضرت نے شفقت سے میری گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے، یہ میرا وصی ہے اور یہی جانشین ہے۔ تمہارے گروہ میں۔ اس کی اطاعت کرو اور اس کے کہنے پر عمل کرو۔ سب سن کر مضحکہ کرنے لگے۔ اور از راہ تمسخر ابوطالب سے کہنے لگے۔ لو اب سنو اپنے بیٹے کی اطاعت کرو!! یہ کہتے ہوئے سب اٹھ گئے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں باسناد یہ اضافہ کیا ہے کہ جناب سرور کائنات نے پہلی مرتبہ شاہ اولیا کے کہنے پر اعتنا نہ کی۔ پھر اپنے کلمات کا اعادہ کیا۔ جب تیسری مرتبہ مجمع سے سوائے حضرت علی کے اور کوئی نہ اٹھا اسوقت علی کو گلے سے لگا لیا اور یہ خطاب دیئے ۔

مسٹر ڈیون پورٹ بھی اپنی تاریخ میں اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کہ بنی ہاشم کی دعوت میں باوجود عیسائی توہین کفار و تمسخر کے علی نے اپنے مدد نصرت کا وعدہ کیا۔ تب رسول نے بھائی کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور چھاتی سے لگا کر کہا۔ دیکھو میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ کو"

بہرحال یہ پہلی آزمائش تھی۔ جس میں تمام خاندان بنی ہاشم میں علی پورے اترے۔

آیت کی شان نزول بتلاتی ہے کہ خدا نے جس کو جوہر امامت عطا فرمائے تھے وہ خاندان ہی کا ایک فرد تھا۔ کوئی کنبہ سے باہر نہ تھا۔ اب خاندان بنی ہاشم سے باہر نکل کر امام کی تلاش اس درزی کی سوئی سے کم نہیں جو گھر کے باہر روشنی میں اپنی سوئی تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا تلاش کرتا ہے اس نے کہا سوئی۔ پوچھا کہاں کھوئی تھی کہا گھر میں۔ لوگوں نے کہا یہاں کیوں تلاش کرتا ہے کہا یہاں روشنی زیادہ ہے۔ خدا نے آیت میں اشارہ کر دیا کہ کنبے ہی میں تلاش کرو۔ ہمارا بنایا ہوا امام بنی ہاشم کے گروہ میں ملے گا۔ پھر رسولؐ نے کنبہ کو جمع کر کے حجت تمام کر دی کہ وہی میرا خلیفہ اور جانشین ہو سکتا ہے جو آج ہی سے میری نصرت کا بیڑا اٹھائے۔ بڑے بوڑھوں کے مقابل میں دبلے پتلے کمزور نوجوان کی بات قابل مضحکہ سمجھی گئی ٭

نظر انتخاب کی پہلی غلطی تھی۔ مگر خدا نے اسی کام کے لئے بنایا تھا۔ ہر آزمائش میں اگر کوئی پورا اترا تو وہی دبلا پتلا نوخیز جس کی صدائے لبیک اس وقت ہنسی کے قہقہوں میں دبا دی گئی۔ مگر خدا نے ہر

موقع پر اس کو ادبجار کے دکھایا اور جو کچھ اس وقت نبی کے منہ سے نکلا تھا ثابت ہو کر رہا !!

ذوالعشیرہ میں امتحان کا نتیجہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ اب اصحاب کے گروہ میں جا پہنچئے۔ دیکھئے خلا کے دئے ہوئے صفات اور امامت کے جوہر کس میں عیاں ہوتے ہیں۔

جنگ خندق کی ابتدا

جنگ احزاب میں طرفین سے تیاریاں ہو چکیں۔ خندق کھُد کر تیار ہو گئی۔ لشکر اسلام کو اطمینان ہے کہ کوئی دشمن اس طرف نہیں آسکتا۔ کہ عمرو ابن عبدود گھوڑا پھاند کر نیزہ ہلاتا ہوا قریب آگیا اور رجز خوانی کرنے لگا۔ سپاہ اسلام پر عمرو کا اسقدر رعب چھا گیا گویا کسی میں جان نہ تھی۔ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ گویا سروں پر پرند بیٹھے تھے۔ آخر اسی دبلے پتلے کمزور بہادر نے جو مجلس ذوالعشیرہ میں نصرت کا اقرار کر چکا تھا۔ شیر کی طرح کھڑے ہو کر انگڑائی لی اور عرض کی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اُبَارِزُهٗ۔ مجھکو اجازت دیجئے۔ میں اس سے لڑوں گا۔ حضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ مقصود یہ تھا کہ اصحاب کا کس بل بھی دیکھ لوں پھر جو ہونا ہے وہ تو پیش نظر ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر عمرو فیل مست کی طرح چیخا کہ میری آواز مسلمانوں میں کوئی جواب تک نہیں دیتا۔ پھر علی کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی۔ میں اس سے لڑنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر عمرو نے کہا اے محمد صلعم تمہارے خیال میں تو مر کر جنت ملتی ہے۔ پھر جس کو بہشت کی تمنا ہو وہ میرے مقابل میں نہیں آتا۔ پھر شیر خدا کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ مجھکو جانے دیجئے۔ اصحاب نے کہا یا هٰذَا اِنَّهٗ عَمْرٌو (یہ عمرو ہے)

یا علی کس کے مقابلہ کا قصد کرتے ہو یہ عمرو ہے۔ تم کو نہیں معلوم۔ مقام یلیل میں یہ ہزار ڈاکوؤں سے مقابلہ کر چکا ہے اور سپر کے بجائے بچہ شتر اٹھایا تھا، اسی دن سے فارس یلیل اس کا نام پڑ گیا۔

عبدالرحمٰن ابن عوف آپس میں سرگوشی کرنے لگے۔ معاذ اللہ یہ بلائے بد ہے اس سے بچنا مشکل ہے۔ یہ کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کو اس کے حوالے کر دیں۔ پے در پے یہ صدائیں سن کر رہی سہی جرأت بھی رخصت ہوئی۔

مجمع کی انتشاری حالت کا اندازہ کر کے حضرت پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو مجھکو اس کے شر سے بچائے۔ اور جنت کا مستحق ہو۔ پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ مگر خدا کا شیر پھر کھڑا

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر، روضۃ الصفا، حبیب السیر میں واقعات مندرجہ تفصیل سے درج ہیں۔ یہاں لڑائی بیان کرنا مقصود نہیں۔ صرف اصحاب میں آزمائش دکھلانا منظور ہے۔

ہو گیا اور عرض کی۔ مجکو اجازت دیجئے۔ میں اس کو قتل کروں۔ فرمایا۔ اُدْنُ یَا عَلِیُّ۔ اچھا نزدیک آؤ۔ بجوشِ مسرت میں علیؑ قریب آ گئے۔ خلعتِ جنگ ملا۔ حضرتؐ نے دعا دی اَللّٰھُمَّ اَعِنْہُ عَلَیْہِ خداوندا علیؑ کو عمرو پر فتحیاب کر۔ ضیغمِ کردگار رسولِ خداؐ سے دعائے نصرت و خلعتِ جنگ پاکر جھومتا ہوا میدان کو روانہ ہوا۔

سوا رسول کے کسی مصور کے قلم میں یہ زور کہاں کہ اسد اللہ کی جرات و ہمت، محبت رسول کے جذبات، جوشِ ایمانی کی تصویر کھینچ سکے۔ نہ کسی زبان میں یہ طاقت پیدا ہو سکتی ہے کہ علی کے جذبات باطنی کو لفظوں میں ادا کر سکے۔ اللہ کا شیر، سرورِ ایمان کی انگڑائیاں لیتا ہوا شکار کی طرف بڑھا۔ نبی امی نے یہ شان دیکھ کر فرمایا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ مطلب حضرت کا یہ تھا کہ ایمان کوئی شے نہیں جس کو کوئی دیکھ سکے۔ مجسم ایمان جس کو دیکھنا ہو علی کو دیکھ لے۔ میدان جنگ ایمان سے خالی تھا۔ علیؑ کے دامن میں ایمان نے پناہ لی تھی۔ بس ایک علی پیکر ایمان تھے۔ اور اس کے مقابل کل کفر مجسم۔ عمرو بن عبد وُد۔ علی کی فتح، ایمان کی فتح۔ عمرو کی شکست کفر کی شکست۔ صلوٰۃ ۔

ایمان علیؑ کے بھیس میں

تاریخ کے اوراق الٹے جاتے ہیں کہ جنگ احد کی ہزیمت خوردہ فوج کفار میں دم نہ تھا کہ پھر اسلام کے مقابلہ میں آئے۔ اگر عمرو سا پہلوان سینہ سپر نہ ہوتا تو کفار لڑنے کی جرات ہی نہ کرتے اس لحاظ سے کل کفر کی قوت بن کر عمرو تنہا مبارز طلب ہوا اور صرف عمرو کی ہیبت اہل اسلام پر ایسی چھا گئی کہ سوائے شیر خدا کے کسی نے مقابلہ کی جرات نہ کی۔ بلکہ منافقین اس پر آمادہ ہو گئے کہ پیغمبر اسلام کو کفار کے حوالے کر دیں۔ اب جس کی جرات و ہمت نے رسول کو کفار کے شر اور ضرر سے محفوظ رکھا وہی کل ایمان کا مصداق ہوا۔

علیؑ کل ایمان تھا

اگر علی کے ماسوا کوئی اور اس نازک حالت میں قدم آگے بڑھاتا اور بقاء اسلام و ایمان کا باعث ہوتا تو عقل اسی کو محافظ ہونے کی حیثیت سے کل ایمان کا خطاب دیتی۔ لیکن جس کی قسمت میں یہ خطاب تھا وہ سرفراز ہوا۔ صلوٰۃ ۔

اس سے واضح تر دلیل علیؑ کے کل ایمان ہونے کی صاحبان ایمان کے لئے مایۂ ناز ہے۔ موافق قول طبری حضرتؐ نے لشکر اسلام سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو مجکو اس کے

شر سے محفوظ رکھے اور جنت کا مستحق ہو؟

یہ سن لینے کے بعد ہر بندۂ خدا کو عمرو سے مقابلہ کی جرأت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ رسول کا وعدہ غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت کے اس قول سے واضح ہے کہ اگر کوئی ضرر کو اور عمرو کے شر کو دفع کرنا چاہے گا تو وہ اس پر ضرور کامیاب ہوگا۔ پھر جو بھی عمرو کے مقابلہ کے لیے جاتا وہ نتیجہ پاتا۔

لیکن بدقسمتی سے اس وقت مجمع میں سوائے علی علیہ السلام کے کسی کو قول رسول پر اعتماد نہ ہوا۔ لوگ کہتے رہے یہ عمرو ہے، فارس یلیل ہے مگر اسداللہ کو اطمینان تھا کہ خدا کا رسول فتح و نصرت کے لئے بھیجا گیا ہے اور ظفر کی امید دلا رہا ہے۔ مجھ سے قوت میں عمرو وہ چند سہی مگر میں ضرور اس کو ماروں گا یہ کمال ایمان تھا حضرت امیر کا۔ پھر کیوں نہ کُل ایمان کا مصداق علیؑ ہی سمجھے جائیں۔ صلوٰۃ۔

یہ تھی ایک ایمان کی آزمائش اور کس قدر سخت آزمائش جس میں سوائے قول کے دھنی کے اور وعدہ کے پابند جوان کے جس نے اس دعوت ذوالعشیرہ میں نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ کوئی پورا نہ اترا جس طرح خدا نے اپنے خلیل کو بات بات میں آزما کر درجہ امامت دیا وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اسی طرح خدا نے امامت کے لئے رسول کے ذریعہ علی کو آزما کر ہر موقع پر ثابت کر دیا کہ یہ ہمارا بنایا ہوا امام ہے۔ سچ ہے بغیر آزمائش اور امتحان آدمی پہچان نہیں ملتا۔ دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوتی۔ کھرے کھوٹے کی شناخت غیر ممکن۔

حواریین حضرت عیسیٰ کو دیکھئے سات سو میں سے ستر چنے گئے اور ان میں بارہ کا انتخاب کیا گیا۔ اس قلیل جماعت کا یہ حال کہ ان میں سے ایک صاحب نے جناب عیسیٰ سے عہد کیا کہ میں آپ کی رفاقت میں رہوں گا آپ کے ساتھ عبادت کروں گا اور جب کوئی آفت آئے گی آپ کی نصرت کروں گا آپ سے کچھ طالب نہیں اپنا رزق آپ تلاش کروں گا۔ ایک روز جناب عیسیٰ کہیں جا رہے تھے۔ یہ جوان رفاقت میں تھا۔ ناشتہ کے لئے دو روٹیاں ساتھ لایا تھا۔ عیسیٰ کے پاس ایک روٹی تھی۔ جوان رفیق کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک ہی روٹی ہے۔ خیال ہوا کہ میری دوسری روٹی میں یہ حصہ لگائیں گے موقع پا کر ایک روٹی چھپا کر کھا گیا۔ جب کچھ دور نکل کر جناب عیسیٰ کو بھوک لگی ناشتہ کھولا اُن کو بھی بلایا یہی ایک روٹی لے کر بیٹھ گئے۔ جناب عیسیٰ کو بعلم نبوت معلوم ہو گیا۔ پوچھا بھائی ایک روٹی کیا کی؟ کہا یا روح اللہ ایک ہی روٹی لایا تھا۔ جناب عیسیٰ نے فرمایا اس میں حیلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے سچ

کیوں نہیں کہہ دیتا ہے۔ کہا جی نہیں ایک ہی روٹی لایا تھا حضرت عیسیٰ کو منظور ہوا کہ اپنا صاحب اعجاز ہونا بھی دکھلا دوں۔ وہ طائر شکار کئے اور ان کو صاف کر کے کباب کیا۔ دونوں نے مل کر روٹیوں کے ساتھ کھایا۔ پھر طیور کے پر پرزے جمع کر کے دعا کی وہ بقدرت خدا زندہ ہو کر اڑ گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ نے پوچھا سچ بتا دوسری روٹی کیا ہوئی۔ کہا میں ایک ہی روٹی لایا تھا حضرت عیسیٰ خاموش ہو گئے۔ یہاں سے روانہ ہوئے، آگے بڑھ کر سر راہ میں اینٹیں سونے کی پڑی تھیں۔ حضرت عیسیٰ نے ایک اینٹ جوان رفیق کو دیدی اور ایک خود رکھ لی۔ رفیق کو تاب نہ آئی پوچھا یہ اینٹ کس لئے چھوڑ دی۔ فرمایا یہ اس کا حصہ ہے جس نے تیسری روٹی کھائی ہے۔ اب نوجوان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کہا یا روح اللہ وہ تیسری روٹی میں نے ہی کھائی ہے۔ تیسری اینٹ بھی اٹھا کر اس کو دیدی۔ اور اس کی رفاقت سے کنارہ کیا۔ اس کو اپنے رفقا سے خارج کیا۔ جب اس جوان نے اپنے مقام پر جا کر دیکھا وہ دونوں اینٹیں مٹی کی تھیں۔ دل میں نادم ہو کر خاموش ہو رہا۔

اس میں شک نہیں امتحان سخت منزل ہے آزمائش میں پورا اترنا بہت دشوار ہے۔ وقت پڑنے پر کھرا کھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ مصیبت میں ساتھ دینے والے بہت کم نکلتے ہیں۔

یہ صفت اصحاب و انصار امام حسینؑ پر ختم ہو گئی کہ قدم قدم پر حضرت نے آزمایا۔ صاف کہہ دیا ہم بہ حکومت دنیا حاصل کرنے کے لئے ملک گیری کے لئے نہیں نکلے ہیں، جس کو تلواریں کھانا ہوں، گلا کٹانا ہو، مصیبتیں جھیلنا ہوں، ہمارے ساتھ رہے۔ جو سچے وفادار تھے انہوں نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ بلکہ ہر منزل پر کوئی نہ کوئی جاں نثار پہونچ گیا۔

زہیر و حبیب کا کیا ذکر۔ یہ تو امام کے رتبہ شناس اور بچپن کے دوست تھے۔ تازہ مسلمان اور تازہ رفیق جو عہد کر کے ساتھ ہوا اُس نے قدیم نمک خواروں کو بھلا دیا۔ ابو مخنف سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت منزل ثعلبیہ میں فروکش تھے کہ ایک نصرانی جوان احمر رعنا صورت معہ اپنی بوڑھی ماں اور عروس تازہ کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی اے فرزند رسولؐ مجکو اپنا دین تعلیم

نوٹ۔ وہب کے متعلق عام مقاتل اور صاحب ناسخ نے ایمان لانے کا واقعہ درج نہیں کیا ہے۔ میں نے محرق القلوب اور روضۃ الشہدا سے نقل کیا ہے۔ محسن ابو بر شرح بحار الانوار میں آقا محمد حسن بن عبداللہ خراسانی نے حسب روایت امالی شیخ صدوق اس کی تائید کی ہے۔ اور واقعہ وہب میں بحار الانوار کی شرح فرمائی ہے۔ لیکن ایمان لانے کا سبب کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کو کوئی بشارت ہوئی ہو یہ رفتہ رفتہ حاضر خدمت ہو کر ایمان لائے۔ اس کے متعلق ایک خواب اس ناچیز نے دیکھا تھا۔ جو آئندہ صفحات پر فٹ نوٹ میں درج ہے۔

فرمائیے اور اپنی رفاقت میں لے لیجئے حضرت نے کلمہ شہادتین پڑھا کر مسلمان کیا۔

اسی وقت سے یہ حضرت کے ساتھ رہا، مصیبتیں اٹھائیں سختیاں جھیلیں مگر رفاقت سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ ساتویں سے پانی بھی بند ہوا تمام لشکر میں قحطِ آب سے شورِ العطش بلند ہوا مگر اس کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ آخر وہ سخت گھڑیاں آگئیں کہ اصحاب فرزند فاطمہ پر اپنی جانیں نثار کرنے لگے۔

جنابِ حُر کے بعد بریر ہمدانی جام شہادت جب نوش کر چکے، بڈھوں کا حوصلہ دیکھ کر وہب کلبی کو جوش آگیا۔ اجازت لے کر میدان میں پہونچے۔ چاروں پر حملہ کیا اکثر ظالمین کو واصل جہنم کیا۔ شمشیر خون آشام ہاتھ میں زخموں سے خون ٹپکتا ہوا اس شان سے ماں کے پاس پہونچے اور اپنے جوش محبت وبہادری پر ناز کرکے ماں سے تحسین کے خواستگار ہوئے۔

کیوں مادر گرامی آپ مجھ سے خوش ہوئیں؟ سوال کا انداز بتاتا ہے کہ ماں نے جوش دلا کر بھیجا تھا مومنہ جس کا نام قمر تھا اگرچہ تازہ مسلمان تھی مگر ولائے اہلبیت میں کامل تھی، گویا ہوئی۔ ابھی کہاں! مَا رَضِیْتُ اَوْ تُقْتَلَ بَیْنَ یَدَیِ الْحُسَیْنِ بیٹا میں تو اس وقت خوش ہوں گی جب تو امام پر اپنی جان قربان کردے۔

کیوں صاحبانِ اولاد! آج دنیا میں کوئی ماں اپنے نوجوان حسین فرزند سے یہ کہہ سکتی ہے کہ بیٹا! میں تیری موت سے خوش ہوں گی؟! یہ تو ماں کے حسنِ عقیدت کا حال تھا۔ اب زوجہ کی وفاداری سنئے، ابھی تازہ عروس تھی۔ ماں بیٹوں کی یہ گفتگو سُن کر کہنے لگی اے جوان باوفا اپنی جان پر رحم کر اور مجھکو بیوہ نہ بنا۔ ابھی تیرا سن ہی کیا ہے۔ دیکھ اپنی ماں کے کہنے پر عمل نہ کرنا ورنہ پردیس میں میرا کون پرسان حال ہوگا۔

قمر نے کہا بیٹا اس کی باتوں پر لحاظ نہ کرنا جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ جا اپنا راستہ لے۔ زوجہ نے کہا اچھا ایک شرط سے جانے دوں گی۔ آپ چل کر امام سے اس کی ضمانت کرا دیجئے کہ جنت میں حوروں سے مشغول ہو کر مجھکو بھول نہ جائیے گا۔ یہ کہہ کر عروس اپنے شوہر کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔

مولا، آپ سے میری دو حاجتیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ میں لاوارث ہوں۔ شوہر میرا میدان کو جاتا ہے جہاں سے وہ پلٹ کر نہ آئے گا۔ میں کس کے سہارے پر زندگی بسر کروں گی

مولا مجکو اسی وقت اہل بیت میں پہونچا دیجئے۔ دوسری عرض یہ ہے کہ میرا شوہر شہید ہو کر فردوس بریں میں داخل ہوگا اور نعمات الہٰی پاکر مجکو فراموش کر دیگا۔ آپ ضمانت فرمائیں کہ یہ مجکو بھول نہ جائے۔ حضرت رونے لگے۔ اور اس کی تمنا کو قبول فرمایا۔ مگر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ زوجہ کو بتکین دیگر اہلبیت میں بھیجا۔ شوہر اذن لے کر روانہ میدان قتال ہوا۔ رجز پڑھ کر حملہ کیا۔ اور بیس نابکار واصل نار کیئے۔ ناگاہ کمین گاہ سے ایک بزدل نے چھپ کر ایک ہاتھ وہب کے داہنے ہاتھ پر مارا۔ شانہ سے ہاتھ قلم ہوگیا۔ اس بہادر نے بائیں ہاتھ میں شمشیر لے کر حملہ کیا اور کئی دشمن قتل کیے۔ آخر اس ہاتھ پر بھی ایک تلوار پڑ گئی اور یہ ہاتھ بھی مستلم ہوگیا۔ ناچار عالم بے کسی میں واز فریاد بلند کی۔ زوجہ در خیمہ سے یہ ماجرا دیکھ رہی تھی ایک عمود خیمہ لے کر حملہ آور ہوئی اور شوہر کی مدد کو میدان میں پہونچ گئی اور پکار کر کہا۔ گھبرانا نہیں۔ دیکھنا نصرت امام میں کمی نہ کرنا۔ وہب کو بڑا تعجب ہوا کہا اے زن صالحہ ابھی تو مجکو جنگ سے روک رہی تھی۔ اور نصرت حسین علیہ السلام کی ترغیب دلا رہی ہے۔ زوجہ نے جواب دیا۔ ابھی ابھی میں نے دیکھا حضرت نے اپنی تنہائی اور بے کسی پر اس مظلومیت سے استغاثہ فرمایا کہ مجکو تاب نہ رہی اور یہ طے کر لیا کہ میں بھی جان دیدوں گی اور ہم اور تم مل کر دشمنوں کو قتل کریں۔ اور ساتھ مرکر خاک و خون میں لوٹیں۔

وہب یہ سنکر جوش حمیت و غیرت سے کانپنے لگے۔ لشکر میں زوجہ کو بے پردہ نہ دیکھ سکے تھے تو قطع ہو چکے تھے۔ جوش غیرت سے دانتوں سے ردا پکڑ کر کھینچنا شروع کیا اور چاہا کہ خیمہ میں پہنچا دیں۔ اصحاب امام کو آواز دی کہ اس عورت کو پلٹا لے جاؤ۔ حضرت نے یہ آواز سن لی۔ خود بڑھ کر فرمایا۔ جُزِیتُم مِنْ اَهْلِ بَیْتٍ خَیْرًا اِرْجِعِیْ اِلَی النِّسَاءِ بَارَکَ اللّٰهُ فِیْكِ لَیْسَ عَلَیْکُنَّ قِتَالٌ۔ ہم اہلبیت کیطرف سے تجکو خدا جزائے خیر عطا فرمائے۔ بس اب میرے اہل بیت کی طرف پلٹ آ۔ کیونکہ عورتوں کے لئے جہاد کا حکم نہیں ہے۔ امام کی آواز سن کر عورت میدان سے پلٹی۔ مگر اسی اثنا میں وہب کے سر پر کسی کے گرز کا وار پڑ گیا۔ چکر کھا کر زمین پر گرے۔ زوجہ نے پلٹ کر دیکھا شوہر زمین پر تڑپ رہا ہے۔ پھر تاب نہ آئی۔ اسی ستون خیمہ سے شوہر کے قاتل کو ہلاک کیا۔ شمر نے عورت کی یہ شجاعت دیکھ کر اپنے ایک غلام کو اشارہ کر دیا اس نے ایک گرز ہی سے اس کو ہلاک کر دیا۔ اور معرکہ کربلا کے خصوصیات میں اس مصیبت کا اضافہ ہوا کہ عورتیں بھی قتل کر ڈالی گئیں +

مادر وہب اپنے بیٹے کا اپنے خون میں تڑپنا بھو کا خاک پر لوٹنا دیکھ رہی تھی نہ رہا گیا خود بھی قریب آگئی مگر اشر ری شقاوت۔ سنگدل کوفیوں نے وہب کا سر کاٹ کر اس کی طرف پھینک دیا۔ ماں نے جوش ولائے اہلبیت میں دوڑ کر فرزند کا سر اٹھا لیا اور بوسہ دے کر کہا خدا کا شکر ہے کہ میں امام سے سرخرو ہوئی۔ یہ کہکر سر پھر میدان کی طرف پھینک دیا۔ اور یہ بھی چوب خیمہ لے کر فوج پر جا پڑی اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئی اور کہتی جاتی تھی۔ قسم بخدا کوفہ والوں سے قوم نصاریٰ اپنے کلیسہ میں اور مجوسی اپنے آتشکدہ میں بہتر ہیں۔

حضرت نے یہ کیفیت دیکھ کر اصحاب کو بھیجا کہ اس کو پلٹا لو۔ جب حکم امام سنکر حاضر ہوئی فرمایا کہ تم یہیں بیٹھو کہ عورتوں کو حکم جہاد نہیں ہے۔ تیرا فرزند میرے جد بزرگوار رسول خدا کے پاس جنت میں پہونچ گیا۔ اب وہ وہیں رہے گا۔

قمر نے یہ سنکر کہا اَللّٰھُمَّ لَا تَقْطَعْ رَجَائِیْ خداوندا میری امیدوں کو منقطع نہ کرنا۔ حضرت نے فرمایا لَا یَقْطَعُ رَجَائَکِ یَا اُمَّ وَھَبٍ اے مادر وہب خدا تیری امیدوں کو کبھی قطع نہ کرے گا۔ مومنین مادر وہب کا کیا اعتقاد تھا کہ جب تک فرزند کا سر نصرت امام میں کٹ کر زمین پر نہ گرے وہ راضی نہ ہوئی مگر معلوم نہیں اس کے علاوہ کیا امید تھی کہ خدا سے مناجات کرتی ہے کہ میری امید منقطع نہ کرنا۔ عجب نہیں خدا سے یہ دعا ہو کہ میرے تحفہ کو قبول کرے ناچیز ہدیہ بڑی امید لے کر پیش کرتی ہوں۔ حضرت نے اسی کا جواب دیا کہ تیری امید منقطع نہیں ہوئی وہ تو میرے نانا کے پاس پہونچ گئی۔

بیان تیرھواں (۱۳)

امامت کی تعریف معرفت امام کی ضرورت غدیر خم میں پہچنوانا۔ ہلال بن نافع کا پہچاننا اور شہادت ہلال بن نافع کی۔ اصحاب کا آخری حملہ

قَالَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ فِیْ کِتَابِهِ الْکَرِیْمِ وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور جبکہ ابراہیم کا اس کے رب نے کچھ باتوں میں امتحان لیا انہوں نے ان کو پورا کر دیا۔ خدا نے فرمایا ہم تم کو آدمیوں کا امام بنا دیں گے

معلوم ہوا کہ امامت وہ منصب بزرگ ہے کہ امتحان لینے کے بعد جبکہ حضرت ابراہیم درجہ نبوت و خُلّت

پر فائز ہو چکے تھے، خلعتِ امامت سے سرفراز ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امامت نبوت وخلّت سے بھی افوق درجہ ہے جس کے لئے وہ سخت امتحان لیا گیا جو پہلے نہیں لیا گیا تھا۔ اور امتحان کے بعد درجہ میں ترقی ونمو لازمی ہے نہ کہ تنزلی! اب یہاں منصب امامت کی شان نبوت سے بلند نظر آتی ہے۔ نگاہیں دھوکا کھاتی ہیں اور دل قابو سے نکلا جاتا ہے، زبان کو لکنت ہوتی ہے، نبی سے بالاتر کہوں یا کیا سمجھوں!

لغت کو دیکھا، تسکین نہیں ہوئی۔ اصطلاح حدیث کی طرف رجوع کی تو جواب ملا اَلْاِمَامُ هُوَ الْاِنْسَانُ الَّذِیْ لَهُ الرِّیَاسَةُ الْعَامَّةُ فِیْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا بِالْاَصَالَةِ فِیْ دَارِ التَّکْلِیْفِ امام وہ انسان ہے جس کو ریاست عامہ امور دین و دنیا کی اصلاح کے لئے بالاصالت دار تکلیف میں حاصل ہو۔ اس تعریف سے اتنا سمجھ میں آیا کہ امامت وہ لباس ہے جو خدا کے مخصوص بندوں کے لئے قطع کیا گیا۔ انبیا میں سے ہو یا اخیار میں سے جس کو خدا ریاستِ عامہ پر فائز کرے وہ امام ہے۔ لیکن اس اصول میں دو قسمیں قائم ہوتی ہیں، ایک وہ جو نبوت پر فائز ہو۔ اور دوسری قسم وہ جو اوصیائے انبیا سے ہو اور اس کو ریاست عامہ عطا ہوئی ہو۔ پہلی قسم میں صفوفِ انبیا سے خدا نے چھ ذاتوں کو درجہ امامت پر فائز کیا۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسٰیؑ۔ عیسٰیؑ۔ اور ہمارے رسول پیغمبر آخر الزماں صلعم۔ دوسری قسم بھی دو قسموں پر تقسیم ہوئی۔ ایک وہ جو خود نبی ہوں اور کسی رسول کے وصی بھی ہوں۔ وہ سات بزرگ پائے جاتے ہیں۔ شیثؑ۔ سامؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ ہارونؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ علیہم السلام۔

دوسری قسم وہ ہیں جو نبی نہیں ہیں، مگر شریعتِ رسول کے متبع ہو کر وصی نبی ہیں اور وہ شمار میں سولہ ہیں۔ یوشعؑ۔ آصف بن برخیاؑ۔ طالوتؑ۔ شمعونؑ اور اوصیائے جناب ختمی مآب ہمارے بارہ امام علیہم السلام کہ خود نبی نہ تھے، مگر وصی رسول ہو کر درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ شارع نے ایسے امام کی تعریف

مولف کا خواب۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو میں نے ایک عجیب خواب دیکھا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اپنے برادر عزیز سید ابو محمد مرحوم داماد حضرت شمس العلماء ناصر الملت مرحوم کی فرمائش سے ان کے پڑھنے کے لئے چند مسودات لکھے۔ وہب کلبی کا حال مجھ کو ملا تھا موافق روایات ناسخ وغیرہ ۳۰ دشمنوں کا قتل کرنا مسودہ میں تحریر کیا۔ مسودہ اپنے پلنگ کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر رکھ کر میں سو گیا۔ شب کو خواب میں دیکھا میرے پیش نظر ایک مقتل ہے اور فوج کثیر چاروں طرف پڑی ہوئی ہے۔ ہزارہا کشتے لوٹ رہے ہیں، ایک جسم جس کے نہ سر ہے نہ ہاتھ ہیں، مگر میدان میں کھڑا ہوا مجھ کو پکار رہا ہے۔ میں خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے قریب گیا۔ اس جسم کی گردن سے آواز آئی، تم نے ۳۰ مقتول اپنی کتاب میں غلط لکھے ہیں۔ میں نے چوبیس دشمنانِ امام میں سے قتل کئے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ جسم زمین پر گر پڑا۔ میں رونے لگا اور اسی حالتِ گریہ میں میری آنکھ کھل گئی۔ آنسوؤں سے تکیہ تر تھا۔ میز پر جو دیکھتا ہوں دوات الٹی پڑی ہے۔ اور عدد تیس کا بالخصوص وہ مقام بالکل محو ہو گیا ہے جہاں سہواً وہب تحریر کیا تھا۔ میں نے اسی کے حاشیہ پر یہ خواب نقل کر دیا اور مسودہ برادر مکرم مرحوم کو دے دیا۔ واللہ اعلم بالصواب (ابو البیان سلیم)

اس طرح کی ہے۔ اَلْاِمَامُ مُتَّبِعٌ لِلنَّبِیِّ فِیْ کُلِّ اَحْوَالِہٖ امام ہر حال میں اپنے نبی کا تابع رہے گا یعنی اس کو کسی حکم شریعت میں اختیار نہیں کہ حلال کو حرام کر دے اور حرام کو حلال کر دے۔ کہیں پر اضافہ کر دے کہیں پر کم کر دے۔ لہ

بہرحال یہ تو واضح ہو گیا کہ امامت کا درجہ وہ درجہ ہے کہ ہر نبی کو نہیں عطا ہوا۔ اگر وہ انبیا میں ہی چند ذاتیں منتخب کی گئیں۔ لیکن ہمارے ائمہ اثنا عشری کو امامت کا وہ درجہ عطا ہوا کہ سوائے امام الرحمۃ نبی الامۃ حضرت ختمی مرتبت کے ہر نبی کی شان پست نظر آتی ہے۔

عبداللہ ابن مسعود سے پوچھیے وہ پیغمبر آخر الزماں سے سنکر نقل کرتے ہیں۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ مَنْ اَبٰی فَقَدْ کَفَرَ۔ فرمایا جناب رسالت مآب صلعم نے کہ علی تمام انسانوں سے بہترین۔ جس نے انکار کیا اس سے وہ کافر ہے۔ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا اس رسول کا قول ہے جو وحی کے اشاروں پر منہ سے بات نکالتا تھا۔ اب جو انکار کرکے رسول سے کفر کا خطاب حاصل کرے۔ خدا کے رسول نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ ابو البشر ہوں کہ نوح نجی اللہ خلیل اللہ ہوں کہ موسیٰ کلیم اللہ یا عیسےٰ مسیح ہوں۔ اس حدیث میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ سوائے جناب رسالتمآب جو قائل اس حدیث کے ہیں ہر ایک پر افضلیت امام اول وصی اکمل امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی ثابت ہے۔ صلوٰۃ۔

ان کی امامت وہ امامت ہے کہ نبوت نے ان کی بیعت کی۔ جناب خضر سا پیغمبر ید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آئے۔ یہ ابتدا تھی اور انتہا اس کی یہ قرار پائی کہ امام آخر الزماں مقتدیٰ ہوں گے اور عیسیٰ مسیح مقتدی ہوں گے۔ نبوت امامت کے پیچھے نظر آئے گی اب یہ رسول سے پوچھ لیجیے کہ امامت پر اعتقاد کس قدر ضروری ہے۔ مسلمہ فریقین حدیث ہے جس کو تیرہ سو برس کے جمعیت علمائے سواد اعظم کے رکن جناب مولانا ابو الکلام آزاد نے متواتر تسلیم کیا ہے۔ فرمایا جناب رسالتمآب نے مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاہِلِیَّۃً۔ جو شخص مر جائے اور امام زمانہ کو نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

لہ متعہ کو حرام کیا۔ حج میں طواف النساء کو حرام کیا۔ تراویح ایجاد کی۔ اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کیا۔ بعد رسول یہ سب کس نے کیا۔ تاریخ اس کی شہادت دیگی۔

[illegible]

ہماری نظر میں جاہلیت کی موت معمولی موت ہو مگر پابند وحی رسول نے اس حدیث مختصر میں امامت کی اہمیت کو بھی ظاہر کر دیا۔ اور ضرورت بھی جتلا دی۔ کہ بے امام کے پہچانے ہوئے تم کس نقصان میں پڑو گے۔

دیکھو اصول کافی صفحہ ۳ جلد ۲

جاہلیت۔ اصطلاح میں اس زمانہ کو کہتے ہیں کہ جناب عیسیٰ تا بعثت سرور کائنات دنیا ظاہری حجیت الٰہی سے خالی رہی۔ اس عہد میں امت عیسیٰ اپنے کو انجیل کا تابع اور شریعت عیسیٰ کی پابند ظاہر کرتی تھی۔ یہود جناب موسیٰ اور توریت کے پابند ہونے کے مدعی تھے۔ بعض لوگ ملت جناب ابراہیم کے معتقد تھے۔ مگر درحقیقت نہ احکام انجیل کی کوئی پابندی کرتا تھا نہ توریت و زبور کی۔ صرف زبانی دعویٰ تھا کہ ہم صاحب کتاب ہیں مگر عمل کسی وحی کتاب خدا پر نہ تھا۔ ایسی صورت میں جو مرا وہ یا تو کافر مرا یا فسق کی حالت میں موت آئی۔

جاہلیت کی موت

اسی طرح سے بعد جناب رسالت مآب اپنے امام زمانہ کو نہ پہچاننا اور صرف کتاب خدا پر اعتقاد رکھ کر حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ پر اعتماد رکھنا بیشک ویسی ہی موت ہو گی جیسی زمانہ جاہلیت میں انجیل و زبور ہاتھ میں لے کر اہل کتاب بننے والوں کی موت۔

اسی بنا پر رسول نے اپنی ہر زمانہ کی امت کو ہوشیار کر دیا کہ کتاب خدا کے ساتھ ساتھ امام زمانہ کا دامن نہ چھوٹے ورنہ کفر کی موت مرو گے۔ ہر عہد میں کتاب خدا پر ہدایت کے لئے ایک امام کتاب نازل کرنے والے نے بھیجدیا ہے۔ اس کی معرفت واجب ہے۔

اس حدیث میں کسی زمانہ کی قید نہیں۔ جب تک زمانہ ہے وجود امامت ضروری ہے۔ خواہ غیبت امام ہی پر ایمان رکھنا پڑے۔

دوسرا پہلو۔ اس حدیث میں یہ قابل غور ہے کہ رسول صلعم نے معرفت امام پر اس حدیث میں اتنا زور دیا ہے۔ مگر معرفت الٰہی اور معرفت رسول کا اس میں ذکر تک نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معرفت امام ہی وہ کامل معرفت ہے کہ اس کے ذریعہ سے معرفت خدا و معرفت رسول حاصل ہو جاتی ہے ہمارے ائمہ نے اس مطلب کو واضح کیا ہے۔ کافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک دوست کو تحریر فرماتے ہیں۔ ثُمَّ اِنِّیْ اُخْبِرُكَ اِنَّ الدِّیْنَ هُوَ رَجُلٌ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ هُوَ الْیَقِیْنُ وَهُوَ الْاِیْمَانُ وَهُوَ اِمَامُ اُمَّتِهٖ وَاَهْلِ زَمَانِهٖ فَمَنْ عَرَفَهٗ عَرَفَ اللهَ وَمَنْ اَنْكَرَهٗ اَنْكَرَ اللهَ دِیْنَهٗ۔ اب میں تم کو خبر دیتا ہوں دین اصل میں ایک شخص ہے جس پر یقین اور وہی ایمان ہے اور وہی امام ہے امت اور اہل زمانہ کا جس نے اس کو نہ پہچانا خدا نے اس کے دین کو نہ پہچانا)۔

معرفت امام معرفت خدا ہے

مسائل الشیعہ

قول امام نے قول رسول کی شرح کر دی کہ اصل دین الٰہی معرفت امام ہے۔ اور اس کے منکر فاسق و فاجر۔ جبکہ معرفت امام وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے معرفت خدا و معرفتِ رسول حاصل ہوتی ہے تو خدا پر لازم آیا کہ امام میں ایسی نشانیاں خلق کرے کہ عقل اس کے پہچاننے میں متحیر نہ ہو اور ہر صاحب عقل پہچان لے کہ خدا کا بنایا ہوا امام کون ہے۔ اگر خدا نے اس میں علامات جلی نہیں رکھے ہیں تو انسان سے تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور پھر خدا پر ظلم لازم آتا ہے۔ کہ انسان کو اس امر کا مکلف کیا جو اس کی طاقت و قوت سے مافوق ہے۔ اس لئے خدا نے اس میں ایسے واضح علامات رکھے کہ ہر شخص آسانی کے ساتھ پہچان لے۔

خدا نے لباس عصمت دیکر بھجوایا۔ قدرت کی نشانیاں دیکر بھجوایا۔ رازدار بنا کر بھجوایا۔ ہر شے کا علم دے کر بھجوایا۔ اپنے گھر میں پیدا کر کے بھجوایا۔

رسول خدا کے دیئے ہوئے صفات کو ہر صحبت میں، ہر مجلس میں بیان کر کے بھجوایا۔ صبح کو بھجوایا شام کو بھجوایا۔ دن دوپہر بھجوایا۔ گود میں لے کر بھجوایا۔ زبان چوسا کر بھجوایا۔ کاندھے پر چڑھا کر بھجوایا بستر پر لٹا کر بھجوایا۔ علمدار بنا کر بھجوایا۔ صحرا میں بھجوایا۔ بالائے منبر ہاتھوں پر بلند کر کے بھری محفل میں بھجوایا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ رسول نے بھجوایا نہیں۔

جب بھجوانے کا آخری موقع ملا تو ہر طرح سے بھجوایا۔ ایک ایسے مقام پر جس کی بابت کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ اس خاردار صحرا میں ایسا باغ لگایا جائے گا جس کے پھولوں کی مہک تازگی ایمان بن کر قیامت تک باقی رہے گی امت کو بھجوا دیا۔

مصلحت بھی اور ضرورت بھی کہ خالی الذہن کو شارع عام پر کھلے ہوئے صحرا میں روک کر مخاطب کیا جائے۔ ملک حجاز و عراق کے ہر گوشہ کا کوئی نہ کوئی فرد موجود ہو جس کے سامنے معرفت کا وہ موقع پیش کیا جائے کہ اس مخصوص محفل کی یاد کبھی صفحہ دل سے فراموش نہ ہو۔

خدا کے رسول نے پالان شتر کے منبر پر کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثنا کے بعد اپنے مطلب کی تمہید شروع کی۔ اپنے حقوق اور اہل بیت کے خدمات پیش کیں مجمع سے اقرار لینے کی ضرورت سے خطاب فرمایا۔ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں تم سے پوچھتا ہوں کیا تم مجھکو اپنے نفسوں سے اولیٰ نہیں سمجھتے۔؟

خدا کے رسول نے اسی لب و لہجہ میں امت سے خطاب کیا جن لفظوں میں مسلمانوں سے خدا قرآن

میں خطاب کر چکا تھا۔

پیغمبر مسلمانوں پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ (اور وہ مسلمانوں کے باپ کی جگہ ہیں) اتفق قَالُوا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سب نے کہا بے شک یا رسول اللہ ہماری جانوں سے آپ اولیٰ ہیں۔

جب اقرار کرا لیا اس وقت علی کو اپنے ہاتھوں پر بلند کیا اور انھیں لفظوں میں فرمایا اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ اقرار لینے کے بعد کلام کا مطلب بالکل واضح ہوگیا۔ یعنی تم مجکو جن معنوں میں مولا سمجھتے ہو یا خدا نے قرآن میں مجکو جن معنوں میں مولا کہا ہے بس انھیں معنوں میں علی کو مولا سمجھنا۔ اب جو لوگ لفظ مولا کے معنوں میں اختلاف رکھتے ہیں ان کی اتمام حجت کے لئے خدا نے قرآن میں آیت نازل کر دی۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اس کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب تحت آیت صفحہ ۶۶۸ میں اس طرح فرماتے ہیں (اور وہ مسلمانوں کے باپ کی جگہ ہیں) میں عرض کروں گا رسول نے انھیں لفظوں میں علی کا تعارف کرایا ہے۔ یعنی علی کا حق مومنوں پر جان سے زیادہ ہے اور وہ مسلمانوں کے باپ کی جگہ ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام کو جان سے زیادہ عزیز رکھنا چاہیے اور امام مومنین کے جان و مال کا مالک ہے یہی تو سبب ہے کہ عقائد شیعہ میں بغیر حکم امام جہاد ساقط ہے۔ کیونکہ جہاد میں اتلاف جان ضرور ہے اس کو امام ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ محل جان دینے کا ہے یا نہیں۔ جہاں امام کی مصلحت نہیں ہوتی تقیہ کا حکم دیتا ہے اس کے بعد اگر کوئی اپنی جان اپنی ضد سے دیدے تو جاہلیت کی موت مرا۔ وہ شہید نہیں ہو سکتا۔

بہرصورت عام مجمع میں پہنچوانے کا یہ آخری موقع تھا۔ اس لئے رسول خدا صلعم نے منبر پر اونچا کر کے مجمع کو مخاطب فرمایا۔ پھر اس سے زیادہ اہتمام مقصود ہوا علی کو اپنے ہاتھوں پر اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل نمایاں ہوئی۔ تاکہ مجمع کی نظر ہر مقام سے علی پر پڑے اس کے بعد زبان مبارک سے مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ فرمایا در پردہ اس میں یہ پہلو بھی تھا کہ اب میں تو تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہوں جس طرح اس وقت تمہارے سامنے علی ہیں اور میں پوشیدہ ہوں۔ جب زیر خاک میں پوشیدہ ہو جاؤں ان کو مثل میرے اپنا مولا اور جانشین سمجھنا۔ مشکوٰۃ ؀

پارہ ۲۱ رکوع ۱۶ ترجمہ مولوی نذیر احمد

مشکوٰۃ ۵۵۹

یہ اس حدیث کو حضرات علماء متبحرین اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ اور مولوی عبداللہ امرتسری نے ارجح المطالب ص ۵۵۹ اس کے اسناد تحریر کئے ہیں ۷۰ راویوں کا ذکر کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ اصحاب کا نام لکھا ہے۔ جنہوں نے غدیر میں علی کو مولا بنانے کی تصدیق کی ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب نے ذکر کیا ہے۔ امام اہل سنت ابو جعفر طبری کا رسالہ الولایت ملاحظہ ہو۔ ۷۵ طریقوں سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور متواتر و حسن قرار دیا ہے۔

خدا کے پیغمبر نے اہتمام کیا۔ مگر پھر بھی جاہلیت کی موت مرنے والوں نے نہ پہچانا اور دنیا بھی خراب کی اور عقبیٰ بھی۔ یاد کیجئے۔ جب وہ موقع آیا جس دن کے لیئے رسول پہچنوانے گئے تھے، مولا علی نے منبر پر چڑھ کر قسم دلائی کہ جس شخص نے غدیر خم کے روز آنحضرت صلعم کو "مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ" کی حدیث سنی ہو وہ کھڑا ہو کر مجمع کے سامنے میری تصدیق کرے۔

جنکو خدا کا خوف تھا وہ کھڑے ہو گئے مگر زیر منبر انس بن مالک اور براء بن عازب اور جریر بن عبداللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، جناب امیر نے پے در پے اعادہ فرمایا ان میں سے کسی نے تائید نہ کی آخر حضرت نے درگاہ کبریا میں شکایت کی بار الٰہا! جس شخص نے اس شہادت کو چھپایا ہے باوجود اس کے کہ وہ جانتا ہے خداوندا اس وقت تک نہ باقی رکھ اس کو مگر کوئی علامت ظاہر کر دے کہ وہ اس علامت سے دنیا میں شناخت کیا جائے۔ روایت بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ انس بن مالک اسی وقت ببرص ہو گئے کہ پیشانی پر سفید داغ نمایاں ہوا اور براء بن عازب اندھے ہو گئے اور جریر مجنون ہو گئے۔ غرض تینوں کو دشمنی کا صلہ دنیا میں مل گیا اور علی کے نہ پہچاننے والوں کو خدا نے دنیا میں ہی پہچنوا دیا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی موت جاہلیت کی موت نہ تھی۔

ہر موقع پر ہر زمانے میں امام کے پہچاننے والے کم اور نہ پہچاننے والے زیادہ تعداد میں نظر آئیں گے۔ کربلا میں دیکھیئے امام کے رتبہ شناس تو بھی نہ تھے۔ اور نہ پہچاننے والوں کا کوئی شمار ہی نہیں۔ مگر جس نے پہچانا ایسا ہی پہچانا کہ اپنی جان امام کے سپرد کر دی اور سمجھ لیا کہ یہ ان پر فدا ہونے کے لیئے ہم کو عطا ہوئی ہے ہم اس کے مالک نہیں ہیں۔ مولا نے راستہ ہی سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ میں ملک گیری کے واسطے نہیں چلا ہوں۔ میرے ساتھ وہ آئے جس کو تلواریں کھانا ہوں اپنی جان دینا ہو۔ امام کے معرفت شناس یہ سمجھ کر ساتھ ہوئے کہ ہم مولا پر جان دینے کے لئے چل رہے ہیں۔ اس جوش ولا میں نہ ان کو بھوک تھی نہ پیاس کی تکلیف نہ جسم سے خون بہنے کا رنج، نہ اہل و عیال کی محبت نہ زوجہ کے بیوہ ہونے کا غم نہ زخموں کی پرواہ نہ نیزوں کی انیوں کا اندیشہ۔ سر ہتھیلی پر لئے جان امام کے حوالے کر کے فوج میں در آتے تھے۔

جناب عابس بن شبیب شاکری کا واقعہ یاد کیجئے۔ آفتاب خط نصف النہار کے قریب ہے آتش حرب شعلہ ور ہے، لشکر امام میں چند سر فروش جام شہادت نوش کر چکے ہیں، جناب عابس کو

پہچاننے والے اندھے بھی پہچان

احمد بن یحییٰ بلاذری

جوش ولا پیدا ہوا اپنے غلام شوذب کی طرف دیکھا اور کہا کیا ارادہ ہے؟ وہ بھی وفادار غلام اور امام کا رتبہ دان تھا۔ جواب دیا میری نظر میں تو کچھ نہیں سمایا بجز اس کے کہ جان مولا حسینؑ پر نثار کر دوں! کہا شاباش آ میرے ہمراہ۔ یہ کہہ عابس امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی مولا سلام آخری قبول ہو، یہ کہہ کر تلوار علم کی اور میدان میں پہونچ گئے۔ صدائے ھَلْ مِنْ مُّبَارِزْ بلند کی۔ ربیع بن تمیم نے دیکھا اور آپ کو پہچان کر آواز دی۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ شیر خشمناک شبیب شاکری ہے۔ سمجھ کر لڑنا۔ پہلوانوں کے جسم میں لرزہ پڑ گیا۔ صفیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ عمر سعد نے یہ رنگ دیکھ کر فوج کو آواز دی گھبراؤ نہیں ہر طرف سے گھیر کر حملہ کرو۔ یہ تنہا کیا کر سکتا ہے۔ فوجوں کو ڈھارس ہوئی۔ کمانداز کمانیں کھینچ کر بڑھے۔ لوگ پتھر پھینکنے لگے۔ جناب عابسؓ نے جب یہ دیکھا کہ سپاہ مثل بحر مواج چلی آ رہی ہے، بادۂ شجاعت میں جوش پیدا ہوا۔ امام کی ولا میں ترنگ آئی۔ جسم سے جلد جلد زرہ اتار کر پھینک دی۔ ہاتھوں سے داستانہ جدا کر کے سر سے خود اتار کر ڈال دیا اور قبضۂ شمشیر کو بوسہ دیکر لشکر میں گھس پڑے۔ اور تنہا دو سو نفر سے زائد قتل کئے۔ جسم پر تیر پڑتے تھے، پتھر سے سر مجروح ہو گیا مگر پیر پیچھے نہ ہٹا۔ وسعتِ دنیا ان کے حوصلے کے سامنے تنگ نظر آنے لگی۔ مگر خون کثرت سے بہ گیا ضعف کا اندازہ کر کے جماعتِ کثیر نے مل کر قتل کیا۔ یہ وہ بہادر تھے کہ ہر شخص ان کے قاتل ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ مگر عمر سعد نے کہا عابس کو تنہا کوئی قتل نہیں کر سکتا تھا بلکہ یہ کہو کہ ہم سب نے مل کر مارا۔ اللہ اکبر ایک بھوکے پیاسے بہادر کا یہ رعب یہ جلال کہ فوجوں کے قدم سرک گئے۔ اور تنہا قتل کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ عابس میں کیا تھا؟ صرف معرفت امام کا جوش اور قوتِ روحانیت۔ جو سپاہ باطل پر چھا گئی ورنہ ایک متنفس کا یہ رعب یہ قوت یہ اثر دنیا کے کسی واقعہ میں ڈھونڈھنے سے نہ ملے گا۔ یہ بھی امام کی حقانیت کی ایک نشانی ہے۔

یہ وہ جاں نثار تھے جن کو امام خوب آزما چکے تھے۔ جن کی ذات پر امام کو بھروسہ تھا جن کی وفا پر ناز کرتے تھے۔ فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِّنْ اَصْحَابِیْ میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اصحاب کسی کے نہیں پاتا۔ امام کا قول ہے جس کا حرف حرف صداقت کا لباس پہنے ہوئے یہاں مبالغہ کو دخل نہیں۔ بے شک ایسے ہی تھے ایسے اصحاب کس کو میسر ہوتے ہیں؟ قدر دان سرکار تھے، وفادار اصحاب۔ جب حضرت نے آزمایا پورے اترے۔

زندگی کی آخری شب اور آزمائشوں کے خاتمہ کی رات ایکے سنے سے ایک رات کی مہلت ستمگاروں سے ملی ہے۔

میں یہ عرض کروں گا کہ امام نے ایک رات کی مہلت کس لئے مانگی۔ آیا ایک روز اور دہ اس دنیائے فانی میں زندہ رہنا چاہتے تھے؟ نہیں ایسا نہیں تھا بلکہ حضرت نے ایک رات کی مہلت مانگنے کے الفاظ میں ہدایت دی تھی کہ خوب سوچ لو غور کرلو ایک معصوم کے خون میں ہاتھ رنگین نہ کرو۔ دوسرے جو لوگ اب تک ان کے ساتھ تھے ان کی تعداد کثیر تھی ان کو رات کی تاریکی میں حضرت رخصت کردینا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت نے رات کو سب کو صورتِ حال سے مطلع کردیا کہ کل کیا ہوگا لوگوں کو واپس جانے کی اجازت دیدی بہت سے لوگ چلے گئے لیکن جو نہیں گئے وہ وہ تھے کہ پہاڑ جنبش کرجائے لیکن رفاقتِ امام میں ان کے قدم جنبش نہ کریں۔ اللہ! کسقدر عدل امام تھا کسی کو دھوکے میں قتل کرادینا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف رات کا موقع غور کرنے کا بھی مل گیا۔ حُر ایسا جری ۹ محرم کی شام تک فوج یزید میں امام کے مدمقابل تھا لیکن امام نے رات کی مہلت جو دی تو شب میں غور کرکے اپنے کئے پر نادم ہوا اور حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اس طرح امام نے ایک دوزخ میں جانے والے کو آزاد کردیا۔

بہرحال اہلبیت کے لئے قیامت کی رات ہے اور انصار کے لئے شب امتحان۔ حضرت نے اپنی اولاد و اعزا اور اصحاب کو جمع کیا اور بعد حمد و نعت اپنے اہلبیت اور انصار کی تعریف فرمائی پھر ارشاد ہوا مجھکو اسوقت تک فوج مخالف سے یہ امید تھی کہ طریق اطاعت اختیار کریں گے لیکن اب مجھکو ان کے انداز دگرگوں نظر آتے ہیں اس لئے میں تم سے عہد و پیمان اٹھائے لیتا ہوں اور بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تمہارا جس طرف جی چاہے چلے جاؤ۔ تھوڑے عرصہ میں تاریکی شب کے پردے عالم کو سیاہ کردیں گے تم اپنے ناقہ درست کرلو۔ ملک کے مختلف حصوں میں چلے جاؤ۔ یا اپنے گھروں کو واپس جاؤ کیونکہ یہ لوگ جب مجھکو پالیں گے پھر کسی سے تعارض نہ کریں گے۔ یہ سننا تھا کہ وفاداروں کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا اور اپنے درجہ کے موافق عجب خلوص کے لہجہ میں یک زبان ہوکر چیخ اٹھے۔ لَا اَبْقَانَا اللّٰہُ بَعْدَکَ اَبَدًا۔ خدا ہم کو یہ روز بد نہ دکھائے۔ غرض اس ارشاد کے بعد اصحاب میں جوشِ ایمان کی حد نہ تھی گویا بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اصحاب میں پہلے مسلم ابن عوسجہ نے حقِ محبت ادا کیا۔ ان کے بعد زہیر ابن قین بجلی نے اظہارِ خلوص کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ ہلال ابن نافع نے عرض کی۔ مولا یہ آپ

کیا فرماتے ہیں ہم کبھی آپ سے جدا نہیں ہو سکتے جب تک دم میں دم ہے!! حضرت نے فرمایا ہم اہلبیت کی طرف سے خدا تم کو اس کی جزا عطا فرمائے۔

بے شک جیسا ان جانبازوں نے زبان سے کہا تھا۔ کر کے دکھلا دیا خصوصاً ان میں ہلال بن نافع کو کافی جوش ولا میں ایک خاص انداز تھا۔ آپ کی نسبت مقتل ابو مخنف میں بذیل زرقانیہ میں حضرت کے ہمرکاب ہونا تحریر ہے۔ شبِ عاشور بریر ہمدانی کے ہمراہ یہ جاں نثار واقعہ شط فرات میں شریک تھے بغرض امام کی نمایاں خدمتوں میں ان کا نام ہر موقع پر نظر آتا ہے۔ اسی بہادر کی جوشِ محبت کا دفعہ صاحب دمعۂ ساکبہ جناب شیخ مفید سے نقل فرماتے ہیں جب کربلا میں حضور نے نزول اجلال فرمایا اور ہر طرح اتمامِ حجت کر چکے مگر کوئی اثر اعداء دین پر نہ ہوا اور کوفہ سے فوج پر فوج آنا شروع ہوئی یہاں تک کہ میدانِ قتال بھر گیا۔ حضرت شب کی تاریکی میں اپنے خیمہ سے تنہا نکلے۔ ایک ردا سر مبارک سے لپٹی ہوئی تھی، اور ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ ہلال نے دیکھا حضرت شب میں تنہا نکل کھڑے ہوئے اور میدانِ قتال کی طرف رخ ہے۔ فوراً اپنی تلوار لے کر امام کے عقب میں آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ حضرت مقتل کی طرف دیکھ کر حسرت سے فرماتے تھے "اِنِّیْ اِنِّیْ وَاللّٰہِ اِنِّیْ وَاللّٰہِ" پھر ایک مقام پر آہٹ محسوس ہوئی پلٹ کر دیکھا۔ فرمایا کون ہلال۔ ہلال کیا تم ہو؟

ہلال نے عرض کی مولا دشمنوں میں تنہا حضور کو آتے دیکھا اس لئے ساتھ ہو لیا۔ حضرت نے فرمایا دیکھ رہے ہو ایک میرے قتل کے لئے کتنی فوج جمع ہے۔ پھر حضرت کھڑے ہو گئے اور دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ اے ہلال یہ سامنے بالو کے ٹیلے نظر آتے ہیں۔ بس تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم ان پہاڑوں میں چلے جاؤ پھر تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ ہلال حضرت کے قدموں پر گر پڑے اور یہ عرض کی مولا۔ کہاں تک غلاموں کا امتحان لیا جائے گا۔ میری ماں میری سوگ نشین ہو اگر میں آپ کی نصرت نہ کروں۔ مولا کمر میں تلوار لگا کر اور صاحب اسپ ہو کر آپ کی حمایت سے باز آؤں۔ بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت خیمہ کی طرف چلے۔ حضرت خیمۂ اہل حرم میں داخل ہوئے۔ ہلال در خیمہ پر ٹھہر گئے جب حضرت داخل خیمہ حرم اطہر ہوئے۔ بیبیاں تعظیم بجا لائیں۔ شہزادیوں نے مسند بچھائی۔ حضرت بر مسند امامت تشریف فرما ہوئے۔ جناب زینب اور امام حسین میں آہستہ آہستہ باتیں شروع ہوئیں۔ جس کا

خلاصہ یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے صبح کو لڑائی ضرور ہوگی۔ افسوس آپ کی تنہائی اور بے کسی پر۔ اے بھائی میں دیکھ رہی ہوں یہ قوم آپ کو ضرور قتل کرے گی۔ اہل کوفہ آپ سے دیرینہ عداوت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ضرور آپ کا خون عزیز بہائیں گے اور آپ کے ناموس کو بے پردہ کر دیں گے۔ حضرت نے فرمایا بہن صبر کرو۔ بیتابی نہ کرو۔ جناب زینبؑ نے اور بیبیوں نے ایک نعرہ مارا۔ اور کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ کے مانند سرتاج بنی ہاشم اور فرزند رسول کو قتل ہوتے ہوئے دیکھوں اور صبر کروں۔ اے بھیا کیا آپ کو اپنے اصحاب پر بھروسہ ہے؟ آپ ان کی خاصیتوں سے واقف ہیں۔ مجھکو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں یہ لوگ آپ کو اس بلا میں گرفتار دیکھ کر یزید کے حوالہ نہ کریں۔

مطلب یہ تھا کہ جس طرح بابا علی مرتضیٰ کو صفین میں دھوکا دیا اور سروں پر تلواریں کھینچکر جمع ہو گئے آخر بابا کو صلح پر مجبور ہونا پڑا۔ بھائی حسنؑ سے ساباط مدائن میں دغا کی اور قتل کے درپے ہوگئے۔ کہیں آپ سے وہی سلوک نہ کریں۔ حضرت رونے لگے اور فرمایا اے بہن ان میں سے ہر جوان مرد جان دینے کے لئے آمادہ ہے۔ ہلال یہ کلمات پر حسرت وملال سن کر در خیمہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے چلے۔ حبیب ابن مظاہر کا خیمہ سامنے تھا۔ دیکھا حبیب ہاتھ میں تلوار لئے بیٹھے ہیں۔ ہلال نے حبیب کو سلام کیا اور کہا کیا بیٹھے ہو شہزادیوں کو ہم سب پر بھروسہ نہیں ہے یہ کہکر تمام گفتگو جو حضرت سے ہوئی تھی بیان کی۔ حبیب نے کہا افسوس پہلے سے معلوم نہ تھا ورنہ کچھ تدارک کیا جاتا۔ ہلال نے جواب دیا ہاں میں حضرت کو خیمہ میں ایسی حالت میں چھوڑ آیا ہوں کہ عورتیں بکمال اضطراب و انتشار میں حضرت کو گھیرے ہوئے ہیں۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم سب جمع ہو کر ان مخدرات سرا پردۂ عصمت کی خدمت میں چلیں اور سب کو مطمئن کر دیں اور کثرت لشکر کے رعب کو برطرف کر دیں۔ حبیب یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور اصحاب کو آواز دینے لگے اے مسلم ابن عوسجہ۔ اے زہیر اے بریر، اور اے عابس ہمارے پاس آؤ۔ کیا اپنے خیموں میں بیٹھے ہو۔ پہلے بنی ہاشم یہ سمجھ کر کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ تلواریں لے کر آئے۔ حبیب نے کہا آپ لوگ اپنے خیموں میں آرام کیجئے۔ آپ سے اس وقت کوئی غرض متعلق نہیں ہے۔ حبیب کا مقصود یہ تھا کہ آپ تو عزیز قریب ہیں، آپ سے بے اعتباری ہے۔ ہم اغیار ہیں شہزادیوں کو ہماری وفاداری پر بھروسہ نہیں۔ بہر حال جب بنی ہاشم پلٹ گئے۔ حبیب نے سب انصار کو جمع کیا اور کہا ہلال نے مجھکو خبر دی ہے کہ دختران امیر المومنینؑ

اور خواہران امام کو ہم سب پر بھروسہ نہیں اور ہماری طرف سے وہ غیر مطمئن ہیں۔ اور اپنی تنہائی اور بے کسی پر مضطرب و پریشان ہیں۔

بھائیو! چل کر اپنی شہزادیوں کو مطمئن کر دو۔ یہ سننا تھا کہ اصحاب نے جوش ولا میں تلوار کیا کھینچ لیں اور عمامے سروں سے پھینک دیئے اور کہا خدا کا بڑا احسان ہے کہ ہم آج نصرت کے لئے یہاں جمع ہیں تاکہ دشمنوں کو ہم ان کے مقابلہ سے ہٹا دیں اور فرزند رسولؐ اور ذریت پیغمبرؐ کی حمایت میں کوتاہی نہ کریں یہ سنکر حبیب نے کہا بھائیو! اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو میرے ساتھ چلو۔ یہ سن کر اسی شان سے تلواریں کاندھوں پر رکھے ہوئے در خیمہ پر حاضر ہوئے۔ اور قریب طناب خیمہ صف باندھ کر باآواز بلند پکارے۔ اے اہلبیت اور اے ہماری آقا زادیو! یہ تلواریں آپکے خادموں کی ان لوگوں کی گردنوں کے لئے حاضر ہیں جو آپ سے دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ نیزے اور سنانیں آپکے غلاموں کی آپ کے معاندین کے سینہ میں در آنے کے لئے موجود ہیں یہ سن کر امام مظلوم نے آواز دی اُخرجُوْایَا اَھْلَ اللہِ عَلَی اَنْفَا طِیِّبَات اے پاکیزہ حمایت کرنے والو۔ آل فاطمہ کی حمایت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ روز قیامت ہمارے جد بزرگوار رسول خدا صلعم سے ایسی حالت میں ملاقات کرو کہ تم کو ندامت حاصل ہو۔ یہ سن کر اصحاب میں جوش وفا کی ایک لہر دوڑ گئی سب چیخ اٹھے جس سے صحرائے کربلا گونج اٹھا اور ایک دوسرے سے کہنے لگا دیکھو بھائیو ایسا وقت نہ آنے پائے جس سے ہم کو روز قیامت اپنے رسول سے شرمندہ ہونا پڑے۔

اہلبیت اور حضرت نے فرمایا خدا تم کو اس محبت کی جزائے خیر دے۔ جاؤ اپنے اپنے مقام پر آرام کرو۔

دوستان حسینؑ انصار وفادار نے جیسا وعدہ کیا تھا۔ کر کے دکھلا دیا۔ اپنے جیتے جی فوج اعداء کو خیمۂ ناموس تک آنے نہ دیا۔ مگر بعد ظہر جب حبیب ابن مظاہر بھی شہید ہو گئے اور انصار کی تھوڑی تعداد باقی رہ گئی۔ عمر ابن سعد نے شبث ابن ربعی سے کہا یہ بنی ہاشم ہیں ایک ایک کر کے ہمیں لڑیں گے مناسب یہ ہے کہ تو پیادہ و سوار کے دستے لے کر چہار جانب سے حملہ کر دے اور تیر انداز دفعۃً تیر باراں کریں۔ شبث ابن ربعی نے کہا قسم بخدا یہ بزدلانہ فعل مجھ سے نہ ہو گا۔ آخر ابن سعد نے حصین بن نمیر کو پیادہ و سوار کی فوج دے کر مامور کیا کہ خیمۂ امام پر دفعۃً حملہ کرے۔ اس کے

علاوہ پانچسو تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ہر طرف سے تیروں کی بارش کر دیں۔ یہ حکم پاتے ہی گھوڑوں کی باگیں اٹھ گئیں۔ فوج پس فوج مثل سیل آب جنبش میں آئی۔ یہاں سپاہ امام میں اب صرف چند اصحاب اور بنی ہاشم کے چند نفوس ہیں۔ حضرت نے جب فوج کا رخ اپنی طرف دیکھا اپنی مختصر سپاہ کو کچھ ایسے دردناک الفاظ میں نصرت پر آمادہ کیا کہ بیبیاں بے تاب ہو کر سب در خیمہ پر جمع ہو گئیں اور سمجھیں کہ وقت مصیبت قریب آ گیا۔ اہل حرم نے اصحاب کو آواز دی یَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ یَاعُصْبَۃَ الْمُؤْمِنِیْنَ حَامُوْا عَنْ دِیْنِ اللّٰہِ وَذُبُّوْا عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَعَنْ اِمَامِکُمْ اِبْنِ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ۔ اے جماعت مسلمین اور اے یا مردان مومنین حمایت کرو دین خدا کی اور دشمنوں کو حرم رسول سے دفع کرو اور اپنے امام سے کہ تمہارے رسول کی بیٹی کا پارۂ جگر ہے اعداء کو دور کرو۔ آج کے روز خدا تم سے ہماری محبت کا امتحان لے رہا ہے۔ تم ہمارے اہل جوار ہو۔ تم ہم کو اپنے امان میں لے چکے ہو۔ ہمارے جد تم کو پناہ میں لیں گے۔ اے جوانان اہل ولا تم سے ہم کو یہی امید ہے کہ ہمارے دشمنوں کو ہم تک نہ آنے دو گے۔ شہزادیوں کا یہ کلام حسرت سننا تھا کہ اصحاب چیخیں مار کر رونے لگے اور جواب دیا اَنْفُسُنَا دُوْنَ اَنْفُسِکُمْ وَدِمَاءُنَا دُوْنَ دِمَائِکُمْ وَاَرْوَاحُنَا لَکُمُ الْفِدَاءُ وَاللّٰہِ لَا یَصِلُ اِلَیْکُمْ اَحَدٌ بِمَکْرُوْہٍ وَفِیْنَا الْحَیٰوۃُ۔ اے اہلبیت رسول خدا ہماری جانیں آپ پر نثار ہوں اور ہمارا خون آپ کے خون پر تصدق ہو، ہماری روحیں آپ کی ارواح طیبہ پر فدا ہوں۔ قسم خدا کی ہمارے جیتے جی آپ تک کوئی دشمن نہیں پہونچ سکتا۔ آپ یقین کریں کہ ہم نے اپنی جانیں آپ کے لئے ہبہ کر دی ہیں۔ جب تک فنا نہ ہو جائیں گے اور جسم وجان تیغ وسنان ونیزہ وتیر کے لئے وقف کر دیئے ہیں کہ یہاں تک حمایت میں کوشش کریں کہ شربت مرگ نوش کریں۔ آج کے روز فلاح اسی کے لئے ہے جو آپ کے لئے سر دے۔ یہ کلمات کہہ جاں نثاروں نے کہنیوں تک آستینیں الٹ لیں نیزے سیدھے کر لئے اور زانو ٹیک کر صحن خیمہ میں جم گئے۔ پھر دشمنوں کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ سکیں۔ افسوس اسوقت تو جماعت قلیل نے ظلم کے سمندر کو روک لیا مگر بعد عصر

نہ لشکر ہے، نہ سپاہ ہے، نہ کثرت انصار ہے
نہ قاسم ہے، نہ علی اکبر ہے نہ عباس ہے

نہ زہیر قین ہیں نہ ہلال ابن نافع کہ شہزادیوں کو نامحرموں سے بچا لیں۔ خیموں میں اشقیا بیباکانہ

داخل ہو رہے ہیں اور کوئی اتنا کہنے والا نہیں کہ اس دروازہ پر ملک بے اذن نہیں داخل ہوتے تھے۔

بیان چودھواں ۱۴

ذریت براہیمؑ کے لئے ابراہیمؑ کی تمنا۔ امامت کے لئے عصمت کی قید۔ ذبیح و خلیلؑ کا امتحان۔ علی اکبرؑ کی جنگ و شہادت

قَالَ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

حاصل ترجمہ یہ ہے اور جبکہ خدا نے کچھ باتوں میں ابراہیم کو آزمایا اس نے ان کو پورا کر دیا۔ ارشاد ہوا کہ ہم تم کو آدمیوں کا امام بنانے والے ہیں۔ ابراہیم نے عرض کی اور میری ذریت؟ خدا نے فرمایا ہمارے اس عہدے سے ظلم کرنے والے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام پر ہی موقوف نہیں، انسان کی فطرت اسی کی مقتضی ہے کہ اس کی آرزو کبھی منقطع نہ ہو۔ جب ایک خواہش پوری ہو جاتی ہے پھر دوسری خواہش پیدا ہوتی ہے اسی بنا پر علما کا قول ہے اَلْاِنْسَانُ حَرِيْصٌ آدمی حریص ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ تجربہ کر لیجئے۔ اپنے نفس پر آزما لیجئے اس سے خالی نہ پایئے گا۔ دنیائے عیش میں ہر ایک کو خواہش میں مبتلا پایئے گا۔

انسان کو حرارت آفتاب اور گرم سرد ہوا سے بچنے کے لئے ایک جھونپڑی کافی ہے مگر اس کے ساتھ خواہشوں میں کتنی وسعت ہوتی جاتی ہے۔ جب مکان بن کر تیار ہوا تو ہوس ہوتی ہے کہ صحن وسیع ہو اور بالاخانہ بھی ہو نشست کے لئے علیحدہ مکان ہو سونے کے لئے آرام دہ کمرہ علیحدہ ہو جب ایک منزل بن کر تیار ہوئی ہوا و ہوس نے اور ترقی کی۔ اب زمین پر ٹھکانا نہ ملا تو عالم بالا پر عروج کیا۔ منزلیں بننا شروع ہوئیں ساٹھ ساٹھ منزل تک بعض ملکوں میں عمارتیں پہونچ گئیں۔

اب آرائش کی طرف خیال ہوا تو اس کی وہ طولانی فہرست ہے جس کا سلسلہ موت ہی قطع کر سکتی ہے۔ پھر بھی مرتے وقت تمنا رہ گئی کہ فلاں چیز باقی رہ گئی۔ یہ تو عیش پسند طبقوں کا انداز اور صاحبان ثروت کی افتاد طبیعت ہے۔

منزل عبادت میں دیکھئے۔ یہاں بھی فطرت اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ اگر عبادت کی طرف رجحان ہو گیا تو

اس میں سیری نہیں ہوتی۔ وظائف کا سلسلہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ تعقیبات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ عیال کے نفقہ کی فکر نہیں۔ جو واجب ہے۔ مگر ہوس ہے کہ آخرت کے جتنے درجات ہیں سب ہم کو مل جائیں۔ جنت میں بھی سب سے بلند ہمارا پایہ ہو۔ بہرحال میں یہ نہیں عرض کرتا کہ معاذاللہ یہ اشغال بے سود میں معیوب ہیں۔ خدا ہمکو اور آپ کو توفیق دے۔ زندگی کی ہر گھڑی وظائف و استغفار میں بسر ہو مگر شریعت اسلام نے ہر چیز کی حد مقرر کی ہے۔ لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اگر واجبات ترک ہوئے ذوی الفروض کے حقوق تلف ہوئے تو یہ سب بے کار ہے۔ جب انسان کسی حد تک ایسے عروج پر پہونچ جاتا ہے جس کو ترقی کا آخری زینہ سمجھتا ہے تو پھر اقتضائے فطرت اس طرف مائل کرتی ہے کہ ہماری اولاد کو بھی یہی عروج حاصل ہو۔

یہاں بھی جناب ابراہیمؑ کو فطرت کا تقاضہ تھا کہ عبدیت سے درجہ رسالت تک ترقی ہوئی۔ اس کے بعد مرتبہ خلت پر فائز ہوئے اس سے زیادہ یہ عروج ہوا کہ عہدۂ امامت کا خدا نے وعدہ کیا۔ بس حد ہو گئی اب کوئی درجہ باقی نہیں رہا اولاد کی یاد دل میں پیدا ہوئی۔ تمنا کی اور میری ذریت وہاں جوش عطا کا انداز بدل گیا۔ ایک بہتے ہوئے دریا کا رخ پھر گیا۔ خطاب ہوا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ابراہیم ہمارے اس وعدے سے تمہاری ذریت میں جو ظالم ہوں گے اس درجہ پر فائز نہیں ہو سکتے

ان الفاظ سے نفی میں بھی اتنی امید بڑی کہ ذریت میں جو ظالم نہ ہو وہ اس وعدہ سے فائدہ حاصل کریگا مگر ذریت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ذریت سے قرآن کیا مراد لیتا ہے۔ محض اولاد صلبی کو محدود کیا ہے یا اولاد دختری بھی ذریت کی مصداق ہے؟ قرآن سے پوچھئے وہ ذریت کے معنے بتلائے گا ارشاد الٰہی ہے إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ۔ ہم نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آل عمران کو برگزیدہ کیا اور ان میں بعض بعض کی اولاد ہیں۔ آدمؑ و نوحؑ کو بالذات بزرگی کا شرف عطا فرمایا۔ اور بذریعہ ابراہیمؑ اور ان کی آل اور آلِ عمران کو برگزیدہ کیا۔ تمام مفسرین نے اور جملہ مورخین نے حضرت مریم بنت عمران کو ذریت جناب ابراہیمؑ میں شمار کیا ہے۔ جو تیس پشت کے بعد پیدا ہوئیں۔ اور ان کے فرزند حضرت عیسیٰؑ کو ذریت ابراہیمؑ و آل عمران تسلیم کیا ہے۔ پھر ہمارے رسول کی بیٹیؑ جس کے درمیان کوئی فصل نہیں اور کوئی حجاب مانع و حائل نہیں کیا اس کی مصداق نہیں کہ اس کی اولاد ذریت رسول سمجھی جائے؟ جو بہ سلسلۂ نسب آل ابراہیمؑ میں بھی داخل ہے۔ اور حقیقی معنوں میں آل عمران بھی ہے۔ دوسرا لطیف اشارہ قرآن میں آل عمران سے ذریت

کے شمار کو واقع کرتا ہے۔ خوب شمار کر کے دیکھ لیجئے۔ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ ہیں چودہ معروف ہو رہا ہے
وہ معصومین کی برگزیدگی کو ذریت ابراہیم ہونے کی حیثیت سے واضح کر دیا۔ یہی ذریت کا مصداق کر
بہرحال خدا نے جناب ابراہیم کی خواہش کو مسترد نہیں کیا۔ دوست کی تلافی خلیل کی استدعا
کیونکر رد ہوتی۔ مگر وہ عالم الغیب تھا جانتا تھا کہ ذریت خلیل میں عبدمناف کی نسل سے دو بیٹے توام
پیدا ہوں گے۔ ایک ہاشم دوسرا عبدشمس۔ نسل عبدمناف سے وہ چودہ ذاتیں ہوں گی جو لباس عصمت
سے آراستہ ہوں گی۔ اور عبدشمس سے بنی امیہ پیدا ہوں گے جو ظلم و ستم کے پیشوا ہوں گے پھر خدا کیونکر
وعدہ کر لیتا کہ ہم تمہاری ذریت میں ہر ایک کو امامت کا درجہ دیں گے اس لئے تخصیص کر دی کہ لَا یَنَالُ
عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ اے ابراہیم جو ظلم کرنے والے ہیں وہ ہمارے اس وعدے سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے
معلوم ہوا کہ ظلم سے جو بری ہو وہ اس وعدے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حکماء نے ظلم کی تعریف
کی ہے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ کسی شے کا بے محل صرف کرنا ظلم کا مصداق ہے۔ ٹوپی سر پہ
پہننے کی چیز ہے اس کا پیر میں پہننا ظلم ہے جوتا پیر میں پہننے کے واسطے بنایا گیا ہے اس کو سر
پر رکھنا ظلم کہا جائے گا۔

اس کلیہ سے غیر امام جس کو خدا نے امامت نہ دی ہو اس کو امام کہنا بھی ظلم کی حد تک
قرار پائے گا۔

اس لئے خدا نے امام کی شناخت بہت سہل بتلا دی جسکو ظلم کرتے دیکھو اس کو امام نہ
سمجھنا۔ اب لازم آیا کہ ظلم کی ضد میں عدل کی صفت جس میں پائی جائے وہ امام ہے۔ اور عدل
کے تحت میں صبر نمایاں صفت ہے۔ پس صبر امام میں لازم آیا۔ اس کو بھی قرآن نے صاف کر دیا۔
وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ یعنی ان میں
میں سے ہم نے امام مقرر کئے جو ہمارے ہی حکم سے ہدایت کرتے ہیں جب کہ ہماری آیات پر
یقین لا کر صبر کرتے ہیں۔

اپنے مقدرات پر راضی اور حکم الٰہی پر راضی ہو کر خاموشی سے اپنی حق تلفی گوارا کر لینا یہی صبر کر
اور امام میں اسی جوہر کی ضرورت ہے۔

لیکن صبر کے اقسام اور درجات ہیں۔ ایک عام صبر ہے کہ مصیبت پڑنے پر بیتابی اور اضطراب

طاری نہ ہو۔ خدا کی مصلحت سمجھ کر شکر کرے یہ عالم صبر ہے جس کو ثبات نفس پر قدرت ہو جائے وہی اس درجہ پر فائز ہو جائے۔ ائمہ و انبیاء پر منحصر نہیں اس درجہ پر اکثر بندگانِ خدا فائز ہوتے ہیں۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں ایک مرتبہ میں مصر سے جا رہا تھا۔ صحرا میں زیر درخت مجکو ایک ایک شخص بلا دست و پاسے مشلول اور بالکل نابینا تھا مگر بڑے خلوص سے مناجات کر رہا تھا اے سید صبر ے اور ہلے والی میرے ترا شکر میں کس طرح بجا لاؤں جو تیرے سزاوار ہو اور تیرے عطا کے لیے کافی ہو۔ کیونکہ تیرا فضل اپنی خلقت پر عام ہے اور مجھ ایسے ناشکرے پر بھی ایسا فضل فرماتا ہے جو شاکرین پر کرتا ہے۔ ذوالنون مصری یہ بات سن کر کانپ گئے۔ اس کے قریب گئے سلام کیا پاس بیٹھ گئے۔ جب وہ مجھ سے باخلاق پیش آیا۔ میں نے کہا بھائی میں تجھ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا اب تو آپ میرے شغلہ میں مخل ہو چکے جو کچھ پوچھنا ہو پوچھیے۔ ذوالنون نے کہا یہ بتلاؤ تم کس نعمت پر شکر کرتے ہو۔ اس نے کہا سبحان اللہ میں اس کا شکر کہاں ادا کر سکتا ہوں۔ اس نے مجکو پیدا کیا اور اس حال میں کہ کچھ کرنے کے لائق نہیں مجھے رزق دیتا ہے اور اس حال پر مجکو رکھا ہے جو اس کی مرضی ہے۔ یہی کیا کم ہے! ذوالنون مصری یہ سن کر متحیر ہو گئے اور دل میں کہا بے شک یہ بڑا شاکر و صابر ہے۔ پھر پوچھا اے بندۂ معبود تیری کوئی حاجت ہے؟ کہا ہاں ایک حاجت درپیش آ گئی ہے کہ میرے ایک لڑکا تھا جو میرے واسطے سامان رزق مہیا کر لاتا تھا آج تیسرا روز ہے وہ آیا نہیں۔ ذوالنون اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میں تلاش کر کے لاتا ہوں ذوالنون کہتے ہیں میں صحرا میں بہت دور نکل گیا۔ دیکھا میں نے ایک مقام پر کچھ استخوان تازہ پڑے ہیں اور گوشت جانوران صحرائی نے کھا لیا ہے۔ یہ دیکھ کر تھوڑی خاک ہٹائی اور وہ ہڈیاں دفن کر کے چلا آیا۔ جب مرد شاکر کے پاس پہونچا خیال ہوا کہ بوڑھے باپ سے فرزند کی خبر موت کیونکر بیان کروں پھر دل میں غور کر کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نابینا سے پوچھا کیوں بھائی کچھ تم کو یونس بن متی کی حالات کی بھی خبر ہے۔ کہا ہاں سبحان اللہ وہ بڑے صابر تھے ان کا مرتبہ پیش خدا عظیم ہے ان کا وصف کہاں کر سکتا ہوں۔ اس تمہید کے بعد ذوالنون نے کہا اے مرد صالح خدا تم فرزند کے غم میں صبر عطا فرمائے درندوں نے اسے کھا لیا جو استخواں مجکو ملے دفن کر آیا۔ مرد نابینا نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ حَسْرَةً مِّنَ الدُّنْیَا وہ ذات لائق شکر ہے جس نے میرے

دل میں غم دنیا کو جگہ دی گئی ہی نہیں۔ یہ کہنے کو کہا مگر دل میں ایک ہوک اٹھی اور منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی اور فوراً زمین پر گر کر ہلاک ہو گیا۔ ذوالنون مصری نے اس کو اس حالت میں دیکھ رو بقبلہ کر دیا اور سرہانے بیٹھ کر تلاوت قرآن کرنے لگے۔ ناگاہ ایک قافلہ کو خدا نے بھیج دیا اور سب نے مل کر اس کو زیر خاک دفن کر دیا۔ یہ صبر کا عام نمونہ تھا۔ مگر امامت کے لیے منزل صبر میں اس سے بڑھ کر سختیاں ہیں۔ امام کے لئے دشوار گزار راستہ ہے ویسا ہی اس کا درجہ بھی بلند ہے۔

امام کو خدا کی طرف سے ظلم کے دفع کرنے کی قوت بھی عطا ہوتی ہے مگر وہ ظلم کی تلخی کو شیریں سمجھ کر برداشت کرتا ہے۔ ہم اور آپ ظلم پر تحمل کرنے میں بے تاب ہو جاتے ہیں۔ منہ سے آہ نکل جاتی ہے۔ دل پر قابو نہیں رہتا۔ امام کو سختیوں میں لذت ملتی ہے۔

خلیل اللہ کو دیکھئے درجہ امامت کے شوق میں کن کن مصائب پر صبر کیا۔ اولاد کا معاملہ کس قدر نازک ہوتا ہے ابھی آپ سن چکے ہیں۔ نابینا مرد شاکر تھا۔ صبر عام پر قدرت رکھتا تھا مگر فرزند کی سنائی جب آئی تو دل پر قابو نہ رہا آہ منہ سے نکل گئی اور روح نے جسم کو مفارقت کی مگر خلیل خدا کو اپنے ہاتھ سے فرزند کو ذبح کرنے میں تامل نہ ہوا۔ آتش نمرود سے بڑھی ہوئی یہ آزمائش تھی۔ امتحان صبر تھا اور چونکہ باپ بیٹے دونوں کو امامت کا منصب دینا منظور تھا۔ دونوں کے صبر کا امتحان لیا۔ قرآن تذکرہ کرتا ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ جب بیٹا باپ کو مدد دینے کے قابل ہوا جناب ابراہیم نے کہا۔ بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں اس میں تمہارا کیا منشا ہے بیٹے نے جواب دیا۔ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ بابا جان جو آپ کو حکم ہے کیجئے خدا نے چاہا تو مجھ کو بھی صبر کرنے والوں میں پائیے گا۔

دونوں کی آزمائش تھی۔ دونوں صبر پر تیار۔ باپ نے بیٹے سے خواب کا ذکر کیا بیٹا تیار ہو گیا۔ تیور پر بل نہیں آئے۔ بسم اللہ مجھ کو بھی میدان امتحان میں صبر میں پورا پائیے گا۔ جناب ابراہیم نے ہاجرہ سے کہا مجھ کو ایک دوست نے بلایا ہے اسمٰعیل بھی میرے ساتھ جائے گا۔ اس کو آراستہ کر دو۔ ماں نے غسل دیا بالوں میں کنگھی کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور وہ قمیص جو آتش نمرود کے وقت جبریل حضرت ابراہیم کو پہنا گئے تھے بیٹے کو پہنا دی۔ جناب ابراہیم نے فرمایا اسمٰعیل ایک

نمونہ شان صبر

رسی اور کارد بھی لیتے چلو راستے سے لکڑیاں بھی کاٹ لائیں۔ غرض اس سامان سے باپ بیٹے کر قتل گاہ کی طرف لے چلے۔ جس کو اب "منا" کہتے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ کے دل میں ہلکی سی تمنا پیدا ہوئی تھی کہ میرا فرزند بچ جائے۔ اسی وجہ سے غالباً اس مقام کا نام منا رکھا گیا۔

خلیل و ذبیح کی ایک شان تھی جس کو دیکھ کر ساکنان عرش حیرت میں تھے۔ دونوں رضائے الٰہی کے جذبات میں صبر کی منزلیں طے کرتے ہوئے چلے۔ خوشنودئ پروردگار کا شوق ہر قدم پر ہمت افزائی کر رہا ہے۔ دل علائق دنیا سے پاک، خدا سے لو لگائے استقلال امامت فطرت پر غالب آ رہا ہے۔ الفت پدری مغلوب نظر آتی ہے۔ خلیل کو رضائے معبود میں رقص بسمل دیکھنے کا شوق۔ ذبیح کو چھری کے نیچے صبر و سکون کی موت حاصل کرنے کا ذوق۔ منزلِ عشق کا راستہ ایک ہے مگر دو جذبے اپنے اپنے مقام پر مقابلہ کر رہے ہیں۔ نہ ہمتِ صبر تھک کر دم لیتی ہے نہ ذبیح ہونے کی آرزو رکنے دیتی ہے۔ قربان گاہ کی مختصر راہ افراط شوق میں طویل ہو گئی۔ جادۂ عشق قدموں سے لپٹا جاتا ہے ذرے نقش پا کے بوسے لیتے ہیں۔ پہاڑ اللہ اللہ کر صبر و استقلال کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ اشجار جھک جھک کر تعظیم بجالاتے ہیں۔ منزل مقصود پر پہونچے آسمانی دریچے کھل گئے حجاب قدس کے پردے اٹھ گئے فرشتوں نے بارگاہ صمدی میں عرض کی اے معبود تیرا خلیل تیرے حضور میں قربانی لے کر حاضر ہوا ہے۔ ہم کو کیا حکم ہوتا ہے۔ ادھر اسمٰعیلؑ عرض کرتے ہیں بابا میرے ہاتھ پیر رسی سے جکڑ دیجئے اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیجئے۔ بعض کہتے ہیں آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے۔ بیٹے کے ہاتھ اور پیر رسی سے کس کر باندھ دیئے۔ تاکہ بیٹا چھری کے نیچے تڑپے نہیں۔ اور میری نظر فرزند کے چہرے پر نہ پڑے۔ بغرض رفع اضطرار کا ہر طرح سے بندوبست کر لیا قربانی کو رو بقبلہ کیا۔ کارد حلق پر رکھی۔ قوت اختیاری نے ہاتھ میں حرکت پیدا کی مگر حکم قضا نے چھری کا رخ پلٹ دیا۔

پھر جناب ابراہیمؑ نے چھری سیدھی کی۔ دفعتہً جبرئیل دنبہ لے کر پہونچ گئے اور اس طرح زیر کارد دنبہ کا حلق رکھ دیا کہ حضرت ابراہیم کو خبر ہی نہیں ہوئی۔ خلیل خدا نے اس مرتبہ پوری قوت سے کام لیا زبان سے کہا بِسْمِ اللّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جبرئیل نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اب جو ہاتھ کو حرکت دی چھری اپنا کام خون کی دھار اچھل کر ہاتھ پر پڑی۔ سمجھے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، آواز آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ بس بس ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچ کر دیا۔ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ بیشک

نیک بندوں کو ہم اس طرح آزما کر بدلہ دیتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ یقیناً یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ آنے والے کے لئے باقی رکھا۔ اب جو حضرت ابراہیم نے دیکھا تو اسمٰعیلؑ سالم ہیں دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ جبرئیل نے بشارت دی۔ اے خلیل خدا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس دنبہ کو اسمٰعیل کا بدل قرار دیا اور اصل قربانی کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھا۔ مطلب یہ تھا کہ یہاں صرف صبر کا امتحان منظور تھا۔ جو اصل قربانی ہے اس کا یہ ایک نمونہ تھا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ اے حبیب! ابراہیم تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

کربلا کی قربانی پر فدا ہونے والوں کے سامنے خلیل کربلا اور ذبیح نینوا کا مرقع پھر گیا ہوگا۔ بیشک یہ قربانی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔

جناب خلیل کا ہی امتحانِ امامت تھا اور یہاں بھی صبر امامت دکھلانا تھا۔ مگر وہ نمونے کی شان تھی اور یہ حقیقت میں کامل آزمائش تھی۔ معاذاللہ آخر والی قربانی کا اُس قربانی سے کیا مقابلہ۔ جس قربانی کو خدا نے ذبح عظیم کہا ہے۔ قدم قدم پر ظلم کا طوفان اور صبر کا امتحان۔ اسی طرح خواب میں بشارت دی جاتی ہے اور صبر کی آزمائش ہوتی ہے

خلیل کربلا قصر بنی مقاتل سے نکلا ہے ابھی قربان گاہ پہونچا نہیں کہ گھوڑے پر کچھ نیند آ گئی۔ اب جو آنکھ کھلی تو فرمایا اناللہ وانا الیہ راجعون تین مرتبہ مکرر یہی کلمہ زبان پر جاری ہوا۔ باپ کے نقش قدم پر چلنے والا بیٹا سایہ کی طرح ساتھ۔ پوچھتے ہیں بابا اے بابا یہ کلمات بے سبب آپ کی زبان پر نہیں جاری ہوئے فرمایا ہاں علی اکبر ایک خواب دیکھا ہے جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ اب موت ہم سے قریب تر ہے۔ شہزادہ نے عرض کی بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں کل جہاں کی بازگشت ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ علی اکبر نے عرض کی جب کہ ہم حق پر ہیں تو پھر موت سے کیا خوف۔ حضرت نے یہ جواب سنکر حسرت سے ذبیح نینوا کو دیکھا اور فرمایا جَزَاكَ اللهُ مِنْ وَالِدٍ خَيْرَ مَا جَزٰى وَلَدًا عَنْ وَالِدِهٖ خدا تم کو وہ جزا عطا فرمائے جو ایک فرزند کو اس کے باپ کی طرف سے سزاوار ہے۔

اس سوال و جواب میں دونوں کی شان جلالت پیدا ہے۔ امام کس وثوق کے ساتھ قسم فرماتے ہیں۔

؎ تفسیر زادات منہج الصادقین اور تمام شیعہ مفسرین ذبح عظیم سے کربلا کی قربانی مراد لیتے ہیں۔ ملاحسین کاشفی تفسیر حسینی میں شیعوں سے اتفاق کرتے ہیں اور متاخرین میں جناب ابوالکلام آزاد الہلال اور البلاغ کے متعدد نمبروں میں بپیرا کامل استدلال پیش کر چکے ہیں کہ ذبح عظیم اور وترکنا فی الآخرین سے کربلا کی قربانی مراد ہے۔

کہ بیٹا ہم حق پر ہیں۔ یہ یقین کا درجہ ہے جو امام ہی کو سزاوار ہے۔ اور بیٹا اس کا جواب دیتا ہے جب ہم حق پر ہیں تو پھر موت سے ڈر نہیں۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ خلیل خدا نے اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کو موت سے خبر دی تھی کہ بیٹا خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ ذبیح نے کہا بسم اللہ ایسا ضرور کیجئے ہم صبر کریں گے۔ یہاں ذبیح نینوا بھی عرض کرتے ہیں بابا جبکہ ہم حق پر ہیں تو موت سے کیا خوف چلئے حق کی راہ میں ہم اپنی جان دیں گے۔ خلیل کعبہ نے خواب دیکھ کر بیٹے کا امتحان لیا۔ خلیل مصطفوی کو بھی عالم رویا میں اشارہ ہوا اور ذبیح کربلا نے اس سے بالاتر قربانی دینے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ جب ہم حق پر ہیں تو موت سے کیا ڈر۔ آلِ رسول کے فدائیو! ذریت نبی میں یہ وہ جوان تھا جس پر خلیل کربلا نے ناز کیا ہے۔ چنانچہ جب شہزادہ علی اکبرؑ رخصت پا کر میدان قتال کی طرف بڑھا ہے تو امام اپنے نانا کی امت کو جھنجوڑنے کے لئے آیہ تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ۔ مصحف ناطق نے قرآن کی تصدیق فرمائی کہ خدا نے جس ذریت طاہرہ کو ذریت خلیل کہا ہے وہ ہم ہیں۔ اور یہ ذریت آل عمران میں مایۂ ناز جوان ہے۔ امام کی ایسی معرفت کس کو حاصل ہو سکتی ہے۔ فرزند کی محبت میں بھی نانا کے عشق کا پہلو ہے۔ باپ کو بیٹا اس وجہ سے زیادہ عزیز ہے کہ ہو بہو پیغمبر خدا کی تصویر ہے۔ خدا کی راہ میں خلیل بن کر ذبیح کو قتل گاہ بھیجا۔ مگر نئی شان سے بھیجا۔ حضرت اسمٰعیل کو جب خلیل لے چلے ہیں ماں نے غسل کرایا لباس پہنایا۔ یہاں باپ کے امکان میں پانی کہاں جو غسل دیا جاتا لباس کیسا کفن بھی میسر نہیں۔ مگر امام نے معبود کو ہدیہ دینے کے لئے نئی طرح سے بیٹے کو آراستہ کیا دو زرہیں پہنائیں۔ شیر خدا کا پٹکا کمر میں باندھا۔ سر پر خود رکھا تلوار حمائل کی اور افراط محبت میں سینہ سے لگا کر رخصت کیا۔ مگر جوش محبت میں قرار نہ ہوا انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کر درگاہ کبریا میں عرض کی۔ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَیْھِمْ غُلَامٌ اَشْبَہُ النَّاسِ خَلْقًا وَّ خُلُقًا وَّ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ وَکُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْھِہٖ۔ خداوند گواہ رہنا کہ تیرے رسولؐ سے رفتار و گفتار خلقت و اخلاق میں مشابہ ترین مردم جو فرزند تھا اب اس کو جماعت سے لڑنے کے لئے بھیجتا ہوں اے مالک جب تیرے نبی کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ کر تسکین دے لیتا تھا۔ اے معبود اس قوم جفا کار سے اپنی برکتیں اٹھا لے۔ اور ان کو پراگندہ کر دے۔ ان کے لئے راہ آسان کو تنگ کر دے ان کے والیوں کو ان سے راضی نہ رکھ کہ انہوں نے تیرے اس بندے کو بلایا کہ مدد کریں اور اب

جو ہیں آیا تو میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ یہ فرما کر حضرت رو دیئے۔ جب سواری شہزادے کی میدان میں پہونچی پھر امام کو جوش محبت ہوا خود آگے بڑھے اور عمر سعد سے خطاب فرمایا:۔ مالک قطع اللہ رحمک ولا بارک اللہ لک فی امرک۔ اے پسر سعد خدا تیرے رحم کو قطع کرے اور دنیا میں تیری کوئی مراد پوری نہ ہو اور تجھکو مبارک نہ ہو تو نے اس قرابت کا جو مجھکو رسول خدا سے ہے کوئی پاس و لحاظ نہ کیا۔ اسے اولاد والوں کا دل محسوس کرے گا کہ حسین ایسے صابر کے دل پر کوئی ایسی چوٹ لگی کہ فراق فرزند میں پسر سعد سے ایسے کلمات کہے۔ شہزادہ علی اکبرؑ میں شباہت رسول امام حسین علیہ السلام کے لئے وہ نعمت تھی کہ حضرت جس قدر ایسے بیٹے پر ناز کرتے بجا تھا۔ اغیار شبیہ رسول سمجھ کر اور حسن و رعنائی دیکھ کر قدر کرتے تھے۔ صاحب محن الابرار شرح بحار الانوار میں معتبر سند سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب علی اکبر شبیہ پیغمبرؐ صف اعدا کے مقابل ہوئے جن لوگوں نے رسول خداؐ کو دیکھا تھا علی اکبر کو دیکھ کر رونے لگے۔ پیغمبر خدا کی تصویر نگاہوں میں پھر گئی بعض لوگ چیخیں مار کر رونے لگے۔ میرا عقیدہ ہے کہ خدا نے امام حسین علیہ السلام کو اتمام حجت کے لئے یہ ایک زندہ دلیل عطا فرمائی تھی کہ اگر واقعی یہ لوگ مسلمان ہیں تو اپنے رسول کی شبیہ دیکھکر ظلم سے باز آئیں گے اور فرزند رسول کو اپنا امام تسلیم کریں گے مگر تصویر رسول کی عزت نہ کرنا اور اس پر ظلم کرنا ثابت کرتا ہے کہ اگر خود رسالت مآب قبر سے نکل کر میدان کربلا میں تشریف لاتے تو حضرت پر بھی اسی طرح تیروں کا مینھ برستا اور نیزوں سے اپنے رسول کو زخمی کرتے۔ یہ تھا اس عہد کا اسلام اور یہ تھی اسوقت کی اسلامیت!

بہر حال شہزادۂ ذیجاہ بڑے کروفر سے وارد میدان ہوا۔ اور اشعار رجز پڑھکر مبارز طلب ہوا۔ بڑے بڑے پہلوان آزمودہ کار مقابلہ میں آئے مگر یادگار حیدر کرار نے داخل جہنم کیا۔ طارق بن کثیر کو مع برادر و پسر کے قتل کیا۔ عمر سعد نے بکر بن غانم شامی کو مقابلہ کے لئے بھیجا مگر شیر بیشۂ شجاعت نور دیدۂ اسد اللہ الغالب نے اس کو بھی آتش جہنم میں پہونچا دیا۔ اس کے بعد تلوار کھینچکر گھوڑا فوج شام پر ڈال دیا۔ اور وہ سخت حملہ کیا کہ ایک سو بیس دشمنوں کو ہلاک کیا اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ مگر دوپہر کی دھوپ اور عرب کی گرم ریت اور پے در پے حملوں نے پیاس بھڑکا دی زرہ جلنے لگی۔ عالم شباب میں کثرت حرارت کا تحمل نہ ہو سکا اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور عرض کی بابا مجھے پیاس نے مار ڈالا ہے۔ سنگینی آہن سے مجھے اب قرار نہیں۔ آیا پانی کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے کہ دشمنوں سے پھر لڑنے کی کچھ قوت پیدا ہو؟

اہل فہم علی اکبر کے اس سوال سے تشنگی کا اندازہ کریں گے۔ کہ آپ کو معلوم تھا کہ خیمہ میں ایک قطرہ پانی کا نہیں ہے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ باپ مختار بحر و بر ساقی کوثر کا فرزند امام زمانہ ہے شاید باعجاز پانی پلانے کا محل ہو اور کوئی تدبیر باعتبار امامت ممکن ہو۔ خود سوال کے الفاظ جناب علی اکبر کے مقصد کو ظاہر کرتے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں کہا اِسْقِنِیْ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ بابا مجھے پانی پلا دیجیے بلکہ عرض کرتے ہیں فَهَلْ اِلٰی شَرْبَةٍ مِنَ الْمَاءِ سَبِیْلٌ یعنی پانی پلانے کی کوئی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ایک استفہامیہ سوال ہے نہ کہ فرمائش۔ مگر امام مظلوم کے لیے یہ سوال بڑا اہم سوال ہے۔ کوئی کسی جوان رعنا کے باپ سے پوچھے کہ جب فرزند کوئی کارنمایاں کرکے آتا ہے اور کوئی فرمائش باپ سے کرتا ہے تو کیا حالت ہوتی ہے خصوصاً جب باپ نادار ہو اور وہ شے اس وقت اس کے امکان سے باہر ہو تو اس سے کیونکر انکار کیا جائے گا۔

نامی پہلوانوں کو مار کر معرکہ فتح کرکے فرزند نوجوان شبیہ رسول کا ایک جام آب کا سوال کرنا خدا کی طرف سے نفس امام کا سخت امتحان تھا!

خلیل خدا سے بڑھ کر امام کو صبر و استقلال سے کام لینا پڑا۔ مگر زبان سے یہ نہیں کہہ سکے کہ پانی نہیں ہے یا اپنے لیے معجز نمائی زیبا نہیں۔ بجائے اس کے انکار سے فرزند کی دل شکنی کریں فرمایا یَا بُنَیَّ هَاتِ لِسَانَكَ بیٹا اپنی زبان میرے منہ میں دیدے۔ شہزادے نے اپنی زبان دہن امام میں دیدی مگر فوراً منہ ہٹا لیا اور عرض کی یَا اَبَتَاهُ اَنْتَ اَشَدُّ عَطَشًا بابا آپ تو بہت پیاسے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کی زبان میری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ امام نے اپنی انگشتری دہن علی اکبر میں دیدی اور کہا اس کو منہ میں رکھ لو اور جا کر جہاد کرو۔ اب دادا کے ہاتھ سے جام سرد پیو گے کہ پھر کبھی پیاسے نہ ہو گے۔ یہ تسکین دہ کلمات سن کر جان میں جان آ گئی اور شہزادہ روانہ میدان ہوا۔ اور وہ معرکہ کیا کہ سپاہ شام میں لاشوں پر لاشیں پٹ گئیں اور اس بھوک اور پیاس میں دو سو پیادہ و سوار لشکر عدو کے قتل کیے۔ جب عمر سعد نے دیکھا کہ شیر بیشہ شجاعت کا مقابلہ نہیں ہو سکتا تو فوج کو حکم دیا کہ ہر طرف سے گھیر کر اس جوان کو مارو۔ چہار جانب سے

لشکر امنڈ آیا تھا۔ ہر طرف سے تلوار، نیزہ پر نیزہ پڑنا شروع ہوا۔ کثرتِ زخم سے شہزادے نے گھوڑے کی گردن میں
باہیں ڈال دیں۔ اسپ وفادار چاہتا تھا کہ اپنے سوار آپ کو نرغۂ اعداء سے نکال لے جائے مگر ہر طرف فوج
مثل سدِ آہن کے درمیان میں حائل تھی۔ کبھی داہنی طرف جاتا تھا اس طرف سے تلواریں پڑتیں، کبھی بائیں
طرف رخ کرتا ادھر سے نیزوں کے وار ہوتے تھے فَقَطَعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا۔ اسپ سے مل کر
شبیہ پیغمبر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تصور رسول کی امت نے خوب قدر کی۔ شہزادہ مجروح ہو کر گھوڑے
سے گرا۔ مظلوم باپ کے پیچھے۔ پیغمبر خدا اور علی مرتضیٰ پہونچ گئے۔ جناب علی اکبرؑ نے آواز دی یا ابتاہ!
هٰذَا جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ سَقَانِيْ بِكَاسِهِ الْاَوْفٰى شَرْبَةً لَا اَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا۔ بابا جلدی آیئے
دیکھئے میرے دادا رسول خدا تشریف لائے ہیں اور مجھ کو وہ جام آب پلایا ہے کہ پھر کبھی تشنگی نہ ہوگی۔
اور اے بابا آپ کو بھی بلا رہے ہیں۔ کہ جلد آؤ جلد آؤ۔ تمہارے واسطے بھی جام آب حاضر ہے۔
عاشقانِ حسین! اب نانا کو تاب نہیں۔ پیارے حسینؑ کی پیاس نانا سے نہیں دیکھی جاتی تو آپ
کو جنت میں بلا رہے ہیں کہ میری امت تم کو بہتے ہوئے دریا سے پانی نہیں پلاتی تو میرے پاس جلد
چلے آؤ۔ میں جام لئے موجود ہوں تم کو پیاس کوئی نہ روکے گا۔ سیراب ہو جیو۔
پدر مظلوم کے لئے یہ آواز کس قیامت کی آواز تھی۔ اولاد والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ بوڑھا
باپ فرزند نامراد کی آخری آواز اپنے کانوں سے سن کر کیونکر چلا اور حضرت کس طرح جوان بیٹے کی
لاش پر پہونچے۔ نہ جانے راہ میں کتنی مرتبہ گرے اور کس نے سنبھالا!!
بہر حال گرتے پڑتے لاش پر پہونچے۔ جناب ابراہیمؑ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی کہ فرزند کی
مذبوحی حالت نہ دیکھوں۔ اس سے ذبیح اللہ کے ہاتھ پیر باندھ دیئے تھے کہ تڑپیں نہیں۔
مگر خلیل کربلا نے کن آنکھوں سے دیکھا کہ شبیہ پیغمبر خاک پر تڑپ رہا ہے کبھی عالم احتضار میں
کروٹ بدلتے ہیں کبھی ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، کبھی پیر کھینچ لیتے ہیں۔
مگر خلیل حسینؑ غریب کا کام تھا کہ اتنے عرصے تک انتظار کرتے رہے کہ نہ رہا جسم مجروح سے مقدار
کر سکتے تو ہم یہ غم کا پہاڑ اہل حرم کے لئے لے چلیں۔ لیکن اس انتظار میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ ثانی
زہرا مریم صغریٰ جناب زینبؑ کو تاب نہ آئی اور خیمہ سے بے تابانہ نکل پڑیں۔ امام کی زندگی میں
امر عظیم تھا۔ اور جناب زینب کے لئے حشر کا ہنگام کہ وہ شہزادی جس کا سایہ بھی کسی نامحرم نے نہ

دیکھا ہو وہ بیٹی باپ کی خبر شہادت سن کر گھر سے باہر نکلی ہو آج کفار کے مجمع میں خیمہ سے یوں بر آمد ہوئی! حمید ابن مسلم نے اس حالت میں دیکھ کر دریافت بھی کیا کہ یہ کون معظمہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ عالم کی شہزادی خواہر امام زینب ستم رسیدہ ہیں۔ میرا دل یہ کہتا ہے عجب نہیں امام مظلوم کی مصیبت کا اندازہ کر کے جناب زینب کو یہ خیال ہوا ہو کہ جوان[1] بیٹے کی موت ہے عالم پیری میں کون ضعیف باپ کو سنبھالے گا۔ پیرانہ سالی میں اٹھارہ سال کے کڑیل جوان کی لاش کیونکر اٹھے گی۔ اور دنیا کا دستور بھی یہ ہے کہ کسی قوم کا کسی مذہب کا ہو فرزند جوان کی میت پر باپ جانے نہیں پاتا۔ لوگ اس کو تسکین و تشفی دے کر تھام لیتے ہیں۔

اب مردوں میں کون باقی ہے جو حضرت کو سنبھالے۔ نہ سالقہ کے کھیلے حبیب ابن مظاہر ہیں نہ عباس دلاور حسینؑ یکہ و تنہا گرتے پڑتے جوان بیٹے کے لاشے پر گئے ہیں۔ کہیں اقتضائے بشریت سے حضرت کو غش نہ آگیا ہو!

بھائی کو تنہا جاتے دیکھ کر بہن کو تاب نہ آئی اور یا ثَمَرَةَ فُؤَادِی یَا قُرَّةَ عَیْنِی اے میوۂ دل اور اے آنکھوں کے تارے پکارتی ہوئی لاش علی اکبرؑ پر پہونچ گئیں۔ امام نے بہن کو جب اس عالم میں دیکھا فرزند کا غم بھول گئے اور ہاتھ پکڑ کر خیمہ میں پہونچا دیا اور فرمایا ابھی تو اس سے بڑھ کر مصیبت کا وقت آنے والا ہے اس وقت رو لینا۔ مطلب یہ تھا کہ میری لاش پر جب تم آؤ گی تو پھر تم کو کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔ جتنا دل چاہے رو لینا۔ یہ فرما کر بین کر

---

[1] حالات جناب علی اکبر میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں۔ ایک تو آپ کی شہادت کب واقع ہوئی۔ زیارت ناحیہ کا فقرہ السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر۔ اس امر کا مقتضی ہے کہ آپ اول شہید ہیں مگر علماء نے یہ طے کیا ہے کہ اولاد امام حسین میں آپ شہید اول ہیں۔ لیکن شہادت جناب عباس کے وقت روایات معتبرہ اور کتب تاریخ میں آپ کا وجود پایا نہیں جاتا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے ماقبل شہادت کی۔ دوسرے آپ کی مادر گرامی لیلی کا وجود فی الکربلا جیسا کہ کتب مقاتل میں مکتاب ہے مگر آقا محمد باقر خراسانی القائنی کبریت الاحمر فی شرائط المنبر صفحہ ۱۰۰۔ اس کے بالکل خلاف ہیں۔ اور آپ کا انداز تحقیق بالکل ملا حسین نوری سے ملتا جلتا ہے۔ اور انہیں بزرگوار کے شاگرد بھی ہیں۔ آپ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ لیلی مادر علی اکبر در کربلا ہیچ کتاب معتبرے ذکر نہ شدہ و اعتبارے نیست۔ اور اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چوں در ہیچ کتاب مقام از وقائع کربلا و شام ذکرے ازاں ذکرے نیست الخ ص ۱۰۱ نیز کتاب جمیع الابرار ترجمہ بحار میں قابل مصنف نے ترجمہ بلکہ شرح کی ہے۔ اس میں بھی ایک طولانی عبارت سے جناب لیلی کا روز عاشورہ موجود ہونے سے بدلائل کثیرہ انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضرات ذاکرین ان مسائل کو اگر ضرورت سمجھیں۔ تو علمائے کرام سے تحقیق فرما لیں۔

حضرت نے خیمہ میں پہونچا دیا۔

مگر حسین کے ماتم دار درد! بہن کو اس وقت تسکین دیدی مگر بھائی کی لاش پر بھی بہن دل کھول کر رونے نہ پائیں اور اشقیاءنے اس کا موقع نہ دیا کہ بہن بھائی کی لاش پر رو لیتے!

بیان پندرہواں

خلیلؑ و ذبیحؑ کی شرکت بنائے کعبہ میں رسولؐ اور علیؑ کی شرکت اسلام میں، اور مناسبت لوارالحمد عباس، اور حسینؑ کی مواسات

قَالَ اللّٰہُ عَزَّ اِسْمُہٗ وَجَلَّ ثَنَاءُہٗ فِیْ قُرْاٰنِ الْحَمِیْدِ وَکِتَابِہِ الْمَجِیْدِ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یاد کرو جبکہ ابراہیم اسمٰعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ اور عرض کرتے تھے ملے میرے پالنے والے اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سب سے بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ خدا نے یہ ایک مثال قائم کی ہوا اور نمونہ پیش کیا ہے۔ تعلیم کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ معلم کا استاد اپنے شاگرد کو مثال دے کر سمجھائے کہ بہتر مجبوے نہیں۔ زبانی تعلیم کا اثر اس قدر جلد نہیں ہوتا اور نفس اس کو قبول نہیں کرتا۔ جسقدر مشاہدہ کرنے سے عمل میں لانے سے قوتِ حافظہ کو مدد ملتی ہے۔ ہر جتنی پر تعلیم کا اثر اس وقت کامل ہوتا ہے جب کسی شے کا نام بتلانے کے بعد پھر اس کو وہ شے معاینہ کرا دی جائے۔ فطرت جب بچہ میں نطق پیدا کرتی ہے تو پہلے علم کی تعلیم سے آغاز ہوتا ہے اور بچہ اپنے مربی سے پہلے نام سیکھتا ہے۔ ابا۔ اماں۔ چچا۔ ماموں۔ نانا۔ دادا۔ ہر زبان میں ابتدا کلام کی تعلیم اسی طرح ہوتی ہے اور وہ روحانی موقع دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ ماں ہے اور یہ باپ ہے یہ دادا ہے یہ نانا ہے اس کے بعد خارجی اشیا کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ گھوڑا۔ ہاتھی۔ درخت پھول وغیرہ وغیرہ اب اس کی شکل سامنے آنے پر بچہ پہچان لیتا ہے کہ یہ درخت ہے اور اس میں پھول لگے ہیں۔ یہ تعلیم فطرت ہے۔ اور اسی کو دیکھ کر اس عہد کے ماہرین فن نے درسی کتابوں میں نام بتلانے کے بعد تصویر دیدی ہے۔ خالق فطرت نے ابوالبشر علیہ السلام کی تعلیم کا یہی طریقہ ایجاد فرمایا۔ پہلے آدم کو تعلیم دی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا آدم کو ہر چیز کا نام تعلیم کر دیا

اس کے بعد درسگاہ عالم میں اس کی تکمیل ہوئی۔ پہاڑ دیکھ کر آدم گھبرائے اور جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے۔ امین وحی نے کہا ھٰذَا الْجَبَلُ یہ پہاڑ ہے۔ پہلے جبل کا نام معلوم تھا اب وہ شے سامنے آگئی معلوم ہوا اسی کو جبل کہتے ہیں۔ لیکن وہ معلم ہی کا شاگرد جبرئیل تھا جب دنیا میں آیا اس کی تعلیم خدا نے کچھ مرقع اور کچھ نمونے پہلے سے تیار کر دیئے کہ اس کو دنیا میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے انبیاء بھیجے گئے انہوں نے داغ بیل ڈالی اور عمارتیں تیار کیں جب ہر قسم کے نمونے تیار ہو گئے رسول معلم درس دینے کے لئے بھیجا گیا ابتدا ہوئی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور جب طرز عمل بتانے کی ضرورت ہوئی نمونہ دکھا دیا گیا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ تمہارے لئے ہم نے پہلے سے نمونے تیار کر دیئے ہیں۔ ابراہیم تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ معلوم ہوا جناب ابراہیم ہمارے نبی کے لئے مجسم نمونہ تھے۔ ہر حرکت و سکون کا ایک مکمل مرقع تھا جس کو دیکھ کر ختم المرسلین کو طرز عمل کا سبق ملا یہ آیہ بھی وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ اسی نمونے کی کتاب کا ایک ورق ہے بظاہر تعمیر کعبہ کا ذکر ہے مگر اسی نمونے کے اندر اسی عمارت کے نقش و نگار میں خدا نے دکھلا دیا کہ اے رسول جس طرح ہم نے اپنے گھر کی تعمیر میں ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل کو شریک کیا ہے اور دونوں نے مل کر ہمارے گھر کو تکمیل تک پہونچایا ہے اسی طرح ہمارے دین کی عمارت جس پر تم مامور ہو مشترک تعمیر کرو۔ بغیر دو کے یہ عمارت تکمیل کو نہ پہونچے گی۔ اور دیکھو اے رسول کہیں دور کسی سے نہ جاؤ تمہارا شریک وہیم تمہارے کنبہ ہی میں ملے گا۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ یہی سبب تھا کہ جب تک رسول کا ہاتھ بٹانے والا خدمت تبلیغ میں شرکت کرنے والا اس قابل نہ ہوا کہ اس کی خدمتیں مفید ثابت ہوں بعثت کا انتظار کرنا پڑا۔ جس طرح حضرت ابراہیم کو تعمیر خانہ کعبہ کا اسوقت تک حکم نہیں ملا جب تک جناب اسمٰعیل خدمت میں شرکت کرنے کے قابل نہیں ہو گئے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قرآن میں اشارہ موجود ہے یہاں بھی تبلیغ کا سنگ بنیاد نہیں رکھا گیا جب تک علی اس قابل نہیں ہو گئے کہ وہ نصرت کا وعدہ کر کے رسول کا ہاتھ بٹائیں۔ پھر تو کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ علی علیہ السلام کی طرح رسول کے ہر کام میں شریک نہوں سوائے جنگ تبوک کے کہ وہاں صلح ہو گئی۔ ہر غزوہ میں ہر جنگ میں رسول کا ناصر و مددگار دین کا علمبردار اسلام کا سینہ سپر علی ہی نظر آئیں گے۔ اسی جوان کے زیر سایہ اسلام کی ابتدا ہوئی اور اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کی مبارک سند

رسول کو عطا ہوئی۔ گویا علی کی کوششوں کی تکمیل پر خدا نے مہر کر دی۔

چونکہ خدمتیں مشترک تھیں خدا نے اس کا اجر بھی مشترک دیا قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ
فِي الْقُرْبَىٰ عدل الٰہی سے بعید تھا کہ ابتدا سے لے کر تا بہ آنکہ علی دوش بدوش ہر خدمت میں حاضر رہے
اور تمام خاندان اسلام کی نصرت کرتا رہا۔ اجر رسالت میں خدا ان کو کیوں نہ شریک فرماتا۔ اسلام کی
ہر مصیبت کو ٹالنے والا، ہر مہم کو سر کرنے والا، ہر عقیدہ کو کھولنے والا یہی علی تھا۔ شب ہجرت اسی کے خواب علی کی
راحت نے پیغمبر اسلام کی جان بچا کر اسلام کا طالع بیدار کیا۔ بدر میں اسی تیغ زن کے ہاتھ سے نامور کفار
پیوند خاک ہوئے اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اُحد میں اسی صف شکن کی تلوار نے عبدالدار کے علم کو
سرنگوں کر کے ہزیمت خوردہ لڑائی جیت کر اسلام کو سربلند کیا۔ خندق میں بھی جنگ آزما کل ایمان
بن کر کل کفر پر چھا گیا اور ایک ضربت کے صلہ میں عبادت ثقلین کا ثواب لے کر پلٹا۔ حنین میں بھی سر
فروش رسول کے ناقہ کی مہار پکڑ کر میدان سے پھرا اور تنہا قوم ہوازن کو شکست دی۔

اسی قلعہ شکن نے حصن قموص کی چولیں ہلا دیں اور خیبر کے دروازے پر فتح کا جھنڈا اڑا کر دامنِ
اسلام سے فرار کے بدنما داغ دھو دیئے۔

اسی مرد میدان کی ہیبت نے کفار مکہ پر اسلام کو ظفریاب کیا اور فتح مبین حاصل ہوئی اور خدا
کے گھر میں دوش بدوش بت شکنی میں رسول کا شریک رہا۔ بلکہ خدا کے رسول نے بالائے دوش بلند
کر کے یہ جتوا دیا کہ خوب پہچان لو جس گھر کو ابراہیم و اسماعیل نے مل کر بنایا تھا اور دونوں نے مل کر تطہیر
کی تھی وہ علی کی شرکت سے اسلام کے قبضے میں آیا۔ اور علی اسی طرح تبلیغ میں شریک رہے جس
طرح بانیان کعبہ۔

مگر بہت نازک مسئلہ ہے۔ نبی کو علی کا محتاج نہ سمجھئے گا۔ امامت کو جزو نبوت نہ کہہ دیجئے گا۔ ورنہ
نبوت کی شان گھٹ جائے گی غلو لازم آئے گا۔ نائب و منیب میں کوئی فرق ہونا چاہیے۔ اگر امامت
کو جزو نبوت سمجھئے گا تو ہر مرکب اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے اور جزو کے بغیر مرکب ناقص ہو جاتا ہے
اس اصول سے نبوت میں نقص لازم آئے گا اور جب نبوت ناقص قرار پائی تو تصدیق نبوت میں نقص لازم
ہوا۔ لہٰذا ایمان ہی کامل نہیں رہا۔ نبوت حقیقت میں دوسری صفت ہے اور امامت دوسری صفت
ہے نبوت بالذات امامت کی محتاج نہیں مگر کار نبوت میں امامت معین نبوت ہے اور یہی منشاء آیۂ

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ۔ کا ہر بینی اے رسول پہونچادو
جو خدا کی طرف سے تم کو پہونچا ہے۔ اور اگر اس کی تبلیغ نہیں کی تو رسالت کی پوری تبلیغ نہیں
کی۔ اس آیت میں انحصار تبلیغ کا ولایت مولا علی پر ثابت ہے۔ جس کا صاف منشا یہ ہے کہ اگر
تم نے علی کی ولایت کا اظہار نہ کر دیا تو تمہاری تبلیغ اور کار رسالت ناقص ہے۔ اتمام کو نہیں پہونچا
واضح ہو کہ معاذ اللہ نبوت میں نقص نہیں ہے مگر تبلیغ جو ایک فعل ہے نبوت کا وہ ناقص رہ جائے
گا۔ صلوٰۃ۔

اور جب تبلیغ کا وہ اصل جزو عمل میں آ گیا اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
کی سند حاصل ہو گئی جس سے تصدیق ہوا کہ علی کی خدمتوں سے دین کی تکمیل ہوئی۔ بہر حال علی کو رسول
کی تبلیغ میں شرکت کا اجر بھی مشترک ملا۔ دنیا میں بھی ہر کام میں شریک رہے اور خدا نے آخرت
میں ہر چیز میں علی کو رسول کا شریک کیا۔ زید بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم
نے فرمایا یا علی تم جنت میں میرے قصر میں ہوگے اور میری بیٹی فاطمہ صلوٰۃ۔

اس سے بالا تر سنیئے۔ ہماری مجال نہیں کہ ہم وصی کو نبی کے برابر سمجھیں مگر خدا نے جب برابر
حصہ دیا ہم کیوں نہ اس کا ذکر کریں۔ عبداللہ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسالت
مآب نے۔ شب معراج پانچ چیزیں مجکو عطا فرمائیں اور پانچ علی کو ملیں۔ پھر اس کی تفصیل اس
طرح فرمائی۔ مجکو کلمات جامعہ۔ علی کو علوم جامعہ۔ مجکو پیغمبر گردانا اور افضل المرسلین کہا اور علی
کو افضل الاوصیاء۔ مجکو کوثر عطا فرمایا علی کو سلسبیل۔ مجکو وحی۔ علی کو الہام۔ مجکو مقام قاب قوسین
سے مشرف فرمایا گیا اور علی کے واسطے حجب آسمانی اٹھا دیئے کہ بالائے آسمان جہاں میں ان کو دیکھتا
تھا اور وہ فرش سے مجکو دیکھتے تھے۔ صلوٰۃ۔

دنیا و آخرت میں آپ نے علی کی شرکت دیکھی؟ اب ذرا میدان حشر میں ملاحظہ کیجئے۔ ابن عباس
کہتے ہیں حبیب خدا نے اپنے وصی سے ارشاد فرمایا "یا علی روز قیامت لواء الحمد ملے گا اور میں تجھ
کو دوں گا اور تم میرے آگے آگے علم لے کر چلوگے اسی شان سے حوض کوثر تک پہونچوگے"۔

مناقب ابن شہر آشوب میں یہ روایت جابر ابن عبداللہ انصاری سے تفصیل کے ساتھ وارد
ہے۔ حضرت کی صحبت میں بعض اصحاب موجود تھے۔ آپس میں تذکرہ ہوا کہ سب کے پہلے جنت میں

کون داخل ہوگا۔ لوگوں نے رائے زنی کی۔ جابر نے حضرت سے دریافت کیا۔ آنحضرت نے فرمایا
سب کے پہلے علی داخل جنت ہوں گے۔ جابر کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا اے جابر کبھی بادشاہ
کی سواری دیکھی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا اے جابر بادشاہ کے آگے آگے علمدار ہوتا ہے۔ پس میرے
آگے علی اس شان سے ہوں گے کہ لِوَاءُ الْحَمْد علی کے دوش پر ہوگا اور آگے علی ہوں گے اور ان
کے عقب میں اسی کے نشانات قدم پر قدم رکھتا ہوا میں ہوں گا اور میرے ساتھ میرے
اہل بیت اور ان کے پیچھے پیچھے میری امت ہوگی۔ اس طرح داخل جنت ہوں گے صلوٰۃ
دوستان رسول اس کو محبت علی کا جوش نہ سمجھیں غلو نہ کہہ دیں۔ وصی کے نقش قدم پر نبی گامزن
ہونا آپ کو حیرت میں نہ ڈالے۔ یہاں کمال اتحاد یہ ہے کہ نبی وصی کے نقش قدم میں فرق ہی نہیں اس
کے علاوہ دنیا میں ایک رسول کی امت نے بہتر راہیں پیدا کریں۔ رسولؐ کا منشا یہ ہے کہ اب تو
میری امت گمراہ نہ ہو۔ صراط مستقیم کی راہ سے سب داخل جنت ہوں اگر دو نشان قدم علیحدہ علیحدہ
بن گئے تو پھر امت کو دھوکا ہوگا۔ لہذا جنت میں جانے کی ایک راہ ہے۔ صلوٰۃ۔
فرزند رسول نے اسی سواری کی شان دنیا میں دکھلا دی اور امت کے سامنے نانا کی سواری کا نقشہ کھینچ دیا
ہر سال محرم میں آپ دیکھتے ہیں کہ آگے آگے علمدار کا علم اور پیچھے فرزند رسول کے روضہ کی شبیہ
تعزیہ، تابوت، ذوالجناح ہوتا ہے گویا اس دستور کو یاد دلا کر فرزند نبی کا غم ہدایت کرتا ہے کہ رسول
کے علمدار فوج کو رسولؐ سے علیحدہ نہ کرنا۔ ورنہ قیامت میں دھوکا کھاؤ گے! سرور عالم اور علمدار سپاہ
کے اتحاد کی یہ کامل مثال ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ علمدار نے اپنے سردار کے ساتھ وہ رفاقت دکھلائی
کہ تیرہ سو برس گزر گئے مگر آج بھی وہی اتحاد ہے کہ اگر کسی عزادار کو امام حسینؑ کا تعزیہ رکھنے کی توفیق
ہوئی ہو تو عباس کا علم ضرور نصب کرتا ہے۔ گویا علمدار حسینی نے ثابت کر دیا کہ میرے پدر بزرگوار
نے جس طرح رسول خدا صلعم کی شرکت کی ہر خدمت میں۔ میں نے بھی اپنے آقا مظلوم کا ہر مصیبت میں ساتھ
دیا اور کبھی زندگی میں جدا نہ ہوا۔ اس وفا کا یہ ثمرہ ملا کہ ہر عزادار تعزیے کے ساتھ علم کو لازم جانتا ہے۔
حضرت حجت نے زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس مواسات و اتحاد کو یاد دلایا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَی الْعَبَّاسِ ابْنِ
اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُوَاسِیْ اَخَاہُ بِنَفْسِہٖ جو حق مواسات حیدر کرار نے اپنے رسولؐ کے ساتھ ادا کیا۔ اپنے باپ
کے قدم بقدم حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام سے وفاداری اور حق اخوت کو ادا کیا اور

ثابت کر دیا کہ دین کی مہم سر کرنے کے لئے ہر سردار کے ساتھ ایک جاں نثار ہونا چاہئے جس طرح آدم کے ساتھ شیث۔ نوح کے ساتھ سام۔ سلیمان کے ساتھ آصف۔ موسیٰ کے ساتھ ہارون ابراہیم کے ساتھ ہارون ابراہیم کے ساتھ اسمعیل تھے۔ اور پیغمبر ختمی مرتبت کے لئے خدا نے امام حسین کے ساتھ عباس نامدار کو پیدا کیا اور حضرت امیر نے اہتمام خاص کیا۔ اپنے بھائی عقیل سے مشورہ کیا کہ وہ علم نسب کے عالم تھے ان کی تجویز کے بموجب فاطمہ وحیدیہ کلبیہ۔ بنت حزام سے عقد کیا۔ ام البنین کنیت قرار پائی کہ یہ خاندان بعد بنی ہاشم کے شجاعت و شرافت میں اہل عرب کے نزدیک ممتاز خاندان تھا۔ بنی کلاب وہ ممتاز خاندان تھا کہ نبوت کا ظرف قرار پایا حضرت آمنہ مادر حضرت ختمی مرتبت کلابیہ تھیں اور جناب ام البنین اسی قبیلہ اور خاندان کی خاتون تھیں۔ اس حیثیت سے لیا اگر حسنین سے جناب عباس مساوی نہ تھے مگر سردار رسل سے بیشک نسب میں ہم پلہ تھے۔ صلوٰۃ

نبیرہ فاطمی نہیں

بہر حال اس کان شرافت سے بہادر بے بہا سنہ ۲۶ ہجری میں عباس باوفادار پیدا ہوا۔ مورخین نے شان والا شان کی تصویر اس طرح صفحات تاریخ پر کھینچی ہے:۔ كَانَ الْعَبَّاسُ رَجُلًا وَسِيمًا جَمِيلًا يَرْكَبُ الْفَرَسَ الْمُطَهَّمَ وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ وَكَانَ يُقَالُ لَهُ قَمَرُ بَنِي هَاشِمٍ وَكَانَ لِوَاءُ الْحُسَيْنِ مَعَهُ جناب عباس جسامت میں کوہ پیکر۔ جمال میں قمر بنی ہاشم اور جب دو رکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو زمین قدم مبارک کے بوسے لیتی تھی اور آپ علمدار فوج حسینی تھے۔ بَدَنُهُ كَالْجَبَلِ الْعَظِيمِ وَقَلْبُهُ كَالطَّوْدِ الْجَسِيمِ لِأَنَّهُ كَانَ فَارِسًا هُمَامًا وَبَطَلًا ضِرْغَامًا وَكَانَ جَسُورًا عَلَى الطَّعْنِ وَالضَّرْبِ ہنگام حرب ثبات میں کوہ عظیم تھے۔ ہمت میں دل شیر کے مانند تھا۔ شہسوار عالی ہمت شیر صولت اور نیزہ بازی میں چست و چالاک تھے۔

غرض خدا نے آپ کو وہ تمام صفات عطا فرمائے تھے جس کی جناب اسد اللہ کو تمنا تھی۔ فرزندان رسول علیہ ہادی تھے اور یہ وہی رسول کی دعاؤں کا اثر بن کر پیدا ہوئے جس کا باپ اسد کردگار ہو اور جس کی ماں شجاعت و نجابت میں مشہور روزگار ہو کیوں نہ اس کا فرزند ہمت و جرات میں فرد یگانہ اور وفا میں شہرۂ آفاق ہو۔ صلوٰۃ

بچپن میں تعلیم دینی

بچپن وہ بچپن تھا کہ امیر المومنین سمجھتے تھے کہ یہ ہونہار فرزند میری یادگار ہوگا ابھی اچھی طرح سمجھ نہ آئی تھی۔ ایک روز حضرت امیر کے زانو پر آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے بعنوان تعلیم فرمایا

بیٹا کہو۔ وَاحِد جناب عباس نے کہا۔ واحد۔ پھر فرمایا بیٹا کہو اثنین۔ اللہ رے بانکپن۔ کہا بابا جس
زبان سے ایک کہا اب اس زبان سے دو کیونکر کہوں۔ (کبریت احمر)

حضرت نے افراط محبت میں ان لبوں کے بوسے لئے جن لبوں سے یہ صدق و معرفت
میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے تھے۔ اللہ اکبر بات کا اتنا دھنی تو ہو کہ منھ سے جو نکلا وہ نکلا۔ اسی کا تقاضا
تھا کہ جس زبان سے امام حسینؑ کو آقا کہا (علی المشہور) پھر اس زبان سے بھائی نہ کہا۔ بہرحال جس کا بچپن
یہ تھا اس کا شباب کس کمال کا ہوگا

عالم شباب

کبریت احمر

مناقب

(جب آپ حد بلوغ تک پہونچے چودہ پندرہ سال کی عمر تھی) اسیں بیگ رہی تھیں جنگ صفین
میں اپنے پدر عالی قدر کے ہمرکاب تھے۔ رعب ضربت حیدری سے کوئی پہلوان حضرت کے مقابلہ میں نہ
آتا تھا۔ میدان کارزار میں ایک سوار نقاب پوش نیزہ ہلاتا ہوا پہونچا اور شیر کی طرح للکار کر هَلْ مِنْ مُبَارِز
کی صدا بلند کی۔ میدان کارزار گونج اٹھا کسی کو جرات نہ ہوئی کہ مقابلہ میں آئے۔ معاویہ امیر شام
نے ابن شعثا کو منتخب کیا اور جرات دلا کر مقابلہ کرنے کے لے حکم دیا۔ اس نے کہا سبحان اللہ مجھکو لوگ
ایک ہزار پہلوانوں کے برابر تصور کرتے ہیں تو مجھکو اس نقاب پوش سے لڑنے کو بھیجتا ہے۔ میرے
سات فرزند ہیں ان میں سے ایک کو بھیجے دیتا ہوں یہ کہکر اپنے بڑے بیٹے کو اشارہ کیا۔ سوار
نقابدار نے پہلے دشمن کے وار کو روکا اور ایک نیزہ مار کے حریف کو گھوڑے سے گرا کر واصل جہنم کیا
پھر دوسرا لڑنے کو آیا وہ بھی واصل دوزخ ہوا۔ پے درپے سات داغ ہزیمت ابن شعثا کو پہونچے
غصے سے پیل دماں جھومتا ہوا میدان میں آیا۔ فارس میدان شجاعت نقابدار کی رعب و جلالت نے
دشمن کا وار تلوار پر روکا نیزہ قلم ہو کر گرا اور دوسرا ہاتھ سر نابکار پر لگایا کہ فرق نجس دو ہو کر گرا۔ لشکر
میں غل مچ گیا هَذَا عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِب۔ یہ تو علی ہیں دوسرے کے ہاتھ میں یہ صفائی کہاں۔ حضرت
نے جب یہ سنا گھوڑا بڑھا کر تشریف لائے اور سوار نقابدار کو قریب بلایا اور نقاب کو الٹ کر
فرمایا۔ هَذَا قَمَرُ بَنِي هَاشِم۔ مطلب حضرت کا یہ تھا کہ علی تو نہیں مگر علی کا چاند بلکہ قمر بنی ہاشم ہے۔
(عجب نہیں اسی روز سے یہ لقب مشہور ہو گیا ہو) دنیا میں کون اس سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ کربلا میں
اسّی ہزار تک فوج کی تعداد پایۂ اعتبار تک ثابت ہوتی ہے مگر اس دلاور کے رعب کی یہ کیفیت
کہ شمر ذوالجوشن پہلے سے اس فکر میں تھا کہ جناب عباس کو فوج امام سے علیحدہ کرے۔ چنانچہ مورخین

عباس جنگ صفین میں

مقتل جوہر کا

ربط احوال علمدار میدان کربلا

عامہ اور امامیہ نے لکھا ہے کہ نہم کی رات کو جب وقت خواب آگیا شمر ملعون خیمہ امام کے قریب آیا اور پکار کر کہا۔ أَيْنَ بَنِي أُخْتِنَا عَبَّاسُ وَعَبْدُ اللهِ وَجَعْفَرُ وَعُثْمَانُ میری بہن کے بیٹے عباس اور جعفر کہاں ہیں۔ حضرت اپنے خیمہ میں موجود تھے اور جناب عباس بھی وہیں تھے۔ حضرت نے آواز پہچان کر فرمایا بھائی عباس دیکھو تم کو شمر بلا رہا ہے۔ جا کر دیکھو کیا کہتا ہے۔ جب حضرت عباس مع اپنے بھائیوں کے شمر کے پاس گئے تو اس مکار نے کہا۔ سنو تم سب میری بہن ام البنین کے چشم و چراغ ہو۔ میں نے اس پاس قرابت کا لحاظ کر کے تمہارے چار بھائیوں کے لیے امان نامہ ابن زیاد سے حاصل کر لیا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ تم حسین کی رفاقت سے باز آؤ اور میرے ہمراہ چلو۔ یہ سننا تھا کہ شیر کو غصہ آگیا۔ تیور بدل گئے قَالَ يَا عَدُوَّ اللهِ أَتَأْمُرُنَا أَنْ نَتْرُكَ أَخَانَا وَسَيِّدَنَا الْحُسَيْنَ بْنَ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَمَانُ اللهِ خَيْرٌ مِنْ أَمَانِ ابْنِ سُمَيَّةَ۔ اے دشمن خدا اور ہو تو مجھ سے کہتا ہے کہ اپنے آقا اور سید کی رفاقت ترک کر دوں۔ جو فرزند نبی اور نور دیدہ فاطمہ ہے۔ خدا کی امان میرے لئے بہتر ہے اس زنا زادہ کی امان سے یہ کہہ کر اپنے خیمہ میں پلٹ آئے۔

[۱] شمر کی یہ چال تھی کہ پاس قرابت دلا کر حضرت کے لشکر سے قمر بنی ہاشم کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔ اور فوج امام کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال یہ وہ دلاور تھا کہ ہر ایک کو آپ کی ذات سے تقویت تھی اور اہلبیت کو بڑی ڈھارس تھی۔ اصحاب آپ کو جوش جرات دلا کر شیر کو غصہ دلاتے تھے۔ چنانچہ زہیر ابن قین نیزہ لئے ہوئے آپ کے قریب آگئے اور عرض کی۔ يَا ابْنَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكَ بِحَدِيثٍ وَعَيْتُهُ۔ اے فرزند امیر المومنین میں ایک چشم دیدہ حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جناب عباس نے فرمایا ضرور بیان کرو پھر وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ عرض کی اے ابو الفضل آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے بھائی عقیل سے کہا مجھ کو ایک نجیب اور شجاع گھرانے کی عورت درکار ہے جس سے میں عقد کروں تاکہ اس سے خداوند عالم ایسا فرزند عطا فرمائے جو قوت بازو ہو میرے فرزند حسین کا اور حق اخوت ادا کرے۔ یاد رکھئے اے فرزند اسد اللہ اسی دن کے لئے شیر خدا نے آپ کو ذخیرہ کیا ہے دیکھئے کوتاہی نہ ہو۔ یہ سننا تھا کہ شیر کے جسم میں لرزہ پیدا ہوا اور جوش شجاعت میں گھوڑے سے بھر

مضمون امان نامہ شمر ملعون تاریخ التواریخ، روضۃ الشہداء، مقتل کربلا

زہیر شجاعت دلاتے ہیں۔ بحار و ناسخ

---

[۱] شمر آپ کا ماموں نہ تھا۔ یہ ضبابی تھا۔ اور حضرت ام البنین کلابیہ تھیں۔ چونکہ ایک قریہ کے رہنے والے تھے اس وجہ سے بھانجے کا خطاب دیا۔

[۲] زہیر ابن قین والی روایت دوسری طرح سے بھی وارد ہوئی ہے کہ نصف شب حضرت عباس خیمہ حسین کی حفاظت فرما رہے تھے

ایسی انگڑائی لی کہ تسمہ رکاب ٹوٹ گیا۔ فرمایا یَا زُهَیْرُ اَتُشَجِّعُنِیْ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْیَوْمِ وَاللّٰهِ لَاُرِیَنَّكَ شَیْئًا مَا رَاَیْتَهٗ قَطُّ۔ اے زہیر ایسی نازک حالت میں تم مجھکو جرات دلاتے ہو۔ قسم ہے خدا کی دیکھو گے کیسی کارزار کرتا ہوں!

علمدار کی جرات پر نثار ہونے والو! بیشک علمدار فوج حسینی کی یہی شان تھی۔ فوج اعدا کی کیا حقیقت تھی اس دلاور کے سامنے۔ مگر افسوس خود حضرت کو منظور نہ تھا کہ یہ جنگ قوت حیدری سے لڑکر دنیاوی فتح حاصل کی جائے۔ چند مرتبہ علمدار نے رخصت جہاد طلب کی مگر حضرت نے اجازت نہ دی۔

جب قاسم ایسے نونہال پامال ستم اسپاں ہو چکے، بھلے بھائیوں کو حضرت سے اذن جہاد دلاکر اپنے سامنے آقا پر نثار کیا اور عرض کیا اب غلام کو بھی اجازت حرب عطا ہو۔ فرمایا اے بھائی عباس تم میرے علمدار سپاہ ہو۔ میری فوج کی نشانی تمہارے دم سے ہے۔ مقصود کلام یہ تھا کہ تمہارے دم سے سب کو سہارا ہے اور فوج کا نشان قائم ہے تمہارے بعد پھر ہم کہاں۔ جب وفادار بھائی نے بہت اصرار کیا ارشاد ہوا۔ اس فوج ستم پیشہ سے جاکر نصیحت کر کے تھوڑا سا پانی لاؤ۔ دیکھو بچے پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر جاں نثار بھائی تابع حکم امام لشکر اعدا کی طرف روانہ ہوا اور کوئی دقیقہ وعظ و نصیحت کا باقی نہ رہا مگر وہ سنگ دل کسی طرح رحم پر آمادہ نہ ہوئے اور پانی کا قطرہ نہ دیا آخر مجبور امام اپنے تمام جذبات کو ضبط کر کے پھر واپس آیا یہاں بچوں کی امید منقطع ہو گئی بیتابی سے صدائے العطش بلند کی۔ سقائے حرم کو یہ آوازیں سن کر تاب نہ رہی ایک چھوٹی سی مشک اٹھا کر اس قصد سے میدان کی طرف روانہ ہوئے کہ جس طرح ممکن ہو پانی لائیں۔ گھوڑا بڑھا کر فرزند حیدر کرار نے بڑے کروفر سے رجز پڑھا۔ میدان کارزار میں شیر حیدر کرار کو رجز خواں دیکھ کر فوج مثل موج دریا جنبش میں آئی اور گھاٹ پر ہر طرف سے جم گئے۔ علمدار شاہ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور نیزہ کو گردش دیکر شیرانہ حملہ کیا۔ اور پہلے معرکہ میں اسی پیادہ و سوار قتل کئے۔ مارد بن صدیف سا پہلوان مقابلہ میں آیا مگر اسی کے نیزے سے اسکو مار کر اسپ طاہر یہ غلام سے چھین کر مظفر و منصور امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا۔ بھائی یہ وہی گھوڑا ہے جو تمہارے بھائی حسن مجتبےٰ کی سواری میں تھا اور مدائن میں اعدا لوٹ میں لے گئے تھے۔

شمر ملعون نے اشارہ کیا سنان ابن انس اور خولی اپنا اپنا رسالہ لے کر آگے بڑھے اور حملہ کا قصد کیا۔ حضرت عباس نے عرض کی مولا ہر جائیے۔ فوج کا رخ اسی جانب ہے یہ کہہ کر پھر گھوڑے کی باگ موڑ دی اور اس مرتبہ وہ شدید جنگ کی اور ایسا سخت حملہ کیا کہ چار سو پچاس دشمنوں کو قتل کیا۔ لاشوں پر لاشیں ڈھیر ہوگئیں خون کی ندیاں بہ گئیں۔

علیہ کا دوسرا حملہ بیتہ المنتہیٰ

اب کسی کی مجال نہ تھی کہ میدان میں قدم جما سکے۔ سپاہ یزید دور تک فرار کر گئی۔ گھاٹ کا راستہ صاف ہوگیا۔ علی کے شیر کو ترائی نظر آنے لگی۔ گھوڑا اسی طرف بڑھا۔ علمدار حسینی کی اس قدر ہیبت چھائی تھی کہ سرداران سپاہ اپنی فوجیں لئے ہوئے دور سے دیکھتے تھے۔ مگر آگے بڑھنے کی جرات نہ تھی۔ حضرت نے گھوڑا فرات میں ڈال دیا۔ گھوڑے کو پانی کی خنکی محسوس ہوئی۔ مگر وفادار گھوڑا تھا۔ اپنا سر پانی سے اٹھائے رہا۔ بھلا عباس سا باوفا پانی کیا پیتا۔ مشکیزہ پر آب کیا اور خود پیاسے نکل آئے۔

بحار الانوار میں چند اشعار بھی سقائے سکینہ کے مرقوم ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے اے نفس عباس فرزند ساقی کوثر اور اس کے ننھے ننھے بچے پیاسے ہوں اور تو پانی پی لے اس سے بڑھ کر اور کیا امر قبیح ہوگا۔

یہ کہتے ہوئے مشک کو کاندھے پر رکھا اور خیمہ کی طرف رخ کیا کہ تشنہ لب بچوں کو تھوڑا پانی پہونچا دے کہ کچھ تسکین ہو۔ عمر ابن سعد نے لشکر کو آواز دی کہ اگر یہ مشک آب حسینؑ تک پہونچ گئی تو سمجھ لو کہ پھر حسینؑ سے کسی میں لڑنے کی قوت باقی نہ رہے گی۔ یہ آواز سن کر چھ ہزار کمانداروں کے تیر گوشہ کمان سے مل گئے۔ تمام فوج سمٹ آئی۔ نیزہ علم ہوگئے۔ دور سے ایک مینھ تیروں کا برسانے لگے۔ تمام جسم سقائے اہل بیت کا تیروں سے مشبک ہوگیا مگر اللہ ری جرات اسی طرح یہ غازی لڑتا ہوا خیمہ کی طرف بڑھا۔ پھر علی کے شیر نے رجز پڑھا اور فوج پر حملہ کیا۔ لاشیں گرنے لگیں ناگاہ ایک درخت خرما کے پاس پہونچ گئے۔ ہائے کیا معلوم تھا کہ حکیم ابن طفیل اور نوفل ابن ازرق اسی گھات میں پوشیدہ ہیں۔ کمین گاہ سے دونوں نے متفق ہو کر ایسی ضربت لگائی کہ داہنا ہاتھ شانہ سے قلم ہوگیا۔

مقتل ابو مخنف

عوالم جلد ۱۷

حسین کے قوت بازو نے بائیں ہاتھ میں قبضہ شمشیر پکڑ کر رجز پڑھا اور پھر شدید حملہ کیا

اس مرتبہ پھر پچاس آدمی قتل کئے۔ اس اثناء میں زید بن ورقا کا وار دوسرے شانہ پر پڑا اب سقائے سکینہ بے بس ہو گیا تلوار مع ہاتھ کے زمین پر گری مگر بچوں کی پیاس کا اس قدر خیال تھا کہ تسمہ مشک دانتوں سے داب کر چاہتے تھے کہ گھوڑا بڑھا کر کسی طرح خیمہ تک یہ مشک پہنچ جائے ناگاہ ایک تیر مشک پر لگا اور سب پانی بہ گیا۔ اور ساری محنت سقائے سکینہ کی رائگاں ہو گئی۔ ہمت پست ہوئی مشک دانتوں سے چھوٹ گئی۔ ناگاہ حکیم ابن طفیل نے سر مبارک پر عقب سے گرز کا وار کیا خود کے ٹکڑے اڑ گئے۔ شگافتہ ہو گیا رکن دین تھرا کر زمین پر گرا آواز دی یا ابا عبداللہ علیک منی السلام اے مولا! غلام کا آخری سلام قبول ہو فلما رآه الحسین بن امہ فقال واخاه واعباساه وامهجة قلباه الآن انکسر ظهری وقلت حیلتی واضیعتاه بعدک یا اخی۔ امام مظلوم اپنے قوت بازو کی آواز سن کر بے اختیار چیخ اٹھے اور فرمایا ہائے بھائی عباس اے سرور قلب میرے۔ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ منقطع ہو گئی۔ افسوس تمہارے بعد میں برباد ہوا۔ یہ کہتے ہوئے کنارے فرات کے پہنچے دیکھا چونتیس سال کا کڑیل جوان بھائی اپنے خون میں لوٹ رہا ہے۔ حضرت دیر تک روتے رہے جب چاہا کہ علمدار کی لاش اٹھا کر خیمے کی طرف لے چلیں سقائے سکینہ نے عرض کی مولا مجھے یہیں رہنے دیجئے میری لاش خیمہ کو نہ لے جایئے گا۔ حضرت نے فرمایا مجھکو اس خدمت سے کیوں محروم کرتے ہو۔ عرض کی آقا ایک وجہ تو یہ ہے کہ مجھکو سکینہ سے شرم آتی ہے کہ وعدہ پورا نہ کر سکا دوسرا خیال یہ ہے کہ جب آپ میری لاش لے کر چلیں گے اعدا آپ کو تنہا پا کر ہر طرف سے گھیر لیں گے اور پھر ان کی جسارت بڑھ جائے گی۔ اس لئے آپ مجھکو اسی مقام پر پڑا رہنے دیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ ہچکی آئی اور روح جانب فردوس پرواز کر گئی۔ حضرت دیر تک بھائی کی لاش پر روتے رہے۔ پھر ملول و غمناک خیمہ کی طرف تشریف لائے۔ شہزادیاں اور بچے سقائے سکینہ کے منتظر جب حضرت تنہا تشریف لائے جناب سکینہ امام کے قریب آئیں اور پوچھا آپ نے میرے عمو جان کو کیا کیا۔ کہاں چھوڑا۔ حضرت ان بھولی بھولی باتوں پر رو دیئے اور فرمایا بیٹی سکینہ تمہارے چچا جنت کو سدھارے۔ یہ سننا تھا کہ جناب سکینہ نے نعرہ مارا اور منہ اپنا پیٹ لیا۔ جناب

زینب یہ سنکر فریاد کرنے لگیں۔

ہائے بھائی عباس ہم بے ناصر و مددگار ہو گئے۔ اب تمہارے بعد ہمارے لئے بربادی کا سامان ہے۔ حضرت بھی رونے لگے اور فرمایا ہاں بہن سچ کہا تم نے۔ افسوس ہے ہماری بربادی پر اور ضائع ہونے پر۔ اور شکستہ حالی پر عباس ہم کو بے یار و مددگار کر گئے اور کمر ہماری توڑ گئے حضرت کے ان کلمات پر تمام اہل حرم رونے لگے زمین کربلا زلزلہ میں آ گئی ؎

فریاد از غریبی و بے یاری حسین
وز نالہائے دمبدم و زاری حسین

انتخاب قصیدہ در شان افضل الناس حضرت ابوالفضل العباسؑ۔ (من مؤلف)

ترے حصہ میں ہے لے ورثہ دار ضیغم باری
نبیؐ زادوں کی سقائی شہ دیں کی علمداری

ابوطالب کو ورثہ میں ملی زمزم کی سقائی
صلہ میں اس کے دی اللہ نے مکہ کی سرداری

پدر نے آپ کے مشکیزہ رکھ کر دوش پر اپنے
اسی خدمت سے کی کمسن بھتیجوں کی خبرداری

یہاں مشکیزہ رکھ کر دوش پر کیں حاجتیں پوری
ٹھکانے لگ گئیں کوثر پہ جا کر محنتیں ساری

جو رکھ کر مشک کاندھے پر پھرا کرتا تھا باغوں میں
قسیم حوض کوثر بن گیا وہ ضیغم باری

ملا ارث اب وجد میں وہ منصب آپ کو مولا
قیامت تک رہے گا آپکا یہ فیض اب جاری

تمہارے نام کا سقہ حقیقت میں بہشتی ہے
تمہارے نذر کا شربت دوائے دردِ آزاری

سبیلیں رکھی جاتی ہیں جہاں سیراب ہوتا ہر
تمہارے ایک مشکیزہ کا کیا کیا فیض ہے جاری

تمہارے وصف میں زور بیاں اپنی زباں قاصر
تمہارا جوہر ذاتی وفا۔ منصب علمداری

لوا رالحمد کا حامل پدر ہے آپ کا آقا
نبی نے جس کو خیبر میں دیا اوجِ علمداری

رجل کرار محبوب خدا و مصطفےٰ فاتح
یا ہیں اوصاف کامل اہل خیبر پر ہوا بھاری

وہی جوہر دیئے اللہ نے تم کو وراثت میں
وہی شان علمداری وہی لڑنے میں کراری

صاحب کبریت احمر نے تذکرہ شہادت جناب عباس میں زور دیا ہے کہ جناب علی اکبر اول شہید ہیں اور استدلال کیا ہے کہ وقت شہادت جناب عباس حضرت علی اکبر کا موجود ہونا کسی معتبر قول سے ثابت نہیں۔ محسن الابرار شرح بحار الانوار کی اس روایت سے بھی قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ مدح جناب عباس میں مولف کا قصیدہ ہے جس کا انتخاب آخر میں دیدیا ہے۔ اگر جو حضرات مدیث میں نظم پڑھتے ہیں پڑھیں۔ ہمکو بھی ثواب حاصل ہو۔ در بیان میں شامل نہیں کیا۔ کیونکہ اب عام رواج اس کے خلاف ہے۔ حضرت صاحب محرق الفواد ۲۰ ماہ جمادی الثانی تاریخ ولادت تحریر فرماتے ہیں۔

علمداری کے جوہر لکھدیئے قسمت میں قدرت نے
بنی روز ازل جس وقت تصویر وفاداری

علم آپ کے دیں کا نشاں چمکا زمانہ میں
رہے گی تا قیامت اس علم کی اب ضیا باری

ہمیشہ تعزیہ کے آگے رہتا ہے علم تیرا
شجاعت سے کچھ آگے بڑھ گئی تیری وفاداری

اطاعت آپ کی کچھ بڑھ گئی وصف شجاعت سے
وگرنہ آپ کی اک ذات تھی ہر قوم پر بھاری

سلیم مدح خواں کو اب نے تو نبر دی مولا
ملے دنیا میں اس کے حاسدوں کو ذلت و خواری

مصنفہ ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ

بیان سولھواں

مسلمین سے کیا مراد ہے، ذریت خلیل کون ہے، اسلام کی تعریف، علیؑ کا اسلام، مامون کا مناظرہ، حسینؑ کا اسلام، شیر خوار بچہ کی شہادت

قال اللہ عز اسمہ فی القرآن المجید۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اے پالنے والے۔ ہم دونوں ابراہیم و اسمٰعیل کو اپنا فرمانبردار قرار دے اور ہم کو ہمارے قواعد (اصول ہدایت) تعلیم فرما۔ قال انی جاعلک للناس اماما۔ اے ابراہیم ہم تم کو گروہ انسانی کا امام بنائیں گے۔ موافق فطرت بشری جناب ابراہیم نے اپنی ذریت کے لئے بھی اسی عہدۂ امامت کی خواہش کی قال لاینال عھدی الظلمین۔ چونکہ عام خواہش تھی لہذا جواب نفی میں ملا۔ ظلم کرنے والے ہمارے اس وعدے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جناب ابراہیم عارف باللہ تھے، موقع شناس تھے، اس وقت خاموش ہو گئے۔ اب خانہ کعبہ کا تذکرہ چھڑا۔ کعبہ میں یادگار خلیل قائم ہوئی۔ باپ بیٹوں کو طہارت کعبہ کا حکم ملا۔ اب پھر کچھ امید پیدا ہوئی۔ پہلے خدا سے کعبہ کے رہنے والوں کی سفارش کی ان کے رزق کی دعا کی اس کے بعد اپنے خدمات تعمیر کعبہ کے متعلق پیش کئے اور اس کی مقبولیت کے خواستگار ہوئے۔ ربنا تقبل منا آقا و ندا تو اسکو قبول کر۔ کمال فراست تھی، مشیت شناس تھے۔ رفتہ رفتہ معبود کو راضی کر لیا اور خدمات پیش کرنے کے بعد مطلب کا عنوان بدل کر عرض کرتے ہیں ربنا واجعلنا مسلمین لک اے میرے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنا ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک اور میری ذریت میں بھی ایک گروہ کو اطاعت شعار بنا۔ اب دو باتیں اس آیت

میں جناب خلیل کے مقصد کو واضح کرتی ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ابراہیم خدا سے کیا مانگ رہے تھے۔ ایک لفظ مسلم ہے کہ اپنے لئے اور جناب اسمٰعیل کے لئے مسلمین تک کہا ہے۔

ہماری نظر میں بہت پست آرزو ہے۔ ایک عام صفت ہے کہ امت کا ہر شخص اس خطاب سے سرفراز ہے۔ خدا گروہ انسان کا امام بناتا ہے اور خلیل خدا اپنی ذریت کے لئے اسلام کی تمنا کر رہے ہیں، لیکن دعا کا لہجہ اور لفظ مسلم کا محل استعمال لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کے بعد مطلب کو واضح کرتا ہے کہ اے معبود تو نے یہی تو کہا ہے کہ ہم ظالم کو امامت پر فائز نہ کریں گے۔ اچھا ہماری اولاد میں سے کچھ لوگ ایسے پیدا کر کہ تیرے اطاعت شعار ہوں، فرمانبردار ہوں، اور ظالم نہ ہوں۔ وہ تو تیرے عہدہ امامت سے فائدہ مند ہوں گے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا اور ہم کو ہمارے مناسک دکھا دے وَتُبْ عَلَیْنَا اور ہماری اس عام ذریت کی درخواست کو معاف فرما۔ بیشک یہ جسارت قابل استغفار ہے۔ توبہ کرتا ہوں۔

دوسری لفظ مناجات خلیل میں جو اپنی آرزو کے دل کو مختص اور محدود کرتی ہے وہ اُمَّةً مُّسْلِمَة ہے۔ لفظ امت پر دھوکہ نہ کھائیے۔ لغت میں دیکھئے آپ کو امت کے معنے گروہ کے ملیں گے اور ملت و امام و پیشوا بھی کہا گیا ہے۔ یہاں قرآن کا یہ ایک کھلا معجزہ ہے کہ جناب ابراہیم کی ذریت میں سے اس گروہ کی تعداد بھی بتلا دی ہے کہ دھوکا نہ کھا۔ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً میں ۱۴ حروف ہیں انھیں چودہ ذاتوں کے واسطے فرمانبرداری یعنی عصمت کی خواہش کی ہے۔ اب اس کے علاوہ کوئی ذات شامل نہیں ہو سکتی جو نسل اسمٰعیل سے ہو۔ صَلِّ عَلَیْہِمْ۔

معجزہ قرآن تعداد ائمہ

واضح ہو مسلم ہونا وہ صفت تھی کہ جناب خلیل نے خدا کے گھر کی تعمیر کے بعد کچھ مانگا تو یہی اور اپنی ذریت مخصوصہ کے لئے طلب کیا تو اسلامیت کو۔

اسلام خدا کے نزدیک

ہم اسلام کو معمولی صفت سمجھتے ہیں، اس وقت میں ہر شخص مسلمان کہا جاتا ہے۔ مگر اسلام کا درجہ بلند ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ خدا کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اسی دین پر خدا نے ہر نبی کو مبعوث کیا اور اپنے رسول کو حکم دیا۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اے رسول کہدو کہ ہم تو خدا پر ایمان لائے

اور جتنے صحیفے ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و اسباط پر نازل کئے اور جو کتب موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں پر نازل ہوئیں ان میں ہم ایک دوسرے میں فرق نہیں کرتے۔ اور ہم خدا کے لئے سرِ تسلیم خم کئے ہیں۔

واضح ہو گیا کہ دینِ اسلام وہ قصر تھا جس کا سنگِ بنیاد آدم نے رکھا۔ نوح نے داغ بیل ڈالی خلیل و ذبیح نے دیواریں بلند کیں موسیٰ نے سقف بنائی۔ سلیمان نے فرش بچھایا۔ عیسیٰ نے در قائم کئے غرض ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اسی عمارت کی تکمیل و آراستگی کے لئے بھیجے گئے اور سب کی غرض ایک تھی۔ مگر طولِ زمانہ سے عمارت میں کہنگی آ گئی تھی، دیواریں منہدم ہو گئی تھیں، نشانات مٹ چلے تھے۔ خدا نے اس معمارِ قدرت کو سب کے آخر میں بھیجا جو ایسی عمارت تیار کرے کہ ہر موسم اور ہر ملک کی آب و ہوا کے مناسب ہو۔ نہ آتشِ کفر و نفاق اس کو جلا سکے نہ ظلم و ستم کی بارش اس کو ڈھا سکے۔ نہ بغض و حسد کا طوفان اس کو گرا سکے۔ اس عمارت میں اخلاق کا کشادہ صحن ہو۔ محبت کی راہیں ہوں۔ جود و کرم کی نہریں، لطف و کرم کے فوارے تواضع کے وسیع دالان۔ رحمت کا سائبان، عبادت کے ستون اور سب کے آگے وہ عظیم الشان دروازہ ہو کہ ہر دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ صَلَوٰۃ۔

اس باکمال معمارِ قدرت نے دروازے ہی سے قلعہ کی ابتدا کی۔ صحاح ستہ میں زید سے روایت ہے۔ قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ زید کہتے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لایا علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اس پر تمام مورخین و محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ پیغمبر خیمی مرتبت کے ہاتھ پر اسلام لانے والا اور دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے والا پہلا شخص علی ہے۔ اس مبارک بنیاد کا پتھر اس کے ہاتھ سے رکھا گیا جس کی ولایت پر اسلام کی تکمیل ہوئی۔

اگرچہ اس فضیلت میں حصہ لگانے کے لئے اسلام لانے والوں کی قسمیں بنائی گئی ہیں، بوڑھے علیحدہ کھڑے گئے، جوان الگ کر دیئے گئے۔ عورتیں جدا کی گئیں اس کے بعد نمبر لگائے گئے۔ لیکن پرکار کو ہزار گردش دیجئے دائرہ کا مرکز ایک ہی رہے گا۔ جب غور کیا جائے گا تو صورت میں سابق الاسلام بلکہ کل اسلام علی ہی ثابت ہوں گے۔ صَلَوٰۃ۔

اسلام کی ابتدا
بخاری
بحار الانوار جلد ۹

اس مسئلہ پر بڑے بڑے مناظرے ہوئے دفتر سیاہ ہو گئے مگر اسلام جس کو اپنا پیشوا بنا چکا تھا

وہی مقدم رہا مولوی شبلی نعمانی نے المامون میں اس بحث پر ایک دلچسپ مناظرہ تحریر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔

ایک روز مامون رشید نے اپنے عہد شاہی میں یحییٰ بن اکثم قاضی شہر اور اسحق بن ابراہیم مفتی اعظم کو مع چالیس علمائے جید کے دربار میں طلب کیا۔ بعد مراسم آداب شاہی مامون نے علیحدہ ایک مکان میں صحبت خاص قائم کی اور ہر ایک بے تکلف نشست اور آزادانہ گفتگو کی اجازت دی۔ اس کے بعد مامون یحییٰ سے مخاطب ہوا اور کہا میرا مذہب یہ ہے کہ بعد رسول مختار خلفا میں سب سے افضل و اکمل اور مستحق خلافت علی ابن ابی طالب ہیں۔ اسحق نے کہا کس دلیل سے ؟ آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ مامون نے کہا تمہارے نزدیک دو شخصوں میں وجہ فضیلت کون سی صفت ہونا چاہیے۔ اسحق نے جواب دیا عمل صالح۔ مامون نے کہا سچ کہا تم نے۔ اچھا بتاؤ۔ علی سے پہلے کون ایمان لایا ؟ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ کس کی شان میں ہے۔ اسحق نے عرض کی لے حضور علی تو کمسنی میں ایمان لائے (جو اعتبار کے قابل نہیں) مامون نے سوال کیا اچھا یہ بتلاؤ کہ علی کو حضرت نے دعوت دی یا علی کو خود الہام ہوا۔ اسحق حیرت میں خاموش تھے کچھ جواب بن نہ پڑتا تھا۔ مامون نے کہا اے اسحق اگر تم نے یہ کہا کہ علی کو الہام ہوا تو رسول پر علی کی افضلیت کے قائل ہوئے۔ پس اب یہ کہنے پر تم مجبور ہو کہ رسول خدا نے دعوت دی۔ مگر یہ بتلاؤ کہ رسول نے خود سے دعوت دی یا حکم خدا سے۔ کس لئے کہ رسول بغیر اذن خدا دعوت نہیں دے سکتے تھے۔ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ پس یہ دعوت کس کی طرف سے تھی اسحق نے کہا بیشک حضرت نے حکم خدا سے دعوت دی۔ مامون نے کہا اے اسحق یہ الزام تو تم خدا پر عائد کرتے ہو کہ اس نے اپنے رسول کو ایسے شخص کی دعوت کا حکم دیا جس پر کسی قسم کی تکلیف عائد نہ ہو۔ اسحق نے مبہوت ہو کر جواب دیا معاذاللہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ مامون نے کہا پھر تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ رسول خدا صلعم نے اپنے خاندان یا گروہ اصحاب میں کسی ایسے کمسن شخص کو اسلام کی طرف دعوت دی ہو۔ جیسے کہ علی تھے۔ اسحق نے کہا اے بادشاہ مجھے خیال نہیں۔ مامون نے سب کی طرف دیکھا مگر ہر طرف سے سکوت میں جواب ملا۔ آخر خود کہنے لگا تمہارا نہ معلوم ہونا حجت نہیں قرار پا سکتا۔ مگر میں کہتا ہوں مجھے معلوم ہے رسول نے کسی ایسے شخص کو دعوت نہیں دی۔ اچھا اب کیا کہتے ہو۔ اسحق اور تمام علماء کچھ جواب نہ دے سکے۔ مامون نے جواب حاصل کرنے کا انتظار کر کے

مناظرہ ۷ نتیجہ

کیا ثابت ہوا کہ تم اس امر کے قائل ہوئے کہ آنحضرت نے علی کو سب کے پہلے دعوت دے کر مخلوق پران کو فضیلت دی۔ اور اس فضیلت میں کوئی علی کا شریک و مساوی نہیں۔ اسحٰق دیکھیے! نے کہا اے خلیفہ ہم تیری دلیل کا جواب نہیں رکھتے۔ یہ کل روئداد لکھی گئی اور سب کے دستخط اور مہر کرائے۔

انصاف شرط ہے۔ مامون نے باوجود مخالفتِ بنی ہاشم۔ بات ایمان کی کہی اور اور سب کو لاجواب کر دیا۔ مگر میرا جوش ایمان اس سے بالاتر فضیلت ڈھونڈھتا ہے۔ سابق الاسلام کا ذکر ہے آپ درود پڑھنے میں سبقت کریں تو میں ایک اور دلیل پیش کروں۔ میرے مولا کی فضیلت کا کوئی منکر یہ نہ سمجھے کہ علی دس بارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ معاذاللہ اس سے پہلے کیا اسلامیت سے خارج تھے؟ میں عرض کروں گا کہ دعائے خلیل کے بموجب اُمۃً مُسلمۃً آپ کی خلقت ہی اسلام پر ہوئی تھی۔ مولا مجسم اسلام تھے۔ ولادت آپ کی اسلام پر رضاعت اسلام پر ا تربیت اسلام پر اور جب سنِ شباب پر پہونچے تو اسلام جوان ہوا بلکہ کامل ہوا۔ بَرَزَ الاِسْلَامُ کُلُّہٗ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّہٖ کے مصداق ہوئے۔ غرض زندگی و موت کا کوئی لمحہ اسلام سے خالی نہ تھا۔ صلوٰۃ۔

اگر وقت ولادت اسلام کی تصدیق درکار ہے تو عباس عمِ رسول سے پوچھیے۔ کعبہ کی دیوار کے قریب فاطمہ بنت اسد کیا دعا کر رہی تھیں۔ خداوندا میں تیرے ہر نبی پر اور تیری کتابوں پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جد ابراہیم کے دین کی تصدیق کرتی ہوں۔ اس دعا سے تصدیق ہوئی کہ جو بانیٔ کعبہ خلیل خدا کا مذہب تھا وہی علی کے والدین کا۔ اگر عہد تربیت کو لیجیے تو بانیٔ اسلام کے آغوش اور لعاب دہن رسول کی رضاعت۔ خصوصاً زمانہ قحط میں آنحضرت نے اپنے چچا ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے آپ سے اپنے برادر عمی کو مانگ لیا تھا۔ جیسا کہ تاریخ طبری وغیرہ میں مفصل موجود ہے۔ اب حکم شریعت سے جو مذہب مربی کا ہوگا وہی اس نابالغ کا قرار پائے گا جو زیر تربیت ہے۔ یہاں خود شریعت نے فیصلہ کر دیا کہ قبل بعثت جو مذہب کل کا تھا وہی بوقت دعوت۔ اسلام علی کا تھا۔ جب رسول نے اعلان نبوت کیا تو علی نے بھی تصدیق کر کے اعلان کیا۔ لہٰذا اسلام لانے کا سوال ہی عبث قرار پائے گا۔

اسی وجہ سے تو مسلمانوں نے کرّم اللہُ وجہہٗ کا خطاب دے رکھا ہے کہ یہ چہرہ کبھی بتوں کے سامنے سجدہ کے لئے جھکا ہی نہیں جبین نیاز روز ولادت سے خدا ہی کے سجدے میں جھکتی رہی ۔

علی کا اسلام وہ اسلام تھا کہ جب تک آپ کی ولایت کا اعلان نہ ہو گیا رسالت کی تکمیل نہیں ہوئی۔ ادھر رسولؐ نے بالائے ممبر امت کو علی کی ولایت کا اعلان سنایا ادھر وحی نے تکمیل اسلام کی سند پیش کی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا آج کے روز ہم نے کامل کیا تمہارے لئے دین کو اور تمام کیا اپنی نعمت کو اور راضی ہوئے ہم تمہارے لئے دین اسلام پر۔ ایک لاکھ اسی ہزار مبلغ اسلام دنیا میں آئے مگر کسی کو تکمیل کی سند نہیں عطا ہوئی۔

مگر ولایت علی تبلیغ کا وہ جزو اعظم تھا کہ ادھر ولایت کا اعلان ہوا اور خوشنودی کے پروانہ پر قدرت نے مہر لگا دی۔ وہ پسندیدہ دین قابل رضائے الٰہی اس وقت ہوا جب علی اس کے ولی ہوئے۔ رسول کی تبلیغ پوری ہوئی۔ خلیل کو اپنی دعاؤں کا ثمرہ ملا۔

یہ بھی اس کا تفضل و رحمت ہے کہ اسلام پر راضی ہو گیا۔ آیت میں رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ارشاد ہوا۔ ورنہ اگر ایمان کی قید ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔ ایمان کے لئے زبان سے اقرار دل سے تصدیق افعال میں عمل لازم تھا۔ اور محفل رسول میں بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللہ کہنے والے ہزاروں تھے مگر دل کا حال خدا ہی پر روشن تھا۔ اور عمل بالارکان کا بھی اسی کو علم تھا۔ ایسے لوگ اگر مجمع میں منتخب کئے جاتے تو انگلیوں پر شمار کئے جاتے کوئی ان میں دس درجہ پر فائز ہوتا اور کوئی نو درجہ پر اور دو چار کے بعد صفر نظر آتا۔ اس لئے رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کہا۔

شبہ کی جگہ نہیں ایمان و اسلام میں بڑا فرق ہے۔ قرآن بتلاتا ہے:۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ اے رسول کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے البتہ اسلام لائے۔ ایمان کا تمہارے دل میں گزر ہی نہیں ہوا۔ مسلمانوں کلام الٰہی سے اب تصدیق ہوئی کہ ایمان دوسری شے ہے اور اسلام دوسری چیز ہے۔ مگر اسلام بھی کوئی سہل درجہ نہیں

جناب خلیل ایسا بزرگ پیغمبر آرزو کرتا ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اپنے اور اپنی اولاد کے
لیے مسلمان ہونے کی دعا کی ہو۔ معلوم ہوا مسلمان ہونا بھی مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ رازدارانِ
قدرت سے پوچھئے، عارفانِ حقیقت سے دریافت کیجئے وہ بتلائیں گے۔ باقرِ العلوم سے استفسار
کیجئے وہ اس کی تعریف کریں گے۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ وارثِ علم
نبوی، ماہرِ رموزِ علوی طوافِ کعبہ میں مشغول تھا۔ ایک اعرابی کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اندازِ طواف
اور آداب ارکان سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی رازدارِ علم باطنی و ظاہری ہے، خانوادۂ نبوت و امامت
سے ہے۔ لوگوں سے دریافت کیا۔ کسی نے کہا یہ بدرِ کامل عالم کا مل دُرِّ افتخار طہارت ابوجعفر
جعفر محمد ابن علی الباقر علیہ السلام ہیں۔ اعرابی آگے بڑھا اور عرض کی مولا مجھے سمجھا دیجئے کہ مسلمان
کون ہے۔ فرمایا "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ يَدِهٖ وَلِسَانِهٖ اے بھائی مسلمان تو وہ ہے جس کی
زبان سے اور ہاتھ سے لوگ سالم رہیں۔ یہ چھوٹا سا جملہ فرما کر پھر حضرت طواف میں مشغول
ہو گئے۔ اعرابی نے کہا واللہ سچ کہا تم نے اے فرزندِ رسول" امام نے سمجھا دیا کہ صرف دعویٰ
کرنا کہ ہم مسلمان ہیں کوئی شے نہیں۔ جب تک زبان اور دست دیا گواہی نہ دیں۔ مسلمان

کربلا والوں کا اسلام

وہ ہو سکتا ہے کہ زبان سے کسی کو اذیت نہ پہونچے۔ اور دستِ ظلم کسی پر دراز نہ ہو۔ کربلا والے
بھی تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اور بعض ان میں حافظِ قرآن بھی تھے۔ مگر کیا وہ مسلمان کہلائے
جانے کے قابل تھے؟ امام نے سَلِمَ النَّاسُ کہا ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے آدمی محفوظ رہیں۔
لیکن کربلا میں تو زبان اور ہاتھ سے جس قدر ظلم ہو سکتے تھے وہ فرزندِ رسول پر ختم کر دیئے گئے
جب فرزندِ رسول کے قتل پر فوجِ یزید کے بادل ہر طرف سے امنڈ کر مقابلہ میں آ گئے۔ سپاہِ
یزید کو امام نے کس کس طرح سمجھایا مگر اشقیاء نے راہِ ضلالت سے منہ نہ موڑا۔ آخر زہیر ابن قین
اپنا گھوڑا بڑھا کر فوجِ یزید کو مخاطب کیا۔ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ حَقَّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ۔ اے کوفہ
و شام کے مسلمانو! ہر مسلمان کا حق ہے کہ وہ مسلمان کو نصیحت کرے۔ ہم اور تم ایک آئین اور ایک
مذہب رکھتے ہیں، ایک شریعت کے تابع ہیں، خوب سمجھ لو اس وقت خداوند عالم ہمارا اور تمہارا
نصرتِ فرزندِ رسول میں امتحان لے رہا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم حق پر ہیں کہ تم۔ اب میں تم
کو دعوت دیتا ہوں کہ فرزندِ رسول کی حمایت کرو اور راہِ ضلالت سے باز آ جاؤ۔ کوفیوں نے

جواب دیا کہ ہم تمہارے امام کو اور ان کے تابعین کو ضرور قتل کریں گے اور اس وقت تک باز نہ
آئیں گے جب تک بیعتِ یزید اختیار نہ کریں۔ زہیر نے کہا اے بندگانِ خدا۔ پسرِ زانیہ کے
مقابل میں حسینؑ کو مودت و نصرت کا حق حاصل ہے۔ یہ تمہارے پیغمبر کا فرزند ہے۔ اگر نصرت
نہیں کرتے تو اتنا ہی کرو کہ ظلم و ستم سے باز آؤ اور یزید پر اس معاملہ کو چھوڑ دو۔ ممکن ہے
اس سے کوئی راہ نکل آئے۔ اور وہ راضی ہو جائے۔ اس کا جواب شمر نے تیر سے دیا اور کہا۔
آخر کب تک یہ گفتگو کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اے زہیر ہم تم کو اور تمہارے آقا کو ضرور قتل کریں گے
زہیر نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ ہم کو تو موت سے ڈراتا ہے۔ قسم بخدا ہم نصرت امام کو موت پر
ترجیح دیتے ہیں۔ امام عالی مقام نے گھوڑا بڑھا کر فرمایا۔ اے زہیر شاباش حق نصیحت تم نے
خوب ادا کیا۔ بس چلے آؤ۔ پھر حضرت نے فوجِ یزید کی طرف خطاب فرمایا۔ اے گروہ مردم شرائع
اسلام کا دعویٰ کرتے ہو، کتابِ خدا کی تلاوت کرتے ہو اور جانتے ہو کہ محمد مصطفیٰ صلعم پیغمبر خدا
ہیں، پھر بھی ان کے فرزند سے دشمنی اور عداوت اور ظلم کو روا رکھا ہے۔ دیکھ رہے ہو کہ آب فرات
مثل شکمِ مار کے موجیں مار رہا ہے اور یہود و نصاریٰ اور سگ و خوک اس سے سیراب ہو رہے
ہیں؟ اور آلِ رسول پیاس کے صدمے سے جاں بلب ہے۔ فرزند رسول کو ناکس امت سے جواب
ملا۔ اے حسینؑ اب باتیں موقوف کرو۔ آپ کو اور آپ کے رفیقوں کو اس میں سے ایک قطرہ
بھی نہیں مل سکتا یہاں تک کہ آپ اور آپ کے ہمراہی پیاس سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ مسلمانو!
جیسا کوفہ کے مسلمانوں نے کہا تھا کر کے دکھلا دیا۔ مظلوم کا لشکر پیاسا جنت کو سدھارا۔
چھوٹے بڑے فرات کے کنارے پیاس کے صدمے اٹھا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

شقاوت کی حد ہو گئی کہ چھ مہینے کے بچے کو بھی بہتے ہوئے دریا سے ایک جام آب نہ دینا
تھا نہ دیا۔ اور بچہ پیاس کی شکایت لے کر اپنے جد بزرگوار رسول مختار کے پاس پہونچا۔ مسلمانو!
واقعۂ کربلا میں سب سے بڑھ کر دردناک واقعہ اور امام مظلوم کی سب سے بڑھ کر مظلومیت اس
شہادت پر منحصر تھی۔ خود خداوند عالم نے سانحۂ کربلا میں اس واقعہ کو منتخب فرما کر اپنے پیغمبر
موسیٰ کلیم اللہ کو مشاہدہ کرایا تھا۔ طور سینا پر حسینؑ کے غم کی مجلس ہے۔ خود خداوند عالم ذکر
مصائب فرما رہا ہے۔ موسیٰ مناجات میں پوچھتے ہیں۔ خداوندا دسواں عمل روز عاشورہ کیا

چیز ہے ؟ دسویں محرم کو کیا ہو گا ؟ آواز آئی موسیٰ ہمارے حبیب پیغمبر آخر الزماں کا فرزند اس روز شہید کیا جائے گا۔

یا موسیٰ صغیرھم یمیتہ العطش وکبیرھم جلدہ منکمش یستغیثون ولا ناصر ولا یجیرون ولا خافر؟ - اے موسیٰ اس کے کمسن بچے پیاس سے ہلاک ہوں گے اور تشنگی سے اس کے بڑوں کی یہ حالت ہو گی کہ ان کی جلدیں خشک ہو کر چمٹ جائیں گی۔ اے موسیٰ ہرچند وہ استغاثہ کرے گا لیکن کوئی اس کی مدد نہ کرے گا۔ نہ اس کو کوئی پناہ دے گا۔ حضرت موسیٰ یہ سن کر بآواز بلند رونے لگے۔ آواز آئی اے موسیٰ یہ معلوم کر لو کہ اس پر جو روئے گا آتش جہنم اس پر حرام ہے۔ مظلوم پر رونے والو! بیشک یہ واقعہ وہ عظیم واقعہ ہے کہ مسلمانوں کا ذکر نہیں غیر بھی اس بے زبان بچے کا حال سن کر روتے ہیں۔
معلوم نہیں کیسے مسلمان تھے کہ حضرت نے اپنے بے شیر بچے کو ہاتھوں پر بلند کر کے دکھایا کہ شاید بے شیر کے سوکھے ہوئے لب نازک اور بھولی بھولی کملائی ہوئی صورت دیکھ کر ظالموں کو رحم آجائے اور کچھ پانی دیدیں کہ بچہ کی جان بچ جائے اس لئے بآواز بلند فوج یزید سے خطاب فرمایا اے دوستان آل ابوسفیان اگر تم مجھکو قصور وار سمجھتے ہو تو اس شیر خوار بچے نے تمہارا کیا قصور کیا ہے کہ اس کی ماں کا پیاس کی وجہ سے دودھ خشک ہو گیا ہے اور یہ بچہ بھی تشنگی سے جاں بلب ہے۔ تم کیسے سنگدل ہو۔ کیا تم میں رحم پیدا ہی نہیں ہوا؟ ھل فیکم مسلم؟ کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے کہ ظلم سے باز آئے۔ مطلب حضرت کا یہ تھا کہ کسی مسلمان سے ایسے ظلم بعید ہیں جیسے تم کر رہے ہو۔ حضرت یہ کہہ رہے تھے کہ حرملہ نے ایک تیر سہ پہلو کمان میں رکھ کر امام کے سوال کا جواب دیا۔ شیر خوار بچہ باپ کی گود میں تڑپ کر رہ گیا۔ ہائے کس غضب کا تیر تھا کہ گردن نازک توڑ کر امام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ ظاہر میں حضرت کا بازو زخمی ہوا مگر حقیقت میں باپ کے دل سے پار ہو گیا۔ امام کا کلام منقطع ہوا حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ھون علی ما نزل بی انہ بعین اللہ۔ یعنی جو کچھ مجھ پر ہوا اس کو خدا بھی خوب دیکھ رہا ہے۔ پھر درگاہ کبریا میں عرض کی خداوندا تیرے نزدیک اس بچے کا قتل ہونا واقعہ ناقہ صالح سے کم نہیں۔ اے میرے مالک اگر آج میرے لئے فتح و نصرت تیری مشیت میں نہیں تو کل روز قیامت اس سے بہتر جزا تو عنایت فرمائے گا۔ ابن جوزی روایت کرتا ہے کہ آسمان سے آواز آئی یا حسین اترکہ فان لہ مرضعۃ فی الجنۃ۔ اے حسین اس کا غم نہ کرو اس شیر خوار کے لئے جنت میں

دائی حاضر ہے۔

بہرحال حضرت نے دل سنبھال کر گردن بے شیر سے تیر کھینچا۔ ایک فوارہ خون کا زخم سے نکلا حضرت نے وہ خون چلو میں لے کر آسمان کی جانب پھینکدیا۔ امام محمد باقرؑ کہتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی خون کا زمین پر نہ آیا۔

پھر حضرت گھوڑے سے زمین پر اترے اور دو رکعت نماز بجالا کر ایک غار غلاف شمشیر سے کھودا اور اپنے پارۂ دل کو دفن کر دیا۔

مصلحتِ امام کو کون سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیسی نماز تھی۔ مگر علما کہتے ہیں کہ عجب نہیں نماز شکر ہو کیونکہ شیرخوار بچہ پر نماز کی حاجت نہ تھی۔ علاوہ اس کے نماز جنازہ میں رکعتیں کہاں ہوتی ہیں۔ بیشک یہ نماز شکر ہے کہ اے معبود میرے جد خلیل اللہ نے ایک قربانی پیش کی تھی۔ تو نے اس کے عوض میں دنبہ بھیجا اور اسمٰعیل کو بچا لیا۔ میں نے صبح سے جتنی قربانیاں پیش کیں سب تیری درگاہ میں قبول ہوئیں۔ اب یہ آخری قربانی تھی۔ وہ بھی تو نے قبول کی اب فقط یہ سر باقی ہے اسکو بھی تو قبول کر۔ مگر جناب شیرخوار بچہ کے دفن کا جب خیال آتا ہے تو کلیجہ شق ہوتا ہے۔ اس ننھے مجاہد کی قبر بنانے کی عجب نہیں ایک یہ وجہ ہو کہ اہلبیت خصوصاً اس کی ماں، باپ کے لئے اس کی لاش کا مقتل میں پڑا رہنا مصیبت عظیم ہے۔ ماں سے تحمل نہ ہو سکے گا حضرت نے زیر خاک چھپا دیا۔ کہ ماں کی نظر نہ پڑے یا یہ مصلحت ہو کہ ہر مسلمان پر مسلمان کی میت دفن کرنا واجب کفائی ہے۔ صبح سے موت کا بازار گرم تھا۔ ایک مرنے کو جاتا تھا دوسرے کی لاش حضرت لاتے تھے۔ لشکر یزید اس کا موقع نہ دیتا تھا کہ دفن کرنا کیسا جی بھر کر کسی کو رو دیتے۔ تمام دن اس مشغلہ میں گزرا۔ اب شش ماہے کی لاش دفن کرنے میں زیادہ وقت درکار نہ تھا۔ اور باوجود تشنگی اور ضعف و ناتوانی کے ننھی سی قبر کھودنا ممکن تھا۔ اس لئے باپ نے اپنے بچے کی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی اور اسی خون بھرے کرتے میں دفن کر دیا

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

بیان سترھواںؑ

علم حکمت اور علاج نفس۔ شب ہجرت نفس کی خریداری اور نکات لطیف امام حسینؑ کا نفس مطمئن۔ معرکہ اور شہادت صبر جناب زینب ع

قَالَ اللّٰهُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ فِي كِتَابِهِ الْكَرِيْمِ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پ۔ ر ۱۴

دعائے جناب ابراہیم کے سلسلہ میں اب یہ آخری تمنا ہے۔ اے میرے پالنے والے انھیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر پاک و پاکیزہ کرے۔ بیشک تو عزیز و حکیم ہے۔ یہ آیت اسی پہلے پارے اور چودھویں رکوع کی ہے اس کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ پہلے جناب ابراہیم کے ابتلا کا ذکر ہے۔ اس کے بعد منصب امامت اور جناب ابراہیم کا ذریت کے لئے خواستگار امامت ہونا اور نفی میں جواب پانا بظاہر مطلب اسی پر تمام ہو گیا۔ در اصل اس کا سلسلہ اس چھٹی آیت تک ہے۔ خدا نے اپنے خلیل کو موقع دیا کہ اپنے مدعا کو سمجھ بوجھ کر تخصیص کے ساتھ پیش کرو۔ موقع ملا اور بہترین موقع۔ خانہ کعبہ کی بنا۔ وراس کی طہارت۔ آپ کے اور جناب اسمٰعیل کے متعلق ہوئی کہ خدمت کے بعد استحقاق ہو جائے گا۔ باپ بیٹوں نے مل کر کام کو انجام دیا۔ دربار میں رسائی ہو گئی۔ پہلے کعبہ کے متعلق عام استدعا پیش کی۔ جب اس سے اطمینان ہوا اب ذریت میں تخصیص کی اور عرض کیا ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ خداوندا مجھکو اور اسمٰعیل کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ اپنا مطیع فرمانبردار بنا۔ چونکہ پہلے انکار ہو چکا تھا۔ اس لئے ایک گروہ کے لئے دعا کی اور اسی گروہ میں سے ایک رسول مبعوث کرنے کی خواہش پیش کی۔ اس آخری دعا نے مطلب کو بالکل واضح کر دیا۔ اور یہ آیت حجت قاطع ہو گئی کہ ذریت سے مراد وہی چودہ ذاتیں ہیں۔ جن میں سے ایک رسول ہو جو آیات پڑھ کر سنائے۔ اور علم حکمت کی تعلیم دے کر نفس کو پاکیزہ کرے مِنْهُمْ کی ضمیر نفس مطلب کو ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً کی طرف کھینچے لے جاتی ہے۔ جس کی مجموعی تعداد آیات کے حروف چودہ میں محدود ہیں۔ صلوٰۃ =

خلیل کی دعا تھی، دوست کی التجا۔ ہر حرف مستجاب ہوا۔ انھیں صفات کا رسول اسی گروہ منتخب میں سے عطا ہوا۔ اور قرآن نے انھیں الفاظ میں اس رسول کا ذکر کر دیا۔ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارے باطن کو پاک و پاکیزہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔

دعائے خلیل میں جچی ہوئی لفظیں تھیں۔ سمجھی ہوئی باتیں اس کی ہر صفت امامت کی بنا کو مستحکم کرتی ہے۔ تجربہ بتلاتا ہے۔ مشاہدہ تصدیق کرتا ہے کہ رسول وہی تمام صفتیں لے کر آیا۔ اس کے آیات پڑھ کر سنائے۔ مگر اس تعلیم سے کس کو فائدہ پہونچا۔ کس کے نفس کو پاکیزگی حاصل ہوئی۔ کس نے علم کتاب کو اٹھا کر سینہ میں رکھ لیا۔ کون حکیمانہ سبق پڑھ کر دین و دنیا کا نبض شناس بن گیا۔ جس کا جی چاہے حافظ قرآن ہو جائے۔ جس کا دل چاہے حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کا دعویٰ کرے۔ مگر جس کو رسول نے اپنے علم کا خزانہ بنایا ہے گا وہی علم قرآن کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ صحبت رسول کے بہرہ یاب صحابی سے پوچھئے۔ جابر انصاری کہتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ عَلِيٌّ عَيْبَةُ عِلْمِيْ علی میرے علوم کا خزانہ ہے۔ اسی خزانہ علم کا فیض تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام دعویٰ کرتے ہیں۔ وَاللهِ مَا نَزَلَتْ اٰيَةٌ اِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيْمَا نَزَلَتْ وَاَيْنَ نَزَلَتْ وَعَلٰى مَنْ نَزَلَتْ۔ قسم ہے خدا کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ میں اس کی شان نزول نہ جانتا ہوں کہ کس پر نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ یہ وہ علم قرآن کا گنجینہ ہے کہ خود قرآن نے تصدیق کی۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ حافظ ابو نعیم نے اور ثعلبی نے جناب محمد حنفیہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مولا علی کی شان میں نازل ہوئی۔ صلوٰۃ۔

خلیل کی دعا کا مصداق خدا نے رسول بھیجا اور علم کتاب دیکر مبعوث کیا۔ مگر اس کا فائدہ علی ہی کو حاصل ہوا۔ اگر کوئی دوسرا بھی علم کتاب سے فائدہ حاصل کر لیتا تو صرف اپنی آل کے بابعد ارشاد ہوتا۔ اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ جو یہ علم حاصل کر لیتا اس کو بھی شامل کرتے۔ صلوٰۃ۔

علم کتاب کیا شے ہے۔ وہی علم حکمت جس کو اس ذات نے حاصل کیا۔ کہ خود رسول کو اپنے شاگرد پر ناز ہوا۔ یک مرتبہ نہیں بے در بے اس طرح فرمایا: اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں حکمت کا

گھر ہوں، اور علی اس کے دروازہ ہیں۔ حکیم ربانی نے قول خدا کی تصدیق کر دی کہ اس نے مجھکو تعلیم حکمت
کے لئے اور پاکیزگی نفس کے لئے بھیجا تھا۔ میں نے تبلیغ میں کمی نہیں کی جس میں صلاحیت پائی اس کو
ویسا حکیم بنا دیا جس کا جی چاہے دردِ دل سے کرئے اور آزمالے۔ یہ وہ دار الشفاء ہے کہ دروازے پر
ہی شفا ہو جائے گی۔ میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں اور اسی تعلیم حکمت سے وہ پاکیزگی نفس
حاصل ہوئی کہ خود مالک ارض و سما اس نفس کا خریدار بن گیا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ
اللّٰهِ۔ یعنی لوگوں سے وہ کون بندہ ہے جو خدا کی مرضی کے عوض میں اپنی جان فروخت کرتا ہے۔
یہ ایک اعلان ہے مگر حکمت سے لبریز۔ عدل سے مملو۔ اخلاق سے آراستہ، قیمت کا اظہار کرنا
کہ بیچنے والے کی خوشی پر ہے۔ ہم سے بہتر اگر کوئی خریدار قیمت لگائے تو اس کو اختیار ہے۔ بادشاہِ دنیا
نہیں کہ جو چیز پسند آئے وہ جس قیمت پر چاہے لے لے۔ مالک ارض و سما بازار میں آیا ہے۔ عادل کا
معاملت ہے مال کا اندازہ کر کے قیمت تجویز کی ہے۔ اس پر مزید انصاف یہ کہ جب تک بائع کا رجحان
نہ دیکھا خریداری پر رغبت نہیں کی۔ بداخلاقی ہے، بددیانتی ہے، ناانصافی ہے کہ کسی کی اچھی چیز دیکھی
اور خریدار بن گئے۔ وہ ہر وقت قادر تھا، صاحب اختیار تھا، جب چاہتا لے سکتا تھا، کعبہ میں ماں
کی گود سے اٹھا لیتا۔ رسول کے آغوش سے لے لیتا۔ مگر نہیں! صاحب عدل و داد ہے۔ مالک جسم
و جان کو زیبا نہ تھا کہ یوں لے لیتا۔ جب بائع کو آمادہ پایا جب خواہش ظاہر کی اور یہ قانون بنا دیا کہ جب
تک بائع بلوغ رغبت و ثبات نفس بیع پر آمادہ نہ ہو معاملت ناقص ہے۔ بائع بھی حکیم ربانی کا شاگرد
تھا، طبیب روحانی کا پڑھایا ہوا تھا، موقع شناس تھا، بے قدر دان کے اپنے مال کی وقعت کھوتا
دنیا کے بازاروں میں بیچتا پھرتا۔ موقع و محل کا منتظر تھا، جب دوکان رکھنے کے لئے وہ مقام ملا
جس پر ہر وقت نظرِ لطف پڑتی ہو، وہ مقام جس کو منزلِ وحی کہئے، محبوب کا بستر کہئے، ہر وقت
مالک الملک کے پیش نظر ہے، پھر کیوں نہ جوہری آمادہ ہو جائے:

علی کی خوش قسمتی سے موقع ہاتھ آیا۔ کفار قریش نے ہم قسم ہو کر رسول کے قتل کا قصد پکا کر لیا۔ خدا نے
اپنے حبیب کو دشمنوں کے قصد سے آگاہ کر دیا اور تدبیر بھی بتلا دی کہ علی کو اپنی جگہ چھوڑ جاؤ۔

حضرت نے فرمایا اے علی آج شب کو تم میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر سو رہو۔ تم کو کوئی
نقصان نہ پہونچا سکے گا۔ اور اے علی میں تو جاتا ہوں۔ تم سب کی امانتیں بلا کر دیدینا۔ یہ فرما کر حضرت

رخصت ہو گئے۔

علی خدا پر تکیہ کرکے بستر رسول پر سو رہے۔ بہار ربیع کی پہلی رات۔ عروج رسالت کی اول شب تھی کہ ہلال امامت افق نبوت پر طاری ہوا۔ مورخین عرب اس رات کو لیلۃ المبیت کہتے ہیں۔ اور اہل فارس نے شب ہجرت نام رکھا ہے۔ میں کیوں نہ اس کو شب وصل کہوں۔ شب ہجرت اگر تھی تو رسول کے واسطے۔ لیلۃ المبیت اگر تھی تو مسافر غریب کے لئے۔ میرے مولا کو جو کچھ ملا اسی شب کو ملا۔ رسول کی جانشینی ملی۔ مسلک تصوف میں ردائے تولیت ملی۔ مرضئ الٰہی کے تحت میں جنت ملی۔ سلسبیل ملی۔ حوض کوثر ملا۔ درجۂ شفاعت ملا۔ ایک ایک سانس کے عوض میں گنہگاروں کو بخشوانے کے اختیارات ملے۔ غرض جو کچھ اس رات میں سو کر ملا رات رات عبادت خدا میں جاگ کر نہیں ملا۔ بڑی مبارک شب تھی۔ آزمائش کی رات تھی۔ مگر فضیلتوں کی جلوہ افروز ہمارے لئے ہدایت آموز۔ رسول سے محبت کا اسی شب میں امتحان ہوا۔ علی کی شجاعت اسی رات میں آشکار ہوئی۔ علی کے اطمینان نفس کا اسی رات میں مشاہدہ ہوا۔ علی کی دیانت کا اسی شب میں تجربہ ہوا۔ علی کے علم باطنی کا اسی شب میں اندازہ ہوا۔ ورنہ حضرت کا چلتے وقت صرف اتنا کہہ دینا کہ لوگوں کی امانتیں سب کے سامنے دیدینا۔ دوسرے کے واسطے کافی نہیں ہو سکتا۔

کوئی تاریخ ہم کو نہیں بتلاتی کہ پیغمبر خدا نے کوئی فہرست دی ہو یا اس عالم انتشار میں تفصیل بیان کی ہو۔ معلوم ہوا اس قدر علم رسول سے نفس رسول کو باطنی اتحاد تھا۔ کہ جو کچھ اس وقت ذہن رسول میں تھا وہ علی کے علم میں تھا۔ یہی تھا علم حکمت جس کا آئینہ میں اشارا ہے۔ غرض ایک طرف کمال اتحاد کی دلیل۔ دوسری طرف نفس علی صفائی اور پاکیزگی کا ثبوت۔ گویا رسول کی ہر ادا کی تصویر ظاہر و باطن میں نقش ہو جاتی تھی۔

تعجب کا محل نہیں۔ صلاحیت درکار ہے۔ ہر شیشہ میں عکس نہیں اترتا۔ ہر پتھر میں جذب نہیں ہوتا۔ کہ تصویر اتر آئے نقش ابھر آئے۔ خدا جس میں جو خاصیت عطا کرتا ہے وہ اپنا فعل کرتا ہے اور جس میں اس کی طرف سے خاصیت ہی نہیں عطا ہوئی اس میں عکس کیسا۔ سا یہ بھی نہ معلوم ہوگا۔ ایسے بھی نمونے موجود ہیں کہ عمر بھر صحبت رسول میں رہے مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ حضرت کے ابرو باہم ملے

لہ شب ہجرت یکم ربیع الاول بعثت کے ۱۳ سال بعد سنہ ۶۲۲ء

بلا فصل رکھتے ہیں۔ جناب اویس قرنی کی ایک ایسے صحابی سے ملاقات ہوئی جو بارگاہ رسالت میں ہر وقت حاضر باش تھے۔ انہوں نے حضرت کا سلام پہونچایا۔ اویس قرنی نے پوچھا بھائی تم عمر بھر حضرت کی مصاحبت میں رہے یہ بتلاؤ کہ حضرت کے ابروئے مبارک باہم ملے ہوئے تھے یا فرق تھا۔ ان بزرگ کو حیرت ہوئی کچھ جواب نہ دے سکے۔ گویا صاحب قاب قوسین کو کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔[1]

یہی صلاحیت نفس کی بہترین مثال ہے کہ اویس قرنی نے کبھی حضرت کو دیکھا ہی نہیں مگر حلیہ مبارک بیان کردیا اور کہا بھائی تم نے صحبت رسول میں اپنی عمر تمام کردی مگر یہ بھی نہیں معلوم کہ ابرو ملے ہوئے تھے یا علیحدہ۔ میں جناب اویس کی خدمت میں اگر ہوتا تو عرض کرتا کہ یہ بلافصل والوں کا حصہ ہے کہ وصل و فصل میں تمیز کریں۔ صلی اللہ۔

بہر حال پاس رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ صلاحیت ہونا چاہئے۔ جذب کی قوت رکھتا ہو، نزدیک ہو کہ دور اپنا کام کرکے رہے گا۔ اب تو سمجھ میں آیا کہ راز باطنی پر اگر علی کو عبور ہوگیا تو بعید نہیں۔ خدا نے اس آیت کو محبوب کی جلوہ گاہ بنایا تھا۔ کہ رسول کے بعد بھی امت کو اس کا فیض پہونچتا رہے خدا کے رسول نے یہ بھی دکھلا دیا کہ میرا جانشین وہ ہوسکتا ہے جو امین بھی ہو رازداری بھی ہو اور شجاع بھی ہو۔ اگر اس محل پر کوئی بودا ہوتا اور اس سے ادائے امانت میں کوئی چوک ہوجاتی تو اس کا اثر حضرت کی دیانت پر پڑتا۔ اور کفار کہتے کہ مسلمانوں کا رسول کا خائن ہے۔ اس لئے حضرت نے اپنی قائم مقامی کے لئے اس کو منتخب کیا جو بہتر رہے نفس کے تھا ورنہ نامی گرامی لوگ اسلام لاچکے تھے۔ جناب حمزہ تھے، عباس تھے، عقیل تھے، صحابیوں میں ہستیاں تھیں مگر نفس میں وہ تزکیہ کہاں۔ آئینہ دل میں وہ طلعت کہاں جس میں محبوب کا مرقع نظر آئے اور خدا خریدار ہوجائے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ نفس علی خدا نے اپنی رضا کے عوض میں خرید لیا۔ لیکن خدا کو خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ علی بہر حال عبد مطیع تھے۔ میرا عقیدہ کہتا ہے ایک وجہ تو یہ تھی کہ خدا کو اپنی رضا کا مختار کرنے کے لئے علی کا استحقاق قائم کرنا تھا۔ کیونکہ یہ نوازش یہ عطا کسی نبی یا رسول کے لئے نہیں ہوئی کہ اپنی رضا اس کے متعلق کردی ہو۔ دوسری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ دین کی بہت سی خدمتیں ایسی ہیں جن کے انجام دینے کے لئے خدا نے علی کو خلق کیا

---

[1] در بہر کنز الاسرار۔ حالات اویس۔

تھا۔ وہ کام علی کے ہاتھ سے لیتے تھے۔ تاکہ پھر کوئی بندہ خدا پر احسان نہ رکھ سکے۔ کہ ہم نے دین کی مشکل کو حل کیا۔ اس نے خدا نے نفس علی کو خرید لیا۔ جو در اصل ایک جوہر مجرد تھا۔ اور بغیر اس کے تدبیر بدن محال۔ اس تعلق کی بنا پر تمام اعضا نفس کے تابع قرار پائے۔ اور جب نفس خرید لیا اور وہ خدا کی ملک ہو گیا۔ تو ہاتھ پیر دل آنکھیں زبان ہر عضو خدا کا ہو گیا اور ان اعضاء سے جو اس نے کام لیا وہ اسی خرید کرنے والے کی طرف منسوب ہو گا۔

اب اسلام کی جس مشکل میں علی نے عقدہ کشائی کی یداللہ نے کی۔ بدر میں کس نے ظفر حاصل کی؟ یداللہ نے۔ اُحد میں کس کے ہاتھ سے فتح ہوئی؟ یُداللہ سے۔ خیبر کا در کس نے اکھاڑا؟ یداللہ نے۔ غرض اب کوئی بندۂ خدا پر احسان نہیں رکھ سکتا۔ کہ ہماری قوت سے اسلام قائم ہوا۔ جو کچھ کیا اسداللہ نے۔ صلوٰۃ۔ اور جب خدا دین کی سب اہم خدمتیں لے چکا اور دیکھا کہ ہمارے ہی کام کے لئے۔ اب ہمارے حبیب کو ضرورت پیش آگئی ہے تو نصارائے نجران کے مقابل میں کہدیا۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ خدا نے وہ شے اس نفس کے عوض میں دیکر خریدی تھی جس کی مثل اس کے خزانہ میں کوئی شے نہ تھی۔ یعنی اپنی رضا۔ مگر محبوب اس سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ کہدیا کہ یہ نفس ہم نے تمہارے ہی لئے خریدا تھا۔ تو آپ آج سے یہ نفس تمہارا ہے۔ یعنی نَفْسُ اللہ نفس رسول ہو گئے۔ یہی سبب تھا کہ علی عمر بھر یہی کہتے رہے اَنَا عَبْدٌ مِنْ عِبَادِ مُحَمَّدٍ یعنے میں ہوں تو خدا کا خرید کردہ مگر محمد مصطفےٰ صلعم کا ادنیٰ غلام ہوں۔

بہرحال خلیل خدا نے اپنی ذریت میں ایک ایسے رسول کا سوال کیا تھا جو علم کتاب بھی جانتا ہو پاکیزہ نفس بھی ہو اور حکیم دوا نا ہو۔ خدا نے اس گروہ میں سے ویسا ہی رسول بھیجا کہ تعلیم سے ذریت کا وہ تمام گروہ جسکو اپنی دعا میں مختص کیا تھا حکیم ہو گیا۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے عہد میں امت کو مرض گمراہی سے بچانے کے لیے حکیمانہ تدابیر اختیار کئے۔ کسی نے تدبیر صلح سے نرمی اور آشتی سے علاج کیا۔ کسی نے جب دیکھ لیا کہ مرض گمراہی اس طرح دفع نہ ہو گا۔ اب قوی تدابیر اختیار کی جائیں۔ حکیم روحانی نے اپنا نفس پاکیزہ قربان کر دیا۔ اور اصلاح امت کے لئے خود نچوں کے کام آگیا۔ اس سے بڑھکر اصلاح امت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنا خون مطہر بہا کر اسلام کو زندہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے اپنے پاکیزہ خون کی تاثیر کا تجربہ کرا دیا۔ ایک طرف امت کو روحانی فائدہ پہونچایا

دوسری طرف شفائے امراض جسمانی کے لئے اس خون کا ایک ایک قطرہ جس خاک میں جذب ہو گیا اس کا ہر ذرہ اکسیر بن گیا۔ اور وہ خاک خاک شفا ہو گئی۔

حکیم ربانی بانی اسلام نے اس خون مطہر میں یہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے کیا اہتمام کیا تھا۔ بیٹی پر تاکید تھی کہ جب تک میں نہ آؤں بچہ کو شیر نہ دینا۔ اور جب مژدہ ولادت سن کر تشریف لائے اور نواسے کو گود میں لیا تو اپنی زبان نواسے کے منہ میں دیدی اور اول غذا حسین لعاب دہن رسول قرار پائی۔ پھر نواسے کو گود میں لیتے تھے تو یہی مشغلہ ہوا کرتا تھا۔

یہی جناب خلیل کی دعا کا اثر تھا کہ خدا نے وہ رسول حکیم خلق فرمایا جس کا لعاب دہن خون بن کر مرض جسمانی کے لئے اکسیر اور گناہ کے لئے شفیع بن گیا۔ غرض اس طرح خون رسول سے حسینؑ نے تربیت پائی۔ اب یہ خون حسینؑ کا خون نہ تھا بلکہ رسول کا خون تھا۔ جس کے بہانے کے لئے امت نے کربلا میں اتنی فوجیں جمع تھیں جس کا صحیح طور پر شمار ناممکن ہوا۔ مورخین کو فوج کے شمار میں حیرت ہے۔ کوئی صحیح تعداد نہیں بتلاتا۔ یہ بھی کثرت فوج کی ایک زبردست دلیل ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ لاتعداد فوجیں جمع ہو گئی تھیں۔ آٹھ دس لاکھ تک اقوال پائے جاتے ہیں۔ اگر یہ غلط قیاس سہی جب بھی اس میں شک نہیں کہ ہیبت فرزند حیدر کرار اس قدر ابن زیاد پر چھائی تھی کہ اس نے جو احکام بصرہ اور موصل اور تمام عراق عرب و شام میں بھجوائے تھے وہ اگر سب جمع ہو جاتے تو اس سے بھی زیادہ تعداد جمع ہو جاتی جس کے لئے صحرائے کربلا کی وسعت کسی طرح کافی نہ ہو سکتی تھی۔

ابو مخنف کا قول اسی ہزار تک ہے۔ مجلسی نے بحار میں تیس ہزار چند درج کئے ہیں۔ شرح شافیہ میں پچاس ہزار سوار مانے جاتے ہیں۔ ناسخ التواریخ جلد ششم میں بحوالۂ بحار اور دیگر کتب ہر سردار کے ساتھ فوج کی جو تفصیل لکھی ہے اس سے ترپن ہزار ہوتے ہیں۔ میں عرض کروں گا بہتر یا کیاسی بھوکے پیاسوں کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ ہوں یا آٹھ ہزار یا آٹھ سو سب برابر ہیں۔ دنیا میں اس تشنہ لب فوج قلیل نے جس سپاہ کثیر سے مقابلہ کیا ہے اس کی مثال ناممکن ہے۔ پھر اس مختصر تعداد میں بعض ایسے بڈھے تھے کہ کمر خمیدہ ہو گئے تھے۔ پلکیں لٹک آئی تھیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ تھا۔ بعض ایسے کمسن کہ حد بلوغ کو بھی نہیں پہونچے تھے اور بلا اعانت گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے (رسالہ صفحہ ۱۹۲ پر ملاحظہ ہو۔)

ہو سکتے تھے۔ بعض نوجوان جن کی مسیں بھیگ رہی تھیں اس تعداد میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا جس کی دودھ بڑھائی نہیں ہوئی مگر سب بچے بیشۂ اللہ کے پالے ہوئے جو میدان کو گئے پہنچے سے وہ چند سپاہیوں کو مار کر دنیا میں نام کر گیا مگر سب سے بڑھ کر امام تشنہ کام کا معرکہ حیرت خیز ہے۔ باوجود اس کے آپ نے قوت امامت سے کام نہیں لیا۔ تین دن کی پیاس، عرب کی دھوپ۔ گرم موسم، دوستوں کا فراق۔ یتیموں کا غم۔ قوت بازو، علمدار لشکر کا صدمہ۔ جوان بیٹے کا داغ۔ پھر شبیہ کی نصرت کو پہنچنا اور زخم کھا کر اٹھا لانا۔ نہ جسم میں توانائی نہ دل میں قوت نہ زندگانی کی امید۔ چھپن برس کی عمر میں اتنے اسباب غم جمع ہو گئے جمع ہوں۔ وہ نوج کثیر سے یوں مقابلہ کرے کہ فوج اعدا کا ہر سپاہی اپنی زندگی سے مایوس ہو کر میدان کارزار میں قدم نہ جما سکے۔ حالانکہ قوت بشری سے حضرت نے مقابلہ کیا اگر حضرت زور امامت و عصمت کو کام میں لاتے تو معاذ اللہ ساری دنیا ایک طرف ہوتی اور امام کا اتنا کہہ دینا "مُوتُوا" ہلاک ہو جاؤ۔ دنیا ہلاک ہو جاتی۔ حضرت نے اتمام حجت کے طور پر ابن جوریہ (اور بعض نے ابن جوزہ لکھا ہے) کی گستاخی کی سزا دی اور اشارہ کر دیا۔ فوج یزید دیکھ رہی تھی کہ وہ خندق کی آگ میں گر کر مبتلائے عذاب دنیا ہوا۔ امام نے صرف اتنا کہا تھا: ذُقْهُ عَذَابَ النَّارِ فِي الدُّنْيَا کہ اس کو دنیا میں سزا مل گئی اگر امام کی یہ دعا عام ہوتی تو لشکر یزید کا ایک متنفس نہ بچ سکتا تھا۔ دوسرا نمونہ قوت امامت دکھانے کا یہ تھا کہ جب حضرت تنہا رہ گئے آپ نے عمر سعد کو آواز دی۔ اے پسر سعد میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ذرا میرے قریب آ جا۔ عمر سعد گھوڑا بڑھا کر قریب آیا اور کہا آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا بہت ناتوان ہوں وہ اور قریب آیا۔ پھر فرمایا اے پسر سعد بہت ضعیف ہوں۔ کلام کی قوت نہیں۔ فوج کے باجے بند کرا دے۔ عمر سعد نے حکم دیا باجے بھی موقوف ہوئے۔ پوچھا اے حسین کیا کہتے ہو؟

لہ عمرو بن زبیدہ باہلی دو ہزار۔ عمر سعد چھ ہزار۔ شبث ابن ربعی چار ہزار۔ عروہ بن قیس چار ہزار۔ سنان بن انس بارہ ہزار۔ حصین بن نمیر چار ہزار سوار۔ شمر ذی الجوشن چار ہزار سوار۔ مصابر بن رہینہ تین ہزار۔ یزید بن رکاب دو ہزار مرد جنگی۔ محمد بن اشعث ایک ہزار۔ عبد اللہ بن حصین ہزار سوار۔ خولی بن یزید اصبحی چار ہزار۔ کعب ابن طلحہ تین ہزار پیادہ۔ حجار ابن ابجر ایک ہزار۔ عمرو ابن حجاج ایک ہزار۔ ابو علی ایک ہزار۔ یہ جملہ تریپن ہزار ہوتے ہیں اور بعض نے ستر ہزار کا حساب لگایا ہے۔

نوٹ۔ خصائص زینبیہ حال کی تصنیف ہے آقائے جزائری نجفی عالم جید و بزرگ۔ اس کے مصنف ہیں اور علمائے اعلام نجف اشرف نے تقریظ سے تصدیق فرمائی خصوصاً حجت الاسلام آقا سید محمد فیروز آبادی کا و حجت الاسلام مرجع انام آقا ابو الحسن نائینی مد ظلہم العالی نے الفاظ موثق سے روایات کی تائید فرمائی ہے۔ لہذا اس کتاب کے معتبر ہونے میں مجھ ایسے ناچیز کو شک نہیں۔ بعض مقام پر اس کے حوالے درج ہوں گے۔

فرمایا تین روز کا پیاسا ہوں۔ بسر مردہ ہوں۔ ضعیف و ناتوان ہوں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں اور اسلحوں کی جھنکار کی آواز جس بند کرا دے تو کچھ کلام کرسکوں۔ پسر سعد نے کہا یہ تو میرے اختیار سے باہر ہے۔ حضرت نے فوج کی طرف اشارہ کیا اور زبان مبارک سے کچھ کہا۔ تمام لشکر بے حس و حرکت ساکن ہوگیا۔ پھر گھوڑے اور سواروں کی کیا مجال تھی کہ حرکت کرسکیں۔ عمر سعد کانپنے لگا اور کہا آپ کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میری تین خواہشیں ہیں ان میں سے تو ایک منظور کرے۔ عمر سعد نے کہا وہ آپ کی کیا خواہشیں ہیں، فرمایا: اے عمر سعد مجکو اس کا موقع دے کہ میں حرم رسول کو روضۂ رسول پر پہونچا دوں۔ اس نے کہا یہ تو نہیں ہوسکتا۔ فرمایا دوسری خواہش میری یہ ہو کہ مجکو تھوڑا سا پانی پلا دے۔ اس لعین نے کہا اے حسین یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اپنی فوج میں سے ایک ایک پہلوان کو مجھ سے لڑنے کے لئے بھیج۔ اس بے حیا نے کہا خیر یہ ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس اپنے اس عہد پر بھی قائم نہ رہا اور صرف چند پہلوانوں کے قتل کے بعد فوج کو حکم دیدیا کہ ہر طرف سے حملہ کریں۔ فرزند حیدر کرار نے بھی یہ پڑھا اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ یعنی ننگ و عار سے مرجانا بہتر ہے اور رسوا ہونا جہنم میں جانے سے بہتر ہے۔ یہ کہکر تیغ شرربار نیام سے کھینچی اور مثل حیدر کرار فوج اشرار پر شیرانہ حملہ کیا کبھی میمنہ پر پہونچے اور کبھی میسرہ پر حملہ کیا۔ کبھی قلب لشکر پر پہونچ گئے۔ اللہ رے ثبات قدم، اللہ ری جرات، تن تنہا بھوک پیاس میں ہزاروں کو قتل کرکے میدان مصاف میں ضرب حیدری کا سکہ بٹھا دیا۔ عبداللہ ابن عمر فوج یزید کا ایک سردار بیان کرتا ہے کہ قسم بخدا ہم نے کسی شخص کو جس کے رفیق و انصار فرزند و اقربا مرچکے ہوں اس کو اس پامردی اور ہمت سے لڑتے نہیں دیکھا

الغرض دلبند حیدر کرار نے وہ شدید حملے کئے کہ باوجود کثرت افواج حضرت نے میدان سے سب کو بھگا کر راستہ فرات کا صاف کردیا۔ حسرت سے فرات کو دیکھا۔ اور گھوڑا اسی طرف سے بڑھایا۔ اعور سلمی اور عمرو ابن حجاج چار ہزار کمانداروں سے فوج پر متعین تھے۔ نیزہ تان تان کر بڑھے مگر فرزند ساقی کوثر کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اور فرار کرگئے۔ حضرت نے گھوڑا فرات میں ڈال دیا۔ جب اسپ وفادار کو پانی کی خنکی محسوس ہوئی سر اٹھا کر حضرت کی طرف دیکھنے لگا۔ مطلب یہ تھا کہ مولا! آپ پی لیں تو میں بھی پیوں۔ فَاَلْقٰی زِمَامَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ حضرت نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور پیار سے فرمایا:-

أَنْتَ عَطْشَانٌ وَأَنَا عَطْشَانٌ وَاللهِ لَا ذُقْتُ الْمَاءَ حَتَّى تَشْرَبَ - اے اسپ وفادار تو پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں جب تک تو نہ پی لے گا میں پانی زبان سے نہ لگاؤں گا۔ مگر گھوڑے نے سر اپنا بلند کر لیا۔ حضرت دیکھا کہ بلا میرے پانی پیئے یہ بھی نہ پئے گا جھک کر ایک چلو پانی کا فرات سے بھرا۔ گھوڑے کو بھی دکھلانا تھا اور عجب نہیں فوج اشقیا کو دکھلانا منظور ہو کہ دیکھو باوجود کثرت سپاہ کے تمہاری فوج قادر نہ ہوئی۔ پہلے ہمارے بھائی بہ زیر بہادری اسی فرات سے پانی لے گیا۔ پھر میرے علمدار نے اسی فرات سے مشک بھر لی اور اب تن تنہا میں اس پر قابض و متصرف ہوں مگر پیاسے امام کے قصد ہی تھے اس پانی سے امام کے لب تر نہ ہونے پائے تھے کہ ایک بے دین نے پکار کر کہا اے حسین تم یہاں پانی پی رہے ہو وہاں اشقیا تمہارے حرم لوٹ رہے ہیں۔ حضرت نے وہ پانی فوراً پھینک دیا اور پیاسے نکل آئے۔ دیکھا تو اہلبیت محفوظ ہیں۔ اشقیا کا یہ ایک حیلہ تھا۔ مگر وہ اصل شانِ امامت سے بعید تھا کہ حضرت دھوکے میں آ جاتے۔ البتہ امام کو دکھلانا منظور تھا کہ میں اہلبیت رسول کا جزوی نہ فقط امانت دار و امین ہوں۔ ان کی حفاظت اس قدر ملحوظ ہے کہ ان کی ہتک حرمت سن کر تاب بھی تو وقت گوارا نہ کیا کہ سیراب ہوں۔ انصاف شرط ہے حضرت پانی کیا پیتے اور کب پیا جاتا جب منہ بھر پانی مانگتے مانگتے دنیا سے سدھارے۔ علی اصغر اسی پانی کی بدولت تیر سے شہید ہو کر دنیا سے گیا۔ اب پانی کیا پیا جاتا۔ حفاظتِ حرم کا ایک ذریعہ بن گیا کہ حضرت پیاسے نکل آئے پھر فوج پر شدید حملہ کیا اور دس مرتبہ خندق تک رجوع کر لیا بارہ میں سے نفس پر بے ابکا کر دم لیا۔

حضرت کی اس شجاعت کا دنیا میں کون اندازہ کر سکتا ہے باوجود تشنگی و خستگی و مظلومیت کے مطابق قول مجلسی کے حضرت نے ایک ہزار نو سو پچاس سوار پیادے و سوار قتل کئے۔ اور معصوم کی روایت سے یہ تخمینہ بھی ہے کہ وہ جو مقتول ہوئے ان میں کسی مومن کے پیدا ہونے کی امید نہ تھی۔ صاحب روضۃ الشہدا نے مقتولین کی تعداد بارہ ہزار تک لکھی ہے۔ لیکن کم از کم دو ہزار دشمنوں کا قتل کرنا امام تشنہ کام ضعیف و ناتوان پیرمردہ شخص کے لئے عدیم المثال ہے۔ نہ اس سے قبل ہوا نہ بعد میں کوئی ایسا شجاع گزرا۔ مگر کہاں تک لڑتے۔ خون بھی جسم سے بکثرت بہہ چکا تھا۔ دن ڈھل چکا تھا کہ ہر طرف سے خورشید امامت پر زغہ ہوا۔ عمر سعد نے آواز دی۔ وائے ہو تم پر یہ شخص ابن الانزع البطین کا یادگار ہے، قتالِ عرب کا فرزند ہے اس طرح کبھی تم سر بہرہ نہ ہو گے۔ ہر طرف سے گھیر لو

پستا تھا کہ تنہا بے کس پر فوجوں کا ہجوم ہوا حضرت کہاں تک دفع کرتے ایک کو قتل کرتے تو دس
اس مقام پر آجاتے تھے ناگاہ ابو الحتوق کا تیر پیشانی پر پڑا۔ حضرت نے دامن اٹھا کر خون پاک
کرنا چاہا کہ دوسرا تیر سینہ مبارک سے پار ہو گیا۔ فرمایا بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ حضرت
نے حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی اِلٰهِيْ تَعْلَمُ اِنَّهُمْ يَقْتُلُوْنَ رَجُلًا لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ
الْاَرْضِ ابْنُ نَبِيٍّ غَيْرُهٗ خداوندا! گواہ رہنا یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں جس کے سوا کوئی دوسرا
شخص تیرے رسول کا نواسہ نہیں ہے۔ یہ فرما کر اس تیر کو سینہ سے نکال لیا اور زخم کا خون چہرے
پر مل کر فرمایا اس طرح نانا جان سے ملاقات کروں گا حسینؑ پر رونے والو! تمہارے مظلوم
آقا میں گھوڑے پر ٹھہرنے کی قوت نہ رہی

نہ ذوالجناح دگر تاب، سنت مت داشت — نہ خود حسین علیہ السلام طاقت داشت
بلند مرتبہ شاہے ز صدر زین افتاد — اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد

عزادارو! ماجرائے شہادت کس زبان سے عرض کروں؟ کہاں سے دل لاؤں؟ کیونکر
بیان کروں کہ زمین پر گرتے آتے کیا ستم واقع ہو گئے جسم مبارک خاک تک کیونکر پہونچا۔ کون کونسا
حضرت کے گرد آ گیا۔ کس نے تم کو بے امام اور سکینہ کو یتیم کیا۔ جناب زینبؑ در خیمہ سے یہ سب ماجرا
دیکھ رہی ہیں نہ آگے قدم اٹھتا ہے نہ خیمہ کی طرف پلٹا جاتا ہے۔ بے اختیار منہ سے نکل گیا۔ ہائے
بھائی! ہائے سید و سردار کے ہائے سالار اہل بیت۔ اب آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا۔ پہاڑ
کیوں نہیں شق ہو جاتے۔ یہ کہہ رہی تھیں کہ عمر ابن سعد سامنے آ گیا۔ اس کو دیکھ کر فرمایا کہ عمر سعد
تیرا باپ تو مسلمان اہل الاسلام تھا تو دیکھ رہا ہے اور فرزند رسول ابو عبداللہ الحسین ذبح ہو رہا ہے!!
کچھ اس حسرت سے یہ ارشاد فرمائے کہ عمر منہ پھیر کر رونے لگا۔ الغرض جو سینے بھائی کے پاس پہونچ کر

فٹ نوٹ ۱۔ روز جمعہ دہم محرم سنہ ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر [illegible] وقت شہادت عمر مبارک ۵۶ سال [illegible] اولاد امجاد تعداد [illegible]
چار فرزند دو دختر۔ فرزند اکبر امام زین العابدین ہیں آپ کی ماں شاہ زنان مشہور شہر بانو بنت یزدجرد [illegible]
زمانہ میں فوت ہو چکی تھیں۔ جناب علی اکبر بطن لیلیٰ آپ کا وجود کربلا میں [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible]
ملا اور مجلسی نے ایک روایت [illegible] جناب علی اصغر [illegible]
بنت امراء القیس جناب سکینہ بھی آپ کے بطن سے ہیں [illegible]
بطن ام اسحٰق بنت طلحہ سے جن کو امام زین العابدین نے [illegible] ہے۔
[illegible]

نہ باقی رہیں کہ شمر نے صدائے تکبیر بلند کی۔ باجے فتح کے بجنے لگے۔ سیاہ آندھی چلنے لگی۔ نہر کا پانی اچھلنے لگا۔ راوی بیان کرتا ہے قسم بخدا میں نے سنا در بنگ علق مذبوح سے آواز آ رہی تھی۔ اے رسول خدا ابوالقاسم اے بابا علی اے بھائی حسن مجتبےٰ اور اے مادر فاطمہ زہراؑ میں مظلوم قتل کیا گیا میں پیاسا ذبح کیا گیا۔ آسمان سے آواز آئی

اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاء اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَاء

بیان اٹھارھواں ۱۸

علت غائی امام پر وحی کا طریقہ، امیرالمومنین کو شب ہجرت تہنیت، بیان کربلا پر مصائب کا آغاز، خیموں کی لوٹ، جناب زینب کا صبر اور نوحہ کرنا

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔ (پ۱۷۔ رکوع ۴) قرآن میں ارشاد رب العالمین ہے۔ ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں اور ان پر وحی نازل کی امید خیر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے لئے اور وہ سب ہماری بندگی کرنے والے تھے۔

اس آیت میں خدا نے امام کی علت غائی کا پہلے ذکر فرمایا ہے اس کے بعد وحی کے اغراض بیان فرمائے ہیں۔

ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے بنانے والا اپنی صنعت کی وجہ خلقت کو جیسا سمجھ سکتا ہے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور یہ بھی لازم ہے کہ بغیر چار چیزوں کے فراہم ہوئے کوئی شے وجود میں نہیں آ سکتی سب کے پہلے ایک صانع ہونا چاہیئے جو ضرورت کے لحاظ سے اس چیز کو ایجاد کرنا تجویز کرے گا۔ اسکو علت فاعلی کہتے ہیں۔

اس کے بعد اس صنعت کا کوئی نقشہ صانع تجویز کرے گا اسکو علت صوری کہتے ہیں۔ اب لازم آیا صانع اس شے اور اس ضرورت کا لحاظ کر کے یہ تجویز کرے کہ وہ شے کس چیز سے بنائی جائے۔ جو کار آمد ہو اس کو علت مادی کہتے ہیں۔ علت غائی یعنی جس غرض سے ایجاد شے منظور ہے۔ یہ چار چیزیں علت فاعلی، علت صوری، علت مادی اور علت غائی۔ جس میں علت فاعلی سب سے مقدم ہے کہ بغیر

صانع کے لئے کوئی شے بنانا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد علت غائی بھی لازم ہے کہ جب تک صانع یہ نہ سمجھے گا
کس ضرورت سے شے کو وجود میں لا رہا ہے اس وقت تک نہ اس کا نقشہ بن سکتا ہے نہ اس کا نمونہ ذہن
میں آسکتا ہے۔ نہ یہ تجویز ہو سکتا ہے کہ کس چیز سے بنائی جائے۔ مثلاً صانع کو ضرورت ہوئی کہ منبر بنائے
پہلے ضرورت کو سمجھے گا کہ ذاکری کے لئے خطیب کے واسطے بنانے کی ضرورت ہے۔ اب بلحاظ ضرورت
نقشہ بھی ذہن میں تیار ہو گیا اور یہ بھی تجویز کرنا آسان ہو گیا کہ لکڑی سے بنایا جائے یا کس چیز سے۔ غرض
علت غائی مقدم ہوئی۔ اسی اصول پر خدا نے امام خلق کئے اور ان کی علت غائی ہدایت قرار دے کر
اس نے اپنے علم سے تجویز کر لیا کہ امام میں کیا کیا صفتیں درکار ہوں گی۔ جن سے علت غائی کا مقصد حاصل
ہو سکتا ہے۔

اب اس کے بعد نوری مادہ سے خلق کیا کہ ظلمت میں نور کا کام ہے راستہ بتانا اور امام سے یہی کام
لینا ہے۔ یعنی ہدایت۔

امام کی علت غائی

جب امام کی علت غائی ہدایت قرار پائی تو یہ بات عقلاً ثابت ہو گئی کہ بنانے والا اس کو خوب سمجھ سکتا
ہے کہ ہدایت کے لئے ہم کیا کیا صفتیں پیدا کریں۔

اس لئے اس نے امام بنانے کا حق ہم کو نہیں دیا۔ اور ہم کو عاجز سمجھ کر یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا
وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً۔ ان کو پاس عصمت دیا کہ انسان کو بھی ہدایت کریں اور فرشتے بھی ان کی اطاعت عار
نہ سمجھیں۔ ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو کہ اس سے بجائے ہدایت کے معصیت پھیلے گی اور علت غائی
میں خلل واقع ہو گا۔ علم دیا کہ جو سوال پیش کیا جائے اس کا جواب دے کر ہدایت کرے۔ فرشتہ بھی
اگر کوئی سوال کرے تو عاجز نہ ہو۔

ذوق عبادت دیا کہ انسان کو بھی ہدایت حاصل ہو اور ملائکہ اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو جائیں۔ کسی
کو عبادت میں یہ لذت ملی کہ پیر سے تیر نکال لیا گیا اور عبادت گزار کو خبر نہ ہوئی۔ کسی عبادت میں یہ
محویت حاصل ہوئی کہ سانپ پیر کا انگوٹھا منہ میں لئے چبا رہا ہے مگر عبادت گزار کو حس نہیں۔ کسی کا کمسن بچہ
چاہ میں گر گیا ماں تڑپ رہی ہے مگر عبادت گزار باپ کو نماز میں وہ محویت ہے کہ خبر ہی نہیں۔
غرض مجموعہ صفات بنا کر ہدایت کے لئے بھیجا۔ لیکن یہ وہ منصب تھا کہ روز اول فرشتوں کو اختلاف
ہوا اور عرض کی۔ قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ فرشتوں کو یہ تو معلوم تھا نہیں کہ

تو امام جو ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہو اور جس کی عصمت قرآن سے ثابت ہو اس پر نزول وحی میں کیا نقص لازم آتا ہے؟ صلوٰۃ

مگر ہاں رسول پر وحی کا دوسرا انداز ہے اور امام پر وحی دوسری شان رکھتی ہے۔ اقسام وحی میں یاد دلاؤں اس کے بعد عقل خود فیصلہ کرے گی کہ یہ لباس وحی اجسام ائمہ پر موزوں ہو یا نہیں۔

ایک وحی وہ جو خواب میں ہو جیسے إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ جناب ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ اسمٰعیل کو ذبح کر رہا ہوں دوسرے الخ۔ دل پر کیفیت وحی سے کسی راز کا انکشاف جیسے فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ اس کو الہام بھی کہتے ہیں۔ تیسرا طریقہ وحی کا درخت سے یا پہاڑ سے آواز کا پیدا ہونا جیسے إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ رسول کے لئے شان وحی اور ہے جیسے قرآن میں ہے وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ اے رسول اسی طرح ہم نے روح الامین کو وحی دے کر بھیجا جس کے پہلے تم بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا شے ہے۔

روح الامین کے آنے کی مختلف شکلیں تھیں کبھی اصلی حالت میں آتے کبھی دحیہ کلبی کی شکل میں آتے غرض فرشتہ کا حالت اصلی میں حکم الٰہی لے کر آنا۔ یہ شان وحی رسول ہے۔ اور آپ کو امام کے لئے الخ کی مثالیں بکثرت ملیں گی۔ کبھی آپ کا امام نماز میں ہے سائل سوال کر رہا ہے وَهُمْ رَاكِعُونَ بخشوع تر کیا معلوم کون ہے مگر دوسرے الفاظ ہو رہے ہیں اور امام اپنی انگشتری بڑھا رہا ہے۔ صلوٰۃ

مگر ایک موقع آپ کے مولا علی کے لئے ایسا پیش آیا کہ نگاہ ہونے کو حیرت ہو دل کو تعجب زبان کو سکوت۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کہوں کیا سمجھوں۔

رسول کا وہی گھر ہے جس میں سب سے پہلے وحی نازل ہوئی جہاں بے حجاب ملک آتے تھے رسول کی آرام گاہ اور بستر خواب۔ مگر بجائے رسول کے نفس رسول صرف خواب ہے اور ہر جانب سے مشرکین تلواریں لئے اس مکان کو گھیرے ہیں۔ امین وحی اپنی اصلی حالت میں سرہانے کھڑے ہیں اور میکائیل پائنتی اور خدا کی طرف سے تہنیت دے رہے ہیں بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ يَا ابْنَ أَبِي طَالِبٍ يُبَاهِي اللَّهُ بِكَ الْمَلَائِكَةَ۔ مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابی طالب خدا تمہارے سبب فرشتوں پر مفاخرت کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ملائکہ بے حجاب اپنی اصلی صورت میں خدا کی طرف سے الفاظ تہنیت پیش کر رہے ہیں۔ اب اس کو رسول کی جانشینی کی برکت سمجھئے یا علی کی جانفشانی کا صدقہ کہ آج ہم کو کوئی

فرق نظر نہیں آتا۔ گھر کے باہر سے کفار علی کو رسول سمجھ رہے ہیں اور ملائکہ اسی بے تکلفی سے بلا واسطہ
کلام کر رہے ہیں جس طرح خدمت رسول میں حاضر ہوتے تھے۔ صلوٰۃ

یہ بھی ایک حکیمانہ پہلو ہے کہ فرشتوں نے قبل خلقت آدم اعتراض کیا تھا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ
فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ تو کیا تو اس کو خلیفہ بنائے گا جو فساد برپا کریں گے اور خون بہائیں گے؟ آج انہیں
ملائکہ کی زبانی خدا اس بات کی تہنیت دلاتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی کے واسطے اپنی جان خطرے میں ڈال
دی۔ جسکو خلیفہ بنانا منظور ہے۔ اسی وقت ارشاد الٰہی ہوا تھا إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ تم نہیں جانتے
جو ہم جانتے ہیں۔ ہم نے نوان کو وہ صفت عطا کی ہے کہ اپنی جان ہمارے واسطے نثار کر دیں۔ فرشتے پہچان
گئے کہ بیشک یہ وہ ہستیاں ہیں کہ ان کے در کا سجدہ کیا جائے اور ان کی خاک قدم آنکھوں کا سرمہ
بنائی جائے۔ صلوٰۃ

اچھا یہ طریقہ تو فرشتوں کے لئے بے حجابانہ آنے کا تھا۔ مگر وہ عنوان کہ دحیہ کلبی کی شکل میں آئے امام
کی بارگاہ میں آتے رہے یعنی اتنی بار آئے کہ ہم اس کا شمار نہیں کر سکتے جو فرشتوں کے انداز آمد کو پہچانتا ہو
وہ بتا سکتا ہے۔ ملک شناس راوی بیان کرتے ہیں۔ کبھی دھوبی بن کر آئے۔ کبھی سائل بن کر آئے کبھی
مسکین کے بھیس میں آئے ایک دو مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ آئے اور جب رسول کے پاس آئے جب
بھی اس دروازہ سے آئے جو رسول نے قائم کر رکھا تھا۔ نہ اس گھر میں فرشتوں کی آمد و شد کا شمار ہو سکتا ہے
نہ خدا کی عنایتوں کا احاطہ نہ آپ کی فضیلتوں کا شمار۔

علی کی ذات وہ ذات ہے کہ کسی کو نبی کا دھوکہ ہوا کسی کو خدا کا شبہ ہوا۔ مگر اس میں تو شک
نہیں کہ یہ ذات مجسمہ قدرت خدا کا نمونہ تھی اور علم الٰہی کا ایک نقش تھا۔ کہ اس نے علت غائی کو سمجھ کر بنایا
تھا۔ وہی سمجھ سکتا تھا کہ علی کو بستر رسول پر قائم مقام ہو کر سونا پڑے گا۔ اسی لئے اس نے ایک نور کے دو حصے
کر کے پیدا کیا۔ کہ دونوں جسموں کی خاصیت یکساں رہے۔ ویسا ہی نور تاریکی میں اس جسم سے بھی ساطع
ہو اور وہی خوشبو اس جسم سے پیدا ہو جیسی محبوب کے جسم میں پیدا کی ہے۔

آج اگر جسم علی میں یہی بات نہ ہوتی تو کفار بستر رسول پر علی کو رسول نہ سمجھتے اور ہجرت کی غرض فوت
ہو جاتی۔ اس لئے اس نے ایک نور سے دو حصے کر کے پیدا کیا۔ کہ خواص جسد میں فرق نہ ہو۔ (صلوٰۃ)

بہر حال بستر رسول پر علی کو وہ فضیلت حاصل ہوئی کہ تمام عمر میں یہ رات علی کے لئے حاصل زندگی

زادہ پائی۔ علی اپنے نزدیک رسول پر جان نثار کرنے کے سے صرف ثواب تھے۔ مگر خدا کو اس نفس مطمئن
سے بہت کام لینے تھے۔ وہ علت غائی سے واقف تھا اس نے حفاظت کی اور کفار کو خجالت نصیب
ہوئی۔ نور صبح نے ظلمت شب کو دور کیا۔ مشرکین اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے کہ کس طرف سے حملہ کیا جائے
وہاں علی کی مصاحبت میں جبرئیل و میکائیل تھے' یہاں شیطان شریک صحبت۔ کہنے لگا کیا دیکھتے
ہو تم جس کے خواہاں تھے وہ آنکھوں میں خاک ڈال کر روانہ ہو گیا۔ مشرکین نے دیوار سے جھانک
کر دیکھا تو کوئی شخص سبز چادر اوڑھے سو رہا ہے۔ سب نے کہا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے محمد ابن عبداللہ سو
رہے ہیں۔ بعض شخصوں نے امتحان کے لئے چند پتھر باہر سے پھینکے۔ شیر خدا انگڑائی لیتے ہوئے
اٹھے اور ایک نعرہ کیا تم کون' کیوں جمع ہوئے ہو۔ ہیبت سے سب کانپنے لگے اور کہا یہ آواز
تو کسی غیر شخص کی ہے۔ یہ کہہ کر سب حضرت کے دولت سرا میں در آئے اور اسد اللہ کو دیکھ کر
حیرت میں آ گئے۔ پوچھا محمد صلعم کہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم میرے سپرد کر گئے تھے۔ سُراقہ
نے کہا جبکہ ہمارا مطلوب نہیں ملا تو جس کو پایا ہے اسی کو قتل کرو۔ ابوجہل نے کہا اس کو محمد صلعم
نے اپنی محبت میں دیوانہ کر دیا ہے۔ اس سے مواخذہ بے کار ہے۔ اسد کردگار کو غیظ آ گیا اور کہا
اے ابوجہل مجھے دیوانہ سمجھا ہے۔ میرے سامنے ایسی باتیں۔ کر خدا نے مجھکو فضل میں وہ کمال عطا فرمایا
ہے کہ میری عقل اگر دنیا کے تمام دیوانوں پر تقسیم کی جائے تو دانا ہو جائیں۔ اور اگر میری قوت
دنیا کی کمزور ہستیوں پر تقسیم کی جائے تو شجاع ہو جائیں۔ اور اگر میرا حلم و ثبات قدم دنیا کے
بزدلوں پر تقسیم کیا جائے تو وہ بردبار اور باوقار ہو جائیں۔ اے ابوجہل افسوس ہے کہ میرے
رسول نے مجھکو جنگ کا حکم نہیں دیا ہے ورنہ ایک شخص کو تم میں سے زندہ نہ جانے دیتا۔ ابوالبختری
یہ کلمات سن کر غیظ میں آیا اور اپنا حربہ سنبھال کر حضرت پر وار کرنے کے لئے بڑھا۔ ناگاہ زمین
نے پیر پکڑ لیے۔ آسمان سر سے ہل گیا۔ یہ دیکھ کر دہشت سے منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور
بیہوش ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا آؤ چلو ہم کو ان سے کوئی مطلب نہیں۔ یہ کہہ کر سب کے سب
خانۂ رسول سے نکل کر راہی ہو گئے۔ کچھ خیال کیا آپ نے؟ ابوجہل مشرکین کو لے کر قتل کے لئے آیا تھا۔
رات بھر گھیرا محاصرہ کئے رہے کہ حضرت جب نکلیں تو قتل کریں۔ شب کو خانۂ رسول میں داخل ہونے
کا ارادہ نہیں کیا کہ ایک سردار عرب کے گھر کی توہین ہوگی۔ مشرکین بھی اس گھر کی اتنی عزت کرتے تھے۔

اور صبح کو جب داخل بھی ہوئے تو کوئی بے حرمتی نہیں۔ اسباب نہیں لوٹا۔ گھر میں آگ نہیں لگائی حضرت علی سے تعارض نہیں کیا۔ پیغمبر خدا کی روح طیب کو یہ صدمہ امت کے ہاتھ سے پہونچنا تھا۔ اس گھر کی بے حرمتی۔ کربلا پر موقوف تھی۔ یہ مظالم گیارھویں محرم کی رات کے لئے اٹھ رہے تھے جبکہ مظلوم کو قتل کرکے یہ سب باتیں جائز کردیں۔ فوج یزید کے جنگجو سپاہی اہل حرم کے خیموں میں پہونچ گئے۔ نبی کی نواسیوں کی چادریں چھین لیں۔ زیور و اسباب لوٹ لیا۔ یتیموں کو طمانچہ مارے مگر کسی کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ یہ تمہارے رسول کا گھر ہے اور تمہارے پیغمبر کی ذریت۔ البتہ قبیلہ بکر بن وائل کی ایک عورت بنی زادیوں کو لٹتے دیکھکر ایک تلوار کا ٹکڑا لے آئی اور خیمہ پر بیٹھ گئی اور غیرت دلانے لگی کہ اے قوم تمہیں زیبا نہیں کہ دختران رسول خدا فاطمہ زہرا کو بے پردہ کرو۔

ہائے اتنے بے رحموں میں ایک عورت کو جو رحم بھی آیا تو اس کا شوہر پہونچ گیا اور اس کو کھینچتا ہوا لشکر کی طرف لے گیا۔ ابوجہل ایسے دشمن خدا و رسول نے خانہ رسول کا پاس کیا کوئی بے حرمتی نہ ہونے دی مولا علی سے تعرض نہیں کیا۔ حالانکہ میرا آقا بیمار نہ تھا رنجیدہ و ناتوان نہ تھا۔ مگر امت رسول بنی زادیوں کو لوٹ کر آسودہ نہیں ہوئی اور اب اس خیمہ کی طرف رخ کیا جس میں تمہارا چوتھا امام جلد گوسفند پر غش میں پڑا تھا۔ حمید ابن مسلم بیان کرتا ہے کہ جب اہل بیت کو سب بے مقنع و چادر کرچکے ایک خیمہ کی طرف رخ کیا۔ دیکھا ایک مریض بستر پر غش میں پڑا ہے ایک ملعون قریب آیا اور شمر سے کہنے لگا کہ اس جوان کو کیوں چھوڑ دیا ہے۔ شمر نے کہا اس کو بھی قتل کرڈالو۔ حمید کہتا ہے مجھکو رحم آیا۔ میں نے کہا اس بیمار نے تمہارا کیا قصور کیا ہے۔ اسکو مار کر تم کو کیا مل جائے گا۔ عزادارو اسوقت تمہاری شہزادیوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی کہ گھر بھر میں ایک جوان نیم جان ضعیف و ناتوان بچ گیا ہے جو اس لٹے ہوئے گھر کا سالار قافلہ ہے اب اس کے قتل کا بھی سامان ہو رہا ہے۔ حمید کہتا ہے بیبیوں نے فریاد کرنا شروع کی۔ نانا رسول خدا خبر لیجئے کہ آپ کی نسل منقطع ہورہی ہے اب ہم بیکسوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ناگاہ عمر سعد پہونچ گیا اور اس نے قتل بیمار سے سب کو روکا مگر جناب فاطمہ کبریٰ بیان کرتی ہیں میرا بھائی بیمار و ناتوان جس پوست گوسفند پر لیٹا ہوا تھا اعدا نے اس کو کھینچ لیا اور بجز خاک گرم کے اور کوئی بستر بیمار کربلا کے لئے باقی نہ رہا۔

الغرض جب اہلبیت نے عمر سعد کو بر سر رحم دیکھا۔ سب بیبیاں اس کے گرد جمع ہوگئیں اور کہا۔ اے پسر سعد تیری فوج نے سب اسباب ہمارا لوٹ لیا۔ چادریں ہماری چھین لیں۔ زیور ہمارا اتار لیا۔ وہ ملعون

بنی فاطمہ کی بے پردگی

بیمار کربلا پر ستم

در جلاء العیون مذکور است ...

[illegible]

دردناک فریاد سنکر رونے لگا اور حکم دیا کہ جو اسباب لوٹ لیا ہے واپس کردو۔ مگر حمید سے روایت ہے کہ کسی نے کسی نے بھی اسباب واپس نہ کیا۔ میں عرض کروں گا کہ اشقیا اس مال اسباب غنیمت سمجھتے تھے، اس کو واپس کیا کرتے۔ جب لاش مطہر کا لباس تک باقی نہ رکھا تو وہ زیور و اسباب کیا واپس کرتے۔ جب ہر طرح سے لوٹ کر اپنے دلوں کو خوش کر چکے۔ خیمہ پاک حرم میں آگ لگا دی۔ یہ مصیبت بے پردگی مخدرات عصمت کے لئے نہایت سخت مصیبت تھی۔ مگر سبحان اللہ کس کے اہل حرم تھے اس حالت انتشار و اضطراب میں بی زادیوں کی یہ حالت تھی کہ جہاں تک ممکن ہوا بے پردہ نہیں ہوئیں۔ جب ایک خیمہ جل کر ختم ہونے لگتا ہو دوسرے خیمے میں چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ سب خیمے جل گئے صرف ایک خیمہ باقی رہا جب اس کے قریب بھی شعلہ پہنچ گئے۔

جناب مریم صغریٰ۔ زینب کبریٰؑ اپنے بھتیجے اور امام عصر بیمار کربلا کے پاس آئیں اور کہا اے فرزند آپ امام وقت ہیں، ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ اب کوئی خیمہ باقی نہیں جو آگ سے جل گیا ہو۔ اب اس آخری خیمہ میں بھی آگ لگ چکی ہے۔ ہم اہل بیت اس حالت میں کیا کریں۔ بیمار کربلا خاک پر پڑے ہوئے گھر کی بربادی کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ پھوپھی کے اس سوال پر جواب دیا۔ اے پھوپھی حفاظت نفس واجب ہے۔ خیمہ سے باہر نکل جائیے۔

رونے والو! اپنی شہزادی کے اس سوال پر کبھی غور کیا۔ کس قدر ثبات نفس اور شان عصمت آپ کے سوال سے ظاہر ہے۔ ایک طرف امت کو پردے کی ہدایت۔ دیکھو جان پر بن جائے مگر اے امت کی باعصمت عورتوں گھر سے باہر قدم نہ نکالنا۔ دوسری طرف عالم ابتلا میں شان استقلال دکھلا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج ہم اہلبیت کے امتحان کا دن ہے۔ مرد تو میدان قتال میں اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب اگر ہم عورات اہلبیت کا خدا امتحان لے رہا ہو اس کی مرضی اس میں ہو کہ آگ میں

لہ جناب زینبؑ کا امام زین العابدین سے استفسار آتش زدگی خیام کے وقت مقتل عوالم میں ہے۔ لیکن اس کا جزئیہ توضیح طلب ہے اور جناب زینب کے اس فعل پر اسلام کے پردے کی دلیل پیش کی ہے اس کے جواب میں اس زمانہ کی آزاد منش عورتیں اور یورپ کے مقلدین مرد شہادت جناب علی اکبر کے وقت لاش امام پر جناب زینب کا آنا پیش کریں گے۔ لیکن میں اس کے جواب میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ شہادت جناب علی اکبر کے وقت بھی امام کی خبر گیری کے لئے جناب زینب کا قدم باہر نہیں نکلا۔ اس وقت بھی سوائے بیمار کربلا کے اور علی اصغر یا امام محمد باقر جن کی عمر ۴ سال کی تھی اور کوئی مرد خیام میں نہ تھا۔ محض یہ ضرورت کہ جوان بچے کی لاش پر باپ کا نہ معلوم کیا حال ہو۔ خبر گیری امام کی واجب تھی اور بعد شہادت بھی اگر دفن کرتا میسر نہ تھا تو لاش کا دیکھنا ضروری تھا۔ اور شب کا وقت تھا۔ دن بھی نہ تھا۔ ایسی صورت میں جناب زینب کا نکلنا خاتونوں کا باہر لانا تردید میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ (مترجم)

جل کر سب فنا ہو جائیں تو اپنے جد خلیل خدا کی طرح ہم سب اس پر تیار ہیں کہ خیموں سے باہر قدم نہ نکالیں اور اپنی جانیں جد کے دین پر نثار کر دیں۔ اس لئے امام وقت سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ مگر امام نے سمجھا دیا کہ آپ پر یہ تکلیف نہیں ہے۔ حفاظتِ نفس مقدم ہے۔ الغرض جب خیمے جل چکے، اسباب لٹ چکا، اشقیا ظلم و ستم کر کے تھک گئے، بے وارث عورتوں اور بچوں کو کچھ سکون ملا۔ جناب زینب کو بھائی کی یاد آئی۔ جانب مقتل روانہ ہوئیں مگر وہاں جا کر کیا دیکھا۔ نہ جسم مبارک پر سر ہے، نہ لاش مجروح پر لباس۔

فرزند بتول زخموں سے چور چور ایک نشیب میں رو بقبلہ پڑا ہے اور ہزاروں تیر لاش مطہر میں پیوست ہیں۔ بھائی کی شیدائی بہن یہ حال دیکھ کر قریب تھا کہ غش کر جائے دل سنبھال کر ایک نوحہ پڑھا۔ يَا مُحَمَّدَاهُ بَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ مُقَتَّلَةٌ تَسْفِي عَلَيْهِمْ رِيحُ الصَّبَا وَهٰذَا حُسَيْنٌ مَجْزُوزُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا مَسْلُوبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَا ۔ اے نانا محمد مصطفےٰ آپ کی بیٹیاں اسیر و مقید ہیں۔ اور آپ کی ذریت نسل کی ہوئی خون آلودہ زمین پر پڑی ہے اور ریگ صحرا اس پر جم گئی ہے۔ اور یہ فرزند آپ کا حسین ہے جس کا سر پس گردن سے جدا کیا گیا ہے جس کے عمامہ سے ردا سب لوٹ لے گئے۔ اس طرح کے بین جگر خراش کے کہ جس نے وہ نوحہ سنا یا وہ منظر دیکھا وہ دیر تک روتا رہا اور جب یاد آیا تو رو دیا آ گیا۔ مگر صابر کی بہن تھیں اپنے اب و جد کی شان یاد آ گئی۔ بھائی کی وصیت پیش نظر ہو گئی گریہ کو ضبط کیا دل کو سنبھالا دونوں ہاتھ جانب آسمان بلند کئے اور درگاہ کبریا میں عرض کرنے لگیں اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقَلِيْلَ الْقُرْبَانِ وَشَهِيْدُ الْغُرَبَانِ۔ خداوندا! ہمارے اس کشتۂ ناچیز اور شہید بے غسل و کفن کو قبول کرے!" اہلبیت کے جان نثار و! اپنی شہزادی کا صبر و رضا دیکھا! آپ نے ایسے صابر بھائی کی ایسی ہی بہن ہونا چاہیئے۔ بھائی نے دین کی راہ میں سر کٹا دیا کنبہ لٹا دیا۔ اب بہن بھائی کو داد شہادت دے رہی تھیں۔ اب مناجات میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ خلیل کی قربانی کے عوض دنبہ آیا مگر لے خداوندا تو نے ہم اہلبیت کی بڑی عزت افزائی کی کہ ہم اہلبیت کی قربانی قبول فرمائی۔ اور درجہ شہادت عطا فرمایا۔ ہم کو وہ عزت عطا فرمائی جو اپنے خلیل کو بھی نہیں دی۔ ہمارا یہ ناچیز ہدیہ ہے اس کو قبول کرے۔ شہید مظلوم کے رتبہ دانو! آپ کو یاد ہو گا شہادت علی اصغر کے بعد امام مظلوم نے دو رکعت نماز ادا کی۔ جیسا کہ کتب معتبرہ میں صحیح

بھائی کی لاش پر بہن کا نوحہ ۔ بحار الانوار ۔ ناسخ التواریخ

ہے اب حسین کی شہادت پر اس عظیم الشان قربانی کو بھائی کی شریک مصیبت و ابتلا بہن نے یہ آخری مناجات کی ہو کہ اے مالک تو اس کی قدر کرے گا کہ میرے مظلوم بھائی نے تیری راہ میں سر کٹا کر تیرے دین کی حفاظت کی ہو اس کی محنت کی تو داد دے۔ تجھ سے ہم ملتجی ہیں اور اس پر ناز ہے کہ یہ عزت ہم اہل بیت کو تو نے عطا کی ہے۔

بیان اُنیسواں [۱۹]

صبر کا صلہ، بدی کے عوض نیکی کرنا، اور حضرت امیر سے حضرت سجاد کی مشابہت سخاوت و فصاحت میں اور حصین بن نمیر کے ساتھ احسان، مسلم بن عقبہ کا واقعہ حرہ مدینہ میں لوٹ

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کیا اور نماز پڑھی اور جو کچھ ہم نے دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر بظاہر راہ خدا میں خرچ کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے۔ عاقبت میں ایسے لوگوں کے لئے گھر ہیں اور باغات جس میں وہ خود ہمیشہ رہیں گے اور ان کے صالح اور نیک آباؤ اجداد و ازواج اور ان کی نیک اولادیں ان کے ساتھ ہوں گی اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آ کر سلام بجالائیں گے اور عرض کریں گے یہ اس کا عوض ہے جو تم نے دنیا میں صبر کیا دیکھو تمہارا کیسا اچھا انجام ہوا۔

مصور قدرت نے ان آیات کو چند مخصوص صفات کا مرقع قرار دیا ہے۔ جس میں صبر کے جوہر بھی ہیں، عبادت کا حسن بھی، بدی کے عوض میں نیکیوں کا وصف بھی اور ظاہر و باطن سخاوت کی خوبیاں بھی۔ ظاہر میں دار آخرت کی طرف اشارہ ہے مگر دنیا میں بھی کوئی گھر نظر آئے گا۔ جس میں ایسے کامل افراد ملیں گے جن کا خد و خال اس سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ جامع صفات ہونا بہت مشکل ہے مگر قرآن نے جن

نورانی شخصوں کا عکس اس آئینہ میں دکھلایا ہے ایسی کامل واقعیں ہیں کہ تمام صفات ہر ایک ذات میں جمع ہو کر آیت کا مجسمہ نظر آگیا۔ صبر میں کیوں ایوب کو تلاش کیجیے۔ عبادت میں کیوں زکریا کی جستجو کیجیے۔ سخاوت دیکھنے کے لیے کیوں حاتم طائی کے دروازے پر جائیے۔ دنیا میں خدا نے ایک گھر ایسا بنا دیا ہے کہ اس گھر کا ہر فرد صبر میں فخر ایوب۔ عبادت میں فخر زکریا۔ سخاوت میں حاتم سے کہیں زیادہ۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ ان کی ایک صفت اور عالم کی تمام صفتیں اگر میزان عدل میں تولی جائیں تو اہلبیت کے ہر فرد کا پلہ بھاری نکلے گا۔ صلوٰۃ ہے کوئی علی کا ایسا عابد جس نے باوجود قوت خیبر شکنی مصالح دین کو مقدم کر کے دعا ردنیا کو ٹھوکر مار دی اور خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔

اگر ظاہر و پنہاں سخاوت آزمانا ہو تو قرآن تصدیق کرے گا اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یعنی وہ لوگ جو راہ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں۔ پوشیدہ اور ظاہر بظاہر۔ امام المفسرین ابن عباس سے پوچھیے۔ قرآن کس کی منقبت کر رہا ہے۔ اگر بدی کے عوض میں احسان دیکھنا ہے تو ابن ملجم سے پوچھیے کہ ضربت لگانے کے بعد تیرے ساتھ تیرے مقتول نے کیا برتاؤ کیا۔ مصور قدرت نے انھیں اخلاقی تصویروں سے دار دنیا کو آراستہ کیا۔ اور دار آخرت کا مرقع دنیا میں دکھلا دیا۔ انھیں کے قدم کی برکت تھی کہ بہتے ہوئے پانی پر خاک کی کشتی قائم ہو گئی۔ انھیں کے خد و خال کے پرتو سے چمن ہستی آراستہ ہوا۔ انھیں کے گھر کا فیض ہے کہ دنیا آباد ہوئی۔ یہ دنیا بسانے کے لیے آئے مگر خود دنیا میں گھر نہیں بنایا۔ تاریخ بتلاتی ہیں کہ علی نے کبھی اپنے لیے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔

جناب رسول کے اس قول پر عمل تھا کہ دنیا میں وہ گھر بنائے جس کے پاس آخرت میں گھر نہ ہو۔ پھر خدا ان کے واسطے کیوں نہ جنت میں یاقوت و زبرجد کے قصور بنا کر آراستہ کر دے اور قرآن ان مکانوں کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اُولٰٓئِکَ عُقْبَی الدَّارِ جَنّٰتُ لَہُمْ عَلٰی یَدِ خُلُوْدِہَا۔

ایسے صفات رکھنے والوں کے لیے جنت میں گھر کیا جنت انھیں کی ہے۔ کوثر انھیں کا ہے۔ جس کو چاہیں قصر جنت عطا کریں۔ خدا نے پہلے ہی وعدہ کیا تھا وَجَزٰىہُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّحَرِیْرًا۔ دنیا کا املاغ جھین لینے پر صبر کیا۔ آخرت میں جنت پا گئے۔ لباس دنیا کو ترک کیا بوسیدہ عبا میں زندگی

بسر کردی آخرت میں لباس حریر کے مستحق ہوئے۔ صلوٰۃ! یہ عرض کروں۔ خدا نے چند بجا عتیق و بے ردا اسیرانِ مصیبت کی تسکین کے لئے قرآن میں پہلے سے ذکر فرما دیا کہ دنیا والے تمہارے سر کے چادر اُتارے جائیں ہم تم کو جنت میں لباس حریر دینگے۔

مومنین! یہ تو عام عطا ہے کہ ہر صبر کرنے والے کو جنت میں گھر دیا جائے گا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ اور فرشتے اس کے ہر دروازے سے داخل ہو کر سلام کریں گے اور تہنیت دیں گے کہ یہ تمہارے صبر کا معاوضہ ہے۔ لیکن جو ہر صفت میں فرد ہو اور مجموعہ صفات حسنہ ہو تو اس سے بالاتر اس کا مرتبہ ہونا چاہیے۔

اس لئے خدا نے دار دنیا میں ان کے گھر کو وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ فرشتے آستانہ بوسی کو آیا کرتے تھے۔ اور صرف علیؑ کے واسطے ہی نہیں ہر عہد میں آلِ علیؑ کے ہر جانشین کو وہی مرتبہ ملا جو اُن کا قائم مقام ہوا اس کو یہ لباس فضیلت عطا ہوا۔

میں اسی مرتفع صفات سے مشابہ دوسری تصویر پیش کروں کہ وہی چشم و ابرو، وہی گیسو، وہی قد و خال، وہی حسن و جمال، وہی طرزِ مقال، وہی حسنِ باطنی، وہی صبر و رضا، وہی جود و سخا، وہی جلالت، وہی خُلق و قناعت، اسی طرح دشمنوں سے حسنِ سلوک، عبادت کا یہ ذوق کہ رات ختم ہو جاتی ہے مگر نمازوں سے سیری نہیں ہوتی۔ اس مناسبت سے زین العابدین نام ہو گیا، سجدۂ معبود میں یہ انہماک کہ جب صانع عالم کی بنائی ہوئی کوئی شے اچھی معلوم ہوئی سجدہ میں جھک گئے۔ قرآن کی تلاوت میں ہر ذکر نعمت پر سجدہ، ہر بیانِ رحمت پر سجدہ کرتے کرتے جبین مبارک اور زانوئے اقدس پر مثل شکم شتر گھٹے پڑ گئے تھے جو سال میں کئی مرتبہ تراشے جاتے تھے اور وہ قبر میں ساتھ لے جانے کے لئے ذخیرہ کئے جاتے تھے۔

اسی کثرتِ سجدہ سے سجّاد لقب ہو گیا۔ کہ اس کے قبل کسی کو یہ خطاب نہیں ملے تھے۔ دادا نے سب سے پہلے علیؑ کا نام پایا۔ چچا نے حسنؑ باپ نے حسینؑ۔ علی کا پوتا دادا کا ہم نام ہوا۔ مگر دو خطاب ایسے پائے جس کے قبل ذہن میں خلق نہ ہوئے تھے۔ صلوٰۃ۔ ظاہر و پنہاں سخاوت میں وہی دادا کا انداز عطا کہ رات کو آرد و خرما نان و رطب پشت پر لاد کر غریب و مسکین کو پہنچا آتے تھے۔ پانے والے یہ نہ جانتے تھے کہ ہم کو کون دے گیا۔ اس کثرت سے یہ خدمت انجام دی

کہ بعد وفات پشت پر بار کرنے کے نشانات پائے گئے۔

دشمن کے ساتھ حسن سلوک میں اپنے دادا کی زندہ مثال تھے۔ عہد امامت میں اسی انداز کو

یزید کا عہد حکومت

خانہ نشین ہیں جس طرح دادا کو پچیس سال گزر گئے۔ ہر طرف سے ظلم کی گھٹائیں ہیں، فسق و فجور کا سیلاب۔ مگر ہادی امامت سکوت کی حالت میں اپنا فیض پہونچا رہا ہے۔ معاویہ تو یزید کا زمانۂ سلطنت کربلا کی خونریزی سے آسودہ نہ ہوا، پھر مدینہ کو اپنے ستم و جور کا بازی گاہ بنایا۔ یہاں بھی امن و امان مفقود ہو گیا۔ روز فوج کشی، قتل عام۔ دوسری طرف مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کی جابرانہ حکومت، بازار ظلم و ستم گرم ہے (۶۳ھ) چونسٹھ ہجری میں آخر یزید نے ایک فوج آراستہ مسلم ابن عقبہ کی سرداری میں مدینہ بھیجی۔ یہ خود علیل ہو گیا اس نے اپنی طرف سے حصین کو امارت لشکر دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا۔ اور ہدایت کر دی کہ خانۂ کعبہ کی حرمت کا خیال نہ کرنا جبکہ خلیفۂ وقت کے مقابل میں ایک گھر کی کیا وقعت جو اینٹ اور چونے سے بنا ہے (معاذاللہ) جاتے ہی محاصرہ کر لینا اور عبداللہ ابن زبیر کو گرفتار کرکے امیر شام یزید کے پاس بھیجدینا۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو قتل کر ڈالنا۔ حصین

خانۂ کعبہ کی بے حرمتی

ابن نمیر فوج لے کر روانہ ہوا اور ہر طرف سے مکہ کو گھیر کر خانۂ کعبہ پر چہار جانب سے پتھر برسانا شروع کئے آتشبار روغن کے گولے بنا کر پھینکے جس سے آثار حرم میں آگ لگ گئی۔ اور ستون حرم جل گئے۔ سقف منہدم ہو گئی۔ غرض فوج یزید کے مظالم سے حرمت خانۂ کعبہ خوب برباد ہوئی۔ اور عبداللہ ابن زبیر کی بدولت فوج یزید نے دل کھول کر خانۂ محترم کی بے حرمتی کر لی۔ اس واقعہ سے فرزند رسول امام حسینؑ کی روحانی فراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت کو یزیدیوں کی جسارت کا علم تھا کہ اگر خانۂ کعبہ کو میں قلعہ امان بنا کر پناہ لوں گا اور پھر اس میں جا کر موت کی جگہ نہ تلاش کروں گا تو خانۂ خدا کی بے حرمتی کا الزام میری ذات پر عائد ہوگا۔ اور میرا نفس اس کا ذمہ دار قرار پائے گا۔ حضرت کو لوگ ازراہ محبت روکتے بھی رہے اور سفر سے باز رکھنے کی کوششیں کرتے رہے مگر وہ ان مصالح کو نہیں سمجھتے تھے لیکن حضرت کے سب پیش نظر تھا۔ بیشک فرزند رسول کے لئے مکہ میں یہ سب باتیں پیش آئیں۔ جو عبداللہ ابن زبیر کے واسطے عمل میں آئیں۔ ابن زبیر نے خانۂ کعبہ کو قلعہ جنگی بنا کر جائے پناہ قرار دیا تھا فرزند رسول نے کعبہ کی حرمت کو مقدم سمجھ کر اپنی جان خطرے میں ڈال دی اور صحرا نوردی اختیار کی۔ یہی شان حق و باطل میں تمیز کرانی ہے۔

بہرحال ربیع الاول ۶۴ھ کے نصف ماہ تک کعبہ کا محاصرہ رہا۔ اسی اثنا میں یزید واصلِ جہنم ہوا
اور عبد اللہ بن زبیر کو یہ خبر پہنچ گئی اس کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ فوراً مکہ میں یہ خبر مشہور کرادی۔

حصین بن نمیر کو جب یہ خبر پہنچی اور اس کی تصدیق ہو گئی، شباشب کوچ کا حکم دیدیا۔ کہ
ایسا نہ ہو صبح کو اہلِ مکہ دھاوا بول دیں۔ یہ خیال کیا کہ مدینہ میں بنی امیہ کی فوج موجود ہے ان کا
قبضہ ہے یزید کے مرنے کی خبر وہاں نہ پہنچی ہوگی۔ ابنِ نمیر مدینہ روانہ ہو گیا۔ قلتِ رسد اور نایابیٔ
آب سے لشکر میں بھوک اور پیاس کی شدت اس حد پر پہنچی کہ مدینہ پہنچنا دشوار ہو گیا۔ تھوڑے
فاصلے پر لشکر نے اس حالتِ اضطرار میں قیام کر دیا۔ آگے بڑھنے کا یارا باقی نہ رہا۔ حصین ابن
نمیر مع چند سواروں کے تلاشِ آب میں روانہ ہوا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک شتر سوار کو
دیکھا کہ اونٹ پر پانی کی مشکیں اور کچھ سامان بار کئے ہوئے اس طرف آ رہا ہے۔ حصین نے
بڑھ کر سلام کیا اور کہا اے برادر عرب تو یہ پانی کی مشکیں اور اگر سامانِ غذا ہو تو ہمارے
ہاتھ فروخت کر دے، ہم گرسنگی اور تشنگی سے جاں بلب ہو رہے ہیں۔ ناقہ سوار نے
جواب دیا یہ فروخت کے لئے نہیں ہے لیکن تجھ کو حاجت ہو تو یونہی حاضر ہے۔ حصین نے جو
لب ولہجہ پر غور کیا اور چہرے پر شبِ ماہ میں نظر کی تو پہچان گیا۔ کہا کیا تم علی ابن الحسینؑ ہو؟
فرمایا ہاں میں حسینؑ کی یادگار علی ہوں۔ حصین ابن نمیر نے کہا آپ نے مجھ کو بھی پہچانا کہ میں کون
ہوں؟ فرمایا ہاں میں پہچانتا ہوں تو حصین ابن نمیر ہے۔ کربلا میں لشکرِ ابن زیاد میں تو بھی سردار
تھا۔ یہ فرما کر حضرت ناقہ سے اتر پڑے اور مہارِ ناقہ حصین ابن نمیر کے ہاتھ میں دے دی
حصین ابن نمیر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور عرض کی فرزندِ رسولؐ ہاتھ بڑھائیے کہ میں آپ کی بیعت
کروں۔ میرے ہمراہ پانچ ہزار جوان شمشیر زن ہیں جو سب آپ کی بیعت کر لیں گے۔ میں خبر دیتا
ہوں کہ یزید ہلاک ہوا۔ تختِ سلطنت خالی ہے۔ آپ میرے ہمراہ چلیں میں آپ کو تختِ
سلطنت پر بٹھاؤں گا۔ اور حجاز و عراق و شام و یمن، روم و فارس سب آپ کے زیرِ نگیں
ہو جائے گا۔ خدا کی قسم آپ کے ایسا مردِ کریم اور صاحبِ جود و سخا سزاوارِ خلافت میں نے دوسرا
نہیں پایا۔ حضرتؑ نے فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ میں تو عہد کر چکا کہ نہ میں کسی سے بیعت
کروں گا نہ لوں گا۔ یہ فرما کر حضرت نے مہارِ ناقہ پکڑی اور حصین ابن نمیر کے خیمہ کے قریب مشکیں

تاریخ کے
ساتھ سیاہ
کربلا کا
احسان کرم
طبری طبع
لکھنؤ ص۲۲

اسعد کا سامان ڈال کر ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ہیں آیہ قرآن کی مجسم تفسیر وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ اور وہ لوگ جو بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے ہیں اُن کے لئے آخرت میں گھر ہے۔ اس سے بالاتر فضیلت اور کیا ہو گی۔ ان کی حرکت و سکون کی قرآن تصویر کشی کرتا ہے۔ حصین ابن نمیر ساعدی کونے والا دشمن ابن پر بھارا جو تھا امام سید السجاد سے بڑھ کر نیکی کرنے والا اس وقت کون تھا۔ سوائے خاندانِ اہلبیت کے ایسے افراد کہاں مل سکتے ہیں۔

حصین ابن نمیر وہ دشمنِ خدا اور رسول تھا جس نے ذریتِ رسول پر کربلا میں سخت مظالم کئے یہ وہی ظالم ہے جس نے پسر سعد کے حکم سے امام کی مختصر فوج پر تیروں کی بارش کی تھی۔ جس کے باعث تیس اصحابِ حسینؑ کام آ گئے۔

یہ وہی دشمن تھا جس نے ظہر کے وقت نماز کی اجازت مانگنے پر ابو ثمامہ صیداوی سے فرزند رسول کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ کہے کہ حبیب ابن مظاہر کو تاب نہ رہی اور گھوڑا بڑھا کر جواب دیا لا تقبل الصلوٰۃ من ابن رسول اللہ وتقبل منک یا ابن النانیۃ معاذ اللہ فرزندِ رسول کی نماز قبول نہ ہو گی اور تجھ ایسے خطا وار کی نماز قبول ہو گی۔ یہ کہہ کر گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا مگر یہ شخص انبوہ کثیر میں چھپ گیا۔ خدا کی مصلحت تھی حبیب ابن مظاہر کے ہاتھ سے اس وقت بچ گیا۔

پھر اس کے بعد عہد مختار میں بھی یہ لعین کوفہ سے بھاگ نکلا۔ قاتلین شہدائے کربلا میں یہ بڑا دشمنِ دین اس وقت بھی بچ گیا۔ خدا کو اپنے عبد خاص امام زین العابدین علیہ السلام کا ایثارِ نفس اور شانِ کرم دکھلانا منظور تھا۔ کہ بدی کرنے والے اور دشمن کے ساتھ احسان کرنے والے اس طرح کا سلوک کرتے ہیں۔ اس وقت اس ظالم کو بچا لیا۔ اور آج اپنے کریم و سخی بندے کی شان جود و سخا دکھلا کر قرآن کی تصدیق کرا دی۔ یہ ہیں حقائقِ ایمانی اور رموزِ اعجازِ قدرت کہ ایک طرف ظالم بھوکا پیاسا سرگرداں پھر رہا تھا، دوسری طرف امام کو قدرت نے خبر کر دی کہ تمہارے باپ کا دشمن بھوکا پیاسا مع لشکر کے آ رہا ہے تم جا کر اپنے علوِ نفس کا جوہر دکھا دو۔ امام پانی کی مشکیں اور کھانے کا سامان لے کر پہنچ گئے۔ آپ کے پدرِ بزرگوار نے بھی عمر کو اور اس کے لشکر

جبکہ وہ پیاس سے جاں بلب تھے سیراب کیا تھا۔ آپ کے دادا علیؑ نے اپنے قاتل کو دودھ کا پیالہ پلانے کی ہدایت فرمائی۔ سید سجادؑ کا جود و کرم دیکھ کر دشمن اپنے ظلم کو بھول گیا۔ اور اس احسان کا بدلا دینے کے لئے شام کا تخت دلانے کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ادھر امام نے اپنی قناعت کی شان دکھا دی کہ ہم فقیری میں بھی بادشاہوں سے تونگر ہیں۔ صلوٰۃ!

خدا کو اپنے کلام کی تصدیق منظور تھی کہ دنیا حجتِ خدا سے خالی نہیں ہے۔ خدا نے اس خانوادۂ عصمت و طہارت کے ہر فرد کو قرآن کا مصداق بنایا۔ گویا قرآن میں لفظیں ہیں اور یہ مجسم تصویر! اس آیت میں صبر کا جلوہ بھی دکھایا، عبادت کا نمونہ بھی پیش کیا، سخاوت و کرم کے ساتھ دشمن پر رحم کا بھی ذکر کیا۔ یہ تمام محاسن آپ کو ایک ذات میں نظر آئے مگر ابھی آیت کا آخری جزو سلامٌ علیکم بما صبرتم (فرشتے دار آخرت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں) ابھی دکھلانا باقی ہے دارِ آخرت کیا ہے۔ دنیا میں دارِ اہلبیت فرشتوں کی جبہ سائی کے لئے خلق ہوا۔ آپ کو صرف یاد دلانے کی ضرورت ہے، یہ اس کے فرزند ہیں کہ شبِ ہجرت فرشتے تہنیت دینے آئے جس کے باپ کی ولادت کے روز ملائک فوج در فوج نازل ہوتے۔ سوائے علیؑ کون ان کا شمار کر سکتا ہے رسولؐ نے اس روز کچھ سمجھ کر علیؑ کو اپنا دربان بنایا کہ فرشتے آئیں گے تو اسی دروازہ سے آئیں گے جو میں نے قائم کیا ہے۔ نزولِ ملائک کا مخصوص وقت تھا۔ لہٰذا جو غیر معصوم آیا اس کو علیؑ نے روک دیا۔ پھر جب دربارِ عام ہوا اور اصحاب کو آنے کی اجازت ملی لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آج علیؑ سے عجیب بات مشاہدہ میں آئی جب ہم نے آنا چاہا تو علیؑ نے روک دیا اور کہا اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار فرشتے آئے ہیں اور تہنیت ادا کر رہے ہیں۔ تم کو اندر جانے کی اجازت نہیں حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور علی علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ تم نے فرشتوں کی تعداد کیونکر معلوم کی۔ فرمایا ان کے خلاف لغات کا شمار کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس قدر ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا زادک اللہ علمک خدا کو تیرے علم کو اور زیادہ کرے۔ غرض ایک دو مرتبہ نہیں اس دروازہ پر فرشتوں کا ہجوم ہمیشہ رہا۔ کبھی لوریاں دینے آئے کبھی چکی پیسنے کے لئے۔ کبھی گہوارہ جنبانی کے لئے آئے کبھی خوانِ نعمت لے کر آئے۔ کبھی لباس لے کر اور کبھی درزی بن کر آئے۔ یہ سلسلہ صرف باپ دادا پر ختم نہیں ہوا، بلکہ آپ کے امام چہارم سید سجادؑ کے لئے کعبہ میں میوۂ بہشت کا طبق لے کر آئے۔ اسی طرح مسلم بن عقبہ

کے سلسلے میں حفاظت کے لئے آئے۔ مدینہ کی تاراجی کا وہ درد انگیز اور عبرت ناک سانحہ یاد کیجئے مسلم ابن عقبہ بارہ ہزار فوج لے کر آیا اور قتل عام شروع کر دیا۔ گلی کوچوں میں خون کی ندیاں جاری تھیں۔ اس واقعہ حرہ میں چھ ہزار مردم مہاجر و انصار کی اولادیں قتل ہوئیں۔ مسجد رسول میں گھوڑے باندھے گئے اور وہ وہ بد افعالیاں سرزد ہوئیں کہ خدا کی پناہ۔ اسّی بنی ہاشم شہید ہوئے۔ جن میں سادات بنی حسن و علوی تھے۔ جناب عبداللہ ابن جعفر طیار زینب کبریٰ کے شوہر اسی واقعہ میں شہید ہوئے۔ جب مسلم بن عقبہ حرمت حرم رسول زائل کر چکا، مدینہ کو خوب لوٹ چکا، امام عالی مقام جناب سید سجادؑ کو طلب کیا۔ عبداللہ بن مطیع کو مع ایک دستہ سوارل کے طلب میں بھیجا۔ اس شقی نے در بار امامت پر آواز دی۔ اے علی ابن الحسینؑ نکل آؤ۔ تم کو حاکم وقت نے طلب کیا ہے۔

(تاراجی مدینہ تاریخ خمیس کامل ابن اثیر)

امامؑ کے شیدائیو! آپ کے کان اس آواز سے آشنا ہوں گے۔ ایک واقعہ کا منظر آپ کے پیش نظر ہوگا۔ مگر معلوم نہیں ابن مطیع کے ساتھ بھی آگ ہے یا نہیں۔ البتہ اس وقت فاطمہ زہرا اس گھر میں نہیں مگر بقیع میں بھی چین نہ پڑا ہوگا۔ حضرت کے وہ اہلبیت جو کربلا میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ کوئی مقتل سے پلٹ کر نہیں آیا اس وقت امامؑ کی طلب پر سب کا کیا عالم ہوا ہوگا۔ سید الصابرین نے سب کو صبر کی ہدایت فرما کر تبدیل لباس کیا۔ جبائے رسول دوش مبارک پر ڈالی، دادا کی تلوار حمائل کی اور آج بیمار کربلا، ساربان اہلبیت، یزید کا قیدی، دادا کی شان سے باہر نکلا۔ لوگ ہیبت سے کانپنے لگے۔

میں عرض کروں گا کہ اس وقت میرا مولا صبر پر مامور نہ تھا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی ہتھکڑی پہنا دے۔ غرض تجمل و وقار کے ساتھ حضرت دربار مسلم بن عقبہ میں پہنچے۔ زیر لب کچھ ذکر تھا۔ چہرہ پر آثار غضب نمایاں تھے۔ مسلم بن عقبہ یہ شان دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور حضرت کو بہ ادب تمام لیجا کر صدر میں بٹھایا اور عرض کرنے لگا آپ کیا چاہتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میں سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ اب مدینہ میں ظلم نہ ہو اور لاشے دفن کرنے کی اجازت دیدے۔ مسلم بن عقبہ کہا سمعاً و طاعةً ایسا ہی ہوگا۔ پھر حضرتؑ اٹھے اور دولت سرا کی طرف چلے۔ مسلم بن عقبہ کے مصاحبین نے کہا اے امیر تو نے تو علی بن الحسینؑ کو قتل کے لیے بلایا تھا اور بجائے کلمات ناسزا

(مسلم بن عقبہ کے دربار میں سید سجاد کی شان ناسخ جلد ۶)

ان کی شان میں کہا کرتا تھا آج تو نے ان کی تعظیم و تکریم کی۔ اس نے کہا تم نے نہیں دیکھا جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا۔ جس وقت یہ داخل ہوئے ہیں قسم بخدا میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ جناب رسولخداؐ اور علی مرتضیٰؑ تشریف لائے ہیں۔ پس اس بات نے مجھے مرعوب کر دیا۔ غرض حضرت دربار مسلم بن عقبہ سے باہر تشریف لائے اور جب دولت سرا کے قریب پہنچے، سعید ابن مسیب بیان کرتا ہے حضرتؑ نے دیکھا ایک سوار سبز پوش نقاب چہرے پر ڈالے ہاتھ میں نیزہ لیے حضرتؑ کے دولت سرا کی نگہبانی کر رہا ہے۔ اور جس طرف وہ نوک نیزہ سے اشارہ کر دیتا ہے وہ زمین پر گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ حضرتؑ اس کو دیکھ کر اہلبیت میں تشریف لائے اور گھر میں از قسم زیور جو کچھ تھا وہ دامن عبا میں لے آئے اور اس سوار کے سامنے پیش کیا۔ اس سوار نے کہا اَنَا خَادِمُ مَلَکْ جَبْرَئِیْل میں تو آپ کا خادم دیرینہ جبرئیل ہوں۔ مجکو اس کی حاجت نہیں، یہ کہا اور غائب ہو گئے۔

سوار سبز

تاریخ حلا

سنا آپ نے آخر جبرئیل کو تاب نہ آئی۔ اہلبیت کی حفاظت کو پہنچ گئے۔ لیکن کربلا میں جبرئیل کو کیونکر چین پڑا کہ وہ حسینؑ جس کو لوریاں دیتے تھے جس کا جھولا جھلانے سدرہ سے آتے تھے زمین گرم پر فرزند رسولؐ اپنے خون میں آغشتہ بے گور و کفن پڑا تھا اور شہزادیاں لٹ رہی تھیں۔ اشقیا زیور و اسباب چھین رہے تھے، سروں سے چادریں اتار رہے تھے، کوئی خبر لینے والا نہ تھا۔ یہ ہی امام جس کی شان دیکھ کر مسلم ابن عقبہ کانپ گیا، حالت ضعف میں پڑا تھا۔

مگر احادیث معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی جبرئیل کو سدرہ پر چین نہ آیا۔ خاک اڑاتے منہ پیٹتے کربلا میں پہنچ گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ ایک سوار سر برہنہ خاک بسر، گریبان چاک مثل دیوانوں کے گریہ و زاری کرتا ہوا کبھی داہنی جانب

نوٹ: واقعہ مسلم ابن عقبہ جس کو واقعۂ حرہ کہتے ہیں ۲۲ محرم ۶۳ھ کو واقع ہوا۔ اس کے قبل ۶۳ھ میں بھی اسی مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تاراج کیا تھا۔ میں نے یہ واقعات تاریخ جلد ہفتم حالات امام زین العابدینؑ حصہ دوم صلا سے لیکر معجزات امام زین العابدین علیہ السلام سوار سبز پوش کا واقعہ درج کیا ہے اور حصہ اول میں لڑائی مسلم کی اور طلب حضرتؑ کی درج ہے

جاتا ہے اور کبھی بائیں طرف۔ لوگ آپس میں ذکر کرنے لگے یہ کون شخص ہے کہ مثل دیوانوں کے فریاد کر رہا ہے۔ اس سوار نے کہا میں کیونکر نالہ و فریاد نہ کروں حالانکہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ حضرت خشمگیں کبھی زمین کو دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کو اور کبھی قتل گاہ پر نظر ہے۔ ڈرتا ہوں کہیں حضرت نفرین نہ کریں کہ دنیا نیست و نابود ہو جائے۔ لوگ یہ سن کر کہنے لگے یہ کوئی دیوانہ ہے مگر جب امام زین العابدینؑ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے لوگو جس کو دیکھا وہ جبرئیل تھے، اگر نفرین کرتے تو یہ جماعت ہلاک ہو جاتی مگر حکم الٰہی تھا اس لئے حیران و پریشان تھے۔

بیان بیسواں

کعبہ کی بنا۔ خلقت دنیا۔ آدم کی پیدائش۔ آیات کعبہ کا ظہور۔ تحویل قبلہ۔ امام زین العابدینؑ سے کعبہ میں ظہور معجزات۔ ربط مصائب راہ شام و دربار یزید

قَالَ اللّٰہُ فِی کَلَامِہِ الْمَجِیْدِ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔

بیشک سب سے پہلا گھر جو کل انسانوں کی (عبادت) کے لئے بنا وہ وہی مکہ ہے۔ وہ گھر برکت والا ہے اور کل عالموں کے لئے منزل ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں از انجملہ مقام ابراہیم بھی ہے اور جو اس میں داخل ہوگا وہ امن پائے گا۔

قرآن بتلاتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے خدا نے اپنا گھر بنایا۔ اور یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی ہے ــ پہلے دار السلطنت قرار دے لیا جاتا ہے جب قانون رائج ہوتا ہے اور امور سلطنت انجام پاتے ہیں۔ وہ خود جسم و جسمانیت سے بری ہے اس کو گھر کی کیا حاجت لیکن رجوع نفس کے لئے محل و مرکز ہونا چاہیئے جس پر عقل کی نگاہ قائم ہو۔ اس لئے خدا نے پہلے اپنے گھر سے خلقت

عالم کی ابتدائی، بلکہ اس فرشِ خاکی کی ابتدا ارضِ مکہ سے ہوئی۔ جب خالقِ عالم کو خلقت کا آغاز کرنا منظور ہوا موج ہوا کو حکم ہوا اُس نے بطنِ آب تلاطم پیدا کیا۔ موجیں بلند ہوئیں، حباب ابھرے کف پیدا ہوا، سطحِ آب پر موج ہوائے جاروب کشی کی۔ کفِ دریا مغرب و مشرق سے وسطِ عالم میں جمع ہوگیا۔ آفتاب نے گرمی پہنچا کر اس میں سختی پیدا کر دی۔ لیجئے حکمِ خالق سے کفِ دریا پہاڑ بن گیا۔ دامنِ کوہ نے وسعت پیدا کی، سطحِ آب پر خاک کا فرش بچھ گیا۔ موج دریا روئے انسان سے غبار دھو دے مگر چہرے کی خاک نہیں مٹا سکتا۔

یہ خالق کی شان ہے کہ کسی صفت میں عجز ثابت نہ ہو۔ مخلوق میں عجز اس کا حُسن ہے۔ لیجئے مبارک ہو، دُنیا سج گئی فرش بچھ گیا۔ آدم دُنیا میں آئے اور اسی پہاڑ پر جو وسطِ عالم میں قائم کیا گیا تھا جبرئیل جنت سے ایک قبۂ نورانی لائے اور نصب کر دیا۔ یہ پہلا گھر تھا جو دُنیا میں تعمیر ہوا۔ تفسیرِ اہلبیت سے اتنا پتہ ملتا ہے کہ طوفانِ نوحؑ تک وہ قبہ باقی رہا اور جہاں تک اس کی روشنی پھیلتی تھی اس کو حرم کہتے ہیں۔ دعائے جناب نوحؑ سے جب طوفان آیا خدا نے اس قبے کو اٹھا لیا۔ لیکن اس مقام پر پانی کا گزر نہ ہوا۔ اور وہ زمین سطحِ آب سے بلند ہوگئی اسی قدیم بنیاد پر جناب خلیلؑ کو کعبہ بنانے کا حکم ہوا۔ اسی لئے اس کو بیت العتیق بھی کہتے ہیں۔ بیشک دُنیا میں اس سے بڑھ کر برکت والا کون گھر ہو سکتا ہے۔ خدا کے لئے منزلِ رحمت ہے۔ خاصانِ الٰہی کے لئے منزلِ عبادت۔ عاصیوں کے لئے بارگاہِ شفاعت۔ ہر ذی رُوح کے لئے مقامِ امن۔ تمام عالم کے لئے مرکزِ ہدایت۔ عالمِ سفلی ہو یا علوی، ظاہر ہو یا باطن ہر ایک کے لئے ہر طرح سے محلِ ہدایت۔

تعجب کا مقام نہیں کہ ایک خاموش مکان، کسی نبی کا بنایا ہوا بھی کیا ہدایت کر سکتا ہے صفائے قلب سے دیکھئے، دل کی آنکھ سے ملاحظہ فرمائیے۔ کم از کم دن میں ایک مرتبہ نہیں پانچ مرتبہ ہدایت کرے گا، جب تک کعبہ کی طرف رُخ نہ ہو نماز باطل ہے۔ قبلِ نیت استقبالِ قبلہ واجب ہے۔ یہ ایک صریح ہدایت ہے کہ بھٹکا ہوا ذہن ایک خاص سمت کی طرف متوجہ ہو جائے ہر کلام کے لئے مخاطبہ ضروری ہے، جب کسی سے کلام کیا جائیگا تو مُنہ پھیر کر نہ کیا جائیگا۔

خدا کو ہم دیکھ نہیں سکتے، وہ کوئی دیکھنے والی شے نہیں بلکہ شیئیت کی تعریف بھی اس پر صادق

آتی پھر کس سے خطاب کریں۔ اور بغیر تخاطب رجوع نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایک مرکز قرار دے کر خانۂ خدا سے منسوب قرار دیدیا گیا کہ اسی طرف رُخ کر کے سجدہ بجالائیں۔ وہ ممتاز اس کے ہوگا کہ خدا کے سامنے سجدہ کیا۔ جب دل میں یہ بات جاگزیں ہوگی کہ ہم خدا کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو خضوع اور خشوع بھی دشوار نہیں۔

کچھ زمانہ تک مصلحت رہی کہ بیت المقدس کی جانب رُخ کیا جاتا تھا۔ مگر فخرِ خلیل فرزندِ رسالت کعبہ کے جذباتِ باطنی تھے کہ کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اور رجب کی پندرھویں تاریخ دوشنبہ کا دن، ظہر کا دوسرا رکوع تمام نہ ہوا تھا کہ جبرئیل فرمان لائے۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ اے حبیب ہم تمہارا رُخ اس طرف ضرور دیکھتے ہیں۔ اچھا مناسب یہی ہے کہ جو قبلہ تم کو پسند ہے اسی طرف تمہارا رُخ پھرا دیں گے۔ تم (شوق سے) اپنا رُخ بیت الحرام کی طرف کرلو اور جہاں کہیں ہو تم اپنا رُخ اسی طرف کرلیا کرو۔ حبیبؐ کے دلی جذبات تھے یا کعبہ کی کشش کہ خلیل کی آرزو بر آئی۔ مکہ کا طالعِ خفتہ بیدار ہوا۔ خدا کا سیلا گھر قبلۂ عالمین ہو کر رہا۔ بنی اسرائیل کی ضد پر حکمِ الٰہی نے بیت المقدس کو قبلہ کا چند روزہ شرف عنایت فرمایا۔ مگر سلیمانؑ بانیٔ بیت المقدس کہاں اور خلیلِ خدا کہاں۔ سلیمان خود اگرچہ بادشاہ بھی مگر محبوبِ خدا کے نور سے طرفِ جبیں مَس بھی ہوا تھا۔ کعبہ کی تعمیر کرنے والا خدا کا خلیل، نورِ محمدی کا حامل یہ بنا کیوں نہ مقبولِ احدیت ہو۔ یا یوں عرض کروں کہ خلیل روزِ حج جس کے طہارت کرنے والے علیؑ سے عبادت گزار کا مولد کیوں نہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبلۂ انام بنتا۔ پیشِ خدا کعبہ کو حق تھا کہ عابدوں کے امام کا زچہ خانہ دونوں جہان کے عابدوں کا قبلہ قرار پائے صلوٰۃ۔ بیت المقدس میں یہ آیات کہاں یہ نشانیاں کہاں جو کعبہ کو عطا ہوئیں۔ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ۔ یہی معجزہ کیا کم ہے کہ جس پتھر پر کھڑے جنابِ ابراہیمؑ نے تعمیر کی اس پر بانیٔ کعبہ کے نقشِ قدم بن گئے جو آج تک موجود ہیں اور قرآن میں اس کا ذکر نقش ہو گیا۔

کعبہ وہ مرکزِ آیات ہے کہ ہمیشہ اس سے ایسے امور ظاہر ہوئے کہ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیشک یہ خدا کا گھر ہے۔

قبلِ بعثت لشکرِ ابرہہ کو ہنگ باری اور سیلِ آب سے کعبہ قریب ابنہ ہدم پہنچ گیا تھا۔ قریش

کعبہ کا رُخ

اپنے بزرگوں کی نشانی اور مایۂ ناز سمجھ کر تعمیر کی طرف متوجہ ہوئے اور قدیم دیواریں گرا کر از سر نو تعمیر شروع کر دی۔ دیواریں بن کر تیار ہوئیں۔ سنگِ اسود کے نصب کا موقع آیا۔ ہر شخص اس کا متمنی ہے کہ یہ شرف ہمارے حصے میں آئے۔ قبیلے والے آپس میں جھگڑ رہے ہیں، ہاتھ قبضوں پر پہنچ گئے۔ تلواریں نکل آئیں۔ ابو امیہ ایک جہاں دیدہ شخص تھا کہنے لگا اتنی سی بات کے لئے لڑتے ہیں۔ کل صبح کو ہر قبیلے کے لوگ جمع ہوں اور آپس میں بیٹھ کر فیصلہ ہو جائے۔ سب سے پہلے جو شخص دروازہ سے آئے اس کو اپنا حکم قرار دیدو۔ وہ جو فیصلہ کر دے اس کو تسلیم کرو۔ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرتؐ کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔ بعثت میں پانچ سال باقی تھے۔

سنگ اسود اور رسول (طبری)

جب صبح پر معاملہ اٹھ رہا ہر شخص نے انتظار میں شب بسر کی۔ ادھر تاریکی شب دور ہوئی سپیدۂ سحری آسمان پر پھیلا۔ ہر شخص چاہتا تھا ہم سب کے پہلے پہنچ جائیں۔ لیکن خدا جس کو یہ شرف عطا کرے اس پر کون سبقت کر سکتا ہے

پیغمبر آخر الزمان سب کے پہلے داخل ہوئے اس کے بعد لوگ جمع ہوئے دیکھا حضرتؐ تشریف فرما ہیں۔ جاء الامینؐ کا ہر طرف شور ہوا حضرتؐ نے فرمایا اگر تم سب میرے فیصلے پر رضامند ہو تو میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ کسی قبیلے کو تنہا یہ شرف حاصل کرنے کا حق نہیں۔ ہر قبیلے کے سردار جمع ہوں اور ایک چادر بچھا دی جائے اس پر سنگِ اسود کو رکھ کر سب اس چادر کو اٹھائیں۔ اس کام میں ہر ایک کا ہاتھ شریک رہے۔ سب اس تجویز سے نہایت خوش ہوئے چادر بچھائی گئی حضرتؐ نے نہایت آہستگی سے سنگِ اسود کو چادر پر رکھ دیا۔ وہی حجر الاسود جو عرب کے قوی ہیکل جوانوں سے جنبش میں نہ آتا تھا اس سبکی سے حضرتؐ کے ہاتھوں میں اٹھ آیا گویا یہ پھول تھا، لوگ حیرت میں آ گئے۔ قوم کے افراد نے مل کر گوشۂ چادر کو بلند کیا اور سنگِ اسود کو اپنے مقام پر نصب کر دیا۔ اس وقت تک بعثت ہوئی نہ تھی مگر کعبے میں حجرِ اسود نے سمجھوا دیا کہ یہی جوان پیغمبرِ خدا ہے۔ کعبہ ایک طرف اپنی شان کو بلند کر رہا تھا دوسری طرف یہ ہدایت کر رہا تھا کہ خانۂ معبود ان کا محتاج ہے۔

آیاتِ سبد

ہر موقع پر کعبے سے آیات ظہور میں آ گئے۔ اس نے رسول کو بھی سمجھوایا اور امام کو بھی جماعت کی۔ وہ امام بن سے دنیا پھر گئی۔ جس کی ذلت کا تماشا دیکھنے کے لئے بازاروں کو نہ دشام میں

ہجوم ہوجاتا تھا۔ اس کو اس کعبے نے سمجھوایا کہ آیت اللہ ہیں۔

سنگِ اسود کا کلام سید سجاد سے

خانۂ یزید میں لوگ امام کی شان دیکھ کر جو کچھ سمجھے ہوں مگر خانۂ خدا میں اسی کا ایک
کی یہ شان ہے لوگوں نے دیکھ لی کہ ایک طرف کیسانی جناب محمد حنفیہ کو امام سمجھے ہوئے ہیں
طرف خدا کا بنایا ہوا امام خانۂ معبود سے تصدیق چاہ رہا ہے۔ سنگِ اسود جناب محمد حنفیہ
جواب میں سکوت اختیار کرتا ہے

شواہد النبوۃ

اور جب امام اس سے سوال کرتے ہیں تو بہ فصاحت جواب دیتا ہے اے فرزندِ رسول آپ پر
سلام ہو آپ ہی امام برحق ہیں اور آپ ہی کی اطاعت سب پر واجب کی ہے۔ حسنِ ظن
مخالفوں نے سنا، دل سے وہم و گمان برطرف ہوا۔ آپ کہیں یہ خیال نہ فرمائیے گا کہ جناب
محمد حنفیہ آپ سے برسرِ مقابلہ ہوتے بلکہ جناب محمد حنفیہ کی شان ارفع ہے اس گمان سے
کو خود منظور ہوا کہ جو لوگ اپنے گمانِ باطل میں مجھے امام سمجھنے لگے ہیں میرے روکے نہیں رک
سکتے۔ کیسانیوں کو بارہا خوف بھی دلایا قتل بھی کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ چلو چل کر خانۂ خدا
میں حجتِ خدا کی شان دکھلا دی جائے کہ لوگ اس گمراہی سے باز آئیں۔ ایسا ہی ہوا کعبہ
نے سب کی تسکین کر دی۔ یہ کعبہ کے رتبہ شناس، کعبہ ان کا مرتبہ دان۔ ان سے کعبہ کا رتبہ
بلند ہوا۔ کعبے نے ان کی فضیلت کو نمایاں کیا۔

کعبہ میں جھوٹی قسم کی سزا اور سید سجاد کا معجزہ

ایامِ حج میں لوگ طواف کر رہے ہیں ایک زن و مرد قسم کھانے کے لئے حجرِ اسود کے
قریب آئے اور جھوٹی قسم کھا کر اس کو مس کیا۔ دونوں کے ہاتھ سنگِ اسود میں چپک گئے
لاکھ تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ قاضی مکہ کے پاس لوگ آئے کیفیت بیان کی
قاضی نے حکم دیا آلِ رسولؐ سے کوئی شخص حج کو آیا ہو اس کو تلاش کرو۔ لوگ تجسس میں نکلے،
دیکھا حضرت مصروفِ طواف ہیں۔ عرض کی فرزندِ رسول آپ عقدہ کشا کے یادگار حلالِ مشکلات
کے فرزند ہیں ان گنہگاروں کی عقدہ کشائی فرمائیے۔ حضرت قریب تشریف لائے۔ آپ نے
حجر الاسود سے زیرِ لب کچھ کہا۔ فوراً دونوں کے ہاتھ کھل گئے۔ صلواۃ۔ کعبہ نے ثابت کر دیا
کہ یہ ہیں وارثِ کعبہ۔ ان کو خدا کے گھر میں حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ ان کے حکم سے کسی کو
انحراف زیبا نہیں۔

اسی کعبہ نے یہ بھی دکھلا دیا کہ بادشاہِ دنیا جس کی اہلِ دنیا عزت کرتے ہیں خانۂ خدا میں کس
درجہ حقیر ہیں اور خاصانِ خدا کا کیا احترام ہے۔ صلواۃ۔

عبدالملک بڑے کروفر سے حج کرنے آیا۔ زریں کمر غلام ہمراہ مصاحبین گردوپیش۔ طواف ہم
کرکے ایک جانب بیٹھ گیا۔ ایک ضعیف و ناتواں آہستہ خرام تحمل و وقار سے سر جھکائے احرام کعبہ
میں جسم چھپائے داخلِ بیت اللہ ہوا۔ اس کے ساتھ نہ حاجب ہیں نہ زریں کمر غلام نہ فوج ہے میں
رفیقوں کا ہجوم مگر رعب و جلالت کا یہ عالم ہے کہ مجمع خود بخود منتشر ہوتا جاتا ہے اور تحمل و وقار حلقہ
وو راستہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ آنے والا عجیب شانِ بندگی سے خدا کے گھر میں آیا اور طواف اردلی
کرکے چلا گیا۔ عبدالملک نے گوشۂ چشم سے دیکھا اور پوچھا یہ مردِ مسکین صاحبِ تمکین کون
ہے جس کی تم لوگ یہ عزت کرتے ہو؟ مطوف نے کہا آپ علی ابن الحسینؑ ہیں۔ فوراً اپنے
غلام کو حکم دیا جاکر ہماری طرف سے پیام دو کہ ہم مشتاق ہیں۔

غلام حضرت کو ڈھونڈتا ہوا فرودگاہ پر پہنچا۔ بادشاہ شام کا پیام پہنچایا۔ فرمایا اس کو مردِ
مسکین و فقیر سے کیا غرض، اچھا چل میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی وہی پرانی چادر
صورتِ احرام کاندھے پر ڈالی اور عبدالملک کے پاس تشریف لائے۔

عبدالملک نے حضرت کو احترام کے ساتھ اپنے قریب میں جگہ دی اور کہنے لگا آپ مجھ سے
کیوں گریز کرتے ہیں، میں نے آپ کے پدر بزرگوار کو قتل نہیں کیا۔

فرمایا یزید نے میرے باپ کی دنیا خراب کی اور اپنی آخرت۔ اگر تجھ کو بھی یہی پسند ہے تو
میں حاضر ہوں۔ عبدالملک نے کہا نہیں ایسا خیال کیجیے میں آپ کا دشمن نہیں۔ اگر آپ مجھ
سے ملتے رہیے تو آپ کی دنیا بھی میں بنا دوں اور آخرت میں کوئی کمی نہ ہو۔ حضرت نے کعبہ
کی طرف دیکھا اور کہا خداوندا اپنے بندے کی آج عزت رکھ لے۔ یہ کہہ کر دوشِ مبارک سے
چادر اتار کر زمین پر بچھا دی اور ایک مٹھی خاک اس میں ڈال دی۔ ہر ذرہ جواہر آب دار
بن کر دامن ردا میں چمکنے لگا۔ عبدالملک یہ دیکھ کر حیرت میں آگیا۔ آپ نے فرمایا خدا نے جسے
یہ اختیار دیا ہو وہ دنیا حاصل کرنے کے لیے کسی بادشاہ کے پاس کیوں جائے۔ یہ فرما کر
وہ زر و جواہرات حضرت نے نثار کر دیے۔ عبدالملک دیر تک سکوت میں رہا پھر بیکمال

عاجزی عرض کیا مجھ سے آپ کوئی خواہش اپنی بیان کریں کہ میں اس کو پوری کردوں۔

فرمایا اگر یہی تیرا اصرار ہے تو مجھ سے عہد کر کہ تو آئندہ اپنے پاس مجھے کبھی نہ بلائیگا۔ اگر میرا دل چاہے گا تو خود چلا آؤں گا۔ عبدالملک نے حضرت سے اقرار کیا کہ میں آپ کو کبھی زحمت نہ دوں گا۔ حضرت اسی جاہ و جلال سے اٹھے اور محراب عبادت میں مصروف نماز ہو گئے۔

دیکھا آپ نے خانۂ خدا نے امام کی کیا قدر کی! تعجب کا مقام نہیں۔ حیرت نہ کیجئے خانۂ معبود ہے۔ بیت اللہ ہے۔ دادا کا زچہ خانہ ہے یہاں جو عزت بھی ہو کم ہے۔ یہ دربار یزید نہ تھا کہ امام کی توقیر نہ کی جائے اور غلاموں کی طرح پس گردن سے ہاتھ باندھ کر سامنے لا کر کھڑے کر دیے جائیں۔ اور دیر تک خاطر مخاطب بھی نہ ہو۔

عبدالملک اس امام کی شان کو دیکھ کر کم از کم تعظیم تو بجالایا۔ کوئی ضرر تو نہیں پہنچایا ہشام بن عبدالملک اسی کعبہ میں شانِ آئمہ امام دیکھ کر رشک و حسد سے جل گیا تھا مگر کوئی صدمہ اس وقت تک نہیں پہنچایا لیکن یزید اس کے دادا نے اپنے دربار میں بلا کر وہ ذلت دی اور روحانی صدمہ پہنچایا کہ سید سجاد ابسا صابر اس کو یاد کر کے زندگی بھر رویا کیا۔ اور جب کسی نے سوال کیا کہ مولا آپ پر کہاں زیادہ مصائب واقع ہوئے تو فرماتے تھے دربار شام میں!

صاحبانِ عزت سمجھ سکتے ہیں کہ امام کو دربار شام میں کن کن مصیبتوں کا سامنا تھا۔ بھرے دربار میں آلِ رسولؐ کا سر برہنہ امام کے ساتھ قید میں آنا، نامحرموں میں ایک ایک کا نام لے کر پہچنوایا جانا کیا الم تھا کہ اس پر یہ اضافہ ہوا کہ مسجد جامع میں بالائے منبر خطیب یزید کو خوش کرنے کے لئے آلِ سفیان کی مدح کے بعد امیر المومنینؑ کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کر رہا ہے۔ اور علیؑ کا پوتا قیدی بنا ہوا اپنے کانوں سے سن رہا ہے۔ جب خطیب حسب دلخواہ شانِ اہلبیت میں بے ادبی کر چکا اور نیچے منبر آیا آخر امام سے نہ رہا گیا اور خطیب سے ارشاد ہوا:

افسوس کا مقام ہے تو نے خالق کی خوشنودی پر مخلوق کی خوشی کو ترجیح دی اور جہنم کو مول لے لیا۔ پھر یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا اَتَاذَنُ لِی فِی الکلام اے یزید مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے کہ اس منبر پر کچھ حمد خدا بجالاؤں جس سے خدا خوش اور اہل مجلس ماجور ہوں۔

یزید نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اہلِ شام کو آلِ رسولؐ کی فصاحت سننے کا اشتیاق تھا۔ سب نے کہا اسے بھی کیا حرج ہے کہ اس لڑکے کو اجازت دے کہ منبر پر کچھ بیان کرے۔ یزید نے کہا انہٗ اہلبیت قد زقوا علماً زقاً ارے یہ اہلبیت ہیں ان کو اس طرح علم سے بھرایا گیا ہے جس طرح کبوتر کو دانہ بھرایا جاتا ہے۔ جب ہر طرف سے اصرار شدید ہوا تو یزید اجازت دینے پر مجبور ہوا۔ خطیب منبر اقصیٰ کا فرزند منبر پر گیا۔

امامؑ کو اس ہیئت سے کون پہچان سکتا تھا کہ یہ امام ہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی غلام ترکی بچے ہوئے تھا کوئی عبد نافرمان۔ منبر پر شانِ خطیب کی نظر آئی۔ گلے میں طوق پیروں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، سر پر عمامہ ہو یا نہ ہو۔ جب الحرم کے سروں سے چادریں چھن گئیں تو امامؑ کے سر پر عمامہ کیوں باقی ہوگا مگر آپ نے اپنے فرضِ امامت کو پورا کرنے کے لئے حمد و نعت کے بعد مجمع کو مخاطب کیا۔ اور فرمایا من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا ابن مکۃ و منیٰ انا ابن زمزم و الصفا انا ابن محمد ن المصطفیٰ جو مجھ کو پہچانتا ہے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اس کو پہچنوائے دیتا ہوں کہ میں سردارِ مکہ کا فرزند ہوں۔ میں یادگارِ منیٰ ہوں۔ میں وارثِ زمزم و صفا ہوں اور اس کا فرزند ہوں جس نے حجرِ اسود کو چادر میں اٹھا کر نصب کر دیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے مرکب براق نے آسمان کی بلندیوں کو روند ڈالا۔ میں اس کی یادگار ہوں جو قاب قوسین تک پہنچا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے پایۂ عروج تک جبرئیل کو رسائی میسر نہ ہوئی۔ میں اس کا پارۂ دل ہوں۔ خدیجہ کا چشم و چراغ ہوں۔

میں اس کا فرزند ہوں جو پسِ گردن سے ذبح کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو تشنہ لب قتل کیا گیا۔ میں آپ کا وارث ہوں جس کا لاشہ بے گور و کفن پڑا رہا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا لباس لوٹ لیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے غم میں ملائک غمگین ہوئے جنھوں نے نوحہ کیا اور طیور نے ہوا پر ماتم کیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نیزے پر بلند کیا گیا۔ اور اس کے اہلبیت کو اسیر کر کے عراق و شام میں سر برہنہ پھرایا۔

حضرتؑ کے اس خطبے پر مسجد میں شور گریہ بلند تھا۔ اہلبیت کی ذلت کا تماشہ دیکھ کر ہنسنے والے چیخیں مار کر رو رہے تھے۔ خانۂ خدا میں حسینؑ کی مجلس برپا تھی اور خود امام ابن امام ذاکر۔

یزید نے دیکھا مجلس کا رنگ دگرگوں ہے کہیں ایسا نہ ہو مظلومیت کا اثر غالب ہو کر مجمع کو مجھ سے مخالف نہ کرے۔ فوراً مؤذن کو اشارہ کیا اور اس نے گلدستے پر جا کر اذان شروع کر دی حضرت صدائے تکبیر سن کر خاموش ہو گئے۔ اور بکمال خلوص سے تصدیق فرمائی۔ جب اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ آپ نے کہا ہر جزو بدن اس کی گواہی دیتا ہے۔ مؤذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ۔ امام کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ یزید سے خطاب کر کے فرمایا سچ کہنا یہ میرے دادا تھے یا تیرے۔ اگر تو نے اپنا دادا کہا تو بالکل غلط ہے۔ اور اگر میرا جد ہونا تجھے تسلیم ہے تو پھر تو نے اس کی ذریت کو قتل کیا اور عترت کو قید کیا۔ یزید کچھ جواب نہ دے سکا مگر اس کی صحبت میں ایک عالم یہود حاضر تھا وہ متاثر ہو کر پوچھنے لگا یہ کس کا فرزند ہے کس خاندان سے ہے۔ یزید نے کہا حسین ابن علیؑ کا فرزند ہے۔ اور ان کی دادی دختر رسول جناب فاطمہ زہراؑ ہیں۔ عالم یہودی نے کہا سبحان اللہ ایک روز یہ تھا کہ تم نے ان کی رسالت کی گواہی دی اور ایک دن یہ ہے کہ ان کے فرزند کو قتل کر دیا اور ان کی ذریت قید میں ہے۔ قسم ہے خدا کی اگر صلب موسیٰ میں سے کوئی فرزند ہمارے گروہ میں ہوتا تو ہم کو یقین ہے کہ ہماری قوم خدا کے بعد اس کا سجدہ کرتی۔

یزید کو یہ کلمہ حق ناگوار ہوا۔ اس کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ یہودی نے کہا اب چاہے مجھے قید کرو یا قتل کرو میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ جو قوم فرزند نبی کو قتل کرے ملعون ہے اللہ کبھی نہ بخشی جائیگی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

نوٹ: خطبہ کی اصل عبارت طوالت کے سبب چھوڑ دی گئی ہے بعض مجلس کی مناسبت سے انتخاب کر لیا گیا اور اپنے محاورہ میں ادا کر دیا لفظی ترجمہ نہ سمجھا جائے۔ یہ خطبہ کتب فریقین میں موجود ہے ملاحظہ ہو۔ آیات کعبہ میں فرزدق کا قصیدہ اور ہشام بن عبد الملک کا واقعہ بھی اسی بیان کا جزو اعظم تھا مگر بخیال طوالت ترک کیا جس کا جی چاہے شامل کرے۔ اتنا عرض کروں گا کہ فرزدق کے قصیدہ پر ختم کرتے کیونکہ یہ خانہ یہ خطبہ پیش نظر تھا گویا اس خطبہ کی شرح فرزدق نے نظم میں ادا کی۔ (ابحاث البیان جلد ۲)

بیان اکیسواں

خانۂ کعبہ میں خلیل کی دعا۔ ذریت کے رزق کیلئے زمین کے خواص۔ امام زین العابدینؑ کی مناجات جنت سے میوے آنا۔ آپ کی ولادت اور فضائل بازار کوفہ و شام اور اہلبیت کی بے غذائی

قال اللہ تعالیٰ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۔ (سورہ ابراہیم)

سورۂ ابراہیم میں خداوند عالم اپنے خلیل کی ایک دعا کا ذکر فرماتا ہے یعنی اے پالنے والے میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے پاس ناقابل زراعت زمین پر آباد کر دیا ہے کہ وہ نماز بجالائیں۔ خداوندا کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ وہ گرویدہ ہو جائیں اور ان کو پھلوں سے روزی پہنچا کہ وہ تیرے شکر گزار رہیں۔ مقدمۂ بیان میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ سلسلۂ آیت بتلاتا ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد جناب ابراہیم محض نسل جناب اسمٰعیل کے لئے ایک یہ التجا بھی پیش کرتے ہیں کہ ان کو رزق عطا فرما اور وہاں کے بندوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔

محبت پدری کا تقاضا تھا کہ حکم خالق سے جب اسمٰعیل اپنے فرزند کو ایسی زمین پر چھوڑا جو ناقابل زراعت تھی، بموجب فرمان الہٰی اسی زمین پر خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ اس کے آباد کرنے کے لئے اور وہاں نماز بجالاتے رہنے کے لئے کسی کو رہنا ضروری ہے۔ مگر بغیر رزق کے زندگی کیونکر ہوگی۔ نہ وہاں زراعت ہوتی ہے نہ پھل پیدا ہوتے ہیں اس لئے خدا سے التجا کر رہے ہیں کہ اپنی ذریت کے لئے جس کو تیری عبادت کی غرض سے تیرے گھر میں چھوڑا رزق ثمر عطا فرما

اور کچھ لوگوں کے دل میں اُن سے محبت پیدا کر دے کہ وہ اُن کے کام آئیں۔

مصالح قدرت ہیں۔ کون سمجھ سکتا ہے کہ اس کو اپنے گھر کے لئے ایسی زمین پسند آئی جہاں نہ زراعت ممکن ہو نہ پُرثمر درخت۔ اس نے اپنی قدرت کا چشمہ تو ظاہر کر دیا مگر خشک پہاڑ، چٹیل میدان جس میں نہ دانہ نہ گھاس نہ کسی ذی حیات کا سامان، رزق سامانِ الٰہی ہے اس کی ساری دُنیا ایک فرشِ زمین پر قائم ہے۔ ہر مقام کو ایک نئی خاصیت اس نے عطا فرمائی کہیں ادسر ہے کہیں بانجھ۔ کہیں آسمان سے ملتے ہوئے پہاڑ کہیں ہزاروں گز کے گہرے غار مادہ پرست ہمیں سمجھائیں کہ خواص میں اختلاف کیوں ہے۔ جب ہر شے مادہ سے خلقت ہوئی ہے تو خاصیت بھی ایک ہونا چاہیئے۔ یہاں ہر شے کا ہر زمین کا خاصہ علیحدہ ہے فعل جدا ہے کہیں سبزہ لہلہا رہا ہے ہرے بھرے پودے خوشنما درخت جھوم رہے ہیں جن میں خوشنما پتیاں جن پر باریک رگوں کا جال کہیں رنگین پھول جن کے اقسام الوان معلوم کرنے کی انسان میں قدرت نہیں اور پھر تماشا یہ ہے کہ زمین چمن ایک ہے مگر ہر نہال باغ کی شان نرالی۔ ہر پھول کا رنگ دوسرے سے الگ۔ پھر ایک ایک رنگ میں ہزار صنعتیں، عارضِ محبوب سے بڑھ کر نرمی، ملاحت حُسنِ معشوق سے بڑھ کر دلآویزی۔ اس پر قلمِ قدرت کا نقش و نگار سایہ و پرداز یاں عرض کروں دیگر خانِ چمن کا خد و خال ہے کہ دوسرے سے مشابہت ہو، مانی و بہزاد مو قلم سے اس رنگ ڈھنگ کا چربہ بنالیں، زورِ قلم دکھائیں مگر وہ ملاحت وہ خوشبو وہ دلآویزی کہاں، انسان کے بنائے ہوئے پھول جب چاہیے بگاڑ کر پھر بنا لیجئے توڑ کر جوڑ لیجئے، مگر دستِ قدرت کا بنایا ہوا ایک پھول مسل ڈالیے اور پھر اس کی ایک پتی کو کوئی جوڑ تو دے۔ نباتات کے ماہرین فن کوشش کرکے فنا ہو جائیں مگر ایک پتی اس کے اصلی مقام پر نہیں جوڑ سکتے، نہ وہ تازگی پلٹ سکتی ہے نہ خوشبو، آلات کے ذریعہ سے ڈاکٹر ہڈیاں جوڑ دیں، عضو کی اعضاء جا کر لگا دیں مگر کوئی درخت کی ایک پتی توڑ کر جوڑ دے تو ہم جانیں: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ دیکھ لیا آپ نے بس پر زور دیتو اور یہیں چٹیل میدان کہ ہزاروں کوس ہریالی کو آنکھیں ترس جائیں، بہترین تخم ڈالیے کھاد دیجئے آبپاشی کیجئے مگر سب کوششیں خاک میں مل جاتی ہیں، دانہ نہیں اُگتا، تخم رائگاں جاتا ہے غلط ہے

اور بالکل غلط ہے کہ زمین میں قوتِ امانت ہے زور بخت ہے بلکہ زمین کو خدا نے مختلف خاصیتیں دیکر
بھیجا ہے۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ اچھی زمین سے بھی نباتات حکمِ خدا سے

زمین کے خواص

اُگتا ہے۔ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا اور جہاں کی زمین خباثت کا مادہ رکھتی ہے وہاں
اثر بھی خبیث ہوگا۔ قرآن ایک عام کلیہ بتلاتا ہے اچھی زمین میں تخم رائیگاں نہیں ہوتا اور حکم خدا سے
جب اُگے گا تو اپنی اصلیت لیکر اُگے گا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

جب زمین میں گیہوں ڈالیے گا تو گیہوں اُگے بلکہ اس کا ہر جز گیہوں کہلائیگا۔ جب تک پودا
رہا تب بھی گیہوں۔ پھر جب بڑھ کر درخت ہوا جب بھی گیہوں ہے اس کی جڑ بھی گیہوں اس کے
خوشے بھی گیہوں اسی بنا پر تو پیغمبر خدا فرما گئے۔ اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَاَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَآخِرُنَا مُحَمَّدٌ

تخم اپنی اصل پر

وَكُلُّنَا مُحَمَّدٌ۔ مگر کعبہ کی زمین کو کون ناقص کہہ سکتا ہے۔ یہ وہ ارضِ مقدس ہے کہ تخمِ عفو جہاں
اُگتا ہے شجر ایمان جہاں پرورش پاتا ہے۔ یہ بھی آزمائش ہے کہ اس کو ناقابلِ زراعت بنایا۔
پانی کی قلت ناہموار مقام کہ جو ہمارے گھر میں ہماری محبت سے آئے سختیاں جھیل کر آئے۔
مصیبت اٹھا کر آئے کہ محبتِ خالص کا پتہ چلے۔ جب ہی تو اس کے شیدا آئے باوجود سواری

امام کے حج

موجود ہونے کے اکثر پیادہ آنے کے مشتاق نظر آتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے اپنی عمر میں چالیس
حج کیے جن میں سے باوجود ضعف و ناتوانی پچیس حج پیادہ پا کیے۔ اور اپنی سواریاں دوسروں کو
دیدیں صلوٰۃ ! بہرحال اس وادیٔ ناقابلِ زراعت میں خدا کا گھر تعمیر ہوا اور جناب خلیل کو
اپنی اس مخصوص ذرّیت کے لئے عرض کرنا پڑا۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ
اے میرے پالنے والے ان کو رزقِ ثمر عطا کر جو ایسی زمین پر آ کر بسے ہیں۔ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ خداوندا
جن کو میں نے نماز پڑھنے کے لئے اس زمین پر آباد کیا ہے۔ دعا میں تخصیص کر دی کہ تیری عبادت کے
لئے جو تیرے گھر میں آباد ہوں ان کو رزقِ ثمر سے بہرہ اندوز فرما۔ اب نسلِ اسمٰعیل سے ڈھونڈ لیجئے
جس کے حجرے سے ہزار تکبیروں کی آواز آتی ہو، جس کی طرف نظر کرنا عبادت ہو۔ جس کا ذکر عبادت
ہو، جس کی ایک ضربت عبادت ثقلین کی ہم پلّہ ہو، قلم قدرت نے جس کا مرقع کھینچ دیا ہو۔۔۔
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ جس کی پیشانی پر چمکتا ہوا سجدوں کا نشان
ہو، جو اٹھتے بیٹھتے خدا کا سجدہ کرتا ہو۔ سید الساجدین جس کا لقب ہو جائے۔ زین العابدین جس کا

خطاب ہو وہی جناب ابراہیم کی دعا کا مصداق ہیں۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں اس آیت میں ذریت سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔ صلواۃ۔

دوستان علی آپ کو جناب خلیل نے فراموش نہیں کیا۔ اس آیت میں آپ کا بھی ذکر کر دیا ہے فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ خداوندا بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔ حضرت محمد باقر فرماتے ہیں اے دوستان علیؑ یہاں خدا کی مراد تم سے ہے اور تمہاری مثال عام انسانوں میں ایسی ہے جس طرح سے سیاہ بیل کے جسم پر سفید چتیاں ہوتی ہیں۔ حضرت نے مثال دیکر سمجھا دیا کہ غالب حصہ سیاہی کا ہوتا ہے۔ ہمیشہ حق کے پہچاننے والے کم ہوتے ہیں۔ تنگ دل نہ ہو جیسے جناب رسولخدا صلعم کی صحبت میں ہزاروں کی تعداد میں صحابی تھے مگر آیت مودت کا فریضہ قبول کرنے والے صرف سات صحابی نکلے۔

ثابت ہوا کہ کمی حق کی دلیل ہے۔ جنستان قدرت کا یہی کرشمہ ہے کہ خوشبو دینے والے پھول کم ہوتے ہیں خوش نصیب تعداد میں کم ہوتے ہیں۔ بہرحال خلیل نے بندگی معرفت کی دعا مانگی میں اس ذریت سے ایک عبادت گزار کو شاد پیش کرتا ہوں اصل حقیقی قرشی امام زین العابدینؑ کا [illegible] بیان کرتے ہیں کہ حضرت کی عبادت میں محویت کا یہ عالم تھا کہ حضرت سجدے میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی غلاموں نے غل مچایا آگ آگ مگر حضرت نے سجدے سے سر نہ اٹھایا آگ خود بخود گل ہوگئی جب حضرت فارغ ہوئے لوگوں نے عرض کی مولا آپ کو کس چیز نے آگ سے غافل کر دیا فرمایا خوف آتش جہنم نے۔ روایت میں ہے کہ دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے سجدہ میں سر جھکا دیا اس لئے سجاد

پہلا اختلاف نام میں ہے بعض نے شہربانو لقب بتلایا ہے اور شاہ زناں اصل نام مگر آخر میں شہربانو ہونا ثابت تسلیم کیا ہے بحار اور ناسخ ملاحظہ ہو۔ دوسرا اختلاف آپ کا آنا کس عہد میں ہوا صاحب بحار و ناسخ وغیرہ نے کئی روایتیں لکھی ہوں گی مگر جناب مولانا سید علی حیدر صاحب ایڈیٹر اصلاح و الکلام سے اتفاق ہے اور عقلاً بھی درست معلوم ہوتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی کا قول الفاروق صفحہ ۱۱۳ جلد دوم نقل فرمایا ہے کہ عہد خلیفہ ثانی میں امام حسینؑ کی عمر ۱۲ سال سے زائد نہیں تھی کیونکہ اس عمر میں عقد خلاف قیاس ہے شیعہ کی خبر کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۱۱ اعلام الوریٰ صفحہ ۱۱۱

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۸ میں ہے۔ کہ عہد خلافت امیر المومنینؑ میں حریث بن جابر عامل ایران کی طرف حضرت کی خدمت میں دو بہنیں بھیجیں ایک بہن کا عقد امام حسینؑ سے اور دوسری بہن کا محمد بن ابی بکر سے ہوا۔ آپکی وفات ایام نفاس کی حالت میں ہوگئی جبکہ امام زین العابدین دو ماہ کے بھی نہیں تھے کربلا میں آپکا وجود کسی تاریخ سے بھی ثابت نہیں۔

نام ہو گیا۔ آپ نے سجدہ سے سر بلند کیا تو مدینہ میں نور پھیل گیا۔

باپ نے خود علی نام رکھا اسلئے کہ آپ کو اپنے جد بزرگوار سے بیحد محبت تھی نہایت۔ وہب شعادینے سنّ گوں کا بیہ نام رکھا ۔۔۔ گو یہی وہ کانِ شرافت کی صدفِ نجابت و ریاست ہیں کہ آج تک اہل عجم ان پر ناز کرتے ہیں کہ ہماری ہم وطن شہزادی شہربانو بنت یزدجرد شاہ عادل نوشیرواں کی پوتی ام الائمہ ہیں اور نسل امامت آپ ہی سے قائم ہوئی۔ اسی بنا پر حضرت سجاد فخر کیا کرتے تھے انا ابن الخیرتین لان جدی رسول اللہ وامی بنت یزدجرد الملک اسی وجہ سے لوگ آپ کو ابن خیر تین کہتے ہیں۔ ان معظمہ کا وہ مرتبہ ہے کہ جب سیدہ آل کسریٰ حریم آل طہٰ خدمت امیر المومنین میں پہنچیں حضرت نے اپنے نور چشم فرزند رسول سے فرمایا بیٹا اس کی قدر کرنا۔ وَهِيَ اُمُّ الْاَوْصِيَاءِ الَّذِي ذُرِّيَّتُهُ الطَّيِّبَةُ یہ لڑکی ذریت طیبہ کی ماں ہے۔

یہ وہ محترمہ ہیں کہ عالم رویا میں خود جناب رسالت مآبؐ نے عقد پڑھا۔ چنانچہ آپ نے خود امام حسین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ میں قبل اس کے کہ اہل اسلام کے قبضہ میں آؤں پہلی شب میں خواب میں دیکھا کہ حضرت پیغمبر خداؐ بہ تجمل و وقار تشریف لائے اور خود امام بھی ہمراہ ہیں۔ حضرت میرے پاس بیٹھ گئے اور میرا عقد اپنے فرزند کے ساتھ پڑھا ـــــــ صبح کو جب بیدار ہوئی کسی بات میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ دوسری شب پھر خواب دیکھا کہ جناب سیدہ عالم بنت رسول اکرمؐ میرے پاس تشریف لائیں۔ اور مجھ کو اسلام تلقین فرمایا۔ صبح کو جو بیدار ہوئی حیرت بڑھ گئی۔ آپ فرماتی ہیں ہر روز اسی فکر میں تھی کہ قوم عیسائی کا زوال ہو۔ اور میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی یہاں تک کہ حضرت کی خدمت میں آپہنچی۔ صلواۃ۔ بہر صورت نوشیرواں کو دنیا میں عدل کا یہ ثمر حاصل ہوا کہ فرزند رسول سا اسکو داماد ملا اور امام زین العابدینؑ علیہ السلام کا ایسا نواسہ اور امام زین العابدینؑ عدل و عصمت و امامت کے وارث ہوئے۔ دوسری طرف عدل عام نوشیرواں کا آپ کے حصے میں آیا۔ جناب رسول خداؐ فخر کرتے تھے کہ میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ خدا نے وہ عدالت بھی اسی طرح منتقل کر دی کہ فخر انبیاء کا پوتا نوشیرواں کا نواسہ قرار پایا۔ صلواۃ۔ غرض خدا نے آپ کو ہر حیثیت سے افضل و اکمل پیدا کیا۔ نہ عبادت میں آپ کا کوئی مثل و نظیر نہ حلم میں کوئی ہم پلہ۔ نہ سخاوت میں کوئی ہمسر نہ صبر و رضا میں کوئی آپ کا مثل۔ آسمانِ فضیلت پر ہر صفت چمک کر گواہی دیتی ہے کہ آپ علیؑ کے بعد ہر حیثیت میں علیؑ ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ بہت عزیز رکھتے تھے اور محبت فرماتے تھے۔ جابر

بیان کرتے ہیں کہ ناگہاں حضرت ایک بچہ کو گود میں لئے پیار کر رہے ہیں اور روحی مبارک اس بچے سے ملا کر اپنے لعاب دہن سے اس کو اس طرح سیر کرتے ہیں جس طرح کوئی طائر اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ میں نے پوچھا یا مولا اس بچے کا کیا نام ہے اور کس کا فرزند ہے فرمایا زہرہ بتول۔ فرزند رسول میرے حسینؑ کا فرزند اور ماموں کا باپ ہے۔ قال اسمہ اسمی ولحمہ لحمی ودمہ دمی وشلہ مثلی پھر فرمایا اس کا نام میرے نام پر ہے اس کا گوشت میرا گوشت ہے اس کا خون میرا خون ہے اس کی مثال میری مثال ہے۔

واہ واس طرح والہ وشیدا اور باپ کی یہ حالت کہ ایک مرتبہ عہد طفلی میں آپ علیل ہو گئے غذا بالکل ترک ہو گئی۔ امام حسینؑ نے پوچھا بیٹا کچھ رغبت ہو تو بیان کرو۔ جواب دیا بابا جان میری خواہش ہے کہ میرا شمار اُن لوگوں میں ہو جو خدا کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش نہیں کرتے حضرت نے سینے سے لگایا فرمایا شاباش تم ابھی اس خواہش میں اپنے جد خلیلِ خدا سے مشابہ ہو گئے کیونکہ حبیب جبرئیل نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا ہے کہ اے خلیل خدا کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔ جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ بہترین کارساز ہے۔ حواب؟!

علیل
بحالیہ الفوائد
ناسخ

خود امام نے مشابہت خلیل کی تصدیق فرمائی۔ یہ بھی وعدے جناب ابراہیمؑ کی مقبولیت تھی کہ وہ ذریت عطا ہوئی کہ حرم میں خدا کے ذبیح۔ عبادت گزاری ایسی جن سے خانہ کعبہ کی زینت ہوئی۔ خدا نے اسی امام کے ذریعے سے ثابت کر دیا کہ اے خلیل تم نے اپنی ذریت عبادت گزار کے ہم سے خواہش کی ہے۔ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ان کو ثمار سے رزق عطا کر وہ شکر بجا لائیں۔ ہم تمھاری ذریت کو دنیا میں ثمر جنت عطا کریں گے۔ عجب نہیں مقام صفا میں حضرت ابراہیمؑ نے مناجات میں یہ خواہش کی ہو اور اسی کوہ صفا پر خدا نے ذریت خلیلؑ کے لئے ثمر جنت بھیجے۔ طاؤس یمانی کہتا ہے میں حج کے لئے گیا ہوا تھا کہ کوہ صفا پر میرا گزر ہوا۔ دیکھا میں نے ایک نحیف پوش لاغر اندام ضعیف و ناتواں آسمان کی طرف رُخ کئے ہوئے کمالِ معرفت سے دعا کر رہا ہے۔ انا عریان کما تری وانا جائع کما تری فما تری یا من تری ولا تری یعنی میں بھوکا ہوں جیسا تو دیکھ رہا ہے۔ میں برہنہ ہوں جیسا تیرے

ثمر جنت
دنیا میں
حدائقہ
الشیعہ
احمد
اردبیلی

پیشِ نظر ہے اسے تو وہ جو دیکھتا ہے جو دیکھ رہا ہے اور خود دیکھا نہیں جا سکتا۔ طاؤس کہتا ہے کہ یہ سن کر میرے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور جوڑ جوڑ کانپنے لگا۔ پھر دیکھا میں نے دوش ہوا پر ایک طبق نازل ہوا جس پر دو چادریں ڈھکی ہوئی تھیں۔ پھر اس مرد بزرگ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اے طاؤس یمنی اس میں سے کچھ تناول کر۔ یہ سن کر میری حیرت میں اضافہ ہو گیا کہ مجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں اور میرا نام لے کر پکار گیا۔ میں نے عرض کی اے سید و سردار میرے اور میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں حاضر ہوا جب میں نے قریب سے دیکھے وہ میوے مثل میوہ ہائے خراسان کے سرسبز و شاداب تھے۔ عرض کی اے سید و آقا مجھ کو ان کی ضرورت نہیں پر چند دانے میوہ کے اٹھا لئے۔ اور ہاتھوں کو بوسہ دیکر اس فکر میں چلا کہ کسی سے دریافت کروں یہ مرد جلیل کون ہے کہ اس عظمت و شان کا شخص آج تک نہیں دیکھا۔ شاید کوئی ملک ہو کہ حج کے لئے آیا ہو۔ وہاں سے کوہ مروہ پر پہنچا دیکھا کچھ لوگ جمع ہیں۔ ان سے پوچھا اے بھائی ابھی ابھی ہم نے ایک بزرگ کو کوہ صفا پر مناجات کرتے دیکھا ہے کہ اس عظمت و بزرگی کا انسان اب تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ کون شخص ہے کوئی درویش خدا رسیدہ ہے یا کوئی جن ہے یا ولی خدا ہے ان لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا اے یمنی تو نہیں جانتا وہ بزرگ سردار عرب و عجم، فرزند نبی اکرمؐ نور چشم فخر اولیا علی مرتضیؑ یادگار حسن مجتبیٰؑ قائم مقام شہید امام کونین علی ابن الحسینؑ، سید الساجدین حضرت زین العابدین علیہ السلام ہیں۔ طاؤس یمنی کہتا ہے میں پھر تلاش میں روانہ ہوا اور حضرت کو ایک مقام پر دیکھا۔ قدموں میں گر پڑا۔ اور بعد دست بوسی شرف نیاز مندی حاصل کیا۔ سنا آپ نے کہ ذریت خلیل کو خدا نے دنیا میں میوہ ہائے جنت بھیجے۔ لیکن شان مناجات پر کچھ غور کیا آپ نے۔ دعا میں لب و لہجہ اپنے جد لسان اللہ کا ہے اور معرفت میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں وہی کوثر کی دھوئی ہوئی زبان، وہی عجز و بندگی، مالک سے مانگا بھی تو شکر کے پردے میں کہ زبان شکایت سے آلودہ نہ ہو۔ جناب ابراہیمؑ خدا سے عرض کر چکے تھے وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ میری ذریت کو ثمر عطا فرما کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ دادا کے قول کی تائید ہی سے فرض عبدیت بھی ہے ورنہ جب بیمار تھے بھوکے پیاسے تھے و دوا کیسی غذا میسر نہ تھی۔ لباس کی یہ حالت کہ سر پر عمامہ تو کیا

ربط
معما

نہ ہو جب پھوپھیاں بہنیں سر برہنہ تھیں تو اشقیا نے سر پر عمامہ کیوں چھوڑا ہوگا مگر اس وقت بھی زبان شکوے سے آشنا نہ ہوئی۔ اگر اس وقت بھی خدا سے مانگتے تو ضرور پاتے مگر شکایت ہو جاتی۔

انھیں کا کام تھا کہ کربلا سے کوفہ تک اس حالت میں قیدی بن کر بے بسی میں پھرے گریکی کا یہ عالم تھا کہ ناقوں پر بچے بھوک سے بیتاب تھے۔ بازار کوفہ کے امتی اپنے بچوں پر صدقہ اتار کر روٹی کے ٹکڑے اور خرمہ پھینکتے تھے۔ جناب ام کلثوم بچوں سے چھین کر پھینک دیتی تھیں اور ان عورتوں سے فرماتی تھیں۔ ارے کیا غضب ہے ہم لوگ پیغمبر زادیاں ہیں صدقہ ہم پر حرام ہے۔ اہل کوفہ ان کے رتبے سے ناواقف نہ تھے بلکہ میرے خیال میں آل رسول کی بے حرمتی جان بوجھ کر کی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ کلمہ گو فخر کے ساتھ قافلہ کے آگے آگے ندا کرتے تھے۔ هٰذِهٖ سَبَایَا مِنْ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ تماشائیو آؤ یہ قیدی دختران رسول سے ہیں آکر ان کا تماشا دیکھو۔ گویا پرانی عداوت کا رسولؐ سے اس طرح بدلہ لیتے تھے۔ اور فخر کرتے تھے ہم نے اسی رسول کی ذریت کو ذلیل کرنے کے لئے قید کیا ہے جس نے ہمارے باپ دادا کو قتل کیا تھا۔

غرض رسول کی ذریت کہاں کہاں اسی طرح بے محمل دکجاوہ برہنہ پشت ناقوں پر پھرائی گئی۔ عراق و شام کا کوئی شہر باقی نہ رہا جہاں رسول زادیاں تشہیر نہ کی گئی ہوں۔ اسی شان سے شام تک لے گئے کہ اہل شہر دیکھ کر مسرت کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اور راہ گیر ہزاروں میں کوئی دوست مل گیا تو اس کا کلیجہ شق ہو گیا۔ جناب شیخ مفید سہل بن ساعدی سے روایت کرتے ہیں وہ ناقل ہیں کہ جب میں بیت المقدس کے ارادہ سے شہر دمشق پہنچا تو دیکھا میں نے شہر خوب آراستہ ہے دکانیں سجی تھیں۔ لوگ لباس نفیس پہنے ہوئے بغل گیر ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں، مسرت کے باجے بج رہے ہیں گانے ہو رہے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی کوئی عید نہیں ہے پھر یہ خوشیاں کیوں منائی جاتی ہیں۔ ایک شخص سے دریافت کیا لوگوں نے کہا اے شخص تم کو خبر نہیں کہ آسمان سے کئی روز تک خون برسا زمین سیاہ ہو گئی

بازار شام میں داخلہ تاریخ

مگر تم اب تک نہیں جانتے کہ حسینؑ ابن علیؑ قتل ہو گئے۔ ان کے اہلبیت مع سرہائے شہداء اسیر ہو کر آتے ہیں۔ آج شہر میں ان کا داخلہ ہے اسی کی یہ مسرت ہے۔ میں نے پوچھا کس طرف سے یہ لوگ داخل ہوں گے، لوگوں نے باب ساعات کی طرف اشارہ کیا۔ سہل کہتے ہیں میں اس طرف دوڑا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا میں نے کہ نشانِ لشکر آگے آگے ان کے عقب میں سر شہیدوں کے نیزوں پر نصب ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شتران برہنہ پہ بے مقنع و چادر کچھ بیبیاں اور لڑکیاں آ رہی ہیں عورتیں اور بچے فریاد کرتے ہیں۔ وَا اَبَتَاہُ وَا مُحَمَّدَاہُ وَا عَلِیَّاہُ وَا حُسَیْنَاہُ وَا عَبَّاسَاہُ یہ نوحہ سن کر اور ان کی حالت دیکھ کر میں رونے لگا اور ناقہ کے قریب آ گیا۔ ایک صاحبزادی نے میری طرف دیکھا اور کہا اے شخص تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تم کو دیکھ رہا ہے خدا سے شرم کر کہ ہم آلِ رسول ہیں۔ سہیل کہتے ہیں میں نے عرض کی اے شہزادی میری کیا مجال ہیں آپ کو بنظر تماشہ دیکھوں بلکہ آپ کی حالت دیکھ کر بہ نظر عبرت رو رہا ہوں۔ صاحبزادی نے پوچھا تم کون ہو جو ہمارے حال کو دیکھ کر رو رہے ہو۔ رونے والو! صاحبزادی کے اس کلام سے عجب حسرت ٹپکتی ہے اور یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حالت تو یہ ہے کہ لوگ دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں خوشیاں کرتے ہیں تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ سہل نے کہا اے شہزادی میں آپ کا دوست، آپ کے جد کا صحابی سہل بن سعد ہوں، ناگاہ اس گروہ میں میری نظر امام زین العابدینؑ پر پڑی۔ میں حضرت کی طرف مخاطب ہو گیا اور عرض کی اے مولا میں آپ کا محب ہوں اگر کوئی خدمت مجھ سے ہو سکتی ہو تو حکم فرمائیے میں انجام دوں۔ فرمایا هَلْ مَعَكَ شَیْءٌ مِنَ الدَّرَاهِمِ تیرے پاس مالِ نقد سے کچھ ہے۔ میں نے عرض کی ہزار درہم ہزار دینار لیکر آیا ہوں۔ فرمایا چند درہم و دینار حاملانِ سر کو دیکر اس بات رضامند کر لو کہ وہ سروں کو لے کر ہم سے کچھ آگے چلیں۔ کہ تماشائی اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور عورتوں کی طرف نگاہ نہ کریں۔ سہل کہتے ہیں میں نے کچھ درہم و دینار دیکر حاملانِ سر کو آگے بڑھایا۔ اور حضرت سے آکر عرض کر دیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ فَقَالَ جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا وَحَشَرَكَ اللّٰهُ مَعَنَا۔ دوستو! اس وقت امام کے پاس کیا تھا کہ سہل کو احسان کا بدلہ دیتے۔ دعائے خیر دی اور فرمایا خدا تیرا حشر ہمارے ساتھ کرے۔

بہرحال جب یہ حالت دشمنوں کی اذیت رسانی کی ہو تو اُن سے غذا ملنے کی کیا امید۔ فاقہ کشی سے یہ حالت اہلبیت کی پہنچ گئی تھی کہ جب دربار یزید میں شہزادیاں پہنچی ہیں تو یزید کو پہچاننے میں تامل ہوا۔ اور حیرت سے شمر سے کہنے لگا اے شمر تو کن کنیزوں کو ہمارے سامنے لے آیا ہے۔ عجب نہیں یزید کا یہ منشا بھی ہو کہ اب تک اتنا پردہ باقی ہے کہ دربار میں کوئی نہیں جانتا کہ کس معظمہ کا کیا نام ہے۔ لو عزت دار و سر دربار شمر نے ایک ایک بی بی کا نام لیکر پہچنوانا شروع کیا۔ هٰذِهٖ زَيْنَبُ وَهٰذِهٖ اُمُّ كُلْثُوْمٍ وَهٰذِهٖ سَكِيْنَةُ وَهٰذِهٖ رَبَابُ یہ زینب اور ام کلثوم دختران علیؑ و فاطمہؑ ہیں اور یہ سکینہؑ اور یہ رباب ہے یزید کا مقصد حاصل ہو گیا اور اس روایت سے یہ پتہ بھی چلا کہ گرسنگی اور اسیری کی تکلیفوں سے سب کے چہرے متغیر ہو گئے تھے۔ کہ شہزادیوں پر کنیزوں کا دھوکا ہوتا ہے۔ مگر اس گرسنگی سے قیدخانہ میں بھی نجات نہ ملی اور چند روز میں یہ حالت ہو گئی کہ جناب زینب ضعف سے بیٹھ کر نماز بجالاتی تھیں۔ بیمار کربلا نے جب سبب دریافت کیا تو فرمایا بیٹا یزید کے یہاں سے کھانا اس قدر قلیل آتا ہے کہ اپنے حصے کا بھی بچوں کو کھلا دیتی ہوں اب ضعف سے کھڑا نہیں ہوا جاتا

بیان بائیسواں

ہادی کون ہے اور حقِ ہدایت کس کو ہے شہادت امام حسینؑ سے

ہدایت آپکا اور امام زین العابدینؑ کا بیعتِ فاسق نہ کرنا۔ وفات امام زین العابدینؑ

قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْكَرِيْمِ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ خلاصہ ترجمہ اس کا یہ ہے

کہ آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص جس کو راستہ نہیں ملتا جب تک کوئی اس کو بتلائے نہیں پس تم کو کیا ہو گیا ہے۔ تم کیا فیصلہ کرتے ہو۔

آیت تفسیر و شرح کی محتاج نہیں۔ صاف صاف عام فہم لفظیں ہیں۔ عقل کے موافق ایک اصول خدا ذکر فرماتا ہے کہ آدمی کو اس کی متابعت کرنا چاہیے جو حق تک پہنچا دے یا ایسے کا محکوم ہونا چاہیے جو خود راہِ حق سے بھٹکا ہوا ہو اور خود دوسرے کا محتاج ہو۔

سچ ہے اور بالکل سچ ہے، آں خویشتن گم است کرا رہبری کند! جو راہِ حق سے بھٹکا ہوا ہو منزلِ مقصود تک کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ سیدھی سی بات ہے مگر اَلحَقُّ مُرٌّ کی مصداق ہے ہم کو سچائی تلخ معلوم ہو مگر حلاوتِ کلامِ ربانی کا ذائقہ چکھنے والے شہد سے زیادہ شیریں مادر سے زیادہ خوش گوار آبِ حیات سے زیادہ سود مند سمجھتے ہیں اور وہ اسی کا اتباع کریں گے جو قرآن تعلیم دے۔ قرآن نے اپنا حقِ ہدایت ادا کر دیا اب ہم نہ پہچانیں یہ ہمارا قصور۔

اَفَمَن یَّهدِی اِلَی الحَقِّ اَحَقُّ اسی کو حقِ ہدایت ہے جو حق تک پہنچا دے۔ رسولؐ نے پہچنوا دیا۔ عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ۔ ایک مرتبہ نہیں پے درپے فرمایا۔ عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ وَالحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ ازواج میں فرمایا۔ خدا کے گھر میں بیس ہزار کے مجمع میں فرمایا۔ جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَهُوقًا۔ الفاظ قرآن کے تھے جو نبی کی زبان سے نکل رہے تھے انسان سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر بُت کچھ سمجھ کر منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ میں عرض کروں گا ایسے نا سمجھ آدمیوں سے جو بُت بنے کھڑے تھے۔ وہ اصنام غنیمت تھے جو رسولؐ کے اشارے پر سجدہ میں جھک جاتے تھے۔ صلواۃ۔ اب اس سے زیادہ حضرت کو اظہارِ حق میں ضرورت ہوئی کہ حق کو اور بلند کر کے دکھلا دینا چاہیے کہ پھر دھوکا نہ ہو۔ اس کہنے پر ہی اکتفا نہ فرمائی بلکہ علیؑ کو دوشِ مبارک پر بلند کر کے پہچنوایا کہ دیکھ لو وہ حق یہی ہے جس کو خدا نے حق کہا ہے۔ اسی نے کعبہ سے جبل کو دور کیا۔ میں نہیں کہتا رسولؐ نے فرمایا جیسا تمام مورخین لکھتے ہیں کہ علیؑ کو صاحبِ معراجؐ نے بالائے دوش عروج دیکر پوچھا یا علیؑ تم اپنے کو کیسا پاتے ہو عرض کی یا رسول اللہؐ آپ اس عروج کو کیا پوچھتے ہیں۔ دیکھ رہا ہوں کہ حجاب میرے سامنے سے اٹھ گئے ہیں اور ہر شے پر میرا دست رس ہے۔ فرمایا خوشا وقت کہ تم کارِ حق کر رہے ہو۔ اور خوشا حال کہ میں بارِ حق اٹھائے

مدارج النبوۃ

حیات القلوب

ہوں۔ یہ تو سب سمجھ رہے تھے کہ علیؑ بت شکنی میں مصروف تھے۔ اور اس سے بڑھ کر ہو کارِ حق کیا تھا۔ مگر رسولؐ نے فرمایا میں بارِ حق اٹھائے ہوں گویا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی تفسیر کردی کہ خدا نے جس حق کی طرف اشارہ کیا ہے وہ میرے دوش پر ہے۔ دیکھو بھولنا نہیں اس کا اعلان کرنا صلوٰۃ!

رسولؐ نے اتنا اہتمام کیا امرِ حق میں۔ مگر شک کرنے والے شک ہی میں رہے۔ چنانچہ امیر شام حج کر کے مدینہ آئے۔ مسجدِ رسول میں اصحاب کا مجمع تھا۔ ابن عباس بھی بیٹھے تھے۔ یہ بھی کسی مقام پر بیٹھ گئے اور کچھ ذکر خلافت کا آ گیا۔ امیر شام نے عبداللہ بن عباس کے سامنے اس پر افتخار کیا کہ میں اس کے بھائی علیؑ سے زیادہ حق دار ہوں۔ کیونکہ خلیفۂ مقتول کا ابنِ عم بھی اور وارث بھی۔ ابن عباس نے عبداللہ ابن عمر کی طرف اشارہ کیا اور کہا اس دلیل سے تو یہ تم سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ یہ خلیفہ کے فرزند ہیں اور تم رشتہ کے بھائی!

سعد بن ابی وقاص بھی یہ مکالمہ سن رہے تھے بول اٹھے اے معاویہ تیری شان میں کوئی حدیث رسولؐ نے بیان فرمائی۔ اگر فرمائی ہو بیان کر۔ علیؑ کی شان میں تو ایک یہی حدیث کافی ہے۔ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ۔ امیر شام نے کہا تم کوئی گواہ بھی رکھتے ہو۔ سعد نے کہا ام المومنین جناب ام سلمیٰ زندہ ہیں چلئے میں تصدیق کرا دوں۔ حاضرینِ مسجد ساتھ ہوئے امیر شام باشوکت و احتشام آستانۂ رسول پر آئے۔ پردہ نصیب ہوا۔ امیر شام نے جناب ام سلمہؓ سے عرض کیا اے مادرِ مسلمین آپ ایک حدیث کی تصدیق فرمائیں کیونکہ غالیوں نے بہت سی حدیثیں علیؑ کی محبت میں مشہور کر دی ہیں۔ کہا جناب رسولؐ نے علیؑ کے باب میں فرمایا ہے اَنْتَ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَكَ۔ جناب ام سلمہؓ نے فرمایا قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میرے گھر میں بیٹھ کر پیغمبرِ خداؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ اور میں نے پے در پے یہ حدیث حضرت کو کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا۔ امیر شام نے خجالت سے سعد کی طرف دیکھا قسم بخدا اگر زندگی کے پہلے سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی تو ہمیشہ علیؑ کا خادم بنا رہتا۔ جی چاہتا ہے کہ میں ایسا تسلیم کیا دکھلاؤں کہ بروزِ جنگِ صفین شہادت جناب عمار یاسر صحابیٔ رسول سے حدیث کی پوری تصدیق ہو چکی تھی۔ حضرت فرما چکے تھے یَدُورُ الْحَقُّ مَعَ عَمَّارٍ حَیْثُمَا دَارَ حق عمار کے

امیر شام کی تصدیق

اشعۃ اللمعات

حائل گردش کرتا ہے جس طرح پرکار اپنے دائرہ پر۔ حذیفہ یمانی نے یہ حدیث یاد بھی دلائی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عمار کس طرف تھے۔ امیرالمومنینؑ کی طرف یا امیر شام کی طرف؟ کس کے زانو پر وقت آخر عمار کا سر تھا، آیا دوش رسول کے زانو پر یا پسر ہندہ کے زانو پر؟ عمار کی شہادت پر حق مجسم ہو کر دونوں لشکروں کے سامنے آگیا۔ عمار کے جنازہ پر دونوں لشکروں نے نماز پڑھی۔ گویا حق کا جنازہ اٹھا اور حق کو دونوں لشکروں نے دفن کر دیا۔ پھر تو حق کو ایسا فراموش کیا کہ خود علیؑ کے لشکر کی تلواریں علیؑ کے رستے مل گئیں۔ اور امت نے حکمین پر اسلام کی قسمت کا فیصلہ چھوڑ دیا۔ اہل کوفہ نے اپنی طرف سے ابو موسیٰ اشعری کو اور سیاہ شام نے وزیر پُر تزویر عمر عاص کو حکم قرار دیا۔

صفین میں حق کس کی طرف تھا کامل التواریخ

سبحان اللہ! کیا اچھے حکم تھے اور کیا اچھے حکم مقرر کرنے والے۔ ایسے ہی موقع کے لئے قرآن میں خدا نے فرمادیا فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیا فیصلہ کرتے ہو۔ رسولؐ مسلمانوں کو بھیجے گئے تھے۔ حَقُّ عَلِيٍّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى الْوَلَدِ مسلمانوں پر علیؑ کا وہ حق ہے جو باپ کا اپنے بیٹے پر ہوتا ہے۔ انصاف شرط ہے۔ موافق قول رسول مسلمان علیؑ کا حق فراموش کر کے کس اولاد کے مصداق ہوئے! امیر شام حدیث عمار کو بھول گئے اور اصحاب بدر کے یاد دلانے پر بھی علیؑ کا حق سمجھ میں نہ آیا۔ وزیر خوش تدبیر فیصلے کے وقت اپنے اشعار غدیریہ بھول گئے۔ انھیں منصف و عادل جناب عمر عاص نے بروز غدیر جب حضرت رسول صلعم نے علیؑ کا اظہار حق کیا ہے حسان بن ثابت کی نظم سُن کر جوش فصاحت و بلاغت میں چند شعر برجستہ نظم کئے جس میں دو شعر نفس مطلب کے متعلق یہ ہیں:

یَا آلَ مُحَمَّدٍ عُرِفَ الصَّوَابُ	وَفِيْ أَبْيَاتِهِمْ نَزَلَ الْكِتَابُ
وَضَرْبَتُهُ كَبَيْعَتِهِ بِخُمٍّ	مَعَاقِدُهَا مِنَ الْقَوْمِ الرِّقَابُ

عمر عاص کا قصیدہ منہاج الکرام ناسخ جلد اول کامل التواریخ

آل محمد کے ذریعے سے راہ راست کا پتہ چلا اور انھیں کے گھروں میں کتاب خدا نازل ہوئی۔ علیؑ کی ضربت ویسی ہی کاری ہم لوگوں پر پڑتی ہے جس طرح روز غدیر خم علیؑ کی بیعت سب کی گردنوں پر ہے۔ یہ وہ قصیدہ تھا کہ حسان ابن ثابت اس کے سامنے پست ہو گیا۔ لیکن یہ نہ خیال فرمایئے گا کہ مدح علیؑ میں اشعار کہہ کر عمر عاص جنت کے گھروں کا مستحق ہو گیا۔ فرزند رسول زمن امام حسنؑ نے ایک مرتبہ عمر عاص کے سامنے ان اشعار کی مدح کی۔ عمر عاص خوش ہوا۔ پھر حضرت نے غلام کو

بارہ ہزار دینار لانے کا حکم دیا۔ غلام نے سامنے لاکر رکھ دیئے۔ حضرت نے فرمایا اے عمرِ عاص یہ بارہ اشعار میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا میں بیچتا ہوں۔ آپ نے بارہ ہزار دینار دے کر بارہ اشعار خرید لئے۔ جب بھی عمرِ عاص گھاٹے میں نہیں رہا۔ مدحِ علی کا صلہ اس کو دُنیا میں مل گیا مگر بغضِ علیؑ نے آخرت سے محروم کر دیا۔ صلوٰۃ۔ بہرحال عمرِ عاص اپنی بیعتِ غدیر کو اور مدح سرائیوں کو ایسا بھولا کہ امیر المومنینؑ سے جنگ کرا دی اور جب حَکَم بنایا گیا تو پہلے ابو موسیٰ اشعری نے امیر المومنینؑ کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ سُنایا اور عمرِ عاص نے امیرِ شام کی امارت و ریاست کو تسلیم کر لیا۔ اور معاویہ کے حق میں ڈگری صادر کی۔ مگر میرے مولا کا حق اس فیصلے کا محتاج نہیں۔ کلامِ الٰہی نے پہلے بھی تصدیق کی اور اب بھی کر رہا ہے اور تاقیامت کرتا رہے گا۔ یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ۔ ذرا شمار کیجئے اس کے حروف کو، گویا قرآن نے حق کو چودہ کے اندر محدود کر دیا۔ ناحق دوسری طرف لوگ بھٹکتے ہیں۔ انہیں چودہ کا اتباع حق تک پہنچاتا ہے۔ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ اِلَّا اَنْ یُّهْدٰی۔ آیا وہ شخص جو حق تک پہنچا دے اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یا وہ جس کو خود راستہ نہیں ملتا۔ خدا نے ہر طرح سے سمجھا دیا۔ مگر ان کا اتباع چھوڑ کر لوگ ایسی گمراہی میں پڑے کہ بیعت توڑ دی۔ اور پھر بیعت کو ایسا سمجھ لیا کہ جس سے چاہا دستِ بیع ہو گئے۔ آج دُنیا میں کوئی قانون بیع ہونے کے بعد پھر بیع کو مشتری سے مسترد نہیں کرتا۔ جو شے بک گئی وہ بک گئی۔ مگر یہاں نہ عقل کو دخل ہے نہ نقل کو، نہ قرآن کو نہ حدیث کو، نہ اصولِ اخلاق کو جس کے ہاتھ پر چاہیں بیعت کر لیں جو سب میں زبردست ہو جو خزانوں کے منہ اور تھیلیوں کے منہ کھول دے ہم اس کی بیعت کے لئے حاضر ہیں کوئی فاسق فاجر ہو، شراب خوار ہو، زانی ہو اس سے کیا بحث۔ صاحبِ ثروت و اقتدار ہو، مالدار ہو اور بدحرکات ہو اس کے سامنے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دینا شیوۂ اسلام قرار دے لیا۔ معاذ اللہ اسی اصل نے یزید کو فرزندِ رسول سے بیعت کرنے کی جرأت دلائی۔ ورنہ ایک بادشاہِ وقت کی حیثیت سے جابرانہ ظالمانہ افعال اس سے سرزد ہونے کے بعد خلیفۃ المسلمین بن کر بیعت طلب کرنے کی جسارت ہوئی کہ تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہی نافذ ہوا کہ حسینؑ سے بیعت طلب کرو اگر وہ انکار کریں تو سر کاٹ کر بھیج دو۔ عقل پر نتیجہ نکالتی ہے کہ یہ حکم صرف سرِ حسینؑ پر ہی منتج نہیں ہوتا بلکہ احکامِ خدا اور رسول کی بیخ کنی منظور ہے۔ مگر حق کی حفاظت کرنے والا ہادی بجائے ہاتھ کے سر پیش کر دیتا ہے۔ اس ایک

سر کے کٹا دینے میں وہ وہ راز آشکار ہوئے کہ اسلام قیامت تک باقی رہا۔ اہلِ اسلام کو حق و باطل کا امتیاز ہو گیا۔ غیر مسلمین جو اس دھوکے میں ہوں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں بر سرِ شمشیر قائم ہوا۔ جبریہ بیعت کے اصول نے خیالِ باطل کو قوت پہنچائی تھی کہ زبردستی بیعت لینا شیوۂ اسلام ہے۔ مگر امام حسینؑ نے اپنا سر کٹا کر دنیا ارج تک کر دُنیا کو یقین دلا دیا کہ اسلام میں نہ اس طرح بیعت لی جاتی ہے نہ یوں بیعت کی جاتی ہے۔ یہ سوال پیش آتے ہی آپ نے مدینہ چھوڑ دیا۔ مکہ میں آئے وہاں بھی یہی خدشہ نظر آیا اپنی جان کی سلامتی پر حرمتِ خانۂ کعبہ کو مقدم کیا۔ دامنِ عصمت کو اس بدنما دھبے سے بچایا کہ فرزندِ رسول کی وجہ سے حرمتِ خانۂ کعبہ ضائع نہ ہو۔ ورنہ خانۂ کعبہ میں بہ نسبت کربلا کے بڑی تعداد میں مددگار مل جاتے۔ بنی ہاشم کی تعداد کے علاوہ اصحاب کے گروہ میں حج کے لئے آئے تھے کہاں تک ساتھ نہ دیتے۔ مگر حرمتِ خانۂ کعبہ نے خاموشی کے ساتھ کعبہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ قدم قدم پر بیعت کا سوال ہے۔ مگر محافظِ حق اپنے کو سبق آدلیں کا ذمہ دار سمجھ کر تمام آنے والی سختیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عزت کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہے۔ حُر کا رسالہ سدِ راہ ہو جاتا ہے اور اسی حکمِ یزیدی کی تعمیل کے لئے تین ہزار نیزہ و شمشیر سبب دلاتی ہیں مگر بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھتا۔ بلکہ منزلِ شہادت کی طرف قدم آگے بڑھتا ہے۔ فوجِ مخالف فضائی گھیر کر زمینِ کربلا پر پہنچا دیتی ہے۔ سب کے پہلے بیعت نہ کرنے کے جرم میں بندشِ آب کا انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ امام کی طبیعت میں استقلال کا جوش پیدا ہوتا ہے خود نہر سے خیمے ہٹا لئے جاتے ہیں۔

مقابلے کے لئے ابھی اپنی جماعت کافی ہے۔ حریف کی قوت بالموازنہ بہت کم ہے۔ مگر دکھلاتا ہے کہ ہم پیاسے رہ کر بھی بیعت نہ کریں گے۔ دو چار دن میں میدانِ کربلا کا وسیع صحرا فوجوں سے بھر جاتا ہے قطِ آب کی ایذائیں شروع ہوتی ہیں۔ صبح و شام مخالف کی طرف سے بیعت کا پیام دیا جاتا ہے۔ مگر ہمت میں اضافہ نظر آتا ہے بیعت سے وہی انکار۔

تابعینِ حق کا شان

دوسری طرف تابعینِ حق کا یہ ثباتِ قدم کہ امام کی طرف سے پے در پے اصرار ہے کہ ہم کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ ہم نے تم کو اپنی بیعت سے سبک دوش کیا۔ یہ بھی امام ہی کا کام تھا کہ اپنی قوت کو گھٹانے کے لئے خود اصحاب سے تقاضا تھا مگر ان کا ثباتِ قدم بیعتِ حق کا استحکام دکھا رہا ہے کہ مولا کوئی رشتہ خام نہیں کہ ٹوٹ جائے یہ سر قلم ہو جائیں جسم کے ٹکڑے ہو جائیں ہماری خاک ہوا میں منتشر ہو جائے مگر یہ بیعت

نہیں ٹوٹ سکتی۔ ہم اپنی جانیں جمع کر چکے اب اس کو پھیرنے پر راضی نہیں۔ جو کچھ وعدہ کیا تھا جس بات پر بیعت کی تھی پورا کر کے سب دنیا سے گئے۔ اب صرف حسین مظلوم ہیں اور بسمل بیعت العطش کے نعرے خیمے سے اٹھتے ہیں مگر فرات کا بہتا ہوا پانی تشنہ لبوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر بیعت کا سوال درمیان میں حائل ہے۔ حسینؑ پانی مانگتے ہیں۔ جواب ملتا ہے اگر تمام دنیا پانی ہو جائے جب بھی اس وقت تک ایک قطرہ نہ دیں گے جب تک ہاتھ بیعت یزید کے لئے نہیں بڑھتا۔ گزر گئیں یہ آزمائش کی گھڑیاں۔ نہ دائرۂ حق سے قدم پیچھے ہٹا نہ بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھا آخر وہ وقت آ گیا کہ گلے پر کند خنجر اور شمر سے سوالِ آب۔ وہ لعین جواب دیتا ہے اے حسینؑ جب تک بیعت یزید نہ کرو گے پانی نہ ملے گا۔ یہ آخری لمحے بھی اسی کشمکش میں صبر و استقلال سے کاٹ دیے مگر فاسق و فاجر کی بیعت نہ کی۔ آخر اس صبر و استقلال کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق کی بات رہ گئی۔ اور دنیا سے ان کے لئے سوالِ بیعت اٹھ گیا۔ یزید ایسا ظالم جس کے اشارہ پر فاطمہؑ کا ہرا بھرا باغ پامال ہو گیا۔ کربلا میں خون کی ندی بہہ گئی۔ سمجھ گیا اس رمز کو۔ اور جب اسی بیکس حسینؑ کا فرزند جس سے قدم قدم پر بیعت کا سوال تھا گرفتار ہو کر طوق و زنجیر میں اسیر سامنے یزید کے آیا۔ اب اس شقی کو جرأت نہیں کہ بیمارِ کربلا سے بیعت کا سوال کرے۔ موافق و مخالف مسلم اور غیر مسلم دنیا کے قلم رک گئے، راویوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔ کوئی اس کا مدعی نہیں کہ زین العابدین علیہ السلام سے بیعت کے لئے کہا ہو یا حضرت امام نے بیعت کر لی ہو۔

ایک یزید نہیں دنیا سمجھ گئی کتنی ہی سختیاں ان پر ڈالی جائیں، تمام مصائب ان پر ختم کر دیے جائیں مگر یہ ہاتھ بیعت کے لئے بڑھنے والے نہیں۔ یہ ہاتھ بیعت کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں بلکہ بیعت لینے کے لئے۔

ناچیز (مؤلف) کا دعویٰ ہے کہ امام حسینؑ کے واقعے کے بعد پھر یہ سوال دنیا سے ایسا اٹھ گیا کہ بنی امیہ میں سے اور بنی عباس میں سے کسی بادشاہ نے ان سے بیعت کا سوال ہی نہیں پیش کیا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ نہ حسینؑ سے پہلے کسی امام کا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا نہ حسینؑ کے بعد۔ نہ یزید ایسا سفاک جس نے بعد واقعۂ کربلا بھی ظلم کی تلوار نیام میں نہیں کی مسجدِ رسول کو بازار منا بنا دیا۔ خانۂ کعبہ پر آگ کے شعلے اور پتھر برسا کر حرمتِ کعبہ مٹا دی۔ مدینہ میں خون کا دریا بہا دیا۔

صرف اپنی بیعت کے لئے سب کچھ کیا۔ مگر امام زین العابدینؑ سے یہ سوال نہیں پیش کیا جاتا۔
دربارِ عام میں جب آپ کو مع اہلبیتؑ قیدی بنا کر طلب کیا ہے۔ امامت و خلافت پر بحث مباحثہ
کیا اور ہر طرح کی ذلت و توہین کر لی مگر بیعت کا نام نہیں لیا۔ یزید نے بے بس سمجھ کے چھیڑ کے کہا۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَتَلَ اَبَاکَ اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہارے باپ کو قتل کرایا۔ امام نے
جواب دیا لَعْنَةُ اللّٰہِ مَنْ قَتَلَ اَبِیْ خدا اس پر لعنت کرے جس نے میرے باپ کو قتل کیا۔ یزید نے
یہ آیت پڑھی وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ یعنی جو کچھ مصائب تم پر واقع
ہوئے وہ ان گناہوں کے سبب واقع ہوئے جو تم سے سرزد ہوئے۔ آپ نے فرمایا یہ آیت ہماری
شان میں نہیں ہے بلکہ ہم اس آیت کے مصداق ہیں۔ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ
لَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ یعنی یہ مصیبت زمین پر ہمارے نفوس کے لئے نہیں نازل ہوتی مگر لوح پر لکھ گیا تھا
قبل اس کے کہ ہم پیدا کریں۔ یزید نے کہا یہ تو صحیح ہے مگر تمہارے باپ اور دادا نے چاہا تھا کہ امامت
اور سلطنت دونوں ہمارے قبضے میں رہیں مگر خدا کا شکر ہے ایسا نہیں ہوا۔ اور وہ قتل ہوئے
اب امام کو غیظ آ گیا اور کلمۂ حق کہنے میں آپ نے ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ یزید کو ڈانٹ دیا اور
فرمایا اے پسرِ معاویہ اور اے فرزندِ جگر خوارۂ نبوت و امامت ہمارے جد و پدر کے لئے خدا نے
مختص کر دی ہے اس لئے کہ علمِ ظفر شیم رسول کا جنگ بدر و احد و خندق میں ہمارے جد کے دوش
پر رہا اور علمِ کفر کے حامل ابو سفیان اور معاویہ و بنی امیہ رہے ہے۔ اے یزید وائے ہو تجھ پر یہ تو بتلا
کہ ہمارے پدرِ بزرگوار سے کیا خطا سرزد ہوئی، کس قصور پر ہمارے بھائیوں کو اور چچا کو اور
میرے پدرِ بزرگوار کو قتل کر کے میدان میں چھوڑ دیا۔ اے یزید افسوس ہے کہ میرے پدرِ بزرگوار
کا سرِ مطہر تو نے اپنے دروازہ پہ لٹکایا ہے۔ حالانکہ وہ بزرگوار تمہارے درمیان امانتِ رسول تھے
اے یزید خدا سے ڈر اور روزِ قیامت کا خوف کر۔ یہ کلمات سن کر یزید مثل مارِ سیاہ بل کھانے لگا
اور ایک غلام زشت خو اور بدرو کو حکم دیا کہ اس جوان کو میرے باغیچہ میں لیجا کر قتل کر دو اور وہیں
غار کھود کر دفن کر دینا۔ غلام آپ کو کشاں کشاں باغ میں لایا معلوم نہیں اس وقت اہلحرم پر کیا
مصیبت گزری سارے کنبہ میں ایک بیمار یہ ناتواں بچ گیا تھا، خاندانِ رسالت کا یہی ایک قافلہ
سالار تھا اب عالمِ غربت میں کوئی نہیں باقی رہا جاتا۔

دشمنِ معصوم نے باپ بیٹے کو حکمِ یزید کی تعمیل کی شروع کی۔ ایک خاص مصیبت قبر محمد ﷺ و حضرت کے پاس کے قریب ہوا یا۔ آپ نے منظوم عرض فرمائی:

أَنَا دِيكَ يَا جَدَّاهُ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ — حَبِيبُكَ مَقْتُولٌ وَنَسْلُكَ ضَائِعُ

اے نانا رسول خدا سردار انبیا آپ کا فرزند محبوب ترین قتل ہو گیا ہے اور آپ کی نسل ضائع ہو رہی ہے

فَإِنَّكَ أَمْسَيْتَ بِالأَعْدَاءِ بِذِلَّةٍ — تُسَاعُ لَسَلْهُمْ بَيْنَ الأَنَامِ مَجَايِعُ

اے نانا آپ کی ذریت مجمع عام میں ذلت و رسوائی کے ساتھ کھڑی ہے اور بے یار و مددگار پھرائی جاتی ہے۔

یہ کہہ کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ نماز جب تمام ہو گئی اس غلام نے چاہا کہ ضربت لگائے لاش جونہی ایک ہاتھ پیدا ہوا اور غلام پر ایک وار تلوار کا پڑ گیا وہ زمین پر گر کر واصل ہوا۔ یزید کو اس ماجرے کی خبر ہوئی اور حضرت کو بلا کر قیدخانہ میں بھیج دیا۔ زمانۂ اسیری میں ہر طرح کی تکلیف یزید سے آپ کو پہنچی مگر پھر یزید نے آپ کے قتل کا ارادہ نہیں کیا اور چند روز کے بعد رہا کر دیا۔ اور حضرت کی عمر باپ کے بعد غم سے گزری۔

(حاشیہ: ینابیع ... قتل ... بحار جلد ... ص ...)

مگر اس گوشہ نشین امام سے کیا جرم سرزد ہوا کہ سفاک عبدالملک ابن مروان نے زہر دلا کر شہید کرا دیا۔ ہائے وہ سوگوار امام جس کو سوا باپ کے رونے کے یا عبادت کے کوئی اور شغل نہ تھا نا مومن دنیا سے کوئی واسطہ تھا مگر حضرت کے وجود ذی جود سے جفاکار نے دنیا کو خالی کرا دیا۔ مدینہ میں کہرام برپا ہوا۔ خاندانِ رسالت میں گریہ و بکا سے حشر کا سامان نظر آتا تھا۔ وہ رحم دل امام جس نے کبھی کسی غلام پر اگر تنبیہ بھی کی تو اس سے معافی مانگتے تھے۔ کبھی تازیانہ سے ناقے کو بھی ایذا نہیں پہنچائی۔

(حاشیہ: امام کی وفات — تاریخ جلد ۲ — تذکرہ خواص الامۃ — ۲۵ محرم ۹۵ھ دوشنبہ)

پینتیس سال باپ کے غم میں سوگ نشین رہے۔ پچیس محرم کو وقتِ صبح باپ کے فرشِ ماتم پر زہر کی ایذا اٹھا کر راہی جنت ہوئے۔ دنیا سے وہ مردِ کریم و سخی اٹھ گیا جو بروایت اصول کافی ایک سو گھر والوں کو شب میں روٹی، غذا اور لباس و درہم پوشیدہ طور پر اپنی پشتِ مبارک پر لاد کر پہنچاتا تھا۔ غسل دیتے وقت پشت و شانہ پر بارکشی کے نشانات ظاہر ہوئے۔ امام محمد باقرؑ دیکھ کر رونے لگے۔ اور یہی صحیح روایت ہے کہ تین سو گھر بار و مساکین و یتیم و بیوہ کے ایسے تھے جن کی آپ روزانہ کفالت کرتے تھے۔ مگر کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ سامان غذا ہم کو کون دے جاتا ہے۔

(حاشیہ: تاریخ جلد ۲ حصہ اول ص ۲۲)

جب حضرت کی وفات ہوئی جب معلوم ہوا کہ حضرت امام زین العابدین ہمارے واسطے کھانے کا سامان لاتے تھے۔ مرتے وقت امام محمد باقر علیہ السلام کو غربا اور یتیموں کی خبرگیری کے لئے مخصوص وصیت کی اور اپنے اس ناقے کے لئے جس پر بائیس حج کئے تھے اور کبھی تازیانہ نہیں لگایا تھا اپنے جانشین امام محمد باقر سے خاص طور پر تاکید فرمائی۔ بیٹا میں نے اس ناقے پر حج کئے اس کو تازیانہ تک نہیں مارا۔ اس کا خیال رکھنا اور جب یہ ہلاک ہو جائے تو اس کو زیر زمین دفن کر دینا کہ جانوروں کی خوراک نہ ہو۔

حضرت کی وفات کے بعد ناقے نے آب و غذا ترک کر دی اور اپنے امام کو یاد کر کے مہار توڑ کر قبر پر پہنچا اور سر اپنا قبر پر رکھ کر رونا شروع کیا۔ جب اہلبیت میں یہ خبر پہنچی حضرت امام محمد باقرؑ اس کو پھر بقیع سے لے آئے۔ مگر دوسرے وقت ناقہ پھر قبر پر پہنچ گیا۔ اور وہیں روتے روتے اپنے آقا کے پاس جنت میں پہنچا۔ امام محمد باقرؑ کو جب اس کے مرنے کی خبر پہنچی غار کھدوا کر زمین میں دفن کرا دیا۔ امام کو جانوروں کے دفن کا تو یہ خیال۔ مگر سارا کنبہ خاکِ کربلا پر بے غسل و کفن پڑا تھا، اور آپ حسرت سے ان کو دیکھتے ہوئے عالمِ اسیری میں کوفہ روانہ ہو گئے۔ حضرتؑ کے ناقے کو اسی وقت سب نے دفن کروایا مگر آپ کے پدر مظلوم کو تین روز تک قبر میسر نہ ہوئی۔ تیسرے روز بنی اسد کی عورتیں اور مرد جمع ہوئے اور امام بہ اعجاز تشریف لائے اس طرح غریب امام اور شہدا کو قبر میسر ہوئی۔ لیکن معتبر روایات سے یہ پایا جاتا ہے کہ صرف جسمِ مجروح دفن ہوا۔ سرِ اطہر کو جسم سے الحاق میسر نہ ہوا۔ عرصے تک قصرِ یزید پر آویزاں رہا۔ ایک مدت تک خزانۂ بنی امیہ میں رہا۔ پھر یہ بھی روایات سے طے نہیں ہوا کہ کہاں دفن ہوا۔

ا۔ آپ کی عمر حساب سے ۵۷ سال چار ماہ ہوتی ہے۔ دو سال دادا کے زیر سرپرستی رہے۔ دس سال چچا حسنؑ کی تربیت پائی۔ دس سال باپ کا عہد امامت دیکھا۔ ۳۵ سال اپنا عہد امامت سلاطین بنی امیہ کے عہد سلطنت میں گزارا۔ ۳۸ھ مطابق ۱۰۰ء میں وفات پائی۔ ایک سال تک قید شام کا زمانہ پایۂ ثبوت تک پہنچا ہے۔ کوفہ سے شام کی روانگی میں کربلا کا ورود بروز اربعین، قول حساب سے مطابق ہوتا ہے۔ اور جب شام سے مدینہ گئے ہیں جب بھی اربعین کا زمانہ کربلا میں ہوا اسی آخری مرتبہ جابر بن عبداللہ انصاری کا کربلا آنا ثابت ہوتا ہے صاحب تاریخ کی تحقیق اسی کی تائید کرتی ہے۔ (مؤلف)

بیان تئیسواں

ملک عظیم سے مراد کیا ہے۔ سیاستِ علویہ از روئے علم اخلاق سیاست باقریہ اور فضائل و ولادت امام محمد باقرؑ عالم نصرانی کے سوالات۔ آخر میں شہادت حضرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا کیا لوگ ان پر حسد کرتے ہیں جن کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔ بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ان کو بہت بڑی سلطنت دی۔

آیت میں آلِ ابراہیم کی مملکت کا ذکر ہے۔ مگر پہلے نسلِ خلیل میں اس انتخاب کی ضرورت ہے کہ آلِ ابراہیم کا کس طرف اشارہ ہے؟ آلِ اسحاق سے جناب سلیمان سلطان السلاطین تھے خدا سے سلطنت مانگ کر پائی اور اس شرط پر کہ میرے بعد ایسا ملک کسی کو نہ عطا فرما وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ مگر آیت میں جنابِ سلیمان کی طرف اشارہ ہے تو ضمیر واحد ہونا چاہیے۔ اٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا میں ضمیر جمع کی استعمال ہوئی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ آلِ ابراہیم سے کوئی خاص گروہ مراد ہے جس کو ملکِ عظیم عطا ہوا۔ اور وہ ملک بھی کوئی اور ملک تھا جس کو خدا نے ملکِ عظیم کہا ہے۔ جناب سلیمانؑ نے خدا سے مانگ کر جو ملک پایا وہ کوئی اور ملک ہے۔ یہ کوئی اور ملک ہے جو مانگنے سے نہیں ملتا۔ غلبہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ غلبہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اجماع سے میسر نہیں آتا۔ یہ ملک بزورِ شمشیر نہیں ملتا بلکہ بزیرِ شمشیر ملتا ہے۔ فاقہ کشی سے ملتا ہے نفس کُشی سے ملتا ہے۔ عجز و نیاز سے ملتا ہے۔ بندگی کرکے ملتا ہے۔ پھر بھی ہر ایک کو نہیں ملتا آلِ ابراہیم سے کوئی خاص گروہ مختص ہے جس کو یہ ملکِ عظیم عطا ہوا۔ صلواۃ۔

تفسیر ملک عظیم کا ای

باقر علوم خفی و جلی حضرت محمد ابن علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ملک سے مراد نبوت و امامت اور خلافت ہے اور آلِ ابراہیم سے ہمارے جد رسول خدا صلعم اور ہم آئمہ مراد ہیں اور حکمت سے مراد علم نبوت و امامت ہے اور ملکِ عظیم اطاعت باری تعالیٰ کے ساتھ ہماری محبت ہے۔

قولِ معصوم ہے۔ اسی آئینے میں پرتو نظر آئیگا جس میں ایمان کی جلا ہو۔ محبت اہلبیت کی صفا ہو۔
حسنِ اعتقاد کی قلعی ہو۔ کسی رنگ آلود شیشے میں اس کی صلاحیت کہاں کہ قولِ معصوم کی باریکیاں نقش و
نگار بن کر ابھر آئیں۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ کے مصداق ملکِ عظیم کیا ایک باغ کا سزاوار
نہیں جانتے۔ نہ ملک داری کی صلاحیت کے قائل ہیں (اعتراض ہے کہ علیؑ میں اصلاحِ ملک اور سیاست
کی قابلیت نہ تھی۔ گویا جبر و تشدد کا نام سیاست رکھ لیا ہے۔ میں دعوے سے عرض کروں گا جو یہ
اعتراض کرتے ہیں وہ خود سیاست کی تعریف سے بے بہرہ ہیں۔ یہ وہی آیۂ کریمہ فَقَدْ اٰتَیْنَآ
اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا کافی ہے۔ خدا پہلے علم کتاب و
حکمت دے چکا جب ملکِ عظیم عطا کیا۔ سیاست ایک شعبہ ہے حکمت کا۔ سیاستِ الٰہیہ ہو سیاستِ
مدن دونوں علمِ حکمت کی شاخ ہیں۔ خدا نے جس کو علمِ حکمت عطا فرمایا اس کے سامنے سیاستِ
مدن کیا شے ہے۔ سیاست وہ اہم مسئلہ ہے کہ اس کی تحقیق میں علماء اخلاق کی عمریں گذر گئیں۔
اور اپنی زندگی نذرِ تحقیق کر دی جب اصولِ حکمت منضبط ہوئے۔ اور یہ قرار پایا کہ سیاست
صفتِ عدل کی تابع ہے۔ پھر اس کی چار قسمیں قرار دیں۔ ۱: سیاستِ کرامت۔ ۲: سیاستِ
جماعت۔ ۳: سیاستِ غلبہ۔ ۴: سیاستِ حکومت۔ ان تمام اقسام کے لئے معرفت کو لازم قرار دیا
کہ بغیر معرفت کے برتری اس کی باعثِ نزاع و اختلافِ خلق ہوگی پس وضع کرنے والا ایسا شخص ہو
جو بواسطہ الہامِ الٰہی دوسروں پر وجہ امتیاز رکھتا ہو تاکہ اس کی اطاعت میں از روئے عقل کسی کو عذر
نہ ہو۔ لازم آیا تعلیم احکام سیاست و تدبیر منزل کے لئے موید من اللہ ہو۔ ایسے شخص کو حکماء اپنے محاورہ
میں صاحبِ ناموس اور اس کے بتائے ہوئے قانون کو ناموسِ الٰہی کہتے ہیں۔ اور اصطلاحِ فقہ میں
اس کو شارع اور اس کے قانون کو شریعت کہتے ہیں۔ اور محدث اس کو امام اور اس کے فعل کو
امامت کہتے ہیں۔ حکیم افلاطون نے ایسے شخص کا نام مدبرِ عالم اور حکیم ارسطاطالیس نے ایسے شخص کو
انسانِ مدنی کہا ہے۔ علماء علمِ حکمت اور واضعانِ اصولِ سیاست نے یہی خلاصہ علمِ اخلاق
کا منضبط کیا ہے۔ جملہ صفاتِ اخلاق آپ کو اسی کے تحت میں نظر آئیں گے۔

اس کے بعد بکمالِ ادب میں عرض کروں گا کہ موافق اصولِ حکماءِ اخلاق میرے مولا علی ابن ابیطالب
کے پیکرِ عدالت پر یہ لباس موزوں ہے یا اس کے لئے کوئی اور حلہ

کیا علی سیاست نہیں جانتے

عقلی دلائل

سیاست کی تعریف اخلاق ناصری

اقوال حکماء

نتیجہ

طولِ قامت تومند، قوی ہیکل کا مشروط ہے۔ موافق قول حکما ضابطہ اخلاق میں عالم شال اعظم انسان مدنی کون ہو سکتا ہے۔ میرا مولا یا کوئی اور!

خدا نے جس کو کتاب علم و حکمت عطا فرمایا وہ دعویٰ کرتا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق یعنی میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔ اس کے بعد عالم شال میں ارشاد ہوتا ہے۔ اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا میں حکمت کا قلعہ ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ ملاحظہ ہو موجب اصولِ حکمت و شریعت ایک مدبر انسان مدنی کے امیر المومنین یا ان کی آلِ پاک ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے عہد میں کس کس طرح نازک مرحلوں کو طے کیا اور حفظِ ناموس یا شریعت میں کس طرح اپنی زندگی صرف کی۔ دُنیا سیاستِ علویہ پر اعتراض کرے مگر حبیب ربانی جس پر قرآن نازل ہوا جس کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے کر خدا نے تکمیل علم اخلاق کے لئے بھیجا وہ علی کی سیاست دانی کی تصدیق کرتا ہے۔ اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ بَعْدِیْ میرے بعد علی سب سے بڑے قضیوں کا فیصل کرنے والا ہے۔ سیاستِ علویہ کی ہزار ہا مثالیں صفحاتِ تاریخ پر موجود ہیں۔ جن کا بیان کرنا باعث طوالت ہے۔ وہ حضرت جو فتوحات ملکی اور جبر و تشدد کو سیاست سمجھتے ہیں اپنے اس اصول کے موافق اگر جناب خلیفہ ثانی صاحب کو میدان سیاست میں رُکنِ اعظم تصور کرتے ہیں تو خلیفہ صاحب نے بھی سیاست میں حضرت علی کو اپنا رہبر قرار دیا۔ اور خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا مجھ کو اس دن کے لئے باقی نہ رکھے جس دن ابو الحسن نہ ہوں ملاحظہ ہو مناقب احمد بن حنبل اور ربیع الابرار باب خمس۔

ترمذی

مولوی عبید اللہ امرتسری تحریر فرماتے ہیں کہ تمام مورخین متفق ہیں کہ اسلام میں خلیفہ ثانی سے زیادہ کوئی خلیفہ مدبر پیدا نہیں ہوا جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب امیر علیہ السلام سے مشورہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے بنفس نفیس حرب روم میں شریک ہونے کا ارادہ کیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے آپ کو منع کیا اور فرمایا کہ آپ بذاتِ خاص حرب میں شریک نہ ہوں اگر شہید ہو گئے تو کسر شانِ اسلام ہو گی۔ اور اشاعتِ اسلام میں فتور آجائیگا۔ خلیفہ صاحب نے آپ کے فرمانے پر عمل کیا۔ اس کے بعد فاضل مورخ تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو تمام مورخین نے مدبر ہونا تسلیم کیا ہو اس کا سبب یہ تھا کہ وہ حضرت علی کے مشورے

پر عمل کرتے تھے۔ (دل چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ عرض کروں، موافق اس قول کے حضرت علیؑ کا سیاست میں افضل ترین عالم ہونا ثابت ہے۔ اور اس واقعے سے سیاست علویہ کا پورا ثبوت ہوتا ہے۔ جناب امیرؑ نے محبت اسلام میں کس حسن سے خلیفۂ وقت کو باز رکھا اور اسلام کو شکست سے بچایا کہ حضرت کو تو خوب معلوم تھا کہ عہد رسول میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان میں آپ کو ہزیمت کے سوا فتح حاصل نہیں ہوئی۔ خیبر میں خندق میں، احد میں آپ کی ہمت کا تجربہ ہو چکا۔ اس وقت خدا نے دوسروں کے ہاتھ سے اسلام کی بات رکھ لی۔ اب جو خود بنفس نفیس خلیفہ بن کر میدان کارزار میں تشریف لے جائیں گے اور ہمت نے جواب دیا تو اسلام کو وہ شکست فاش ہوگی کہ پھر بات بنائے نہ بنے گی۔ اس لئے حسن تدبیر سے آپ نے خلیفہ صاحب کو باز رکھا اور وہ اپنی طبیعت کا اندازہ کر کے مان بھی گئے۔) بہر حال علم حکمت سے مسئلہ سیاست کو استاد نے واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ مراد سیاست سے وہ ملک داری نہیں ہے کہ اس کے زیر حکم سلطنت اور لشکر و حشمت ہو یا نہ ہو بلکہ حکیم ارسطاطالیس کا قول ہے کہ حقیقت میں جو شخص استحقاق ملک داری رکھتا ہو اگر چہ ظاہر میں کوئی شخص اس کی طرف التفات نہ کرے وہی مدبر ہے اور صاحب سیاست ہے۔ کیونکہ تکمیل و تدبیر و تہذیب و اخلاق و اصلاح نفوس کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو یہ صفات رکھتا ہو۔ دوسرا شخص جس میں یہ صفات نہ ہوں اگر تدبیر عالم کو اپنے ذمے لے گا تو ظلم و فساد عالم میں شائع ہوگا۔ حکیم اخلاق کے اس قول کو آل ابراہیم کے اس گروہ پر مطابق کیجیے جو قرآن نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ امیر المومنین سے لیکر امام عسکریؑ تک جس امام کے حکیمانہ انداز پر نظر ڈالیں گے حرف بحرف اسی کے مطابق پائیں گے۔

عنان حکومت نا اہل ہاتھوں میں پہنچنے کا کیا نتیجہ ہو گیا۔ کس قدر ظلم و بدعت کا رواج دنیا میں جاری و ساری ہو گیا۔ اور حکیم ربانی جو اصول حکمت تعلیم کر گیا تھا اس میں کس قدر تغیر واقع ہو گیا لیکن جب کوئی سیاسی مشکل پیش آئی تو انھیں ہاتھوں سے اس کی عقدہ کشائی ہوئی جن کو خدا نے آل ابراہیم کے خطاب سے یاد فرما کر ملک عظیم کا سردار بنایا ہے۔ دو رہی امیر جن کے ظلم و بدعت کے فسانے تاریخ عالم میں ضرب المثل ہیں اسی عہد میں اسی مکتب علم حکمت کا ایک

مدرس، اسی آغوشِ خلقِ عظیم کا ایک تربیت یافتہ اسی اصولِ سیاست کو ثابت کر گیا کہ اصلاحِ انسان کے لیے خدا کا ملکِ عظیم ہمارا محتاج ہے۔ اس ملکِ عظیم کے ہم سرتاج ہیں۔

ہارون رشید کا دربار ہے اور مصاحبین و علماء گرد و پیش جمع ہیں۔ درہم و دینار کی جھنکار سے قصرِ ہارون گونج رہا ہے۔ ایک چمکدار سکہ پر ہارون کی نظر پڑی جس کو ہارون ہاتھ میں اٹھا کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر ایک عالم علی ابن حمزہ کسائی کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے امام کسائی تم بتا سکتے ہو کہ یہ سکہ طلا و نقرہ کس نے ایجاد کیا اور کس نے رواج دیا۔ امام کسائی نے کہا اے خلیفہ میں اتنا جانتا ہوں کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں رائج ہوا۔ ہارون نے کہا کسی کو معلوم ہے اس کی ایجاد کا سبب کیا ہوا۔ حاضرین نے عرض کی ہم کو معلوم نہیں۔ ہارون اہلِ دربار سے مخاطب ہوا اور کہا سنو! اور یاد رکھو زمانۂ سابق میں کاغذ جس قدر صرف ہوتا تھا رومی کارخانوں سے بن کر آتا تھا۔ مصر میں بھی اس کے کارخانے تھے مگر وہاں بھی عیسائی اس کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنے مذہب عیسائی کی ایک علامت بطور طغرا نقش کر دی تھی۔ جو ہر کاغذ کی پیشانی پر پائی جاتی تھی۔ کسی نے اس پر اعتنا نہ کی۔ ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کے پاس کوئی کاغذ آیا جس پر یہ علامت نقش تھی۔ عبدالملک نے بغور اس کو پڑھنا چاہا تو اس میں لکھا ابن اب روح۔ جب علماء سے اس کا ترجمہ کرایا گیا تو معلوم ہوا عیسیٰ ابن اللہ و روح القدس کا مخفف ہے۔ اس میں اپنے اعتقاد کے موافق تثلیث کا اشارہ کیا ہے۔ عبدالملک نے کہا بلادِ اسلام میں اس عقیدہ کا رواج خلافِ مذہب اسلام ہے۔ علماء سے مشورہ کر کے اپنے بھائی عبدالعزیز والیٔ مصر کو پیغام بھیجا کہ ملک کا رخانہ کو ہدایت کی جائے کہ وہ مارکہ تبدیل کریں اور کلمہ طیبہ کا مارکہ بنا کر نقش کریں اور ایک حکمِ عام اعلان کرایا کہ جس شے پر یہ عیسائی مارکہ بنا ہوا پایا جائے وہ شے کوئی مسلمان خرید نہ کرے۔ بحکمِ شاہی کے بموجب کارخانہ میں ایسا کاغذ بن کر تیار ہوا جس پر یہ کلمہ طیبہ نقش تھا۔ جب سلطانِ روم کو اس کی اطلاع ہوئی اس نے کاغذ منگوا کر دیکھا اور بہت برہم ہوا! مگر پہلے یہ تدبیر اس نے اختیار کی کہ دوستانہ ہدیے سے پہنچا کر ایک [illegible] عبدالملک کے پاس دمشق روانہ کیا اور خط میں لکھا تم سے پیشتر جو اسلامی خلیفہ گزرے جن کے تم جانشین ہو وہ [illegible] کیا کرتے تھے کیا وہ خطا پر تھے اور تم صواب پر۔ میں تم کو مشورہ دیتا ہوں

کر بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔ قدیم رسم کو نہ چھوڑو اور جدید امر کی طرف قدم نہ بڑھاؤ۔ اور اس حرکت سے باز آؤ۔

علمائے روم کی اس تحریر کو سن کر اس کے اعتراضات ملاحظہ فرمائیں۔ ایک عیسائی بادشاہ نے خلافتِ جابرہ پر کیسی چوٹ لگائی ہے۔ جس کا منشا صاف ظاہر ہے کہ اگر تم کسی سچے اصول کے پابند ہوتے تو سب کا ایک اصول ہوتا کیونکہ رسولؐ کے جانشین کی بڑی شناخت یہ ہے کہ سب کا ایک اصول ہو کسی میں اختلاف نہ ہو۔ اعتراضات ایسی توجہ ہے بحمد اللہ ہمارے بارہ اماموں کا ایک اصول، ایک قانون، ایک شریعت، ایک فقہ، کسی میں فرق نہیں معلوم ہوا کہ اصل اصول کا اصل بنانے والا ایک تھا یعنی وہی حکیم ربانی۔ اور ہر جانشین اسی ایک اصول کا پابند۔ مسلمانو!

الغرض جب سفیرِ قیصرِ روم ہدیہ و تحفہ لیکر عبد الملک کے پاس پہنچا اس نے نہایت حقارت سے نامہ کو چاک کر ڈالا اور ہدیے واپس کر دیئے۔ قیصرِ روم نے پھر اس سے بہتر تحائف بھیجے اور لکھا کہ میں اب سمجھتا تھا کہ تم ان تحائف کو اپنے شایانِ شان سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے واپس کرتے تھے۔ اب میں تم کو آگاہ کرتا ہوں اگر تم نے اپنا حکم واپس نہیں لیا اور کاغذ پر توحید کا مارکہ باقی رکھا تو خوب سمجھ لو کہ میں سکہ پر تمہارے رسول پر معاذ اللہ سب و شتم کندہ کرا کے رائج کروں گا۔ یہ نامہ جس وقت عبد الملک کے پاس پہنچا حیرت میں آ گیا کیونکہ تمام شام و حجاز فارس و عراق میں رومی سکہ کا رواج تھا۔ سفیر کو قیام کا حکم دیا اور ایک مجلسِ شوریٰ آراستہ کی۔ تمام علما اور سیاسی لوگوں کو جمع کر کے قیصرِ روم کا نامہ سنا کر کہا اب اگر یہ سکہ جاری ہوا تو میں اس کا سبب قرار پاؤں گا اور یہ کلنک کا ٹیکہ ہمیشہ کے لئے میرے نام پر باقی رہے گا لہٰذا سب مل کر اس کا جواب تجویز کریں کہ قیصرِ روم اس شغلِ شنیع سے باز رہے۔ مدبرینِ سلطنت اور علمائے شام و عراق دیر تک غور کرتے رہے۔ آخر سب سپر انداختہ ہو کر کہنے لگے اے امیر ہم عاجز ہیں کوئی تدارک اس کا نہیں بتلا سکتے۔

عبد الملک نے یہ حال دیکھا تو جواب نہ پا کر کمال تشویش سر جھکا کر غور کرنے لگا۔ روح بن زنباع وزیرِ سلطنت کھڑا ہو گیا اور ادب آداب ادا کر کے عبد الملک سے کہا اے امیر اس مشکل کو حل کرنے والا تیرے

پیش نظر ہے اور تو ان کو خوب جانتا ہے ان سے اس معاملے میں کیوں رجوع نہیں کرتا۔ عبدالملک نے سر اٹھا کر اپنے وزیر کی طرف دیکھا۔ اور کہا تو اُن کا نام کیوں نہیں لیتا۔ معلوم تو ہو تیری مراد کس شخص سے ہے۔ اس نے کہا اے بادشاہ سوائے خاندانِ رسالت کے اور کوئی اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتا۔ اس معاملے کو باقر العلوم حقی وجلی حضرت محمد ابن علی علیہ السلام سے رجوع کر وہی جناب اسلام کی اس مشکل کو حل کریں گے۔ عبدالملک دفعۃً چونک پڑا اور کہا سچ کہا تم نے وہ ایسے ہی ہیں۔ میں متامل تھا۔ اچھا فوراً عاملِ مدینہ کو نامہ لکھو کہ اُن جناب کو بہ آرام تمام و سامانِ سفر جلد ہمارے پاس بھیج دے۔

سفیر روم کو مہمان کرو۔ غرض حضرت مدینہ سے تشریف لائے اور جب قریب دمشق پہنچے تمام اراکین سلطنت پیشوائی کے لئے گئے۔ بہ اہتمام تمام حضرت کو لا کر ایک قصر میں ٹھیرایا۔ عبدالملک نے تعظیم و تکریم بجا لا کر حضرت کو اپنے پاس بٹھایا اور بعض مطلب عرض کر کے قیصر روم کا نامہ پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ کونسا اہم معاملہ تھا جس کے واسطے مجھ کو مدینہ سے بلوایا اے عبدالملک اس کا انسداد تیرے ہاتھ میں ہے۔ قیصر روم جنابِ پیغمبر خداؐ کی توہین نہیں کر سکتا۔ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیگا۔ عبدالملک یہ کلمات سن کر خوش ہو گیا۔ اور عرض کی بیشک آپ فخر اہلبیت اور نشانی ہیں سلالۂ طیبہ کی آپ جیسا فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔

اُن جناب نے فرمایا تو خود اسلامی سکہ بنوا کر اپنے تمام ملک میں رائج کر دے۔ اور سختی کے ساتھ قلمرو میں نافذ کر دے کہ رومی سکہ کا چلن ہم نے موقوف کیا۔ خرید و فروخت میں جو اس کو صرف میں لائے گا وہ سزا پائے گا۔ اور اپنا سکہ اس طرح ایجاد کر کہ ایک طرف کلمۂ طیبہ ہو اور دوسری طرف سن اور حضرت کا اسمِ گرامی اور مملکت کا نام ہو۔ اس طرح کا سکہ ڈھلوا کر تمام بلاد مملکت میں بہ کثرت پہنچا دے۔ تو کاریگروں کو طلب کر میں انھیں تعلیم کر دوں۔ عبدالملک یہ تدبیر سن کر پھڑک گیا۔ اٹھ کر حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ فوراً زرگر بلائے گئے اور سکہ ڈھلنا شروع ہو گیا۔ عاملوں کے نام احکام شاہی روانہ ہوئے۔ سفیر روم کو وہی اسلامی سکہ دیدیا گیا۔ کہ جا کر اپنے بادشاہ کو دے دینا اور کہہ دینا کہ ہم تمھارے سکے کے محتاج نہیں تم جو چاہو کرو۔

جب سفیر اپنے قیصر روم کے پاس پہنچا اور اسلامی سکہ پیش کیا وہ حیرت میں آگیا اور ساری بزم

اور سیاست خاک میں مل گئی۔ کہنے لگا یہ فعل عبدالملک کا نہیں ہے کسی اور کی بتلائی ہوئی تدبیر ہے بیچارا خاموش ہو رہا۔ ایک وزیر نے عرض کی اے بادشاہ اب آپ وہ تدبیر کیوں نہیں کرتے اور اپنے سکے پر پیغمبر اسلام پرست کیوں نہیں منقوش کراتے۔ قیصر روم نے کہا اس کا وقت گزر گیا اب اگر میں ایسا سکہ رائج کروں تو اسے کون قبول کرے گا۔ اسلامی شہروں میں اس کو کون پوچھے گا۔ وہ اب ہمارے سکے کے محتاج نہیں رہے۔ یہ واقعہ ہارون نے بیان کر کے کہا یہ وہی سکہ ہے جو میرے ہاتھ میں چمک رہا ہے۔

یہ بھی آل ابراہیم سے ایک فرد کی حکیمانہ تدبیر جس نے قیصر روم کی سیاست کو خاک میں ملا کر ہزار ہا روپیہ سالانہ کا جو منافع ہوتا تھا اس سے محروم کر دیا۔ اور سیاست الہٰیہ کے مقابل میں سیاست دنیا نہ چل سکی۔ انہیں کے باب میں قرآن عقیدہ سناتا ہے۔ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے۔ صلوٰۃ۔

علم حکمت کا یہ ادنیٰ نمونہ تھا اور علم کتاب کی یہ حالت تھی کہ سواد اعظم آپ کی روایت کو مستند اور صحیح تصور کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مناقب اثنا عشریہ میں صاحب ارشاد کا قول نقل فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام ہر مسئلے کا جواب قرآن سے دیتے تھے۔ اور علم دین

۱: مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑا کہ مؤرخ اسلام شیعہ ہوں کہ سنی سب نے سنین واقعات میں ایسا دھوکا کھایا ہے اور بلا تحقیق اور حساب کے جوسن جہاں لکھ دیا۔ کہ اس زمانہ میں جب ان کی چھان بین کی جاتی ہے تو کسی طرح سن کی مطابقت نہیں ہوتی۔ جس سے واقعہ پر اثر پڑتا ہے۔ اب اس واقعہ کو کتب فریقین میں اسی طرح سے عہد عبدالملک میں درج کیا ہے لیکن جناب امام محمد باقرؑ کا زمانہ ۹۴ھ سے شروع ہوتا ہے جبکہ عبدالملک مر چکا تھا کیونکہ ۸۶ھ میں فوت ہوا ہے لیکن اس واقعہ کو اکابرین اہلسنت و شیعہ نے درج کیا ہے لیکن واقعہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عہد امام زین العابدینؑ میں امام محمد باقرؑ کی عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے اور اسی زمانہ میں آپ کے کثرت علوم کی شہرت ہو چکی تھی۔ خود امام سجادؑ رنج و غم اور عبادت کی وجہ سے گوشہ نشین تھے۔ لہٰذا عبدالملک نے جناب امام محمد باقرؑ کو طلب کیا کہ امام زین العابدینؑ ممکن ہے آنے سے انکار کریں لہٰذا اصل واقعہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ عہد امام زین العابدین علیہ السلام تھا۔

علمِ قرآن، سنین، سیر و اخبار و فنونِ ادب جس قدر آپ سے ظاہر ہوئے کسی سے ظہور میں نہیں آئے آپ کا لقب مبارک خود اس بات کا ثبوت ہے۔ علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ باقر لغت میں پھاڑنے والے کو کہتے ہیں۔ علمِ نبوی اور احکامِ الٰہی اور حکمت کے گنجینے جو مخفوظ تھے اور وہ امام علیہ السلام سے ظاہر و روشن ہوئے۔ اس لئے باقر خطاب ہوا۔ صلوٰۃ۔

مناقب شیخ عبد الحق دہلوی

علمِ قرآن کیسا آپ کو ہر کتابِ سماوی پر خدا نے وہ عبور فرمایا تھا کہ انجیل والے آپ سے انجیل کا سوال کرتے تھے، توریت والے توریت کا اور زبور والے زبور کا اور ہر ایک کا جواب شافی کر قائل ہوتے تھے۔ حضرت مخبرِ صادق ایسا ساعتی فرد تا قل ہے کہ جب ہشام نے میرے پدر بزرگوار کو دمشق میں طلب کیا ہے میں ساتھ تھا۔ واپسی سفر میں مدین شعیب میں پہنچ کر ہم لوگوں نے منزل کی۔ دیکھا ایک بلندی پر تمام عیسائی جمع ہیں۔ اور ایک مجلس قائم کی ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک سالانہ جلسہ ہوتا ہے۔ جس میں ان کا عالمِ بزرگ جاثلیقِ اعظم آکر اپنی زیارت کراتا ہے اور کتبِ الٰہی اور صحیفہ جناب عیسیٰؑ سناتا ہے۔ آج وہی روز ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سر سے عبا اوڑھ کر ان کے درمیان میں بیٹھ گئے۔ ناگاہ وہ عالمِ بزرگ اس شان سے آیا کہ بوجہ کہنہ سالی کے اپنی پلکیں سر سے باندھے ہوئے لوگ بغلوں میں ہاتھ دیئے آہستہ آہستہ اُسے تخت پر بیٹھایا یہ اس قدر سن رکھتا تھا کہ حوارئین جناب عیسیٰؑ کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا۔ لوگ جب مراسم تعظیم و دست بوسی انجام دے چکے اس عالمِ بزرگ نے سر اٹھا کر مجمع پر نظر ڈالی۔ پھر کچھ کلام کرنا چاہا مگر قوتِ گویائی نے جواب دیا۔ دیر تک سکوت میں رہا۔ پھر اس نے مجمع کی طرف دیکھا، حضرتؑ پر اس کی نظر پڑ گئی۔ پوچھا تم کون ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا امتِ مرحومہ محمدی سے ایک فرد ہوں۔ پوچھا عالمِ امت ہو کہ جاہلِ قوم۔ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔

صاحب کتاب منزلۃ صحیفۃ الشیعہ شاہد الجنۃ

(ملاحظہ ہو سیرت امامت حضرت باقر العلوم۔ ایسا امام اپنی زبان سے اپنے کو عالم نہیں کہتا مگر ہمارے زمانہ میں مختصر سی عربی اور علمِ فقہ و حدیث پڑھ کر دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ہم علماء ہیں)

پھر راہب نے سوال کیا میں کچھ پوچھوں مجھ کو جواب دو گے۔ فرمایا جو تم کو پوچھنا ہو دریافت کرو۔ راہب نے کہا وہ کون سا وقت ہے کہ دن میں اس کا شمار ہوتا ہے نہ رات میں۔ آپ نے فرمایا بین طلوعین کہ اس کا شمار نہ رات میں ہے نہ دن میں اور یہ وقت اوقاتِ بہشت سے ہے۔

اس وقت بیمار کو سکون ہوتا ہے اور رات بھر کا جاگا ہوا اس وقت سوتا ہے۔

راہب نے کہا یہ بتلایئے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اہل جنت بول و براز سے مستثنیٰ ہیں اس کی کوئی مثال دُنیا میں بھی ہے۔ فرمایا ہاں ہے۔ وہ جنین جو شکم مادر میں رہتا ہے کہ غذا تو اس کو پہنچتی ہے مگر بول و براز نہیں ہوتا۔ عالم نصرانی کو حیرت ہوئی کہا سچ فرمایا آپ نے۔ آپ تو کہتے تھے میں عالم نہیں ہوں۔ فرمایا میں نے تو یہ کہا تھا میں جاہل نہیں ہوں۔

راہب نے کہا اچھا یہ بتلایئے آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ میوہ جنت کھانے سے کم نہیں ہوتا اس کی بھی کوئی مثال ہے۔ فرزند سراج منیر نے جواب میں فرمایا کہ اس کی نظیر چراغ ہے کہ اس سے صدہا چراغ جلائے جائیں مگر اس کے نور میں کمی نہیں ہو سکتی۔ عالم نصرانی نے کہا۔ سچ فرمایا۔ اب یہ ارشاد ہو کہ وہ دو بھائی کون ہیں کہ ساتھ پیدا ہوئے ساتھ فوت ہوئے۔ ایک کی عمر سو برس قرار پائی اور دوسرے کی دوسو برس۔ حضرت نے فرمایا مجھ سے سُن۔ یہ واقعہ تو قرآن میں موجود ہے۔ عزیؑر اور عزیز دو بھائی توام پیدا ہوئے۔ پچاس سال برابر زندگانی کی۔ اس کے بعد عزیر کو جو نبی خدا بھی تھے۔ ان کو اس امر میں تشویش ہوئی کہ انسان مر کر زندہ کیونکر ہوتا ہے۔ ایک غار میں پہنچے کچھ نیند سی غالب آئی اپنا مرکب وہیں چھوڑا۔ لیٹے ہی تھے کہ قابض ارواح کو حکم ہوا کہ روح قبض کر لو۔ یہ مر گئے پھر اُن کے جسم کو بھی خدا نے مخفی کر دیا۔ ان کا مرکب بھی مر گیا۔ سو برس کے بعد خدا نے پھر رُوح کو ان کے جسم محفوظ میں واپس کیا۔ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب سوئے تھے آفتاب کچھ بلند تھا۔ اور اب قریب دوپہر آنکھ کھلی۔ ایک فرشتہ بشکل انسان خدا نے بھیج دیا۔ اس نے پوچھا کہ کتنا سوئے کَمۡ لَبِثۡتَ جواب دیا لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ دن بھر یا اس سے زائد کچھ سویا ہوں۔ فرشتے نے کہا اپنے خچر کی تو خبر لیجئے اب جو اٹھ کر دنیا پر نظر ڈالی تو نیا عالم نظر آیا۔ درخت بڑھ بڑھ کر پہاڑ ہو گئے اور خچر مر کر گل گیا۔ فوراً حکم خدا ہوا۔ اجزائے جسم اس کے یکجا ہوئے وہ بھی زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سوار ہو کر اپنے شہر میں آئے۔ بمشکل تمام ان کے اعزا نے پہچانا۔ پھر دونوں بھائیوں نے پچاس سال زندگانی بسر کی۔ اور دونوں ساتھ فوت

۱۔ اس سوال کا جواب تمام تاریخوں میں بالاجمال موجود ہے۔ آقا اسمٰعیل اردبیلی نے حدیقۃ الشیعہ میں اسی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ اور تفسیر فرات میں اسی طرح وارد ہے۔ (مؤلف)

ہوئے۔ حضرت نے فرمایا اس طرح ایک کی عمر سو برس اور دوسرے کی دو سو برس ہوئی۔ ملقب بہ سارہ پیدا ہوئے اور ساتھ رہے۔ راہب یہ سن کر بیہوش ہو گیا۔ حضرت مجلس سے اٹھ کر اپنے مقام پر تشریف لائے جب راہب کو ہوش آیا پوچھا وہ عالم بزرگ کہاں گیا مجھے ان کے پاس پہنچاؤ۔ لوگ سہارا دے کر حضرت کے پاس لائے۔ مجھے اس نے سوال کیا آپ محمد رسول اللہ ہیں فرمایا نہیں میں ان کا فرزند ہوں۔ فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا محمد ابن علی ابن الحسین جانشین رسول کا جانشین، وصی رسول ، الحمد للہ آپ کا پتا چلا جب غیب أَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آپ گواہ رہئے کہ میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ مجھ سے یہ سب واقعات حواریین جناب عیسیٰؑ بیان کر گئے ہیں۔ بیشک آپ خلیفۃ اللہ و جانشین رسول ہیں۔

ملک حکیم کا یہ فرمانا تھا کہ بادشاہ دو عالم سرتاج انبیاء اپنے صحابیٔ خاص جابر ابن عبداللہ انصاری کو خبر دے گیا تھا۔ اور جابر کو آپ کی ولادت کا انتظار تھا۔ وہ جذبۂ شوق میں اکثر یا باقر یا باقر العلوم کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ لوگ دیوانہ بتاتے تھے۔ ایک روز مسجد رسول میں اصحاب جمع تھے۔ جابر کو حضرت کا تصور رہا اور یا باقر کے نعرے لگانا شروع کئے کسی نے کہا تم سٹھیا گئے ہو یا باقر کہاں۔ جابر نے کہا دیوانہ نہیں ہوں مجھ کو حبیب خدا راز دار پروردگار وعدۂ الٰہی کی خبر دے گئے ہیں۔ يَا جَابِرُ يُوشِكُ اَنْ تَلْحَقَ رَجُلاً مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ اِسْمُهُ اِسْمِيْ يَبْقُرُ اللّٰهُ لَهُ الْعِلْمَ بَقْراً وَالْحِكْمَةَ فَاَقْرِئْهُ مِنِّيَ السَّلَامَ اے جابر جب تک تو اس وقت تک باقی رہے گا کہ ایک شخص میرے فرزند حسینؑ کی نسل سے پیدا ہوگا کہ وہ میرا ہمنام ہوگا خدا اس کو نور حکمت اور علم عطا فرمائیگا اے جابر جب اس سے ملاقات ہو میرا سلام پہنچانا۔ جابر کی قسمت نے یاوری کی۔ طالع خفتہ بیدار ہوا۔ ایک صاحبزادہ کو دروازے پر کھڑے دیکھا کہ حسن و جمال میں کوئی بچہ ایسا نظر سے نہیں گزرا تھا۔ دل نے گواہی دی کہ یہی گوہر مقصود ہے۔ آگے بڑھ کر عرض کی میاں صاحبزادے آگے بڑھئے۔ جب وہ صاحبزادے تشریف لائے پھر کہا خدا را پچھلے قدم پلٹ جائیے۔ آپ پلٹ گئے، پھر پوچھا آپ کس کے فرزند اور کس آسمان شرافت کے اختر تاباں ہیں۔ صاحبزادہ نے جواب دیا امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ کا فرزند ہوں۔ پوچھا آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟

جابر سے پیشین گوئی بحضور مصطفیٰ

فرمایا محمدؐ۔ یہ سُن کر جابر نے قدموں کا بوسہ لے لیا۔ اور عرض کی آپ کے جد بزرگوار پیغمبر خداؐ نے آپ کو سلام کہا ہے۔ آپ نے پوچھا کیونکر۔ عرض کی میں آپ کے جد کا صحابی جابر ہوں۔ حضرت مجھ سے فرما گئے تھے کہ تم اس وقت تک باقی رہو گے جب اس سے ملاقات ہو میرا سلام کہنا۔ حضرت باقرؑ جوشِ مسرت میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی آج ہمارے جد نے ہم کو سلام کہلا بھیجا ہے۔ پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت سید سجادؑ سجدہ شکر میں جھک گئے۔ سجدے سے سر اٹھایا، فرزند کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ فرمایا دیکھو اب اپنی آمد و رفت باہر کم کر دو۔ کیونکہ لوگ تم سے حسد کریں گے۔

باپ کے واسطے وہ بیٹا محل ناز ہے جس کو رسول سلام کہلا بھیجیں۔ امام زین العابدینؑ کے لئے مایۂ زندگی تھا۔ وہ روز جس دن رسول کا سلام اپنے قائم مقام کو بھیجا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ لوگ حسد نہ کریں کیونکہ قرآن میں ہے اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ خدا جس کو نعمت مخصوصہ کا سزاوار پاتا ہے اس کو وہ نعمت عطا فرماتا ہے۔

امام زین العابدین سید الساجدین کو خدا سے عبادت کا وہ درجہ ملا کہ رسول رب العالمین نے سلام کہلا بھیجا۔ وہی محبوب خدا کا قد و قامت، وہی چال ڈھال وہی حسن و جمال وہی خد و خال، گویا خدا نے اپنے حبیب کا مرقع اپنے خالص عبادت گزار کو تحفۃً بھیجا۔ فرزند نہ تھا صلۂ عبادت تھا۔ علم و حکمت کا خزانہ تھا، زخم دل کا پھاہا تھا۔ باپ کے لئے مایۂ ناز، دادا کے لئے محل سرور، باپ کا نورِ عین، دادا کا راحت قلب، آج وہ روزِ مسرت ہے کہ دو امام اپنی اپنی جگہ تہنیت کے مستحق ہیں۔ کوئی امام حسین علیہ السلام کو تہنیت دیتا ہے کوئی سید سجاد کو مبارکباد دیتا ہے۔ عالم سرور میں اسلام کا دامن کشیدہ ہو رہا ہے کہ باقر العلوم پیدا ہوا۔ علوم مخفی کا دروازہ کھلا۔ اخبار و حدیث کا صحن کشادہ ہوا۔ قلعۂ دین کی دیواریں مستحکم ہوئیں صلواۃ۔

ولادت باسعادت یکم رجب ۵۷ھ ۱۳ مئی ۶۷۶ء

مسرت بالائے مسرت یہ ہے کہ ایک طرف یادگار حسینؑ دُنیا میں آیا دوسری طرف روحِ مجتبیٰؑ شاد ہے کہ میرے حقیقی جانشین باقر علوم مخفی و جلی بن کر میرا نواسہ فرمانروائے ملک عظیم دُنیا میں آیا۔ میرے صلب کو شرف امامت حاصل نہیں ہوا نہ سہی۔ میری نسل ظرف امامت قرار پائی۔ میرا کوئی فرزند امام یا ابو الائمہ نہ سہی۔ میری بیٹی فاطمہ ام الائمہ قرار پائی۔

یہ شرف آپ ہی کے لئے مخصوص ہے اَوَّلُ عَلَوِیٍّ وُلِدَ مِنْ عَلَوِیَّیْنِ وَھُوَ ھَاشِمِیٌّ بْنُ ھَاشِمِیَّیْنِ۔ آپ پہلے علوی ہیں جو دونوں جانب سے علوی اور پہلے ہاشمی تھے۔ آپ کے لئے یہ فضیلت مخصوص ہے کہ باپ بھی امام، دادا بھی امام، نانا بھی امام مشکل کشا دادا بھی عقدہ کشا نانا بھی۔ پیغمبر خدا دادا بھی، محمد مصطفےٰ نانا بھی! صلواۃ۔

اس آتش حسد نے خاندان رسالت کو گوشہ نشینی میں بھی چین سے بیٹھ کر خدا کی عبادت نہ کرنے دیا۔ اور یہ حسد کس بات پر تھا۔ نہ کبھی یہ ملک و مال کے خواستگار ہوئے نہ جاہ و حشم کے۔ لیکن خدا نے جو ملک عظیم اُن کو عطا کیا ہے اور باطن پر ان کا اثر تھا وہ دیکھ کر در پے آزار تھے۔ ان کے رتبہ شناس ان کے خراج گزار پھانسیوں پر لٹکائے جاتے تھے۔ اور ان کی زندگی قید خانہ میں ختم کی جاتی تھی۔ مگر ان کی حکمرانی کا سکہ دلوں پر نقش تھا، سر قلم کیے جاتے تھے، دیواروں میں چُنے جاتے تھے۔ لیکن چھپ چھپ کے علم دین اور رموز حدیث و قرآن کے پیاسے اسی چشمہ قدرت سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ بھی حاسدان شوم نہ دیکھ سکے۔ اور ہشام بن عبد الملک بن مروان کے پاس لوگ پہنچے اور حضرت باقر علیہ السلام کی طرف سے اُسے برانگیختہ کیا۔ ہشام کا فرمان والئ مدینہ کو بھیجا کہ حضرت کو جلد دمشق بھیج دے۔ حضرت بہ اطمینان تمام مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق پہنچے تین روز تک ملاقات نہ ہوئی۔ چوتھے روز دربار میں طلبی ہوئی۔ ہشام ایک تخت پر بیٹھا مصاحبین کماں بدوش گرد و پیش جمع ہوئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی ہمراہ ہیں۔ امام دیر تک سامنے کھڑے رہے۔ ہشام اپنے عجب و غرور کا تماشا اہل دربار کو دکھا چکا سر اٹھا کر حضرت باقر علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا آپ کو تیر اندازی میں کچھ دخل ہے۔ حضرت نے فرمایا اب میں ضعیف ہو گیا ہوں مجھ کو اس مشغلے سے معاف رکھ۔ ہشام کے تیور پر بل آگئے۔ کہا نہیں تم کو تیر لگانا پڑے گا۔ دل میں سمجھا کہ ان کو شرمندہ کرنے کا یہی موقع ہے۔ ایک مصاحب کو اشارہ کیا وہ تیر و کمان لے کر بڑھا۔ اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت نے پہلا تیر لگایا۔ پورے نشانہ پر پڑا۔ پھر دوسرا تیر لگایا وہ پہلے تیر کے سوفار میں در آیا اسی طرح نو تیر پے درپے لگائے

دربار ہشام میں امام کی طلب اور تیر اندازی
روضۃ الصفا

نوٹ: اگر صرف جلسہ ولادت میں منظور ہے تو بلال کے اندر کی عبارت پڑھ کر ختم کر دینا چاہئے۔ عقیدہ اگر دل چاہے آخر میں تحریر ہے وہ پڑھ دے۔

جا ایک دوسرے میں پیوست ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب کو حیرت ہوئی۔

ہشام شرمندہ ہو کر کہنے لگا آپ تو اس فن میں عجم و عرب میں فرد ہیں، پھر کیسے پیرانہ سالی کا حیلہ کرتے تھے۔ زبان سے یہ کلمات تو کہے لیکن حضرت کو بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ کاش اسی تیراندازی کا ایک ماہر فن سمجھتا اور قدر کرتا۔ مگر اس کو تو اپنی فرعونیت اہل دربار کو دکھلانا تھی۔ یا اہل دربار کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ اور عمداً امام محمد باقر علیہ السلام کو خیال دلا رہا تھا کہ بچپن میں ایک مرتبہ اسی دربار میں تم آ چکے ہو اور اسی طرح دیر تک اسیری کی شان سے چھوٹے بڑے کھڑے رہے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اس وقت ماں اور بہنیں سر برہنہ رلیسماں بستہ تھیں ہیں طشت طلا میں دادا کا سر نہیں رکھا ہے۔

جب کچھ دیر گزر گئی اور روحانی و جسمانی اذیت پہنچا چکا تو پھر کہا بیشک تم عرب و عجم میں اپنا مثل نہیں رکھتے۔ اچھا آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ یہ کہہ کر امام محمد باقرؑ کو داہنی طرف اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو بائیں طرف بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ حضرت سے کچھ مباحثہ کرنا چاہا۔ مگر ایک دریائے ناپیدا کنار کا طوفان کون روک سکتا تھا۔ عاجز ہو کر کہنے لگا آپ کی جو خواہش ہو مجھ سے بیان فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا میری کوئی حاجت نہیں سوائے اس کے کہ مجھ کو مدینہ واپس جانے کی اجازت دے۔ میرے اہلبیت میری یاد میں مضطر ہوں گے۔ ہشام نے حکم دیا کہ آپ آج ہی روانہ ہو جائیں۔ حضرت روانہ ہوئے مگر اہل شام آپ کی زیارت کے کمال مشتاق تھے۔ دربار سے نکلے تو لوگ جوق جوق جمع ہو گئے اور ارشادات و فیوض علم دین سے سیراب ہونے لگے۔ دور تک حضرت کو پہنچانے آئے۔ جس مقام پر حضرت منزل فرماتے تھے ایک ہجوم ہو جاتا تھا۔ یہ خبریں بھی ہشام کے گوش گزار ہوئیں۔ فوراً عاملوں کو احکام پہنچ گئے کہ عوام حضرت سے ملنے نہ پائیں۔ جہاں پہنچیں بازار بند کر لئے جائیں۔ کوئی آپ کو سلام نہ کرے۔ تجار خرید و فروخت نہ کریں۔ اور جو اس حکم پر عمل نہ کرے وہ سخت اذیت سے ہلاک کیا جائے۔ اور اس کا گھر لوٹ لیا جائے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم مدائن پہنچے تو وہاں پہلے سے بندوبست تھا۔ وہاں کے باشندوں نے ہم سے سخت بیزاری کا اظہار کیا۔ جس کے دروازے پر جاتے تھے وہ دروازہ بند کر لیتا تھا کہ ہمارے مہمان نہ ہو جائیں۔ ہم کو قیمت دے کر کوئی شے ملنا

بہت محال ہوگیا۔ ہمارے ہاتھ کھانے پینے کا سودا بیچنا لوگ حرام سمجھتے تھے۔ اور بالاخانوں پر چڑھ کر ہمارے جد بزرگوار امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کرتے تھے۔ امام جعفر صادق ؑ فرماتے ہیں کہ وہاں کا یہ رنگ دیکھ کر ہمارے پدر بزرگوار کو طیش آگیا۔ چہار جانب نگاہ فرمائی پھر ایک بلندی پر چڑھ گئے اور مثل مؤذن کے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بہ ندائے مہیب یہ آیت پڑھی بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ [1] (اگر تم مومن ہو تو بموجب حکم خدا جو کچھ تمہارے واسطے باقی رہ گیا ہے وہی بہتر ہے)

مدائن میں نزول اجلال

حضرت کی اس تلاوت کا دفعتہً وہ اثر ہوا کہ شہر کے دروازے کھل گئے۔ لوگ سراسیمہ دوڑے جو لوگ بالاخانوں پر تھے نیچے اتر آئے۔ قلوب میں عجب اضطراب پیدا ہوگیا۔ اس اس حالت کو دیکھ کر ایک مرد پیر نے پوچھا یہ کیا حالت ہے لوگوں نے اس سے کیفیت بیان کی وہ فوراً بالاخانہ پر گیا اور پہاڑ کی بلندی پر دیکھنے لگا۔ حضرت کو دیکھ کر چیخنے لگا: اے قوم! تم لوگ عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ قسم بخدا میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اسی بلندی پر اور اسی مقام سے شعیب پیغمبر نے بد دعا کی تھی اور وہ قوم عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگئی۔ جلد جاؤ اور اس مرد بزرگ کو راضی کرو۔ یہ بھی کوئی ولی خدا اور برگزیدۂ الٰہی ہے۔ یہ سُن کر لوگ حضرت کی طرف دوڑے اور عذر خواہی کرنے لگے۔ حضرت کو اپنا مہمان کیا اور سامان راحت او طعام حاضر کیا۔ یہاں سے کوچ کر کے ہم منزل بہ منزل مدینہ پہنچے۔ حضرت نے دکھلا دیا کہ ہم آیات الٰہی ہیں۔ ہم کو ملک عظیم خدا نے عطا فرمایا ہے۔ ہر شے کل مخلوق پر دسترس ہے۔ اسی بنا پر رشک

امر امام کا جلال کافی روضۃ الصفا

حسد تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ۔ غیروں کا ذکر نہیں خود اپنے خاندان کے عزیز و اقارب دشمن ہوگئے اور نیش زنی کرنے لگے۔ چنانچہ زید بن حسن مثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام رشک و حسد سے حضرت کے مخالف ہوگئے اور دعویدار ہوگئے کہ ہم اولاد اکبر کی نسل سے ہیں تبرکات نبوی اور میراث مرتضوی ہم کو ملنا چاہیے امام محمد باقر علیہ السلام کو کیا

زید بن حسن مثنیٰ کا حسد روضۃ الصفا

---

[1] تفسیر منہاج الصادقین میں امام سے مروی ہے کہ اس آیت کا آخری جزو وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ حضرت پڑھ دیتے تو دنیا باقی نہ رہتی۔

حق ہے۔ اسی جذبے میں دربار شام میں پہنچے اور ہشام کے مصاحب خاص ہو کر اسے حضرت کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ آخر وہ بد باطن حضرت کے قتل کے درپے ہو گیا اور زید کو ایک نامہ دیکر حضرت کے پاس روانہ کیا کہ ان کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں آپ علوم دین تعلیم فرمائیے اور ایک زین فرس آپ کے واسطے تحفۃً ارسال ہے۔ آپ اپنے صرف میں لائیے۔ حضرت نے فرمایا اے زید افسوس ہے تم پر جس امر عظیم کا تم تہیہ کر کے آئے ہو اور اس زین میں جو شے تعبیہ کی گئی ہے۔ مگر مقدرات الٰہی میں ایسا ہی گزرا ہے جیسا تم چاہتے ہو۔ یہ فرما کر آپ نے زین گھوڑے پر کسوا کر سواری کی اور جب پلٹ کر آئے حضرت اتنی دیر میں مسموم ہو چکے تھے۔ زید اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اپنے گھر میں گئے۔ اور حضرت اپنے بستر پر تشریف لے گئے جس پر سے پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اس قیامت کا زہر اس میں تھا کہ شب بھر میں اپنا اثر کر گیا اور جسم مبارک اثرِ زہر سے سُرخ ہو گیا۔

حضرتؑ نے اپنے تمام دوستوں اور شیعوں کو بلایا۔ ان سے رخصت ہوتے پھر سب کے سامنے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنا وصی بنایا اور اپنے بعد کیلئے وصیتیں فرمائیں۔ اپنے دوستوں کے واسطے سفارش کی۔ اپنے غسل و کفن کی ہدایت فرمائی۔ بیٹا تم مجھ کو غسل دینا اور تین پارچے کا کفن دینا عمامہ اس کے علاوہ ہو۔ اور میری قبر بقیع میں میرے والد اور میرے دادا حسن مجتبےٰ کے درمیان بنانا اور اندر سے قبر خوب کشادہ رکھنا اور جب مجھ کو دفن کر چکنا تو سطح قبر پر پانی چھڑک دینا۔ پھر آہستہ آہستہ کچھ کلام فرمایا اور رموزِ امامت کی تعلیم دی۔ پھر دوستوں سے مخاطب ہوئے اور سب کو وداع کیا۔ لوگ رونے لگے آپ نے سب کو تسکین دی۔ حضرت نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو قریب بلا کر فرمایا۔ میرے مرنے کے بعد میرے دوست مجھ پر گریہ کریں گے اور صفِ ماتم بچھائیں گے۔ ان کے واسطے میری جائداد کا ایک حصہ وقف کر دینا کہ دس برس تک وہ موسم حج میں مجھ پر گریہ کریں اور ہر سال میری ماتم داری میں تجدید غم کرتے رہیں۔ یہ فرما کر سب کو رخصت کر دیا۔ ایذائے زہر سے حضرتؑ کی حالت نہایت متغیر ہو گئی آخر ۷ ذی الحجہ کی شب کو حضرت نے رحلت فرمائی۔ اہلبیت میں صدائے گریہ بلند ہوئی۔ لوگ درِ امامت پر حاضر ہوئے اور رونا شروع کیا۔ مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا۔

حضرت کو اپنے ماتم داروں کا کتنا خیال تھا کہ اپنی جائداد کا ایک حصّہ وقف فرما گئے اور ہر سال تجدید غم کی وصیت فرما گئے۔ خوش قسمتی ہماری اگر ہم اس وصیت پر عمل کریں۔ مگر امام معصوم کو بھی وہ امام غریب الوطن شہید جفا فراموش نہ ہوا ہوگا جس کو اپنی کم سنی میں زمین کربلا پر بے گور وکفن چھوڑ کر قیدیوں کے ساتھ جانے پر مجبور رہے۔ وہاں کون رونے والا تھا۔ کس نے صف ماتم بچھائی۔ کیونکر جنازہ اٹھا۔ آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ اہلبیت اور شیعہ گرد و پیش تھے۔ اطمینان سے وصیتوں کا موقع ملا۔ تکلیف زہر تھی۔ بستر پر کروٹیں بدلتے تھے مگر امام جعفر صادقؑ اور کئی فرزند اور بیٹیاں موجود تھیں۔ جو آخری خدمت میں مصروف تھے۔ آپ کے دادا شہید کربلا کو اس کا موقع نہ ملا کہ وہ وقت آخر اپنے فرزند علیل سے کوئی وصیت کرلیں۔ یہ مصیبت زدہ پدر مظلوم کو عالم بات کرنے کا موقع دیتے نہ بیٹے میں ضعف مرض سے کوئی خدمت ادا کرنے کی حالت۔ روایات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وصیت نامہ لکھ کر بیٹی کو سپرد کیا کہ جب میرا فرزند سجاد ہوش میں آئے دیدینا اور بہن سے اپنے غسل وکفن کی وصیت کیا کرتے معلوم تھا کہ چادر تک چھین جائے گی۔ بہن قید ہوکر در بدر پھرائی جائیگی۔ وصیت کی تعمیل کیونکر ہوگی مگر بجائے کفن کے ایک پیراہن کہنہ بہن سے لے کر اپنے ہاتھ سے چاک کیا اور لباس کے نیچے پہن لیا۔ جب بہن نے پوچھا تو اتنا فرمایا کہ اسی کو شاید کہنہ سمجھ کر اشقیا میرے جسم پر چھوڑ جائیں۔ مگر کربلا کے مسلمانوں سے یہ امید بھی منقطع ہوگئی اور وہ پیراہن چاک چاک بھی جسم سے اتار لے گئے۔

تفصیل عرض کروں کہ فرزند رسولؐ کے لباس کو مال غنیمت سمجھ کر کون کون لوٹ لے گیا۔ مالک بن بشیر عمامہ لے گیا۔ قیس بن اشعث کلاہ مبارک لے گیا۔ اسحق حضرمی قمیص اتار لے گیا جس میں ایک سو دس نشان تیر و شمشیر کے تھے۔ اسود لعین نعلین مبارک لے گیا۔ ایک زرہ حضرت کی عمر سعد بن الاسلام کے حصّے میں آئی۔ کمربند حضرت کا جمال ملعون لے گیا۔ بجدل بن سلیم انگشتری حضرت کی لے گیا۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لئے اس شقی نے نیا عنوان اختیار کیا کہ اس کی تفصیل بیان کرنے کی جسارت نہیں ہوتی۔ تصور کانپتا ہے کہ بوجہ کثرت زخم کے انگشت مبارک متورم ہوگئی تھی اور آسانی سے انگشتری اتر نہ سکی۔ خونخوار نے قطع کرکے بعد شہادت مظلوم کی لاش پر نیا ستم کیا گیا۔ غرض کوئی شے جسم مبارک پر باقی نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ کربلا جسم کو ڈھانپنے والی تھی اور اہلبیت نے

پردوں کا شامیانہ بنائے تین روز تک لاش کی نگہبانی کرتے رہے۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰالِمِیْن

قصیدہ در مدح امام محمد باقر علیہ السلام

نورِ الفت سے جو روشن خانۂ دل ہوگیا
کعبہ کیا عرشِ اعظم کے مقابل ہوگیا

کس حسیں کے روئے روشن کے مقابل آگیا
ماہ نو بیلِ رجب کا ماہ کامل ہوگیا

عاشقِ صادق اسی کو کہتے ہیں اہلِ خرد
حُسنِ باطن پر کسی کے دل جو مائل ہوگیا

حور و غلمان و ملائک تابعِ فرماں ہوگئے
نورِ عصمت ان کی خلقت میں جو شامل ہوگیا

ہوگیا وہ عالمِ آئینِ دینِ جعفری
علمِ باقر کا جسے کچھ فیض حاصل ہوگیا

جس کو اک قطرہ میسر ہوگیا اس بحر سے
علمِ تفسیر و معانی میں وہ کامل ہوگیا

دیکھ کر شانِ نبی جابر تصدق ہوگئے
مدتوں سے جس کے جویا تھے وہ حاصل ہوگیا

سکۂ اسلام رائج کردیا تدبیر سے
عدیہ بہ عبد الملک حضرت کا قائل ہوگیا

لیکے آیا تھا شکایت فقر کی حضرت کے پاس
مالِ دنیا سے غنی نادار سائل ہوگیا

اہلِ مدین کو دکھانا تھا نمونہ قہر کا
کوہ غش کھا کر گرا اور کوئی بسمل ہوگیا

ہوگیا خاموش راہب دیکھ کر شانِ امام
سامنے موسیٰ کے گویا سحر باطل ہوگیا

حسبِ مرضی پاکے برجستہ سوالوں کا جواب
کلمۂ توحید پڑھ کر دیں میں شامل ہوگیا

ہجر میں مدت سے تھا بیمار عیسیٰ بیقرار
مل گیا رشکِ مسیحا درد زائل ہوگیا

تھی امامت اور نبوت میں نہ مشکل امتیاز
وحی کا انداز باہم حدِّ فاصل ہوگیا

---

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام کے زہر دیئے جانے کی تفصیل کتبِ اہلسنت میں کم پائی جاتی ہے۔ صرف جس قدر صواعق محرقہ میں پایا جاتا ہے کہ مثل اپنے پدر بزرگوار کے مسموم ہوئے لیکن پادری گیٹس اپنے مختصر رسالہ اثنا عشریہ میں اتنی تفصیل سے لکھا ہے جیسا ہم نے جلاء العیون اور بحار سے نقل کیا ہے۔ عہد امامت حضرت کا ۱۹ سال اور سن شریف ۵۷ سال حساب سے ہوتی ہے۔ وفات ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ۲ فروری ۷۳۳ء ہے

نثر میں تھا خاکپائے اہلِ منبر اے سلیم
نظم میں تو ہمسرِ حسانؔ و دعبلؔ ہوگیا!

بیان چوبیسواں

صادقؑ کی تعریف۔ صدیقِ اکبر کون ہے۔ حالات امام جعفر صادقؑ حضرت کا علم۔ بنی عباس کا دورِ حکومت۔ امام کے معجزات و شہادت

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِهِ الْمُبِیْنِ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (پ ۱۱ ع ۳) خالقِ عالم بعنوانِ ہدایت اہلِ ایمان کو حکم فرماتا ہے اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

خطاب اہلِ ایمان سے خصوصیت رکھتا ہے اَیُّهَا النَّاسُ نہیں کہا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس سے توقع جس کام کے انجام دینے کی ہوتی ہے اسی طرف مالک اپنے خادم سے۔ آقا اپنے عبد سے، باپ اپنے بیٹے سے خطاب کرتا ہے جس سے جو خدمت انجام پانے کی امید پائی جاتی ہے اسی سے وہ امر متعلق کیا جاتا ہے فقیر بھی سخی کے دروازے پر سہارا لگا کر جاتا ہے۔ بخیل سے بھیک بھی کوئی نہیں مانگتا۔ چونکہ صاحب ایمان کا قول و فعل اور عمل یکساں ہونا ضروری ہے اور ان سے اس کی امید ہے کہ جو کچھ خدا سے اقرار کیا ہے وہی دل میں بھی ہے اور اس پر عمل بھی ہوگا اس لئے اہلِ ایمان سے خطاب کیا گیا کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ انہیں چند لفظوں میں توحید، نبوت، امامت ہر صفت کی ہدایت کر دی خوفِ خدا کے تحت میں امر و نہی، حلال و حرام، عبادات، حساب و کتاب معاد سب کچھ بیان ہوگیا۔ اور صداقت کے تحت میں نبی اور امام کی پیروی کا حکم دیدیا۔ حالانکہ صداقت وہ عام صفت ہے کہ دُنیا میں ہر مذہب کا پیشرو صداقت کا مدعی ہے اور دُنیا میں کوئی مذہب اس سے خالی نہیں کہ اس میں صداقت کا کوئی پہلو نہ ہو۔ لیکن یہ جانچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صداقت کس کے

کسی مذہب کا ہر جزو صداقت سے لبریز ہے۔ سونا جب تک کسوٹی پر نہ پرکھا جائے سچا ثابت نہیں جاتا۔ لیکن عام نگاہیں سنگِ محک پر بھی امتیاز نہیں کر سکتیں۔ ماہرِ فن مبصر ہو، اصل نقل میں کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکتا ہو۔ سچے اور جھوٹے میں امتیاز کر سکتا ہو۔ جاننے والا ہر حالت میں اصل نقل پہچان لے گا۔ دُنیا سچائی کا دعویٰ کرتی ہے۔ ہر شخص صدیق ہونے کا مدعی ہے۔ مگر خدا فرماتا ہے کونوا مع الصادقین۔ ہم کس کا ساتھ دیں، کس کا دامن پکڑیں، کس کے نشانِ قدم پر منزل طے کریں۔ اگر آیت میں واحد کا صیغہ ہوتا، اسی ذات سے ہم بھی مراد لیتے جس کو کفار بھی صادق کے لقب سے پکارتے تھے۔ لیکن جمع کا صیغہ ہے صادقین کا لفظ وارد ہوا۔ لازم آیا کہ ہم کسی ایسے گروہ کو تلاش کریں کہ پوری جماعت سچی ثابت ہو، چھوٹا بڑا ہر ایک سچا ہو۔ صاحبانِ عقل ایک معیارِ صداقت بتلاتے ہیں کہ جب کثرت میں بھی اختلاف نہ ہو تو سمجھو کہ سب سچے ہیں۔ رسول ہم کو ایک ذات بھی بتا گئے۔ یقول لعلی انت اول من آمن بی وصدقنی وانت الصدیق الاکبر۔ ابوذر صحابی پیغمبر بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسولِ خدا کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اے علیؑ تو وہ شخص ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا۔ اور میری تصدیق کی اور تو صدیق اکبر ہے۔ قولِ رسول سے ثابت ہوا کہ علیؑ سب سے بڑھ کر سچے ہیں۔ صدیق اکبر ہیں اور یہ صفت کیوں نہ آپ میں ہوتی۔ صدق کیوں نہ آپ کا جوہر قرار پائے۔ لعابِ دہنِ رسول سے آپ کی پرورش ہوئی۔ رسول نے جس کو روزِ اوّل زبان دی ہو وہ کیوں نہ صدیق اکبر ہو جائے (ہم جس کو چاہیں صدیق کہہ دیں مگر رسول جس کو اپنی زبان چُسا کر صداقت رگ و پے میں پہنچا دیں گے وہ ضرور صدیق اکبر ہو جائیگا) صدیق اکبر سے ابتدا ہوئی اس کے بعد جو آپ کا جانشین ہوا وہ اسی قول کا موید۔ اسی طرح صادق التجیہ۔ اب اس اصول کو اس گروہ پر آزمالیجیے۔ سب کا قول ایک، ایک حکم، ایک شریعت ایک فقہ، ایک فروع ایک اصول۔ جس مذہب کے ہادیوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھیے گا اگر تین ہیں تو ان میں اختلاف اگر چار ہیں تو ان میں اختلاف جس قدر زیادہ تعداد بڑھتی جائے گی اختلاف بڑھتا جاوے گا۔ ایک اصول نماز میں اتفاق نہ پائیے گا، کوئی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتا ہے، کوئی سینے پر ہاتھ رکھتا ہے کوئی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں صدیق اکبر کی جماعت میں بارہ ادمی ہیں مگر سب کا قول ایک، اصولِ دین ہوں کہ فروعِ دین سب کا ایک حکم۔ صلوٰۃ!

علی صدیق اکبر

ریاض النضرہ طبری

جماعت کی سچائی

اسی جماعت صادقین میں سے ایک ذات کو پیش کرتا ہوں جس کو علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اپنے مذہب کے علمار حدیث کی جماعت کے نام لکھے ہیں کہ وہ سب ان سے احادیث اخذ کرتے تھے اور آخر میں یہ جملہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابو حاتم کا قول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے ثقہ ہیں کہ جن کی نسبت کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں وہ تو صادق ہیں۔

بہر حال مذہب اثنا عشری کے لئے تفضل ایزدی ہے کہ حضرت کے عہد امامت میں ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ دین حق کا شیوع ہو گیا۔ اور جو تیس سال آپ کے عہد امامت میں آپ کو ایسا موقع ملا کہ آپ نے حدیث و تفسیر کی تعلیم دی خصوصاً تیس سال حکومت بنی امیہ میں حضرت کے لئے بالکل سکون کا زمانہ تھا۔ سلاطین بنی امیہ میں سے پانچ بادشاہ آپ کے عہد میں گزرے لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ خود بنی امیہ خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے۔ ان کو ظلم کرنے کی کہاں فرصت۔ اس کے بعد بنی عباس کا دور آغاز ہوا۔ سفاح اور منصور دو بادشاہ آپ کے عہد میں گزرے۔ سفاح کو بنی امیہ سے فرصت نہ ملی۔ صرف چند سال حکومت کرنے کے بعد راہی عدم ہوا۔ اس کے بعد منصور دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا۔ جس کو پہلے سادات بنی حسن سے مقابلہ کرنا پڑا جب ان سے نجات حاصل ہوئی تعمیر بغداد کا کام چھڑ گیا۔ قدرت نے اس جانب متوجہ کر دیا۔

حضرت نے اس دوران میں علوم الٰہیہ و مذہب امامیہ کی ترویج فرمائی۔ بنی امیہ کے خوف سے جس قدر اخفا مذہب حقہ کا ہو چکا تھا اس سے زیادہ اس زمانہ میں اشاعت ہوئی۔ اور از سر نو دنیا نے مذہب حق کی طرف توجہ دی۔ اسی وجہ سے مذہب امامیہ کو ملت جعفریہ کہتے ہیں۔ آپ کے فیض تعلیم سے ان علوم کو دنیا میں رواج ہوا کہ آپ کے دربار رس شاگردوں نے مذہب حق کی دیواریں مستحکم کر دیا۔ اس آفتاب فضیلت و مہر صداقت کا جس ذرہ پر عکس پڑا وہ نجم ثاقب بن گیا۔ دنیائے فضیلت میں آپ کے آٹھ شاگرد مشہور رہیں۔ علم فقہ و حدیث اور علم کلام میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے جیسے ہشام ابن حکم اور مومن طاق کے صد ہا مناقشات مشہور ہیں۔ ان کے سامنے بڑے بڑے فلسفی اور مناظر زبان نہیں کھول سکتے تھے۔ آپ کے مقابلے میں کب کسی کو فروغ ہو سکتا تھا۔ ایک دہریہ کوفہ میں آیا اور شعبدہ بازی سے کچھ مٹی کو چند اجزا سے ترکیب دے کر ایک ظرف میں بند کر دیتا تھا اس سے عقرب پیدا ہو جاتے تھے۔ وہ یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں جو خالق ہے وہی خدا ہے بندا میں

اور بچھوؤں کا خالق ہوں پھر خدا کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ اس شعبدہ کو دیکھ کر لوگ متحیر تھے، کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔ عمرو ابن عبید ایسے قادر علم کلام اور نظام معتزلی حیرت میں تھے کچھ جواب نہ بن پڑتا تھا۔ حضرت جعفر صادقؑ اس زمانہ میں بحکم منصور دوانقی کوفہ میں مقیم تھے۔ لوگوں نے حضرت سے واقعہ عرض کیا اور ان کو بلا کر لائے۔ دہریہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا اور ایک شیشے سے کچھ خاک نکال کر ترکیب دیکر ایک ظرف میں رکھ دی۔ تھوڑی دیر میں اس ظرف کو کھولا تو بچھو زمین پر رینگنے لگے۔ دہریہ نے کہا دیکھو میں نے ان کو خلق کر کے دکھا دیا اب ہم کو خدا کہو۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا اگر تو ان کا خالق ہے تو پہلے ہر ایک کا وزن بتلا، اس کے بعد یہ بھی بتلا کہ ان میں نر تو نے کس قدر بنائے اور مادہ کتنے ہیں؟ اور ان کو اپنے حکم سے بلا کر پھر پلٹا دے تو ہم جانیں کہ تو ان کا خالق ہے۔ دہریہ نے کہا یہ ممکن نہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارا خالق اس پر قادر ہے اور اس نے اپنے ناچیز بندوں کو اس کا علم عطا فرمایا ہے۔ دیکھو میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ اس میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے۔ اور ہر ایک کا وزن کس قدر ہے۔ پھر ان بچھوؤں کو حکم دیا۔ نر اس میں علیحدہ ہو گئے اور مادہ علیحدہ۔ اب جو امتحان کیا گیا تو زبانِ صادق سے جو کچھ نکلا تھا تعداد بھی اسی قدر تھی اور وزن بھی اتنا ہی تھا۔ فرمایا اگر تو ان کا خالق ہوتا تو ان کی تعداد، وزن اور قسم سے واقف ہوتا۔ دہریہ مبہوت ہو کر شہر سے چلا گیا۔

بھلا صادق سے کوئی کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ انقلاب زمانہ تھا کہ حضرت کے مقابل میں وہ لوگ بلند کئے جاتے تھے کہ حضرت کے ایک سوال کا جواب بھی نہ دے سکتے تھے۔ مگر حکومت کی جانب سے مفتی اعظم تھے۔ عنانِ شریعت ان کے اختیار میں دی گئی تھی۔ حج سے فراغت کر کے یہ بھی مفتی صاحب نعمان مدینہ تشریف لائے۔ حضرت سے ملنے کے لیے بغرض ملاقات حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا اے نعمان میں نے سنا ہے تم شریعت پر فتوی دیتے ہو۔ عرض کی ہاں یا بن رسول اللہ میں فتویٰ دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا تم کس چیز سے حکم لگاتے ہو۔ عرض کی قرآن سے۔ حضرت نے ایک آیت پڑھی اور فرمایا اس میں بَلَدًا آمِنًا سے کیا مراد ہے۔ عرض کی خانہ کعبہ جائے امان ہے۔ فرمایا اگر کعبہ جائے امان ہے تو سعید ابن جبیر قاضی مکہ حالت احرام میں عین بیت الحرام میں کیوں قتل ہوئے اور عبداللہ ابن زبیر مکہ میں کیوں قتل ہوئے۔ پھر کعبہ جائے امان کہاں رہا۔ مفتی اعظم نے عرض کی رسول جب قرآن میں مشتبہ ہوتے تھے تو قیاس سے کام لیتے تھے۔

سے حکم لگاتا ہوں۔ فرمایا معاذ اللہ تم نے رسول پر تہمت کی۔ اچھا تمھارے قیاس کو بھی دیکھتا ہوں ارشاد ہو بتلاؤ خداوند عالم نے صرف کاسۂ سر میں چار طرح کا لعاب خلق فرمایا ہے اور ہر ایک کا ذائقہ مختلف ہے۔ تم کیا قیاس کرتے ہو، آنکھ سے آنسو گرتا ہے کیوں شور ہے؟ کان کا میل کیوں کڑوا ہے؟ لب کی رطوبت میں کیوں شیرینی ہے، حلق کے اندر کا لعاب کیوں پھیکا ہے؟ مفتی اعظم نے کہا آپ ہی ارشاد فرمائیے میرا قیاس کچھ کام نہیں دیتا۔ حضرت نے فرمایا سنو اے نعمان! آب چشم اس لئے خدا نے شور پیدا کیا ہے کہ آنکھ میں جو گرد و غبار داخل ہوتا ہے اس کی شوریت سے صاف ظاہر ہو جائے اور جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ کان کا میل اس لئے کڑوا رکھا گیا ہے کہ اس کی تلخی سے کوئی کیڑا دماغ میں داخل نہ ہو۔ کہ انسان کے لئے تکلیف رساں اور مہلک ہے۔ لب کو اس لئے شیرینی عطا ہوئی کہ پانی خوش ذائقہ معلوم ہو۔ رطوبت حلق اس لئے بے ذائقہ ہے کہ ہر غذا کا ذائقہ اپنی حالت پر محسوس کیا جائے۔ اور غذا کا ذائقہ بدلے نہیں۔ اے نعمان یہ ہے علم قیاس۔ مفتی صاحب نے عرض کیا اَلْعَفْوُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اب مجھے معاف فرمائیے یہ کہہ کر جلدی ہی سے رخصت ہو گئے کہ کہیں اور سوال وارد نہ کر دیں۔

قیاس کو سمجھانا

چار اشیاء کے خواص

علم باطنی کی یہ حالت تھی کہ جو کچھ زبان صدق سے ارشاد ہوا پیش آیا۔ چنانچہ زید بن امام زین العابدین کی شہادت کے بعد خاندان بنی فاطمہ میں انتقام کا جوش پیدا ہوا۔ اور بنی حسن اس پر آمادہ ہو گئے کہ بنی امیہ کو دنیا سے نابود کر دیں۔ مقام ابوا میں بنی ہاشم جمع ہوئے جن میں عبداللہ محض حضرت حسن مثنیٰ ابن امام حسنؑ نے خروج پر رغبت دلا کر اپنے فرزند اکبر محمد نفس ذکیہ کو امارت کے لئے پیش کیا سب سے پہلے ابوجعفر منصور عباسی نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی مدح میں در فشانی کی۔ لیکن مجمع کی رائے ہوئی کہ پہلے امام جعفر صادقؑ کو اس منصب کے لئے دعوت دی جائے۔ آپ سے بڑھ کر صاحب فضیلت و زہد و ورع دوسرا نہیں۔ عبداللہ محض خود جا کر حضرت کو بلا لائے اور عرض کیا کہ آپ اس کام کے لئے احق اور سب سے زیادہ موزوں ہیں اگر آپ قبول کریں تو ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں ورنہ میرا بیٹا محمد نفس ذکیہ آپ کے بعد فضیلت میں سب سے افضل ہے آپ اس کی متابعت اختیار کیجئے۔ حضرت نے فرمایا اے چچا یہ سمجھ کر اس میں کامیابی ہو گی نہ آپ کے صاحبزادے محمد کو۔ بلکہ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ اس مجمع میں جو زرد رنگ کا لباس پہنے بیٹھا ہے یہ

علم باطنی

امام کی غیب دانی سے محمد کو وفقہ العقبا بعد الوزار

حکومت اس کے مقدر میں ہے اور اس کی اولاد اس سلطنت کو گیند کی طرح کھیلے گی۔ اس وقت منصور عباسی قبائے زر زیب جسم کئے ہوئے تھا سب کی نظریں اس پر پڑنے لگیں۔ عبداللہ محض کو یقین نہ ہوا بلکہ وہ اپنے فرزند کے لئے اسی طرح مصروف کار رہے۔

علامہ ابو الفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ منصور کے دماغ میں اسی وقت سے ہوائے سلطنت پیدا ہوگئی مگر دل کو پورا یقین نہ تھا۔ مزید اطمینان کے لئے حضرت کے ساتھ ساتھ دولت خانہ پر پہنچا۔ اور عرض کی آپ نے آل عباس کی سلطنت کے لئے جو کچھ ارشاد فرمایا کیا ایسا ضرور ہوگا۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا۔ جیسا میں نے کہا ہے۔ آل عباس اس کو گیند کی طرح کھیلے گی۔ پے درپے تصدیق کرنے کے بعد اپنے کو بلادِ اسلامیہ کا فرمانروا سمجھنے لگا۔ تاریخ پر عبور کرنے والی نظریں اگر معرفتِ امام میں کوتاہی کریں اور راہِ صداقت سے بھٹک کر صادقین کا ساتھ چھوڑ دیں تو حیرت ہے۔ امامِ برحق ناطق جعفر صادق نے چودہ سال پیشتر جو کچھ فرمایا تھا وہ ظہور میں آیا۔ ۱۳۲ھ سے سلطنت عباسیہ کا آغاز ہوا۔ ۶۵۶ھ پانچسو بیس سال تک آل عباس نے سلطنت کو گیند کی طرح کھیل کر قولِ امام کی تصدیق کر دی صلوٰۃ۔ دورِ حاضر انہی کی بابت ہدایت کرتا ہے کونوا مع الصادقین سچوں کا ساتھ دو۔ ولادت نبی بھی اسی روز مسعود سے ہوئی جس روز اصدق الصادقین اشرف الاولین والآخرین دنیا میں آگیا۔ آفتابِ نبوت کے مقابل میں چاند کی روشنی ماند تھی۔ قمرِ امامت نے اپنے دور میں دنیائے اسلام کو علومِ رسالت سے ضیا بار کیا۔ مطلع انوار ایک ہے مگر اسلام میں صبح و شام کا فرق، ہمیشہ ماہتاب آفتاب سے کسبِ نور کرتا ہے۔ اس قمرِ امامت میں بھی خورشیدِ رسالت کی روشنی ہے۔ روز سرور ایک ہے مگر دو مستیں ہم آغوش نظر آتی ہیں۔ نشہ ملا ایک ہے مگر بادہ دو آتشہ کا مصداق کبھی کوثر کا سرور ہے کبھی سلسبیل کا کیف، دو نا نشہ ہے دوبالا سرور ہے، کہیں کیف ولا میں جادۂ صداقت سے بھٹک نہ جائیں۔ باریک راستہ ہے نازک مرحلہ ہے۔ جب بندہ کو لوگ خدا کہنے لگے تو امامت و رسالت میں تمیز کرنا مشکل ہے صلواۃ پڑھیے مشکل آسان ہو، حجاب کے پردے اٹھ جائیں معرفت کی راہیں کشادہ ہوں، آئیے سکندر سے پوچھیں یا ز محبت آئینہ ہو کسی کو تعلیم کرے ... اگر دو آئینے ... کریں ایک آئینہ میں دو عکس کیوں نظر آتے ہیں؟

ایک شیشے میں دو مرقعے کیونکر اترتے ہیں۔ آئینہ ساز اس راز کو بتلائیگا کہ جب ایک آئینے میں خط دیکر دو پہلو کر دیے جائیں انعکاس علیحدہ علیحدہ واقع ہوگا، شکلیں جدا جدا نظر آئیں گی۔ وہی صورت اس آئینے کی ہے۔ صانع نے ایک نورانی قلعی سے بنایا لیکن جمال نبوت علیحدہ نظر آتا ہے حسنِ امامت علیحدہ۔ صلواۃ!

دیکھنے والا اگر چشمِ معرفت رکھتا ہے تو مرقع کی شان دیکھ کر خود بتلا دیگا کہ اس میں شانِ نبوت ہے اور امامت کا عنوان ہے۔ صلواۃ!

بہر حال اس عید کو قرآن السعدین کہئے، ایک نور نے ظلمت جاہلیت کو دور کیا، تاریکی کفر کو برطرف کیا۔ صفحۂ عالم پر اسلام کا مرقع نظر آیا۔ دوسرے نے امامت کا رنگ بھرکر مٹے ہوئے نشانات ابھار دیے۔ گلزار حقیقت میں نئی شان سے بہار آئی۔ ہر پھول میں تازگی، صداقت کی خوشبو پیدا ہوئی۔ اہل ایمان تہنیت دینے کے لئے آستانۂ امامت پر حاضر ہوئے ایک طرف جدِ محترم سید سجاد سجدۂ شکر میں محو عبادت، دوسری طرف باقر العلوم خوشی سے باغ باغ، بنی ہاشم مسرور ہیں کہ رسولؐ کا چھٹا جانشین، امیر المومنینؑ کا سچا قائم مقام پیدا ہوا۔ خاندانِ قریش کو ناز ہے کہ محمد ابن ابی بکر کا نواسہ ام فروہ کا پارۂ دل پیدا ہوا۔ شیعہ مسرور ہیں کہ دین جعفری کی بنیاد مستحکم ہوئی۔ امتی شاد ہیں کہ رسول کے بعد صادق القول امام المحدثین جہان میں آیا بابِ وہ باپ جس کو رسول باقر العلوم کے لقب سے یاد کریں اور خود سلام کہلا بھیجیں، ماں وہ ماں جو نورِ ایمان سے آراستہ، صدق و عرفان سے پیراستہ۔ زیورِ علوم سے مزین، انوارِ حقیقت سے مرصع، گروہ علماء میں جن کا قول مستند، فقہاء سبعہ میں جن کا شمار، غرض دو دریائے عصمت و طہارت اور چشمۂ نجابت و شرافت جب وصل ہوئے جب یہ گوہر صداقت وجود میں آیا۔ بارہ سال تک اپنے جدِ بزرگوار کی تربیت میں علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب کیا انیس سال تک اپنے والد بزرگوار حضرت باقر العلوم سے رموزِ امامت حاصل کرتے رہے۔ فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ علم کے بحر ناپیدا کنار تھے۔ سوال دہن سے نوک زبان پر نہیں آنے پاتا تھا کہ سائل کو جواب مل جاتا تھا۔ صلواۃ!

باطن اتنا مصفا کہ آئینۂ دل پر ہر شئی کی ضمیر روشن۔ جو کچھ کسی کے دل میں ہے وہ ان کی نوک

بانی پر - ابن ابی العوجا - ابوشاکر دیصانی - عبدالملک بصری - ابن مقفع - یہ چاروں زندیق ایام
حج میں بیت اللہ کے صحن میں یکجا ہوگئے - اور بعنوان استہزاء یہ مشورہ کیا کہ ہم چاروں شخص قرآن
کے چار حصے کریں - اور اس کا مثل تیار کر کے اس کے وقار کو ضائع کر دیں - کہ پھر مسلمان اس کو
معجزہ نہ کہہ سکیں - ایک سال کی میعاد کا عہد کیا اور یہ قرار پایا کہ آئندہ سال موسم حج میں ایسا ہی
قرآن لاکر پیش کر دیں -

یہ صلاح کر کے سب اپنے اپنے مقام پر چلے گئے - دوسرا سال بھی آگیا مگر ایک آیت میں
ایسے اُلجھے کہ سال ختم ہوگیا - اور اس کا مثل نہ بنا سکے - یہ لوگ دوسرے سال بیت الحرام میں
بیٹھے ہوئے تھے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا اُدھر سے گزر ہوا - آپ نے ان کی طرف غور سے
دیکھا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ یعنی اے رسول کہہ دو ان کافروں سے اگر انس و جن مل
کر قرآن بنانے کی کوشش کریں تو اس کے مانند دوسرا قرآن نہیں بنا سکتے - یہ آیت سُن کر اُن
چاروں کے ہوش اُڑ گئے - ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے - اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر دین اسلام
سچا نہ ہوتا تو امامت ایسے شخص تک نہ پہنچتی کہ باطن کا حال بھی ان کو معلوم ہو جاتا ہے - لاریب یہ
وہ شخص ہیں کہ ان کے رعب و جلال سے پہلو میں دل کانپنے لگتا ہے - یہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے
اور راہی ہوئے - یہ ادنیٰ نمونہ تھا مصحفِ ناطق امام جعفر صادق علیہ السلام کے علوم باطنی کا کہ
کہ رازِ دل آشکار ہوگیا - اور جو حربہ کفار کے مقابلہ کے لئے خدا نے اپنے حبیب کے لئے بھیجا
تھا - یادگار و جانشینِ رسول نے اسی حربے سے معاندینِ اسلام کو زیر کیا - اور اقرار کر لیا
کہ دینِ اسلام سچا دین ہے - اور قرآن نبی کا معجزہ ہے اور یہ قرآن ناطق بھی معجزہ ہے - وہ بھی
منزل من اللہ ہے اور یہ بھی آیت اللہ ہیں) صلوٰۃ
جس نے ان کا دامن چھوڑا صداقت نے ان کا ساتھ چھوڑا - جو ان سے علیحدہ ہوا قرآن اس

قرآن کا مثل نہیں ہو سکتا

نوٹ: ہلال کے اندر کی عبارت محفلِ میلاد کے لئے مختص ہے - عام مجلس ماتم میں چھوڑ دینا چاہئے محفل
میلاد اسی پر ختم کر دینا چاہئے -

نے یوں علیحدہ ہو جیسے آنکھوں میں سے ضیا یا جسمِ خاکی سے روح۔ قرآن ان کے ساتھ یا قرآن کے ساتھ صداقت ان کے ساتھ یہ صداقت کے ساتھ۔ صلواۃ۔

دینی سیاست الٰہیہ ہے کہ آپ کے والد صاحب امام محمد باقر علیہ السلام اور آپ کو اس کا موقع ملا کہ حدیث و قرآن سے آج ہماری ہدایت ہوتی ہے، ورنہ نہ ہماری فقہ مکمل ہوتی نہ ہم یہ سمجھتے کہ قرآن میں آیات متشابہات کون ہیں، محکمات کون ہیں، ناسخ کون ہیں منسوخ کون ہیں۔ انتظامِ قدرت تھا کہ بنی امیہ خانہ جنگیوں میں مصروف ہو کر ایسے کمزور ہوئے کہ ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ اور تیرھواں خلیفہ احمد سفاح عباسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ سنہ ۱۳۲ھ سے بنی عباس کا عہد شروع ہوا۔ ابو العباس سفاح کو انتظامِ سلطنت اور بنی امیہ کے اندیشے سے اطمینان حاصل نہ ہوا تھا کہ قضا آگئی۔ ابو جعفر منصور دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا اور کچھ روز یہ بھی ساداتِ بنی حسن اور نزاعاتِ ملکی میں حضرت کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ اس عرصے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے کمالاتِ ظاہری و باطنی کی کافی شہرت ہو گئی۔ اور شام و عراق و فارس و ترکستان تک حضرت کا اثرِ امامت پھیل گیا۔ دُنیا کی نظریں آپ پر پڑنے لگیں۔ اور رسولؐ کا سچا جانشین حضرت کو سمجھ کر پے در پے فارس اور عراق سے درخواستیں آنے لگیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم بنی عباس کو معزول کر کے آپ سے بیعت کریں لیکن حضرت کو بعلمِ امامت نتیجہ معلوم تھا۔ آپ منجانبِ خدا جس امر پر مامور تھے۔ آپ نے اس امر پر قناعت کر کے ہر ایسی چیز کو نذرِ چراغ کیا۔

منصور یہ سب واقعات سُنتا تھا اس نے یہ طے کر لیا کہ ساداتِ بنی حسن کا استیصال ضروری ہے۔ اس کے بعد حضرت کا اثر گھٹانے کی تدبیر کی جائے گی۔ منصور حج کر کے مدینہ پہنچا اور سادات کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ محمد نفسِ زکیہ اور ابراہیم روپوش ہو کر نکل گئے۔ مگر عبد اللہ محض ان کے بوڑھے باپ اور تمام ساداتِ بنی حسن پیش کیے گئے۔ اسی وقت حکمِ شاہی ہوا کہ سب طوق و زنجیر میں اسیر کر کے عراق لے جاؤ۔ منزلِ ربذہ میں میرے آنے تک قیام کرو۔ تعمیلِ حکم میں سب اسیر کر لیے گئے۔ یہ وارثانِ ہاشمی و صفیانِ مطلبی ہتھکڑیاں پہنے ہوئے سر و پا برہنہ غیرت سے سر جھکائے عباسی فوج کے نرغے میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عبد اللہ محض امام حسنؑ کے پوتے

سادات
بنی حسن
اور قید
روضۂ
المصطفیٰ
حبیب
اسیر

عالمِ پیری میں طوق، پیر شکمِ شتر سے بندھے ہوئے آگے آگے چلے۔ امامِ عالی مقام یہ دردانگیز
خبر سُن کر دولت سرا سے سراسیمہ ہو کر نکلے اور قافلہ سے آگے بڑھ کر مسجدِ رسول کے دروازہ پر
کھڑے ہو گئے۔ وفورِ غم سے عبا دوشِ مبارک سے گر گئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
کتاب کافی میں ہے کہ جب عبداللہ محض کی سواری مقابل میں آ گئی اور اپنے بوڑھے چچا کو اس شان
سے دیکھا اور آلِ فاطمہ کو پابہ زنجیر ذلت و خواری کے عالم میں ملاحظہ کیا بے اختیار رونے لگے
اور مایوسانہ عالم میں فرمایا اے معاشر انصار خدا تم کو اپنی رحمت سے محروم کرے کیا رسول اللہ
سے تم نے یہی اقرار کیا تھا۔ اور اسی وعدہ پر مدینہ میں لائے گئے تھے۔ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے
اور چاہا کہ اپنے چچا عبداللہ سے مل کر کچھ کلماتِ تسکین کہیں اور رخصت ہو لیں کہ ایک سنگدل
سپاہی نے بڑھ کر حضرت کو روک لیا، پھر حضرت کو باندھا اور کہا کہ تم بھی چاہتے ہو یہی حالت
تمہاری بنائی جائے۔ راوی کہتا ہے کہ کہنے والا ابھی جنت البقیع بھی نہ پہنچا تھا کہ ایک اونٹ
نے اس پر پیر رکھ دیا۔ اور اس کو وہ سزا دی کہ موت سے ہمکنار کر دیا۔

حضرت اپنے اعزا سے ملنے بھی نہ پائے مایوسانہ گریاں و نالاں گھر کی طرف واپس ہوئے
لیکن اس صدمہ سے حضرت کو تپِ شدید آ گئی اور بیس روز تک صاحبِ فراش رہے نہ کچھ کھایا
نہ پیا۔ ہر وقت وہ اسیروں کا منظر پیشِ نظر تھا اور یاد کر کے رویا کرتے تھے۔ حالانکہ اس قافلہ میں
صرف سادات اسیر تھے نبی زادیاں اور سیدانیاں نہ تھیں یہ مصیبت بیمارِ کربلا کے لئے مخصوص
ہو گئی کہ ماں اور بہنیں سر برہنہ کاشف الوجوہ اونٹوں پر سوار تھیں اور بیمارِ کربلا کے گلے میں طوق
پڑا ہوا تھا، ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوئے۔ پیر شکمِ شتر سے کسے ہوئے بازاروں اور گلیوں میں
کربلا سے شام تک پھرائے گئے۔

گوشۂ مصائب تا شام

بہرحال جب منصور دوانقی سادات بنی حسن کو عرصے تک قید میں رکھ کر قتل کر چکا اب امام
عالی مقام کی طرف توجہ کی اور اس کی کوشش شروع کر دی کہ لوگ حضرت کا احترام نہ کریں۔
دلوں سے حضرت کا اثر مٹ جائے حالانکہ حضرت صادق کی صدق مقالی اور علمِ امامت کا
فیض تھا کہ تخت نشین ہوا۔ مگر باوجود حضرت سے قریب تر ہونے کے بنی امیہ کی روش اختیار
کی اور پہلی ایذا اس طرح پہنچائی کہ ربذہ میں حضرت کو طلب کرنے کے واسطے ابراہیم بن جبلہ اپنے

رفیق خاص کو حکم دیا کہ حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام کو جس حالت میں پاؤ ہمراہ لاؤ۔ ابراہیم کہتا ہے جب میں مدینہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ مسجد ابوذر میں مصروفِ عبادت ہیں۔ جس وقت پہنچا حضرت نماز میں تھے ٹھہرا رہا۔ جب حضرت نماز تمام کر چکے اور میں نے ادب عرض کی خلیفہ منصور نے آپ کو ربذہ میں طلب کیا ہے حضرت نے فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اچھا میں چلتا ہوں دو رکعت نماز اور پڑھ لوں۔ حضرت جب رکعتیں تمام کر چکے کوئی دعا پڑھ کر دم فرمائی اور مجھ سے فرمایا جس طرح تجھ کو حکم ہوا اسی طرح مجھے منصور کے سامنے لے چل۔ ابراہیم کہتا ہے میری کیا مجال تھی۔ حضرت کے اس ارشاد سے میرا بند بند کانپنے لگا۔ میں نے عرض کی مولا میری کیا مجال میں صرف پیغام لایا ہوں۔ منصور مجھے قتل بھی کر ڈالے تب بھی یہ امر ناممکن ہے کہ میں اس کی تعمیل کروں۔ دوستانِ امام ابراہیم کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور نے کسی خاص عنوان سے حاضر کرنے کا موقع دیا تھا مگر ابراہیم کو جرأت نہ ہوئی۔ نرم دل تھا امام کا وقار سمجھتا تھا۔ یہ سنگدلی شمر پر ختم ہو گئی کہ اہلبیت کا قافلہ باب الساعات پر پہنچا۔ شہزادیاں اونٹوں سے اتار دی گئیں۔ شمر رسی اور تازیانہ لیکر پہنچ گیا۔ بیبیاں غیرت کے مارے کانپ رہی تھیں اور یہ ملعون سب کو رسی میں باندھ رہا تھا۔ خود بیمار کربلا فرماتے ہیں ہم کو مثل گوسفند ایک رسی میں باندھ کر لے چلے۔ اور جب ہم سے چلنے میں کمی ہوتی تھی تو ہم کو تازیانہ مار مار کر بڑھاتے تھے اور اسی طرح سامنے یزید کے لے گئے۔ بہرحال ابراہیم بیان کرتا ہے کہ مجھے یقین تھا کہ آج حضرت کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے گی۔ جب حضرت کو لیکر میں سامنے منصور کے پہنچا اس نے سر اٹھا کر حضرت کی طرف دیکھا اور کہا اے جعفر ابن محمد آج میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔ اور اسی لئے طلب کیا ہے حضرت نے نہایت نرم لہجہ اور شیریں کلام سے فرمایا اے منصور اب میری عمر بہت کم باقی ہے میرے اور تیرے درمیان میں تعلقات کا زمانہ زیادہ نہیں ہے۔ اس چند روزہ زندگانی تک مجھ سے نرمی سے پیش آیا کر کیونکہ میں تیرا محتاج نہیں ہوں۔ حضرت کا جواب سن کر منصور ایسا سنگدل خاموش ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ابراہیم کو حکم دیا کہ اچھا آپ کو رخصت دو مدینہ پہنچاؤ۔ چند روز کے بعد یہ خبریں پہنچیں کہ لوگ حضرت کے گرد و پیش رہتے ہیں اور آپ کے ارشادات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ پھر دوبارہ طلب کیا اور حکم دیا کہ آپ کوفہ میں قیام کریں۔ اور عراق میں زندگی بسر کریں۔ مدینہ جانے کی اجازت نہیں۔ منصور سمجھا تھا کہ مکہ کے مقابلے میں ان کا اثر نہ ہوگا اور یہاں آپ کو شیوع مذہب

سفر عراق

موقع نہ ملے گا۔ لیکن حضرت کی طرف خلقت نے رجوع کی۔ اسی عراق میں آپ نے زیارت قبر سید الشہداء
علیہ السلام کی اور طریقۂ زیارت دوستوں کو تعلیم فرمایا۔ مقامات قبر شہداء بتلائے۔ اسی سفر کی یادگار
ایک باغ زمین کربلا پر نصب فرمایا۔ جس کے علامات ابھی تک باقی ہیں۔ اور وہ باغ حضرت کے
نام سے موسوم ہے۔ ممکن ہے درخت اس وقت کے نہ ہوں مگر مقام وہی ہے۔ غرض قیام عراق
سے مطلب منصور کا حاصل نہ ہوا۔ بلکہ حضرت کی طرف رجحان خلائق بڑھ گیا۔ منصور نے یہ دیکھ کر اپنے
حاجب و معتمد ربیع کو تخلیہ میں طلب کیا۔ اور حکم دیا میں آج امام جعفر صادقؑ کو اپنے پاس بلاتا ہوں
جب وہ آ کر میرے پاس بیٹھیں میں باتوں میں مصروف کروں گا جب ہاتھ پر میں اپنا ہاتھ ڈال دوں
تم فوراً تلوار کا وار کرنا اور قتل کر ڈالنا۔ اس کے بعد چٹائی اور تلوار منگا کر اس قصر میں رکھ لی اور یہ
معمول تھا جب کسی کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا اسے چٹائی پر بٹھا کر قتل کرتا تھا۔ اور لاش مع چٹائی
پھنکوا دیتا تھا۔ ربیع حضرت کا دل سے فدائی تھا اور حضرت کے حکم سے منصور کی خدمت میں تھا۔
ربیع نے منصور کا یہ قصد مصمم دیکھ کر طے کر لیا کہ جب وہ حضرت کے قتل کا اشارہ کرے گا خود منصور کا
خاتمہ کر دوں گا۔ حکم سے مجبور ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ اور منصور کا پیام طلب پہنچایا۔ حضرتؑ نے
وضو کیا اور لباس خاص پہن کر روانہ ہوئے۔ حضرت زیر لب کوئی دعا پڑھتے جاتے تھے جب قصر
شاہی میں پہنچے منصور فوراً تعظیم کو کھڑا ہو گیا۔ اهلاً و سهلاً مرحباً بک یا ابن رسول اللہ۔ آیئے آیئے
اے فرزند رسول۔ یہ کہہ کر اپنے برابر بٹھایا۔ اور بکمال ادب گویا ہوا۔ اے فرزند رسول میں نے
آپ کو اس غرض کے لئے تکلیف دی ہے۔ کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مقروض ہیں لہذا فہرست عنایت
ہو کہ سلطنت کی طرف سے آپ کا قرض ادا کر دیا جائے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے
اصرار کیا آپ نے سکوت اختیار کیا۔ پھر منصور نے ربیع کو حکم دیا کہ حضرت کو تین یوم تک مہمان رکھو۔
مزید رخصت کر دو اور جس قدر قرض حضرت کا ہے ادا کر دو کہ اعانت اہلبیت واجب ہے۔ یہ رسولؐ
کے اقربا اور ہمارے عزیز قریب ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کو رخصت کیا۔ اور ربیع تا در قصر پہنچانے آیا۔ جب
ربیع حضرت کو قیام گاہ تک پہنچانے آیا عرض کی مولا آپ نے اس وقت کونسی دعا پڑھی تھی کہ بادشاہ
ظالم نے قتل کے ارادہ سے بلایا اور مہربان ہو گیا۔ حضرت نے ربیع کو وہ دعا تعلیم فرمائی۔ ربیع کہتا ہے
کہ حضرت کو پہنچا کر جب منصور کے پاس آیا اس سے دریافت کیا۔ اے خلیفہ یہ کیا ہوا تو نے تو قتل کے قصد

دوبارہ اسیری کیلئے طلبی

دربار میں طلبی
شواہد النبوۃ
جلاء العیون

منصور کو مذہب کا خوف
شواہد النبوۃ

سے بلایا تھا اور تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ منصور نے کہا اے ربیع پیشِ خدا جوان کی منزلت ہے وہ میں خوب جانتا ہوں، حقیقت میں سزاوارِ خلافت و امامت یہی ہیں۔ آج جس وقت میرے پاس یہ آئے ہیں ایک اژدہا مجھے نظر آیا اور یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے امام کو کوئی اذیت پہنچائی تو میں تیری ہڈیاں چباؤں گا۔ مجھ پر اس قدر خوف اس کا غالب ہوا کہ بند بند کانپنے لگا یہی وجہ تھی کہ میں نے تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کر دیا۔ مگر اے ربیع یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کرنا۔ ملا جامی محمد بن عبداللہ اسکندری کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت کو قتل کے لئے بلایا منصور نے تعظیم و تکریم کے بعد عرض کی آپ جو حکم دیں میں تعمیل کروں۔ فرمایا مجھ کو بار بار کے آنے کی زحمت سے معاف رکھ، جب میرا دل چاہے گا خود آ کر ملاقات تجھ سے کروں گا۔ جب حضرت رخصت ہوئے محمد اسکندری نے اس مرتبہ بھی اژدہے کا واقعہ بیان کیا۔ محمد اسکندری نے تجاہلِ عارفانہ کیا اور منصور سے پوچھا کیا سحر تھا؟ منصور نے کہا ان سے امور میں استعجاب نہ کرو، ان کے پاس اسم اعظم ہے جو رسولؐ کے پاس تھا۔ یہ حضرتؐ کے اہلبیت ہیں ان سے سحر بعید ہے، باوجود ایسے امورِ عجیبہ دیکھنے کے اور یہ سمجھنے کے کہ پیشِ خدا ان کی منزلت عظیم ہے اور صاحبِ اختیار ہیں طلبِ دنیا اور خواہشِ حکومت نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ دیدہ و دانستہ ظلم کرتے تھے۔ ہر مرتبہ حضرت کی شانِ امامت کا مشاہدہ دیکھا مگر پے در پے ایذا رسانی کے لئے منصور نے دربار میں طلب کیا۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ مرتبہ حضرت کو بلایا مگر قتل پر قادر نہ ہو سکا آخر حضرت کو مدینہ واپس کر دیا۔ مگر وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ حسین ابن زید علوی کو محض عاملِ مدینہ اس لئے کر دیا کہ وہ ان حضرت سے عناد و عداوتِ جبری رکھتے تھے۔ عامل ہوتے ہی حضرت کو اذیتیں دینی شروع کر دیں ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خانۂ امام کو آتشِ حسد میں پھنکوا دیا۔ حضرت مع اصحاب تشریف فرما تھے۔ آگ کے شعلے ہر طرف سے بلند ہوئے خدام بجھانے میں مصروف ہوئے مگر آگ بڑھتی جاتی تھی۔ آخر حضرت حضرت خود متوجہ ہوئے۔ دامان جھاڑ کر حرکت دیتے تھے اور فرماتے تھے أَنَا ابْنُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللّٰهِ حضرت کے ان کلمات نے فوراً اثر کیا۔ اور بلند شعلے بزبانِ حال تصدیق کرنے لگے کہ بیشک آپ

آتش زدگی

ز خلیل بنا۔ آگ فوراً بجھ گئی۔ یہ بات بھی روایت ہے حضرت ابراہیم قرار پائی کہ خانۂ اہلبیت عزو آ...
ہوگیا۔ نمرود کے بعد اس نقشِ ثانی کی ایجاد ایسے وقت سے کی گئی کہ پھر جسارت عام ہوگئی، جو اٹھا
اس نے یہ ستم ضرور ڈھایا۔ صفحاتِ تاریخ سے نو مرتبہ اس ظلم کا پتہ چلتا ہے۔ کبھی ساباط مدائن میں
سبط اکبر کے خیمے جلتے نظر آتے ہیں۔ سیدانیاں ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں جا کر پوشیدہ ہوتی
ہیں، بچے خوف سے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ کسی کے دامن سے آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں
اور کسی کا کرتا جل رہا ہے۔

غرض امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اس اذیت سے محفوظ نہیں رہے مگر امام کو اس وقت
مصلحت اپنا وقارِ نفس اور کلام صدق کا اثر دکھلانا مقصود تھا۔ کہ دیکھو میں امام صادق ہوں۔
خدا نے میری متابعت کا حکم دیا ہے۔ کونوا مع الصادقین امام کی یہی قدر ہوتی ہے اور
دنیا میں امام کا ساتھ دیا جاتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگا دی جائے۔ بہرحال یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی
اور منصور کی کوششیں خاک میں مل گئیں۔ آخر اس نے دوسرا عامل بدلا اور محمد ابن سلیمان کو
والی مدینہ مقرر کر کے حکم دیا کہ اسی موروثی ذریعے سے حضرت کا خاتمہ کر دے۔ والی مدینہ نے
چند دانے انگور کے حضرت کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ خلیفہ کے یہاں سے آپ کے واسطے
مخصوص ہو کے آیا ہے۔ حضرت نے اس میں سے چند دانے مخصوص فرمائے اور فرمایا انا للہ
وانا الیہ راجعون۔ حضرت نے انگور لانے والے سے فرمایا کہہ دینا جس غرض سے تم نے تحفہ
بھیجا تھا وہ غرض پوری ہوئی۔ جب حضرت کو زہر کا اثر محسوس ہوا اپنی اولاد کو جمع کیا اور حضرت
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنا وصی کیا اور تمام اہلبیت اور اپنے شیعوں کو نصیحت ...
کیا غسل و کفن کے متعلق خاص وصیتیں فرمائیں۔ اور ۱۵ شوال ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں اس دنیا
سے رحلت فرمائی۔ مدینہ میں خبر وفات مشہور ہوئی۔ تمام اہل مدینہ سر و سینہ پیٹتے دروازہ پر جمع
ہوئے۔ حسب وصیت غسل و کفن دے کر جنازہ حضرت کا نکالا گیا بڑے اہتمام و اژدہام سے
آپ کا تابوت جنت البقیع میں لے گئے۔ ایسا مجمع کسی ... دیکھنے میں نہ آیا ... نظر
... ایک طرف ... ماتم کرتے ہیں ... امام
موسیٰ کاظم اور اہلبیت کے لئے تو مصیبت عظیم تھی۔ پھر بھی دل کھول کر روئے اور جب ...

وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ ۲۵ مئی ۷۶۵ء دو شنبہ روضۃ الصفا جلاء العیون بحار

دفن کرنے کا موقع تو ملا کوئی روکنے والا نہ تھا۔ بلکہ حاکم مدینہ جس نے کھانے کے لئے زہر دیا تھا خود شریک
ماتم تھا۔ یہ سنگ دلی تو عمر سعد پر ختم ہو گئی۔ کہ امام غریب مسافر کربلا کا لاشہ زمین گرم پر تین روز پڑا رہا
اور بجز طائران سفید نہ کوئی لاش کا محافظ تھا نہ رونے والا جن کو رونے کا حق تھا جن کا دل غم سے
پاش پاش تھا وہ قید ستم میں تھے، کون دفن کرتا۔ بڑا احسان ہے قوم بنی اسد کا جس نے تین روز
روز بھی مگر دفن تو کر دیا۔ شہیدوں کو قبر تو میسر ہوئی۔ مگر سروں کو جسم سے الحاق میسر نہ ہوا۔ لاشیں
تو تہ خاک چھپ گئیں مگر سر نیزوں پر تمازت آفتاب میں ایک عرصے تک تشہیر کرائے گئے۔ بنی اسد
کا یہ احسان کیا کم ہے کہ فرزند رسولؐ کی قبر تو بنا دی کہ آج شیعہ دور دور سے زیارت کو جاتے ہیں
مگر یہ داغ مسلمانوں کے دامن سے چھوٹ نہیں سکتا کہ سادس الاسلام کا فرزند رشید عمر سعد نے
کشتے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر دفن کرائے، گیارھویں محرم کو تا زوال اسی کام میں مصروف رہے مگر
اس کا لحاظ نہ ہوا کہ ایک صحابی کا فرزند ہوں مسلمانوں میں اس وجہ سے میری عزت ہے۔ اسی
رسول کا نور عین جس کو زبان چوسا چوسا کر پیغمبر خدا نے پالا تھا بے غسل و کفن زمین پر پڑا ہے لاش
دفن کر دیتا تو میرا تو گمان ہے کہ یزید اس کے ساتھ کوئی باز پرس نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی خوشنودی
کے لئے وہ مظالم کیا کم تھے۔ جو نبی زادے پر واقع کر چکا تھا، اچھا اگر اس کے دل میں رحم خلق
نہیں ہوا تھا تو لشکر میں باوجود دعوائے اسلام کے کسی کو غیرت نہ پیدا ہوئی کہ ہم ایک مٹھی خاک
لاش پر ڈال دیں۔ آخر حر کے رسالہ کو اس کی غیرت ہوئی کہ ہمارا سردار تھا اس کو بے گور و کفن
نہ چھوڑیں۔ آقا دربندی جواہر الایقان میں یہ روایت تحریر فرماتے ہیں کہ حرؑ کے رسالہ نے جب اپنے
سردار کو بے گور دیکھا مقتل سے اٹھا لے گئے اور ایک بلندی پر دفن کر دیا۔ قرینہ بھی اس روایت
کی تائید کرتا ہے کہ امام کے ہراول لشکر کی قبر امام سے ایک فرسخ کے فاصلے پر دفن ہے۔ اگر
بنی اسد دفن کرتے تو دور کیوں لے جاتے۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام اپنے تازہ رفیق
اور مہمان شہید کو علیحدہ دفن کرنا پسند نہ فرماتے۔

غرض حر صرف اس وجہ سے اہل کوفہ کے نزدیک قابل احترام سمجھے گئے کہ اُن کے لشکر کے
سردار تھے۔ مگر مسلمانوں کا فرزند رسول جس کو رسولؐ نے سردار جوانان جنت کا خطاب دیا وہ
ان کی نظر میں اس قابل نہ تھا کہ زیر خاک چھپا دیا جاتا اور درندوں سے لاش محفوظ رہتی۔ شعر:

لاش
غریب
کربلا

ایں چہ اسلام بد ایں چہ مسلمان بودند
قاتلِ آلِ نبی حافظِ قرآن بودند

قصیدہ در مدح امام جعفر صادق علیہ السلام (از مؤلف)

کوئی ہادی ہو نہ جب تک ختمِ حجت کے لئے — ظلم ہے تعزیر کی تکلیف خلقت کے لئے
تھا کلام اللہ نا کافی ہدایت کے لئے — کوئی صادق چاہئے اسکی صداقت کے لئے
اے ختم المرسلیں تبلیغ دیں کے واسطے — کون تھا بعد آپ کے حفظِ شریعت کے لئے
ہر زمانہ میں کوئی کرتا رہے تصدیقِ حق — شاہد عادل کی حاجت ہے شہادت کے لئے
آیۂ قرآں تھی مبہم اور حدیثیں مشتبہ — آئے صادق انکشافِ رازِ قدرت کے لئے
کر دیا تعلیم فنونِ اصولِ جعفری — منتظم درکار تھا تنظیمِ ملت کے لئے
عہدِ صادق میں درِ معنیٔ قرآں مل گئے — سچے موتی چاہئیں تھے دیں کی زینت کے لئے
صبح کاذب تھی اگر عباسیوں کی سلطنت — صبح صادق جلوہ گر تھی رفعِ ظلمت کے لئے
شعبدے باطل ہوئے اعجازِ صادقؑ دیکھ کر — معجزے ان کو ملے تصدیقِ وحدت کیلئے
بہرِ ایذا جب بلایا آپ کو منصور نے — اژدہا پیدا ہوا شہ کی حفاظت کیلئے
خوف سے مرعوب ہونا تھا امامت سے بعید — شیر کا دل دیدیا خالق نے جرأت کیلئے
طاعتِ معبود سے ہوتی نہ تھی سیری کبھی — کم تھیں راتیں آپ کے طولِ عبادت کیلئے
مانگنے والوں کو دنیا کی عطا عقبیٰ بھی دی — دولتِ کونین حاضر تھی سخاوت کیلئے
فیض سے محروم یثرب میں نہ رہتا تھا کوئی — وقف تھے باغاتِ خرمہ عام دعوت کیلئے
سرد ہو اک لمحہ بھی حضرت کا طبع کیا مجال — خود سدا سرگرم رہتے تھے سخاوت کیلئے

عہدِ امامت ۳۴ سال، آپ کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت حسین بن سید سجاد علیہم السلام، ان کے بطن سے دو فرزند اور ایک دختر، ایک کنیز سے دو فرزند اور ایک دختر، دوسری حرم محترم حلیمہ خاتون سے امام موسیٰ کاظم اور ایک پسر و دو دختر، عمر شریف ۶۵ سال، قبر مطہر جنت البقیع نزد امام محمد باقر علیہ السلام۔

سترہ ماہ ربیع الاول یں روز سعید! عید مولود نبی پائی ولادت کیلئے
ایک شب میں ہو گئے دو ماہ کامل جلوہ گر اک نبوت کے لیے اور اک امامت کیلئے

ہے کہاں ممکن ادا ہو حق مدحت اے سلیم!
نظم ہو یا نثر حاضر ہوں میں خدمت کیلئے

بیان پچپیواں

حلم کی صفت جناب امیرؑ اور امام ہفتمؑ کا تحمل امام موسیٰ کاظمؑ کی عبادت قید خانہ میں قید خانہ کے حالات اور حضرت کی شہادت

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ اَلْحَمِيْدِ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کلام الٰہی ہے یعنی جو کشاکش و تنگ دستی میں سلوک کرتے ہیں اور غصّے کو روکتے ہیں اور درگزر کرتے رہتے ہیں اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آیت میں بتدریج چند صفات کا ذکر ہے اور ان صفات کا ماخذ احسان کو قرار دیا ہے عقل بھی یہی نتیجہ نکالتی ہے حالتِ تمول میں کسی کے ساتھ احسان کرنا بھی احسان ہے اور تنگ دستی میں سلوک ہونا اور اپنے نفس پرور دیگر کی حاجت کو مقدم کر کے انفاق کرنا اس سے بڑھا ہوا احسان ہے اور اپنے جذبات نفس کو روک کر اور غیظ و غضب کو تحمل کر کے کسی کے قصور کو معاف کر دینا یہ سب سے بڑھا ہوا احسان ہے۔

اور ان سب احسانات کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا اس کا دوست ہو جاتا ہے اور جب خدا دوست ہو گیا تو ہر شے اس کی اس کے لئے حاضر ہے۔ خدا کی مرضی پر بھی اس کو اختیار حاصل ہو گیا۔ جنت پر بھی، پھر کوثر و سلسبیل اسی کے اختیار میں ہے جس گنہ گار کو چاہے بخشوا دے

جس کو چاہے جنت دلوا دے۔ اس کا دوست خدا کا دوست اس کا دشمن خدا کا دشمن۔ دُنیا
میں کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے آئمہ میں یہ صفات نہ تھے۔ پھر کیوں نہ ان کو شفاعت اور
تقسیم جنت و نار کا اختیارِ کامل حاصل ہو۔ یہ خدا کے دوست ہو گئے۔ خدا کی ہر شے اُن کی
ہو گئی۔ صلوٰۃ۔ یقظوں میں منازلِ بیان طے کرتا ہے۔ ایک ایک صفت کو لیجئے اُس کے
بعد عقل کا چراغ لے کر ہر گوشۂ عالم میں ڈھونڈیے۔ یہ صفتیں کس میں ہیں یہ خلعتِ زیبا قدرت
نے کس کے لئے قطع فرمایا ہے۔

دُنیا میں سخی گزرے۔ سلوک کرنے والے پیدا ہوئے اور ہر قوم میں گزرے۔ ہر زمانہ میں
تھے۔ حاتم کا نام آج تک زبانوں پر ہے۔ مگر قرآن نے جس انفاق کا ذکر کیا ہے حاتم کی کس سخاوت
پر صادق آتا ہے۔؟

حاتم کے بعد زمانہ گزر گیا کوئی سخی جو اپنے ایک ہی دروازے پر سائل کو اتنا دیدیتا تھا کہ حاتم
کے چالیس دروازوں پر اس کو میسر نہ ہوا ہو۔ پھر عالم عسرت کی سخاوت! معاذاللہ دُنیا میں
کون اس سخی کا ہم پلہ ہو سکتا ہے۔ جو گرسنگی میں اپنی جو کی روٹیاں سائل کو دیدے اور یہ
روٹیاں اتنی مقبول ہو جائیں کہ قرآن مجید اس کا قصیدہ پڑھنے لگے۔ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ
عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ان جو کی روٹیوں میں کونسی ایسی صفت تھی کہ خدا
کو پسند آگئیں اور قرآن میں اس کا ذکر کیا؟

بظاہر بہت حقیر سخاوت تھی مگر عالمِ عسرت کی سخاوت! اور اپنے نفس پر مقدم کرنے کی
فضیلت۔ بس اسی نے نانِ شعیر کو دُنیا کی ساری نعمتوں پر فضیلت دیدی ورنہ اسی سخی کی سخاوت
لطیفہ
کی اگر قرآن میں فضیلت شروع کر دی جاتی تو اتنا ہی بڑا ایک اور قرآن اس کو نازل کرنا پڑتا
(بڑا تفضل ہے اس کا جو اس نے اختصار سے کام لیا ورنہ حفاظ کی مردم شماری میں کمی واقع ہوتی)
بہرحال ان صفات میں ہر صاحبِ شعور علیؑ ہی کو منتخب کرے گا اور پھر اس کے بعد اگر کوئی ملے
گا تو اسی گھرانے میں ملے گا۔ آیت میں تحمل غیظ ضبطِ غضب کا درجہ نمایاں طور پر ذکر ہوا ہے
لیکن جمع کا صیغہ بتلاتا ہے کہ اس صفت میں چند ذاتیں مراد ہیں۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ لہٰذا
مثال کے لئے چند ذاتیں پیش کرتا ہوں۔ سب کے پہلے اس ذات کو لیجئے جس پر قرآن نازل ہوا

کون مسلمان رسولِ خدا کے اقتدارِ باطنی اور تصرفاتِ روحانی سے انکار کر سکتا ہے لیکن باوجود ان اختیارات کے تحمل کا یہ عالم تھا کہ سرِ مبارک پر کوڑا پھینکا جاتا تھا، پتھر برسائے جاتے تھے مگر کبھی لب تک نہ ہلائے ورنہ عالم زیر و زبر ہو جاتا۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر پیچ دے کر گلوئے مبارک میں ڈال دی اور اس قدر فشار دیا کہ قریب تھا روحِ مبارک مفارقت کر جائے مگر حضرت نے صبر و تحمل سے کام لیا ورنہ عقبہ کی کیا حقیقت، ایک بددعا میں قریش صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتے۔ یہ کاظمین الغیظ کی پہلی مثال تھی۔

وصیٔ رسولؐ نے بھی اسی کی پیروی کی اور باوجود قوتِ خیبر شکنی گلے میں رسّی بندھوائی۔ جذباتِ غضب کو روکے ہوئے سر جھکائے چلے گئے ورنہ مرحب و عنتر اور عمر ابن عبدود سے زیادہ قوی ہیکل کوئی مقابلے میں نہ تھا۔ وہی لوگ آپ کے ضبط و صبر کا امتحان لے رہے تھے جو عمر بھر کے مقابل میں سر نہ اٹھا سکے لیکن وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کے جوہر علیؑ کو دکھلانا تھے ذوالفقار کو حرکت نہ دی۔ اگر اس وقت اپنے نفس کو مغلوب نہ کرتے تو آج غالب کل غالب کے خطاب سے یاد نہ کئے جاتے۔ صلواۃ!

بہرحال صفتِ حلم اس خاندان کا جوہر قرار پایا۔ رسول کا ہر جانشین اہلبیت کا فرد اس صفت سے متصف نظر آتا ہے۔ اس لئے خدا نے جمع کا صیغہ صرف کیا۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ لیکن اس سلسلۂ طاہرہ کے ایک ذات میں اس صفت کا وہ ظہور ہوا کہ یہی نام ہو گیا۔ اور دُنیائے اسلام نے اس امام کو کاظم ہی کے لقب سے پہچانا۔ مؤرخین نے آپ کی وجہ تسمیہ یہی قرار دی ہے۔ ابن حجر صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں آپ کا ضبط و حلم اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ آپ کا نام کاظم ہو گیا۔ اور خواجہ محمد پارسا کا قول ہے کہ آپ بہت بڑے صالح و عابد اور سخی ترینِ زمانہ تھے۔ اور بہت بڑے غصے کو ضبط کرنے والے علم و فضل میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے گویا اس آیت کی مجسّم تفسیر تھے۔ سخاوت میں جواد آپ کا لقب ہو گیا اور آج تک آستانۂ مبارک پر حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اور باب الحوائج کے نام سے روضۂ مبارک موسوم ہے۔ جب دیا حاجت کے مطابق دیا مستغنی کر دیا۔ دوستوں پر یہ کرم محدود نہ تھا۔ دشمنوں کو دیا، دشنام دینے والوں کو دیا۔ اذیت پہنچانے والوں کو دیا اور اتنا دیا کہ پھر

دوسرے سے مانگنے کی حاجت نہ رہی"۔ غیروں کا ذکر نہیں خود اپنے عزیز قریب جان کے دشمن تھے۔ بالآخر ہلاکت کا دینی باعث ہو گئے لیکن باوجود اس کے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص ہمارا درپئے آزار ہوگا اس قدر دیا کہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوگئیں۔ چنانچہ ہارون رشید کو جب حاسدوں نے یہ خبریں پہنچائیں کہ حضرت کی طرف روز بروز رجعیت خلق بڑھتی جاتی ہے اس نے محمد ابن اسمٰعیل[١] ابن امام جعفر صادق علیہ السلام کو نامہ لکھا کہ تم ہمارے پاس آکر عراق میں قیام کرو۔ محمد بن اسمٰعیل اس فرمانِ طلبی کو وحی الٰہی سمجھ کر مارے خوشی کے ایک ایک کو دکھاتے تھے اور تفاخر کرتے تھے کہ مجھے خلیفہ نے بلایا ہے مگر تنگ دستی سے سامانِ سفر مہیا نہ ہوا۔ قرض کی تدبیر کی لیکن وہ بھی میسر نہ ہوا۔ آخر امام علیہ السلام نے طلب فرما کر نہایت شفقت سے پوچھا تمہارا کیا قصد ہے؟ انھوں نے خجالت سے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت نے فرمایا میں تمہارا قرض بھی ادا کردوں گا اور تمہاری معاش کا بھی انتظام کردوں گا تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں۔ انھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور بات ٹالنے کے لئے کہا اپنے ارشادات سے مستفیض فرمائیے۔ حضرت نے پھر یہی فرمایا۔ آخر یہ ناراض ہو کر اٹھے۔ حضرت نے تین سو اشرفیاں اور چار ہزار درہم عطا فرمایا اور فرمایا تم ضرور جاؤ گے لیکن اتنا یاد رکھنا کہ میرے بچوں کو یتیم نہ کرنا۔ اور میرے خون میں شریک نہ ہونا۔ اسمٰعیل کے منہ سے اس وقت بھی شکریہ میں کوئی کلمہ نہ نکلا۔ سر جھکائے چلے آئے اور خوشی خوشی انتظام کرکے راہیِ بغداد ہوئے۔ اور اس ننگِ خاندان نے بے حیائی کا جامہ پہن کر دربار ہارون میں حضرت کی مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہ تھی شان حلم و امامت سخاوت کہ باوجود علمِ باطنی کے دشمنِ جان و آبرو کو اتنا دیا کہ قرض بھی ادا ہوگیا اور دربارِ شاہی میں پہنچ کر باعثِ ہلاکت ہوئے۔ انہیں کی شان میں قرآن وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ کے خطاب سے تذکرہ کرتا ہے۔ صلوٰۃ۔

حضرت نے بنی عباس کے رشک و حسد اور اندیشہ مظالم سے اپنا شیوہ یہ اختیار کر لیا تھا کہ سوائے عبادتِ خدا کے گھر سے بہت کم نکلتے تھے۔ اور بالکل خاموش زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر باوجود اس احتیاط

١: اسمٰعیل حضرت امام جعفر صادق کے بڑے فرزند تھے جو آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے مگر ایک فرقہ انکی امامت کا قائل ہو گیا وہ فرقہ اسماعیلیہ کہلاتا ہے جو بوہرے اسی سلسلے کو مانتے ہیں امام موسیٰ کاظم کو نہیں مانتے۔

کے بھی بنی عباس ہر زمانہ میں درپے آزار رہے۔

ظلم کی ابتدا مہدی کی اسیری ۱۶۳ھ روضۃ الصفا

پہلے مہدی بن منصور نے ظلم کی ابتدا کی اور حضرت کو ۱۶۳ھ میں مکّہ سے بغداد لایا اور لاکر اسیر کر دیا۔ ایک سال کی مدت ہوئی تھی کہ مہدی نے خواب میں حضرت امیرؑ کو دیکھا کہ چہرۂ مبارک سے آثارِ غضب ہویدا ہیں اور آپ تلاوت فرما رہے ہیں۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ۔ یہ خواب دیکھ کر مہدی نے اپنے وزیر ربیع کو طلب کیا اور حضرت کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ربیع کہتا ہے جب میں قیدخانہ میں پہنچا، دیکھا حضرت منتظر کھڑے ہیں اور وہی آیت تلاوت کر رہے ہیں۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ صلوٰۃ! یہ ہیں فیوضِ امامت کہ عالمِ رؤیا میں دادا کے وردِ زباں جو آیت تھی قیدخانہ میں پوتے کی زبان سے وہی آیت تلاوت ہو رہی ہے۔ ثابت ہوا کہ بادشاہ نے جو کچھ خواب میں دیکھا وہ یہاں پیشِ نظر تھا۔ جس کے دادا کے زورِ نظر کا یہ حال ہو کہ اپنے بستر پر معراجِ رسول کا معائنہ کرلے اس کے جانشین اور فرزند کے سامنے عالمِ رؤیا کا پردہ کیا انبساط رکھتا ہے۔

صلوٰۃ!

دوبارہ اسیری ۱۶۹ھ روضۃ الصفا

غرض اس وقت مہدی نے بلا کر کچھ ہدایہ اور تحائف دیکر حضرت کو مدینہ بھیج دیا اور پھر اپنی زندگی میں حضرت کو زحمت نہ دی۔ اس کے بعد ۱۶۹ھ میں ہادی بن مہدی نے حضرت کو بلا کر قید کر دیا اور ایک سال تک قید رکھا۔ اسی طرح کا خواب دیکھا۔ اور حضرت کو رہا کر دیا۔ جب اس کے بھائی ہارون رشید کا زمانہ آیا اس نے اپنے بڑے بھائی سے بڑھ کر سادات پر دستِ ظلم دراز کیا۔ اور سخت مصائب سے صدہا بنی فاطمہ کو قتل کیا اور جب محمد بن اسمٰعیل کو بلا کر اپنی مصاحبت میں رکھا تو ان کی تحریک سے حضرت کے قید کرنے کی فکر ہوئی۔ حج کے بہانے مکہ آیا اور یہاں حضرت کا وقار و اعزاز دیکھ کر محمد بن اسمٰعیل کی فتنہ انگیز خبروں کا یقین ہوا۔ ایک روز حضرت کو بلا کر سوال کیا کہ لوگ اس قدر آپ کی جانب کیوں مائل ہیں؟ آپ نے فرمایا میں قلوب کا امام ہوں تو اجسام کا بادشاہ ہے یہ برجستہ جواب سُن کر حسد سے جل گیا اور بعجلت تمام مدینہ پہنچا۔ حضرت بھی مدینہ آچکے تھے۔ آپ بیسویں شوال ۱۷۹ھ کو روضۂ رسول میں مصروفِ نماز تھے کہ ملازمینِ سلطانی رسیمانِ ستم لے کر پہنچ گئے۔ اور حضرت کو حراست میں لے لیا۔ نماز تمام ہوئی تھی کہ مشکل کشا کے پوتے کو گرفتار کر لیا۔ اور مسجد سے لے چلے۔ آپ نے اسی حلم و صبر سے کام لیا۔ جس طرح آپکے جد نے صبر و تحمل کے جوہر دکھائے لیکن رخصت ہوتے وقت مزار

حضرت کی تیسری اسیری عہد ہارون صواعق محرقہ

رسول سے مخاطب ہو کر اتنا عرض کیا کہ اے جد بزرگوار آپ ملاحظہ فرماتے ہوں گے یہ امتِ جفاکار آپ کے اہلبیت پر کیا ظلم ڈھا رہی ہے۔" مظلوم کربلا نے بھی اپنے سفرِ آخری کے وقت ایسے ہی کلمات سے اپنے نانا کو رخصت کیا تھا مگر فرق یہ ہے کہ فرزند رسول روضۂ رسولؐ سے وداع ہو کر دولت سرا پر تشریف لے گئے بنی ہاشم سے رخصت ہو کر بھائیوں اور بچوں کو ساتھ لیکر مدینہ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے تھے۔ یہاں سپاہ ہارونی کا قیدی دادا کے مزار سے چھوٹ کر سیدھا البصرہ کی جانب روانہ کر دیا۔ اور اپنے کمسن بچے سے کچھ کہنے بھی نہ پایا۔ اہلِ مسجد شانِ بےبسی دیکھ کر رونے لگے۔ مگر خوفِ حاکم سے کوئی قریب نہ آیا۔ ہارون نے اس وقت دو محملیں تیار کرائیں۔ ایک جانب بصرہ روانہ کی اور دوسری محمل کوفہ کی طرف روانہ کی تاکہ اہلِ مدینہ کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے۔

حضرت کا مجلسا بصرہ میں قیام روضۃ الصفا

غرض ۷ ذیقعدہ کو حضرت کی سواری بصرہ پہنچی۔ یہاں ہارون کا چچازاد بھائی عیسیٰ ابن جعفر حاکم تھا۔ اس کے نام فرمان بھیجا کہ جس قدر تکلیفیں ممکن ہوں ہمارے اس قیدی کو پہنچانا۔ عید الاضحیٰ کا زمانہ قریب تھا، دربار کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عید کی خوشی میں ہر وقت عیش و عشرت اور رقص و سرود کا چرچا تھا۔ عیسیٰ نے اسی محفل رقص و سرود کے قریب ایک حجرۂ مختصر میں حضرت کو قید کیا۔ یہ آپ کی مصیبتوں کی پہلی منزل تھی کہ علاوہ اس حجرۂ تنگ و تاریک کے رقص و سرود کی آوازیں آپ کی عبادت گزاری شب زندہ دار کے گوشِ ہمایونی کے لئے تیر و شمشیر سے زیادہ اذیت رساں تھیں۔ مگر اس صبر و تحمل سے آپ نے اپنے کو صرفِ عبادت کر دیا گویا دنیا میں کچھ ہوتا ہی نہ تھا۔ چندروز یہی عالم رہا۔ بعد ازیں قید اسیری کی زحمت میں اضافہ ہوتا رہا شب و روز میں دو مرتبہ کچھ آبِ گرم اور نانِ خشک پہنچانے کے لئے دروازہ کھولا جاتا تھا۔ ورنہ حجرۂ تاریک میں سوائے شمعِ امامت کے روشنی کا بھی گزر مشکل تھا۔ قید خانہ کے غلام ہر وقت تلاوت کلام مجید یا عبادت کی آوازیں سنا کرتے تھے۔ اور روزانہ عیسیٰ ابن جعفر سے تمام ماجرا بیان کیا کرتے تھے۔ ایک روز خود عیسیٰ نے تفحص کیا اور آپ کو ہر وقت عبادت میں مشغول پایا اور سنا کہ حضرت مناجات فرماتے ہیں خداوندا تیری عبادت کے لئے جیسا تنہائی اور تخلیہ کا مقام میں چاہتا تھا وہ تو نے عطا فرمایا۔ یہ سن کر عیسیٰ کانپ گیا اور نادم ہو کر ہارون کو عرضداشت

تحریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ تم نے کس عبد بے نیاز اور بندۂ ممتاز[1] کو میرے سپرد کیا ہے اور اس کی تکلیفوں کا مجھے حکم دیا ہے کہ سوائے عبادت کے اس کی زبان شکوہ سے آشنا ہی نہیں اور وہ بالکل بے قصور ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر عذابِ خدا نازل نہ ہو۔ لہٰذا اپنے قیدی کو جلد اپنے پاس طلب کرلو ورنہ میں رہا کر دوں گا۔ یہ نامہ لکھ کر حجرہ کا در کھول دیا۔ اور حاضر ہو کر دست بستہ اپنی امید اور سابقوں کی معافی مانگنے لگا۔ حضرت نے کمال خندہ پیشانی سے عیسیٰ کے قصور کو معاف فرمایا۔ ملاحظہ ہو امام کاظمؑ نے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ کا نمونہ دکھایا۔

مقتل کی حراست مقاتل الطالبین

بہرحال عیسیٰ کا نامہ ہارون کے پاس پہنچا مگر اس میں اس کی صلاحیت کہاں تھی کہ حضرت کی رہائی کا حکم دیتا، حضرت کو بغداد میں بلا کر فضل ابنؒ ربیع کے سپرد کیا۔ اس قیدخانہ کی مختصر حالت عبداللہ قزوینی بیان کرتا ہے کہ میں جب بغداد آیا حضرت کا حالِ پرملال سن کر فضل بن ربیع کے پاس آیا۔ اور شوقِ زیارت ظاہر کیا۔ فضل مجھ کو پشتِ محلس پر لائے اور کہا اس روزن سے امام کی زیارت کرلو۔ عبداللہ کہتے ہیں جب میں نے غور سے دیکھا تو بجز ایک چادر کے مجھے محبس میں کچھ نظر نہ آیا۔ گویا ایک سمٹا ہوا کپڑا پڑا تھا۔

جب میں نے فضل سے کہا کہ بھائی مجھے تو سوائے کپڑے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ فضل نے کہا بھائی وہی تو تمہارے مولا ہیں۔ یہ سن کر رونے لگا اور کہا بھائی فضل تم سے یہ سختی بہت حیرت انگیز ہے۔ فضل رونے لگے اور کہا مجھ سے کیا کہتے ہو۔ ہارون نے مجھ کو حکم دیا کہ میں حضرت کو قتل کر ڈالوں میں نے صاف کہہ دیا یہ تو مجھ سے نہ ہوگا۔

بہرحال حضرت کو کئی شخصوں کی حراست میں رکھا۔ اور اس میں مدتیں گزر گئیں مختلف طریقوں سے حضرت کو تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مگر ہارون کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ان سب نگہبانوں میں سندی بن شاہک نہایت سنگ دل اور خبیث تھا اس نے حضرت کو جسمانی اذیتیں بھی پہنچائیں۔ آخر اسی کے مشورہ سے ہارون نے ایک کنیز خوش جمال کو آراستہ و پیراستہ کر کے حجرۂ محبس میں بند کر دیا

کنیز خوش جمال قیدخانہ مقاتل الطالبین

---

[1] مقتل شیعہ تھا مگر بااثر شخص تھا ہارون کی یہ چال تھی کہ ایسے شخص کے سپرد کرو کہ اگر وہ کچھ رعایت کرے تو مجھ کو پاسبانِ قیدی دونوں کے قتل کا موقع مل جائے۔ یہ یحییٰ برمکی وزیر کا چھوٹا فرزند تھا۔

تاکہ حضرت پر الزام لگا کر آپ کی عبادت و زہد کا جو شہرہ ہے اس میں بدگمانی پیدا ہو۔ صبح کو جب در زندان کھولا گیا دیکھا حضرت سجدہ میں ہیں۔ اور سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ سُبْحَانَكَ يَا عَزِيْزُ کا ذکر فرما رہے ہیں۔ دوسرے گوشے میں وہ کنیز بھی خاک پر سر رکھے اسی ذکر میں محو ہے۔ ہارون کے حکم سے لوگ کشاں کشاں اس کو باہر لائے دیکھا تو اس کی آنکھوں سے سیل اشک جاری ہے اور کہتی ہے مجھ کو چھوڑ دو کہ میری عبادت میں حرج واقع ہوتا ہے۔ ہارون نے کہا میں نے تجھ کو کس لئے بھیجا تھا اور تو یہاں کیا کرنے لگی۔ کنیز نے رو رو کر بیان کیا اے امیر جب میں داخل زندان ہوئی اور در بند ہو گیا۔ میں نے دیکھا حضرت عبادت میں ہیں۔ میں بیٹھ گئی کہ آپ عبادت سے فارغ ہوں، جب رکعتیں تمام کر کے آپ سجدہ میں گئے اور سر نیاز خاک پر رکھ کر تسبیح شروع کی تو اے امیر میرا بند بند کانپنے لگا اور میں بھی سجدے میں جھک گئی۔ پھر مجھ پر ایک غشی سی طاری ہو گئی۔ اور اسی عالم میں دیکھا کہ ایک خوش نما باغ ہے اور اس میں نہریں جاری ہیں اور صدہا کنیزان خوش جمال و حوران پری تمثال اس میں موجود ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی کلمات جاری ہیں۔ اے امیر یہ حالت دیکھ کر میں نے بھی اپنا یہی وظیفہ کر لیا۔

صاحب تذکرۃ الاخیار اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس کنیز نے بیان کیا کہ اے امیر جب امام کی صدائے تسبیح بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا دریچے آسمان کے کھل گئے سقف شگافتہ ہو گئی ایک آواز میرے کان میں آئی جیسے کوئی کہتا ہے لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ يَا عَبْدِيْ یہ آواز سُن کر میں بیہوش ہو گئی۔

غرض ہارون ڈرا کہ کہیں یہ اخبار مشہور نہ ہو جائیں اور حضرت کے کمالات کی مزید شہرت ہو اس وقت اس کنیز کو ایک حجرہ میں بند کر دیا۔ پھر اس نے وہی ذکر شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ کنیز یہی ذکر کرتے کرتے مر گئی۔

امام کے لئے یہ بہت نازک موقع تھا اور سخت امتحان تھا۔ آئمہ سے سخت امتحان لئے گئے مگر امتحان یوسف علیہ السلام باقی تھا، خدا کو دکھلانا منظور تھا کہ ان کا دامن عصمت دامن یوسف سے پاکیزہ تر ہے۔ یہ صاحب تطہیر ہیں قرآن ان کی طہارت کی ضمانت کرتا ہے۔ ہارون نے جب دیکھا کہ میں جس قدر ان کی تذلیل کرتا ہوں ان کا وقار بڑھتا جاتا ہے اور فضل و

کمال کی شہرت ہوتی جاتی ہے۔ اپنے وزیر یحییٰ برمکی سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا مناسب یہ ہے کہ ان پر بار احسان رکھ کر ان کو رہا کر دے ورنہ خلقتِ عام تجھ سے برگشتہ ہو جائیگی۔ ہارون نے کچھ سوچ کر یحییٰ کو حکم دیا کہ جا کر میری طرف سے کہو کہ تمھارے ابن عم نے سلام کہا ہے اور رہائی کا وعدہ کیا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ دربار عام میں اپنے جرم وخطا کا اقرار کر کے معافی مانگیں۔ یحییٰ حاضر خدمت ہوا امام عالی مقام نے حسب سجدہ سے سر اٹھایا یحییٰ نے پہلے سلام کیا اور پھر اظہار افسوس کرتے ہوئے نہایت چرب زبانی سے ہارون رشید کا پیغام پہنچایا اور بہ کمال ادب عرض کی مولا کیا حرج ہے حفظِ جان کے لئے زبانِ مبارک سے خلیفہ کے ساتھ اقرارِ جرم کے بعد معافی مانگ لیجئے۔ آپ کو ہمیشہ کیلئے اطمینان تو ہو جائے گا۔

معاذ اللہ کتنا اہم سوال تھا امام عالی مقام کے لئے کہ دنیا کی ساری اذیتیں اس کے مقابل میں پست تھیں۔ اتنی سی بات کے لئے فرزند فاطمہؑ نے وطن آوارہ ہو کر پیاس کے صدمے اٹھا کر سوکھا گلا کٹوانا گوارا کیا۔ بی بی زادیوں کی اسیری بے پردگی قبول کر لی مگر باطل کی تائید نہیں کی۔

خلاصہ

آج وہی سوال دوسرے لفظوں میں ہمارے امام مظلوم اسیر بغداد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ مگر سبحان اللہ کیوں نہ ہو کس باپ کا بیٹا اور کس امام کا جانشین ہے۔ قید خانہ میں عمر ختم ہو چکی ہے اذیتیں پہنچانے والے خود تھک گئے۔ دست قلم عاری ہو گئے لیکن اس باہمت ضبط وہمت کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے جنبش کہاں۔ نہایت صبر واستقلال سے مژدہ رہائی کے جواب میں ارشاد فرمایا اے یحییٰ میری تکلیفوں کا زمانہ ختم ہو چکا میری عمر کے اب چند روز باقی ہیں اس مختصر حیات کے لئے محض بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر میں ان گناہوں کا اقرار کروں جو مجھ سے سرزد نہیں ہوئے۔ اور جھوٹ بول کر مالک الملک کو ناراض کروں۔ یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔ اے یحییٰ میرے معاملے کو یونہی چھوڑ دو اپنی خیر مناؤ کہ تمھارے زوال کا وقت قریب آگیا۔ اور اب تمھاری اولاد کی خیریت نہیں ہے۔ اے یحییٰ بادشاہ سے کہہ دینا کہ میں تمھاری یہ خواہش پوری کرنے سے مجبور ہوں۔ بہت جلد ہم اپنی منزل مقصود اور تم اپنی مراد پر پہنچنے والے ہیں۔ یحییٰ یہ جواب سن کر نقش حیرت بن گیا۔ اور ہارون سے لفظاً بہ لفظ حضرت کا جواب نقل کر دیا۔ ہارون بادۂ نخوت سے مست تھا یہ جواب سن کر مثل مار سیاہ

امام کا جواب ہارون کو

بیچ و تاب کھانے لگا اور حضرت کو مسیب ابن زہیر کی سپردگی میں دیکر سندی ابن شاہک کو حکم دیا کہ جلد حضرت کا کام تمام کر دے۔ اور الزام قتل سے بچنے کے لئے خود ملک رقہ کی طرف جانے کا اعلان کر دیا۔

آپ حضرت مسیب کی نگرانی میں پہنچے جو ایک شیعہ تھا۔ یہ حق پسند حضرت کی عبادت اور شان امامت دیکھ کر سخت پریشان تھا کہ میں کیا برتاؤ کروں اور اپنے امام اور ایسی مقدس ہستی پر کیونکر قید کی تکالیف روا رکھوں۔

حضرت نے مسیب کو بلا کر فرمایا تم گھبراؤ نہیں اب میری زندگی ختم ہے میری وفات کا وقت قریب آ گیا آج کے تیسرے روز میں دنیا سے ختم ہو جاؤں گا۔ تم اشارہ کرنا کہ جب میں تم سے پانی مانگوں اور پانی پی کر میرے چہرہ کا رنگ بار بار تبدیل ہو اور تغیر ہو جائے تو سمجھ لینا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ اے مسیب پھر مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا۔ جب میں رحلت کر جاؤں میرا غلام میرے واسطے کفن لے کر دار زندان پر آئیگا اس کو آنے دینا۔ میرا فرزند بہ اعجاز آکر مجھے غسل دے گا اور میری نماز پڑھے گا یہ وصیتیں سن کر مسیب روتے ہوئے حضرت کے پاس سے اٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں سندی ایک طبق انگور کا لیے ہوئے داخل محبس ہوا جس کے ساتھ ہارون کا کتا بھی تھا حضرت نے انگور دیکھ کر فرمایا اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ یہ رضاً بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیْماً لِاَمْرِہٖ اے میرے مالک میں حاضر ہوا۔ یہ فرما کر چند دانے خود نوش فرمائے اور ایک دانۂ انگور اس کتے کو دیا۔ سگ ہارون ایک ہی آن تھا کہ زمین پر لوٹنے لگا۔ اور ختم ہو گیا۔ سندی فوراً ہارون کے پاس پہنچا اور اپنی کارگزاری کی خبر پہنچائی۔ یہ سن کر ہارون نے سندی کو چند ہدایتیں کیں اور خود سواری منگا کر جانب رقہ روانہ ہو گیا۔

مسیب کہتا ہے کہ میں جب قید خانہ میں پہنچا، دیکھا حضرت کی حالت نہایت متغیر ہے حضرت نے پانی مانگا اور پیتے ہی رنگ مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ کبھی زرد ہو گیا، کبھی سرخ ہو گیا،

---

[1] مسیب کی شیعیت سے ہارون یہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا کہ حضرت کی وفات سے بدگمانی نہ پھیلے اور سندی بن شاہک اور میں الزام زہر خورانی و قتل سے بچ جاؤں۔ مسیب پانچواں پاسبان تھا حضرت کی اسیری کا۔

مجھے حضرت کی وفات کا یقین آگیا اور رونے لگا۔ سندی چند عمائدین اور علماء شہر کو لے کر پہنچا اور اطلاع
دی موافق روایت ہارون کے سب کو حضرت کے پاس لے جا کر سب کو معائنہ کرایا کہ سب دیکھ لیں حضرت
کو کوئی جسمانی اذیت نہیں دی گئی ہے۔ نہ جسم مبارک پر کوئی زخم و نشان ہے بلکہ حضرت علیل ہو گئے
ہیں۔ جب لوگوں نے یہ اپنی بات سن کر دیکھا حضرت نے فرمایا اے گروہ مردم گواہ رہنا مجھ کو سندی ابن
شاہک نے زہر دیا ہے جس کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ اور میں اب دنیا سے رخصت ہوتا
ہوں۔ سندی ملعون یہ سن کر دم بخود ہو گیا۔

وفات حضرت سنہ مطابق سنہ

مسیب کہتا ہے جب روز موعود آیا میں نے دیکھا حضرت کی حالت نہایت متغیر ہے کسی پہلو آرام
نہیں۔ میں یہ دیکھ کر حجرہ سے نکل آیا اور دروازہ بند کر لیا۔ ناگاہ مجھے کسی کے کلام کرنے کی آواز محسوس
ہوئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک غلام کفن لے کر آیا میں نے حسب وصیت اس کو اندر جانے کی اجازت
دی۔ پھر تھوڑے عرصے کے بعد جب دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا میت غسل و کفن پا کر رکھی ہوئی ہے
اور ایک جوان مثل ابر بہار سرہانے گریہ کر رہا ہے۔ پھر اس جوان نے کھڑے ہو کر نماز کی نیت کی ہم
اور وہ غلام شریک ہو گئے۔ بعد نماز تمام کرنے کے وہ جوان غائب ہو گیا۔ میں نے اس غلام سے
پوچھا یہ جوان رعنا کون تھا اس نے کہا یہ امام رضا علیہ السلام ہیں حضرت کے فرزند و جانشین اور ہم
سب کے امام زمانہ اب یہی ہیں۔ مسیب کہتا ہے پھر میں روتا ہوا نکلا اور سندی ملعون کو خبر کی
وہ چند اشخاص کو پھر لے کر آیا اور بند کفن کھول کر دکھلانے لگا کہ دیکھ لو یہ اپنے مرض سے ہلاک
ہوئے ہیں۔ ان کو کوئی زخم نہیں پہنچایا گیا۔ پھر اس شقی نے موافق حکم ہارون کے منادی کرا دی کہ
یہ رافضیوں کے امام کا جنازہ ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے امام کو موت نہیں آتی سب آکر
دیکھ لیں۔ پھر چار مزدور بلا کر آپ کی میت قید خانہ سے اٹھوا کر جسر بغداد پر رکھوا دی سلسلام
کا کوئی دفن کرنے والا نہ تھا۔

الحاصل جب منادی کی آواز سلیمان بن ہادی ہارون کے حقیقی بھائی نے سنی، غلاموں نے ماجرا
بیان کیا کہ امام کی لاش جسر بغداد پر بے والی و وارث رکھی ہے کوئی دفن کرنے والا نہیں نہ کسی
کو دفن کرنے کی اجازت ہے۔ سلیمان یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور روتا ہوا مع اپنے رفیقوں کے پل پر
آیا۔ دیکھا امام کا جنازہ زمین پر رکھا ہے۔ سلیمان کو غیرت آئی اور کہا ہم اور بنی فاطمہ علیحدہ نہیں

ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ ایک بنی ہاشم کا جنازہ بے دفن ہماری موجودگی میں پڑا ہوا ہے۔ سندی یہ سن کر حاضر ہوا اور ہر چند مانع ہوا اور حکم ہارون سے مطلع کیا مگر سلیمان نے کچھ نہ مانا اور کہا وائے ہو تجھ پہ بعد ہارون پہ فرزند امام جعفر صادقؑ اور ایسے عابد و زاہد امام کا جنازہ یوں نہیں پڑا رہے اور باوجود قرابت میں دیکھا کروں۔ یہ کہہ کر غلاموں کو حکم دیا کہ وہ کفن حاضر کرو جو ہم نے چالیس ہزار درہم دے کر بنوایا ہے۔ غلام فوراً وہ کفن لے کر حاضر ہوئے۔

سلیمان کا شریک جنازہ ہونا

اب تو بغداد میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ خود بادشاہ کا بھائی سلیمان امام کے جنازہ کا مہتمم ہے تمام شہر سر و پا برہنہ گریہ و زاری کرتا ہوا جنازہ پہ پہنچ گیا۔ اور پھر غریب الوطن ہارون کے قیدی کے جنازہ پر کئی ہزار رونے والے جمع ہو گئے۔ اور امام غریب کی لاش بڑے اژدہام و اہتمام سے بیرون شہر مقبرہ میں دفن ہوئی۔ جس مقام پر اب روضۂ اقدس بنا ہے جو کاظمین سے موسوم ہے۔ بہر حال کسی صورت سے بھی امام کا جنازہ ایک شان کے ساتھ بغداد میں اٹھایا گیا اور اہتمام سے میت امام کی دفن ہوئی۔ لیکن ۔۔۔ فریاد از غریبی وائے یا سیّ حسینؑ مسافر کربلا کے لئے یہ بات مختص ہو گئی کہ نہ کوئی رونے والا نہ جنازہ اٹھانیوالا نہ کفن کا دینے والا۔ نہ قبر کا بنانیوالا۔ کفن کیسا لباس تک جسم مجروح سے

نوٹ: آپکی ولادت باسعادت ۷ صفر ۱۲۸ھ مطابق ۱۰ نومبر ۷۴۵ء مدینہ طیبہ میں ہوئی چونکہ ایام غم میں یہ تاریخ ہوتی ہے لہذا ولادت کا بیان درمیان میں نہیں لایا گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں کہیں مولود نہیں ہوتا۔ عمر شریف ۵۵ سال چند ماہ عہد امامت ۳۵ سال زمانہ اسیری ۱۴ سال ۔ یا کم از کم ۷ سال ملتا ہے۔ آپکی والدہ ماجدہ حمیدہ خاتون ہیں جن کا خرید ہو کر خانۂ اہلبیت میں آنا معجزہ تھا۔ شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ ۲۲۔ اگست ۷۹۹ء بروز سہ شنبہ۔ ۲۵۔ رجب کو کاظمین میں بڑے اہتمام سے مجلس ہوتی ہے اور اردو ہندی انجمنوں کی کوششوں سے یہ مخصوص بحمد اللہ بہت ترقی پر ہے۔ یہ دونوں انجمنیں کربلا میں ہیں۔ بانیانِ انجمن اہلِ کربلا کے کر ہزاروں کے مجمع میں کربلا سے کاظمین پیادہ شان سے ماتم لے کر آتے ہیں۔ اور راہ میں لوگ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کاظمین تک ہزاروں کی تعداد ہوتی ہے۔ ہمارے محب اکرم آغا فسترخ ہندی کربلائی اس میں بڑا حصہ لیتے ہیں۔ اور جناب خان بہادر آغا سید محمد باقر صاحب رئیس کربلا اس کے سرپرست و معاون ہیں۔ خدا مومنین کو ایسے مواقع سے مشرف کرے۔ امام کی شان میں قصیدہ شامل ہے اگر کسی کو ذوق ہو وہ مجلس میں پڑھ سکتا

اٹھا لے گئے۔ بنی اسد نے ایک بوریہ رکھ کر لاش اٹھائی۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظٰلمین

قصیدہ در مدح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (از مؤلف)

کثرتِ انوار سے باطن درخشاں ہو گیا — خانۂ دل یوسفِ کنعاں کا زنداں ہو گیا

رشکِ سینا حجرۂ تاریک زنداں ہو گیا — ایک شمعِ نور سے ہر سو چراغاں ہو گیا

خوگرِ ضبط و تحمل کاظمِ غیظ و غضب — اسوۂ عفوِ الٰہی کون انساں ہو گیا

شامِ زنداں صبحِ صادق بن کے روشن ہو گئی — فاطمہؑ کا چاند رشکِ مہرِ تاباں ہو گیا

خوفِ حق میں آنکھ سے جو اشک کا قطرہ گرا — نارِ دوزخ کے بجھانے کو وہ طوفاں ہو گیا

جو درِ زنداں پہ آیا پاسبانی کے لئے — دیکھ کر طولِ عبادت شہ کی حیراں ہو گیا

شوق میں ہر منزلِ دشوار آساں ہو گئی — ایک ایک سجدہ میں شہ کے ختم قرآں ہو گیا

طولِ سجدہ سے اسیری کی شبیں کوتاہ تھیں — مختصر یوں قصۂ شامِ غریباں ہو گیا

حجرۂ زنداں میں جب پہنچی کنیزِ خوش جمال — دامنِ عفت نشاں یوسف کا داماں ہو گیا

اہلِ حاجت نے دیا باب الحوائج کا لقب — فیضِ مخفی آپ کا کتنا نمایاں ہو گیا

شہ نے السلمانُ منا کا دیا جب سے خطاب — مل کے سلماں آپ میں رشکِ سلیماں ہو گیا

ہاتھ سے جس کو اٹھا کر دے دیا مشتِ غبار — ذرہ ذرہ گوہر و یاقوت و مرجاں ہو گیا

اپنے سرداروں کو شیعہ ڈھونڈھیں در حجرہ — داغِ سجدہ کا جبیں پہ مہرِ تاباں ہو گیا

قادرِ مطلق کو دکھلاتے تھیں اپنی قدرتیں — آپ کا ہر فعل ناممکن پہ امکاں ہو گیا

موسوی کہتے تھے سب یہ فخر کیا کم تھا سلیم

اب تو زائر ہو گیا شہ کا ثناخواں ہو گیا

بیان چھبیسواں

عزّت و ذلّت پر تبصرہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے اسباب اور آپ کا نیشاپور میں آنا۔ ربط مصائب بیمارِ کربلا!

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ وَبَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۟ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا۝ حاصل معنی اس آیہ کریمہ کے یہ ہیں کہ اے رسول ان منافقوں کو جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار بناتے ہیں۔ یہ خوشخبری سُنا دو کہ اُن کے واسطے عذاب دردناک مہیا ہے یہ ان کی عزت کے جویا ہیں، حالانکہ جتنی عزتیں ہیں وہ خدا کے لئے مخصوص ہیں۔ آیت کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے کفار سے دوستی اس لئے کرتے ہیں کہ وہ صاحبِ عزت ہیں ایسا نہیں ہے۔ ان کا یہ گمان غلط ہے عزت تو خدا کے لئے ہے یا جو اس کا مُقرب ہے اس کے لئے ہے۔ قرآن نے عزت و ذلت کو کھول دیا۔ لوگ مال و متاع شوکت و حشمت اور سلطنت و ملک کو عزت و وقار کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب چلتی پھرتی چھاؤں ہیں۔ اس سے کسی کے نفس کو عزت نہیں حاصل ہوتی۔ مال و دولت اگر معیارِ عزت ہے۔ زر و جواہر پیا اگر انحصارِ عزت ہے تو نفسِ انسان کو اس سے کیا عزت مل گئی۔ وہ اعزاز تو مال و دولت کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر جواہر آبدار اور گوہر شاہوار تاج کی زینت نے عزت بڑھا دیتے ہیں تو یہ عزت مستعار عزت ہوئی موتی کو بطنِ صدف سے مانگ کر اگر عزت بڑھائی تو اس پر غرور کیسا آغوش کوہ میں اس کی کیا عزت تھی بطنِ صدف میں اس کا کیا وقار تھا۔ کسی نے بہا تری تعظیم کی ہے جو یاقوت و زمرد کی کان ہے جہاں لعل و زمرد ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ عزت کرنا کیسا کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ کوئی سمندر کی تو تیر کرتا ہے جس سے لاکھوں صدف نکلتے ہیں۔ ہم اگر پیراہن کسی سے مانگ کر پہن لیں وہ باس

عاریت کہلائے، بادشاہ پہاڑ کے ذرّوں کو مانگ کر جواہر آبدار سے تاج کی زینت بڑھائے کی کی سب عزت کرتے ہیں سلیمان نے بھی مانگ کر سلطنت پائی وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي اے میرے مالک مجھ کو ایسا ملک عطا فرما جس کے بعد پھر کسی کو میسّر نہ ہو۔ دیا خدا نے ملکِ عظیم مگر مانگ کر پایا۔ ہمارے رسولؐ کو بے مانگے سب کچھ ملا۔ دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں جبرئیل لیکر آئے اور اس پر یہ اضافہ ہوا کہ اگر کہو تو کوہ ابوقبیس تمھارے لئے سونے کا کر دیا جائے مگر ہمارا پیغمبر اس دولت کو مایۂ عزت سمجھتا تھا نہ اس کو پسند کیا بلکہ ذلت سمجھ کر ٹھکرا دیا اور عرض کی خداوندا میں اسی کو عزت سمجھتا ہوں کہ ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز سیر ہو کر کھاؤں۔ وصیِ رسولؐ کے سامنے زمین نے زر و جواہر اُگل دیے مگر نفسِ علیؑ نے ٹھکرا دیا۔ انکار کا ذکر کیا محبتِ علی میں آپ کے صحابی مقداد کو یہ عزت حاصل تھی کہ حکم جناب امیرؑ سے مٹی کا ڈھیلا سونے کا ہو گیا۔ مقداد نے بہ مقدار ضرورت توڑ لیا اور بقیہ زمین پر پھینک دیا۔ وہ پھر خاک ہو گیا۔ صلوٰۃ!

رسول کی قناعت معارج النبوۃ حدیقہ مدنی

مناقب ابن حنبل

لسان الواعظین

ثابت ہوا سونے چاندی لعل و زبرجد، یاقوت و مرجان سے عزت نہیں بڑھتی فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا سب عزتیں اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اے مالک تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ یہ اختیار تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ غرض اس نے اپنے صفاتِ کمالیہ کا جس پر عکس ڈال دیا وہ صاحبِ عزت بن گیا۔ ملاحظہ ہو سلطنت پانے سے مامون کو کیا عزت مل گئی اور اس کی ولیعہدی سے امام رضاؑ کی کیا عزت گھٹ گئی۔ لیکن دُنیا ظاہر پرست ہے۔ ان حضرات نے بھی لباس ظاہری مجبوراً ایسا ہی اختیار کیا تھا کہ لوگ ہمارے ظاہر کو اپنے خیال میں ذلیل نہ سمجھیں۔ ایک روز حضرتؑ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے نہایت قیمتی قبا پہنے تھے اور خوش رنگ عبا دوش پر تھی۔ ایک عالم فقیہ نے اعتراضاً عرض کیا اگر اس سے کم قیمت لباس آپ پہنا کریں تو آپ کے واسطے زیبا ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین میں داخل کیا اور فرمایا دیکھو یہ کیا چیز ہے اس نے محسوس کر کے کہا یہ تو کمبل کا لباس ہے۔ فرمایا ہاں ظاہر دُنیا کے دکھانے کا ہے اور باطن خدا کے دکھانے کا۔ صلوٰۃ!

مہمان خانہ محمد رضویہ بسطامی

حضرت کا مہمان خانہ زمانہ ولیعہدی میں اچھی اصول پر نہایت آراستہ و پیراستہ تھا۔ آپ کے ایک بھائی محمد ابن موسیٰؑ جو بعد وفات حضرت امام موسیٰ کاظمؑ آپ سے لڑ کر عراق چلے آئے تھے جب حضرت خراسان تشریف لائے اور ولیعہدی کی خبر سنی اخراجات سے تنگ ہو کر پاپیادہ خراسان پہنچے در دولت پر حاضر ہوئے دربان نے خبر کی، آپ تمام گستاخیوں کو درگزر فرما کر باہر تشریف لائے اور بتعظیم تمام مہمان خانہ میں لے گئے اور خادموں کو ضیافت کا حکم دیا۔ محمد مکان دیکھ کر متحیر ہو گئے وقت پر کھانا آیا۔ مختلف قسم کے طعام لذیذ دسترخوان پر چنے گئے۔ حضرت مصلحتاً شریک طعام نہیں ہوئے شب کو جب یہ بستر خواب پہ گئے نہایت ملائم اور نفیس سموری قالین بچھا تھا۔ فرش خواب کی نرمی اور لحاف کی گرمی دیکھ کر نیند غائب ہو گئی۔ خیال ہوا کہ ہمارے اجداد بوریہ اور پشت شتر پر زندگی بسر کرتے تھے اور ان کی آرام طلبی کا یہ حال ہے کہ سلاطین شام کو بھی ایسا بستر میسر نہیں۔ معاذ اللہ ان کی امامت کا کس کو یقین ہو گا۔ رات اسی بدگمانی میں بسر ہوئی۔ صبح جب حضرت تعقیبات سے فراغت کر چکے بنفس نفیس مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ اور بعد مراسم مزاج پرسی دریافت فرمایا شب کو آپ کس عالم میں رہے۔ محمد نے نہایت چرب زبانی سے شکریہ ادا کیا۔ حضرت نے فرمایا نہیں میں پوچھتا ہوں کہ آپ کو کس خیال نے رات کو سونے نہیں دیا۔ محمد سمجھ گئے کہ میرے خیالات باطنی کی حضرت کو خبر ہو گئی۔ خجالت سے کہا۔ یَا ابنَ اَبِیْ۔ کیا ہمارے آباء و اجداد کا بھی ایسا ہی بستر تھا۔ حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ اور اپنی خوابگاہ میں لائے جہاں ایک غار بصورت قبر کھدا ہوا تھا اور اس میں سنگریزے بچھے ہوئے تھے حضرت نے فرمایا اے بھائی یہ میرا بستر ہے یہ تو باپ دادا کا جیسا ہے۔ محمد رونے لگے اور قدموں پر گر پڑے اور عرض کی اِعفَنِی یَا ابنَ رَسُولَ اللہ مجھے معاف فرمائیے۔ حضرت نے سینے سے لگا لیا اور ان کو پھر اپنے پاس رکھا۔ چند روز کے بعد ان کی وفات طوس میں ہوئی۔ آپ کا روضہ مبارک بھی حضرت کے قبہ اطہر سے جانب شمال دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

حضرت کے علو نفس اور کمالات ذاتی میں مسئلہ ولیعہدی اہم مسئلہ ہے۔ اہل دنیا اس کو ذریعہ حصول عزت سمجھیں مگر دراصل حضرت کی کمال ذلت اس منصب میں پوشیدہ تھی کہ جانشین پیغمبر خدا فرزند مشکل کشا ایک بادشاہ ظالم و جابر کی ولیعہدی کرے۔ درحقیقت نفس امام کے لئے

محل امتحان تھا اور ابتلا کی سخت منزل تھی کہ باوجود اختیار کامل کے ماتحتی اور مامون کی ولیعہدی قبول کرنا پڑی۔ یہ بالکل غلط گمان ہے اور مؤرخین دھوکے میں ہیں کہ مامون رشید نے بحیثیت شیعہ ہونے کے خوش اعتقادی سے آپ کو طلب کیا تھا۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ فضل بن سہل وزیر مامون نے شیعہ ہونے کی وجہ سے آپ کو بلانے کی تحریک کی۔ فریقین کے مؤرخین جو واقعات درج کرتے ہیں ان سے صحیح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ در اصل خوش اعتقادی محرک نہ تھی بلکہ سیاسی ضرورت اور بقاء سلطنت کا انحصار اس وقت اسی پر تھا کہ خاندانِ رسالت کا وہ پیشوا اس پیچیدہ اور اختلافی شورش کو دفع کر سکتا ہے جس کے روحانی وقار کو عراق و عجم کی رعایا خوب پہچانتی ہے ورنہ فضل کے ہاتھ سے وزارت اور مامون کے ہاتھ سے سلطنت نکلنے میں کوئی وقفہ نہ تھا۔

ضرورت ہے پہلے میں محترم سامعین کو ان سیاسی ضرورتوں سے آگاہ کر دوں جن کی بنا پر مامون یہ تدبیر عمل میں لایا۔ ہارون رشید نے اپنے مابعد کے لئے ولیعہدی کو نہایت غور و فکر کے بعد اس طرح طے کیا تھا کہ عرب و حجاز و عراق اور شام اپنے بڑے بیٹے امین کو دیکر دار الخلافت بغداد کا حاکم اور اپنا جانشین خلیفہ کر دیا تھا۔ اور مامون کو ایران، سیستان، ہوازن اور سمرقند وغیرہ دیکر دار السلطنت شہر مرو قرار دیا تھا۔ سنہ ۱۹۲ھ میں یہ تقسیم واقع ہوئی اور سنہ ۱۹۳ھ میں ہارون خراسان پہنچ کر فوت ہو گیا۔ چار سال تک دونوں میں کوئی نزاع نہ ہوئی۔ امین نے سنہ ۱۹۷ھ میں اپنے کمسن بچے موسیٰ کو کل سلطنت عراق و عجم کا ولیعہد کر دیا۔ مامون کو یہ تقرر شاق گزرا اور باہم کدورت و نزاع کا یہی سبب بنا۔ نزاعات بڑھنے لگے۔ امین نے ساٹھ ہزار کا لشکر آراستہ کیا اور علی ابن عیسیٰ اپنے وزیر کی سرداری میں فوج کشی کر دی۔ مامون کو خلاع سلطنت کا فرمان روانہ کر دیا۔ مامون نے یہ خبر پاکر ایران کے چیدہ بہادر صف شکن جمع کئے اور صرف چار ہزار کا لشکر آراستہ کر کے طاہر بن حسین ذو الیمینین کی امارت میں مہم پر روانہ کیا۔ مقام رے پر مقابلہ ہوا۔ ایرانی فوج نے عیسیٰ وزیر سلطنت عراق کا خاتمہ کر دیا اور سپاہ عراق کو شکست دی۔ پھر امین نے دوسری فوج عبد الرحمٰن کی ماتحتی میں بھیجی وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ مامون نے خبر فتح سن کر تیس ہزار فوج ہرثمہ بن اعین کی ماتحتی میں روانہ کی اور ایرانی فوج نے تمام عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور ۲۔ محرم ۱۹۹ھ کو امین بھی قتل ہو گیا۔ مامون نے حسن بن سہل ایرانی کو کل عراق پر حکمراں بنا کر بھیجا۔ فضل اس کا بھائی وزیر ایران اور حسن حاکم

عراق ہوا۔ اب ہر اعلیٰ منصب پہ ایرانی ہی ایرانی نظر آنے لگے۔ یہ بات بنی عباسیوں کو بہت شاق گذری اور چند روز میں بد امنی پھیل گئی۔ عراق میں بغاوت اور شورش پیدا ہو گئی۔ موقع پا کر محمد ابن ابراہیم علوی نے خروج کر دیا اور حکومت کوفہ ان کے قبضے میں آ گئی۔ محمد ابن ابراہیم علیل ہو کر سترہ روز سلطنت عراق کر کے فوت ہو گئے۔ لوگوں نے زید ابن یحییٰ بن زید شہید کو تخت پر بٹھا دیا اور بنی ہاشم عامل مقرر ہوئے۔ (امام رضا علیہ السلام کے تین بھائی برادران یوسف کی طرح حضرت کے سخت مخالف اور دشمن تھے۔ طرح طرح کی گستاخیاں کیں اور یہ تین بھائی ابراہیم، عباس اور زید یمن پہنچے اور وہاں علم بغاوت بلند کیا۔ وہاں کے والی طاہر نے ابراہیم و عباس کو گرفتار کر کے مامون کے پاس بھیج دیا۔ زید بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب مامون کو یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں امام علیہ السلام کے فرزند اور حضرت رضا کے مختلف البطن بھائی ہیں دونوں کو حراست میں دیکر حضرت کے پاس بھیج دیا کہ آپ مناسب تدارک فرمائیں۔

مگر سبحان اللہ آپ نے وہی شانِ عصمت دکھا دی جو حضرت یوسفؑ کی شان تھی۔ باوجود موقع اور محل کے حضرت نے ان کی گستاخیوں کا کوئی معاوضہ نہیں لیا اور افہام و تفہیم اور وعظ و پند کے بعد اپنی ضمانت پہ رہائی دلوا دی۔ دوسری طرف زید بن امام موسیٰ کاظمؑ بصرہ پہنچے اور یہاں علم بغاوت بلند کر کے خوب لوٹ مار کی، ان کا قول تھا کہ آلِ رسول پر سب مباح ہے مگر یہ بھی گرفتار ہوئے۔ مامون کے پاس پہنچے اور اس نے ان کو بھی حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور فرمایا آل رسول ہو کر تم ظلم کرتے ہو تمہارے پدر بزرگوار شب و روز عبادت کریں اور خلق خدا کو ظلم سے باز رکھنے کی ہدایت کریں اور تم لوٹ مار کرو اور کہو کہ بنی فاطمہ پر آتش جہنم حرام ہے۔ قسم بخدا وہ کبھی نہ بخشا جائیگا جو بندگانِ خدا پر ظلم کرے۔ حضرت اسے غیظ و غضب میں نصیحت فرما رہے تھے اور چہرۂ حضرت کا سرخ ہو رہا تھا آخر جب زید نے توبہ کی اور منفعل ہوئے حضرت نے ان کو بھی رہا کر دیا۔)

غرض ایک طرف بنی ہاشم دوسری طرف بنی عباس عراق و شام و یمن میں بغاوت کر رہے تھے لیکن مامون کو اس کی مطلق خبر نہ تھی۔ فضل اس کا وزیر اپنے بھائی کی کمزوریوں کو مخفی کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ بنی عباس نے منصور ابن محض عباسی کو کوفہ میں تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ حسن بن سہیل حاکم بغداد سے تمام عراق مخالف ہو گیا اور صرف بغداد پر اس کی حکومت باقی رہ گئی۔ فضل نے خیال

کیا کہ بنی عباس کو اگر عراق پر پورا تسلط ہوگیا تو میرے بھائی کی خیر نہیں اور جب مامون کو اس معاملہ کی
اطلاع ہوگی میری وزارت بھی جائیگی لہٰذا مامون کے پاس حاضر ہو کر نہایت چرب زبانی سے اہل
عراق اور عباسیوں کی نافرمانی کے واقعات بیان کرکے مامون کو مضطرب کر دیا۔ مامون دیر تک
غور و فکر میں رہا۔ آخر پھر فضل سے چارہ کار پوچھا۔ فضل نے جس کو بنی عباس سے اندیشہ پیدا ہو چکا
تھا نہایت ہوشیاری سے مامون سے عرض کیا اے امیر اب ضرورت ہے کہ اہلبیت طاہرین میں
سے کسی کو منتخب کیجئے جو امین اور جامع الشرائط اور صفاتِ کمالیہ میں ممتاز ہو اور قلوب پر جس کے
زہد و عبادت و شرافت کا اثر ہو۔ ایسے برگزیدہ صفات کی حکومت سے تمام اختلافات مٹ جائیں
گے۔ اور ہر شخص اس کی اطاعت سے محکوم ہو جائیگا۔ مامون یہ سُن کر خاموش ہوگیا۔ اور اپنے مقام
پر رات بھر غور کرتا رہا۔ پہلے اس نے بنی عباس پر نظر ڈالی مگر تیس ہزار بنی عباس میں سے ایک
بھی نظر نہ آیا۔ اس کے بعد بنی ہاشم پر نگاہ ڈالی اس محترم گروہ میں سوائے امام رضا علیہ السلام کے
اس کو کوئی ہستی نظر نہ آئی جو ان مقاصد کو بہ احسن وجوہ اتمام کو پہنچائے۔ اور ہر شخص اس کے کمالاتِ
ذاتی سے مرعوب ہو کر خاموش ہو جائے۔ بالآخر جب تجسس کی نگاہیں تھک گئیں اور کوئی فرد اس کو
بنی ہاشم اور بنی عباس میں نہ جچا تو اس نے اپنے وزیر فضل کو بُلا کر حکم دیا کہ جلد از جلد امام رضا ابن
موسیٰ کاظم علیہ السلام کو لانے کی کوشش کی جائے۔ اب سوائے ان کے کوئی اس فتنہ کو سکون نہیں
دے سکتا: میں عرض کروں گا کہ فضل کی مجبورانہ تحریک پر مامون کا کئی روز تک تامل کرنا اور غور و
فکر کے بعد حضرت پر اعتماد کرنا مامون کے عقیدے پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مامون اگر واقعتہً شیعہ
ہوتا تو اپنی ولیعہدی کے لئے ہارون کے زمانہ میں کیوں کوشش کرتا۔ جس کے واقعات سے تاریخیں
لبریز ہیں۔ پھر اپنی کوششوں میں کامیاب ہو کر ۱۹۸ھ میں تخت نشین ہوا اور ۲۰۰ھ میں حضرت
کو بُلانے کی ضرورت پیش آئی۔ آٹھ سال سلطنت کرنے کے زوالِ سلطنت کے آثار دیکھ کر امام یاد
آئے۔ اس کے قبل کوئی فعل حُسنِ عقیدت کا آئینہ نہیں بتاتیں۔

مامون مجلس روضۃ الصفا

وزیر خوش تدبیر کی بھی یہی حالت ہے کہ جب بھائی کی جان پر آ بنی اور وزارت اور مامون
کی سلطنت میں رخنہ پیدا ہوا اس وقت مامون کے سامنے یہ تحریک پیش کی گئی ہے۔ ثابت ہوا
یہ وزیر یا بادشاہ کی سیاسی چال تھی۔ بہرحال مامون کی طرف سے عریضے پر عریضے اور تحائف پر

تحائف بھیجنے لگے۔ مگر حضرت خاموشی سے ٹال رہے ہیں۔ آخر مامون نے اپنے ماموں رجاء بن ضحاک کو چند مخصوصین اہلِ ایران کے ہمراہ روانہ کیا۔ جب وفد حضرت کی خدمت میں پہنچا اور باریاب ہوا پہلے حضرت نے سب کی مہمانداری کی اور ضیافت میں بہ نفس نفیس اہتمام کرنا شروع کیا جب سب کھانے سے فراغت پا چکے اس وقت حضرت نے مراسلۂ شاہی کا لفافہ کھولا۔ تمام خط کو حضرت نے دیر تک ملاحظہ فرمایا۔ اہلِ ایران اپنی خوش بیانی سے اظہارِ خلوص کرتے رہے۔ آخر حضرت نے فرمایا ابنِ ضحاک انسان قضا و قدر سے مجبور ہیں۔ میں اب تک کراہت رکھتا تھا کہ حاضری سے باز رکھا جاؤں مگر اب جبکہ خود بادشاہ کی جانب سے ایسا اصرارِ شدید ہے اور اس کے تعمیل کرنے میں عذر ہے لہٰذا رضاً بقضائہٖ وتسلیماً لامرہٖ میں چلنے پر آمادہ ہوں اور تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ یہ فرما کر خادموں کو اسبابِ سفر درست کرنے کا حکم دیا۔ دوستوں اور عزیزوں سے رخصت ہونے لگے مگر حضرت کا انداز یہ بتلاتا تھا کہ انجامِ سفر حضرت کے پیشِ نظر ہے۔ حضرت ہر شخص سے مایوسانہ رخصت ہوتے تھے خصوصاً امامِ عالی مقام کو دو چیزوں کا فراق بہت شاق تھا ایک تو اپنے کمسن بچے امام محمد تقیؑ کی جدائی کہ ابھی آٹھ نو سال کی عمر تھی دوسری چیز جو آپ کو بے تاب کئے تھی وہ جدِ بزرگوار کا مزار اور بزرگوں کی قبریں تھیں۔ شیبانی بیان کرتا ہے کہ وقتِ رخصت حضرت کی یہ حالت تھی کہ بار بار روضۂ مطہر میں جا کر قبرِ منور سے لپٹ جاتے تھے اور فرماتے تھے اے جدِ بزرگوار میں آپ سے زبردستی چھڑایا جاتا ہوں، اے جدِ بزرگوار میں آپ کی امت کی شکایت لے کر آیا ہوں۔ اسی طرح حضرت کئی مرتبہ تشریف لے گئے اور پھر باہر نکل آئے۔ کبھی اپنے کمسن فرزند کو گلے لگاتے تھے۔ ایک طرف آپ روتے تھے ایک طرف شہزادہ بیقرار ہو کر رو رہا تھا معلوم نہیں فراقِ برادر میں اس خواہر کا کیا حال تھا جو جنابِ زینبؑ کی طرح بھائی کی فدائی تھیں جن سے پھر ملاقات نصیب نہ ہوئی اور اسی صدمہ میں منزلِ قم میں جان دی۔

غرض حضرت سب سے وداع ہو کر تین سو اشخاص کے ہمراہ رجب سنہ ۲۰۰ھ کو مدینے سے ایسے روانہ ہوئے کہ پھر پلٹ کر وطن آنا میسر نہ ہوا۔ وقتِ رخصت زرِ کثیر اہلِ مدینہ میں تقسیم فرمایا۔ اور اکثر لوگوں کو اتنا دیا کہ سال دو سال کا نفقہ ہو گیا۔

حضرت کی طلبی — شواہد النبوۃ — روضۃ الصفا — مدینہ سے رخصتی — تحفہ رضویہ

جس شہر سے سواری نکلتی تھی لوگ گروہ در گروہ استقبال کے لئے بڑھتے تھے اور امام کی زیارت کے لئے جمع ہو جاتے تھے ۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوتی تھیں یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ذرا ہودج سے چہرہ مبارک نکالئے کہ ہم فاطمہؑ کے چاند کی زیارت کر لیں ۔ حضرت سواری کو رُکوا لیتے تھے اور اُن سے مزاج پُرسی کرتے تھے اور اخلاق کی باتیں کرتے تھے ۔ جب سواری نیشاپور پہنچی شہر میں پہلے سے خبر پہنچ گئی ۔ اس زمانہ میں نیشاپور اہلِ علم کا مرکز تھا اور وہاں دارالعلم بھی تھا ۔ علماء ، طلاب ، عمائدِ شہر اور تجار غسل کر کے لباسِ فاخرہ پہن کر استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے ۔ مورخین کا اس مرکز پر ہجوم ہے سب نے اپنے زورِ قلم کو ختم کیا ہے ۔

نیشاپور میں ورود

چوبیس ہزار صاحب قلمدان کا مجمع بتلاتے ہیں ۔ اسی سے اندازہ کثرتِ مردم کا ہوتا ہے علماء اور طلاب کو یہ اشتیاق تھا کہ آج فرزندِ رسول سے بہ اسنادِ آئمہ طاہرہ کوئی حدیث سن کر لکھ لیں کہ پھر اس میں کوئی شبہ نہ ہوگا اور اس میں ورود کی ہمیشہ یادگار رہے گی ۔ حافظ ابو زرعہ محدثِ اعظم اور محمد ابن اسلم جو اکابرینِ علماء نیشاپور سے تھے اپنے شاگردوں کو لئے ہوئے آگے بڑھے ۔ ناگاہ دُور سے حضرت کے سفید بغلہ کی عماری چمکی اور مجمع نعرے لگاتا ہوا بڑھا ابوزرعہ اور محمد بن اسلم آگے بڑھے اور رکاب سعادت کو بوسہ دیکر عرض کی اَیُّھَا السَّیِّدُ السَّادَاتُ اَیُّھَا الْاِمَامُ اَیُّھَا السُّلَالَۃُ الطَّاھِرَۃُ ۔ اپنے جدِ امجد کا صدقہ ہم کو دیدار دکھا دیجئے اور زیارت سے محروم نہ فرمائیے ۔ مولا کوئی حدیث اپنے جدِ بزرگوار کی اپنے آباء کرام کے سلسلے سے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائیے کہ ہمارے واسطے باعثِ ہدایت و مخزونِ ناز ہو ۔ ہر طرف سے انہیں کلمات کا شور بلند ہوا ۔ ہودج کے جانب غول کے بڑھے پڑتے تھے ۔

تحفہ رضوی بطاہی کشف الغمہ تاریخ بغداد وغیرہ

امام نے رفیقِ سفر کو حکم دیا اس نے ایک جانب پردہ کیا مجمع اسی طرف ٹوٹ پڑا ۔ داہنی طرف کا اژدہام مثلِ بحرِ متلاطم بائیں طرف کو آ گیا ۔ پھر دوسری طرف کا پردہ بلند ہوا لوگ اس ہی طرف پہنچے ۔ لوگوں نے دیکھا آفتابِ بُرجِ ہودج میں جلوہ افروز ہے ۔ فرقِ مبارک پر سبز عمامہ ہر دو جانب دوش پر گیسوئے مبارک مثل گیسوئے مشکبوئے رسول ، جبینِ مبارک پر سجدہ کا نشان جس کی ضیا مجمع کو بیقرار کر رہی تھی ۔ ہر طرف سے آوازِ گریہ بلند ہوئی ۔ کوئی رکاب کو بوسہ دیتا تھا ، کوئی مرکب کے سُموں سے آنکھیں مل رہا تھا ۔ ایک ایک ٹوٹا پڑتا تھا ۔

امام کی شان

سواری کو آگے بڑھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ آخر علماء اور سردارانِ فوج نے بآوازِ بلند کہنا شروع کیا، اے مسلمانو خاموش ہو جاؤ اپنے نبی زادہ کو تکلیف نہ دو، حضرت کو کچھ فرمانے کا اور ہم کو کچھ سننے کا موقع دو۔ اشتیاقِ امام جذبات ایسے تھے کہ مجمع دفعتہً خاموش ہو گیا ہر نگاہ جنبشِ لبِ مسیح یار، اور ہر کان صدائے حق نواز کا مشتاق ہو کر محوِ حیرت نظر آنے لگا۔ دریائے فصاحت و بلاغت کی موجیں متحرک ہوئیں۔ سلسلۂ کلام آغاز ہوا حضرت نے بالترتیب اپنے نفس سے ابتدا کی سلسلۂ حدیث کو اپنے آبا و اجداد سے لے کر منزلِ وحی تک پہنچا کر جبریل کے واسطے سے حدیث ارشاد ہوئی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَبَّ الْعِزَّتِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ کَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ فِیْ حِصْنِیْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ صَدَقَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَصَدَقَ جِبْرِیْلُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهٗ وَالْاَئِمَّةُ وَلٰکِنْ بِشُرُوْطِهَا وَشُرُوْطِهَا اَنَا مِنْ شُرُوْطِهَا۔

یعنی مجھ سے میرے پدرِ بزرگوار نے نقل فرمایا اور آن سے ان کے والد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہاں تک سلسلۂ حدیث کو جنابِ رسالت مآب تک پہنچا کر ارشاد ہوا کہ کہا جبرئیل نے سنا میں نے رب العزت سے کہ جو شخص کلمۂ طیبہ کہے وہ ہمارے قلعۂ امان میں داخل ہوا۔ اور عذاب سے محفوظ ہو لیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ سچ کہا جبرئیل نے اور سچ فرمایا رسولِ جلیل نے اور سچ بیان کیا آئمۂ طاہرین نے لیکن اس کے ساتھ شرطیں ہیں اور ان شرطوں میں میں بھی ایک شرط ہوں۔

قلم اٹھ گئے کتابت شروع ہو گئی۔ ابو زرعہ اور محمد مسلم ایک ایک لفظ پکار پکار کر پڑھتے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے جس کے پاس کاغذ نہ تھا وہ دامن پر لکھتا تھا اور بعد کو اس حدیث کی وہ قدر ہوئی کہ سونے چاندی کی تختیوں پر کندہ کر کے سلاطین آویزاں کرتے تھے۔ اور بعض قبروں میں لے گئے۔ اس حدیث کا سلسلۃ الذہب نام ہو گیا۔ حضرت کی فصاحت و بلاغت کی کون داد دے سکتا ہے۔ مگر دل چاہتا ہے کہ شرط کا پردہ اٹھا دوں کہ توحید کے ساتھ نبوت و امامت کی طرف جو لطیف اشارہ فرمایا ہے وہ مخفی نہ رہے مگر شرطِ محبت یہ ہے کہ پہلے درود پڑھ لیجیے عجب گوشِ دل سے سنئے۔ وحدانیت قلعۂ امان ضرور ہے مگر بِشُرُوْطِهَا کی قید ہے نبوت کی تصدیق کی شرط ہے اس کے بعد جمع کا صیغہ ارشاد ہوا ہے بِشُرُوْطِهَا۔ عجب رنگ ہے دنیا کا اس وقت یہ سمجھ کر

کہ حضرت کی بادشاہِ وقت نے عزت سے بلایا ہے۔ وہ احترام نبی زادے کا کیا گیا کہ قدم قدم پر تعظیمی سجدے ہوتے تھے۔ اور جب بادشاہ کو یہ منظور ہوا کہ ذلیل ورسوا ہوں دُنیا کا دوسرا رنگ تھا۔ ایک امام کی سواری کا یہ اہتمام تھا اور ایک امام کی شان یہ تھی کہ لاغر اونٹ سواری کو دیا گیا جس پر ہودج نہ محمل۔ پیر شکم شتر سے بندھے ہوئے ہاتھ پس گردن جکڑے ہوئے۔ ماں بہنیں پھوپیاں سر برہنہ سر پہ چادر نہ چہرے پر مقنع اور منادی آگے آگے ندا کرتا ہوا جا رہا ہے تماشائیو آؤ ایسے قیدی کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ امام عالی مقام خود اپنی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

أُقَادُ ذَلِيْلاً فِيْ دِمَشْقَ كَأَنَّنِيْ   مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيْرُهُ

مجھے ایک ایسے غلام کی طرح دمشق میں اسیر کر کے لے گئے جس غلام کا کوئی مددگار نہ ہو۔

دوسرے شعر میں فرماتے ہیں:

وَجَدِّيْ رَسُوْلُ اللهِ فِيْ كُلِّ مَشْهَدٍ   وَشَيْخِيْ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَمِيْرُهُ

حالانکہ ہمارے نانا رسولِ خدا تھے ہر محل تصدیق ہیں اور ہمارے بزرگِ خاندان امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

نیشاپور میں سواری کا تزک واحتشام آپ سن چکے ہیں۔ ذرا بازار دمشق میں امام عالی مقام کی سواری کی شان بھی یاد کر لیجیے کہ دیکھنے والے ترک و دیلم کا شبہہ کرتے تھے اور یزید سے طلب گار ہوتے تھے۔ اے امیر یہ لڑکی ہم کو خدمت کے لیے عطا ہو۔ معاذ اللہ یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ آلِ رسولؐ کو ایسا پہچانا نہ تھا۔ چنانچہ دیلم بن عمر ناقل ہے کہ اسیرانِ آلِ محمدؐ دربارِ یزید سے نکل کر خرابہ مسجد کی طرف روانہ کیے گئے۔ ایک شامی کبیر السن کمال عناد ودشمنی میں حضرت سید سجادؑ کے قریب آیا۔ اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ قَتَلَكُمْ وَقَطَعَ قَرْنَ الْفِتْنَةِ خدا کا شکر ہے تم قتل ہوئے اور فتنہ فرو ہوا۔ آپ نے فرمایا اے بوڑھے تو نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ہاں کیوں نہیں پڑھا۔ ارشاد ہوا قرآن میں یہ آیت بھی پڑھی ہے قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اس نے کہا ہاں پڑھی ہے۔ پھر فرمایا اور یہ آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ بھی پڑھی ہے کہا یہ بھی قرآن میں ہے۔ فرمایا اے بھائی رسول کے وہ قرابت دار جن کی محبت کا ذکر قرآن مجید میں ہے ہم ہی ہیں۔ پھر حضرت نے آیۂ تطہیر کو پوچھا کہ تو نے پڑھی ہے کہا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا وہ ہم ہی اہلبیت

ہیں جن کو خدا نے رجس سے محفوظ رکھا ہے۔ اور پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ شامی حیرت سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اور کہا آپ قسم کھائیے کہ وہ لوگ آپ ہی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ ہم ہی ہیں۔ اب تو اس شامی کو یقین ہوا کہ بیشک یہی آلِ رسول ہیں۔ پوچھا میری توبہ قبول ہوگی۔ فرمایا ہاں توبہ کر۔ اس شامی نے دونوں ہاتھ جانب آسمان بلند کئے اور کہا خداوندا میں توبہ کرتا ہوں اور قاتلانِ حسین سے بیزاری کرتا ہوں۔ پھر امام سے پوچھا مولا میری توبہ قبول ہوگی فرمایا ہاں وہ توبہ کا بہترین قبول کرنے والا ہے۔ یزید کو اس کی خبر ہوئی اور اس نے اس کو فوراً قتل کرادیا۔

سنا آپ نے اہلبیتؑ کی حالت کو زمانہ نے کیسا متغیر کر دیا تھا کہ لوگ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ رسول اور اہلبیتِ کرام ہیں۔ جب ہی تو کسی کو کنیزی میں مانگنے کی جرأت ہوئی اور کوئی گستاخانہ کلام کرتا تھا۔ اور ایسے شقی اور کافر بھی تھے کہ جان بوجھ کر ستم کرتے تھے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ اے حسین ہم تم کو پہچانتے ہیں تم فرزند علیؑ و فاطمہؑ زہرا رسول کے نواسے ہو مگر ہم تم کو ضرور قتل کریں گے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

نوٹ: حالات اسباب ولیعہدی امام رضا علیہ السلام اس قدر ضروری ہیں کہ ان میں باوجود خصار طول ہو گیا اور بیان ختم کرنا پڑا۔ اب دوسرے بیان میں حضرت کا ولیعہد ہونا اور ولادت و شہادت کا ذکر ہوگا۔

بیان ستائیسواں

دعا کے وقت عاجزی۔ مامون کی نذر اور ولیعہدی اور ولادت مامون کی ولیعہدی اور اسباب شہادت حضرتؑ کی وفات اور حال معصومہ قم

قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے جب انسان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہم کو لیٹے، بیٹھے اور کھڑے پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو دور کردیتے ہیں تو اکڑنے لگتا ہے گویا اس نے ہم سے مصیبت ٹالنے کے لئے دعا ہی نہیں کی تھی۔ اسی طرح زیادتی کرنے والوں کے لئے زینت دی گئی ہے۔ ہر انسان اگر اپنے نفس کا موازنہ کرے تو اپنے کو اس کا مصداق پائیگا۔ بیشک جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو اس وقت اٹھتے بیٹھتے خوفِ خدا یاد آتا ہے۔ رجوعِ قلب بھی ہوتا ہے اور منّت و مراد سب ہی کچھ کرنے لگتا ہے۔ اور جب مشکل آسان ہوگئی نہ وہ رجوعِ قلب ہے نہ وعدوں کی پابندی نہ ایفائے نذر کا خیال۔ یہی اس کے وجود کی ایک روشن مثال ہے کہ وقتِ اضطراب دل خود بخود اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔ کشود کار کی ہر ذی شعور کو امید ہے۔ عالمِ اضطرار میں ایک جذب ہوتا ہے کہ نفس خود بخود اسی طرف متطلب ہو جاتا ہے معصوم نے یہی پہچان بتلائی ہے کہ جب عالمِ اضطرار اور ناامیدی میں جس طرف نفس رجحان کرے وہی خدا ہے۔ دنیا میں ہر مذہب کا انسان اسی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اپنی زبان و محاورہ میں اس نے کوئی نام رکھ لیا ہو مگر وہ خدا ہی ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔

دلیل وجود الٰہی

فرعون سے بڑھ کر کون بندہ سرکش ہوگا جس نے خدا سے برابری کا دعویٰ کیا مگر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سختی کا موقع آیا اس نے بھی خدا ہی سے رجوع کی اور آخر اسی کے سامنے سرِ نیاز جھکا دیا جس کے موسیٰ پیغمبر تھے۔ لیکن جب آثارِ عذاب اس نے فرو کر دیے پھر خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخری موقع یاد کیجئے جس کا ذکر قرآن میں ہے قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ یہ اس موقع کا تذکرہ ہے جب فرعون کا لشکر غرقِ رودِ نیل ہو رہا تھا۔ اور خود فرعون موجوں میں ابھر ابھر کر رہ جاتا تھا۔ خدا اس کا قول بیان فرماتا ہے۔ خداوندا میں اس خدا پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔

تفسیر خازن

تفسیر میں لکھا ہوا ہے فرعون سے یہ کلمات سُن کر جبرئیل نے جلدی سے گیلی مٹی اٹھا کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دی کہ کہیں یہ توبہ و استغفار کر کے خدا سے رجوع نہ کرلے وہ ارحم الراحمین ہے ضرور بخش دے گا۔ ناگاہ ایک موج آئی اور سارا غرور و سرکشی غرقِ رودِ نیل ہو گیا۔ عجب یہی حال

مامون کا ہوا۔ اپنے باپ کے عہد میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عبادت اور زہد دیکھ کر خلوص دکھلانے لگا۔ اور حضرت کی اذیتوں پر تاسف کرتا تھا۔ جب ولیعہدی کا مسئلہ طے ہو گیا اور بادشاہ ایران ہو کر تخت سلطنت کا مالک بن بیٹھا سب وعدے وعید فراموش کر گیا۔ اور جب امین نے لشکر کشی کی اور عراق کا رنگ بدلا پھر مامون کو اضطراب پیدا ہوا کہ نہ میرے پاس اس قدر آراستہ و پیراستہ فوج نہ خزانہ یا الٰہی کیونکر میں حفاظت کروں۔ مامون خود بیان کرتا ہے کہ جب مجھکو لشکر عراق کی تیاری اور کثرت سپاہ کا حال معلوم ہوا ہر طرف سے ناامید ہو کر اپنے تمام اراکین سلطنت سے مخفی کر کے قصر شاہی میں آیا اور جو حمام خانہ مخصوص تھا اس میں بہ آداب تمام غسل وطہارت کر کے میرے پاس جو لباس پاکیزہ تھا پہن کر اپنے گوشہ محل میں آیا اور غلام و کنیز کو تاکید کر دی کہ کوئی اس حجرہ میں داخل نہ ہو پھر مزید احتیاطاً دروازہ بھی بند کر لیا۔ اور بہ کمال خضوع وخشوع چار رکعت نماز بجا لایا۔ جب نماز سے فارغ ہوا بہ کمال الحاح وزاری خدا سے ملتجی ہوا کہ میرے گناہ عفو فرما میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر امین پر مجھکو فتح حاصل ہو جائے تو امر خلافت کو پھر اس کے مرکز اصلی کی طرف پہنچا دوں گا۔ اور اسی دائرہ میں پھر لے جاؤں گا جہاں تونے اور تیرے رسول نے رکھنا چاہا۔ یہ تھی مامون کی دعا اور نذر عالم اضطراب میں! مجھے مامون کے اس قول کا یقین ہے ضرور اس نے نذر کی۔ اور عجب نہیں کوئی سند بھی اس کو حاصل ہو گئی ہو اور اس کو اس جنگ میں اپنی فتح کا یقین کامل حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ساٹھ ہزار فوج کے مقابل میں صرف چار ہزار ایرانیوں کو بھیجا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی تائید غیبی کا اس کو بھروسہ ہو گیا تھا۔

مامون کی لشکر کشی — شواہد النبوۃ

مامون کی نذر — لمعۃ الضیا محمود الحکما

بہرحال اس نذر کی برکت نے مامون کو مختصر سپاہ سے فوج کثیر پر فتح یاب کیا۔

فتح پانے کے بعد پھر وہی مامون تھا اور وہی عباسی غرور وتمکنت۔ نہ اپنی نذر یاد تھی اور نہ خدا سے معاہدے ملک عراق حسن بن سہل اپنے وزیر کے بھائی کو عطا کیا اور ملک شام کا مالک طاہر بن حسین ایرانی کو کیا اور تمام ممالک سے اپنی خلافت کی بیعت لے کر بہ اختیار کامل خلیفہ ہو گیا۔ (اسی سے خلیفہ مامون کے عقائد پر کامل روشنی پڑتی ہے اور جن مورخین کو اس کے شیعہ ہونے کا گمان تھا اس کی کامل تردید ہوتی ہے۔ کیا کوئی شیعہ عقائد رکھنے والا یہ کر سکتا ہے جو

مامون نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا)

غرض جب بنی عباس کی مخالفت اور عراق و شام کی بدامنی اور بدعملی کی خبریں فضل بن سہل وزیر کو پہنچیں اس نے اپنے بھائی حسن بن سہل کے سر سے بدنامی مٹانے کے لئے مامون کو امام عالی مقام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر بھی مامون کو اپنی نذر یاد نہ آئی اور کئی روز تک وہ بنی عباس میں کسی شخص کو اس منصب کے لئے تلاش کرتا رہا۔ اگر صاحب ایمان اور خوش اعتقاد ہوتا تو امین کے قتل کے بعد ایفاء نذر کا خیال آتا۔ اور حضرت سے رجوع کرتا، خود اپنی خلافت کی بیعت نہ لیتا۔ یہ تھا مامون کا خلوص اور عقیدہ جس پر مورخین عامہ کو مامون پر شیعیت کا دھوکا ہو گیا۔

بہر حال جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو حضرت کو اپنے ماموں رجا ابن ضحاک کے ذریعے سے طلب کیا۔ حضرت مجبور ہو کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور قطع منازل کے بعد حضرت کی سواری قریب شہر مرو پہنچی۔ مامون کو ہر منزل سے اطلاع ملتی رہی۔ اب حکم عام دیا کہ شہر آراستہ ہو، راستے صاف کئے جائیں، کوچے ہموار کئے جائیں۔ لشکر مسلح و مکمل ہو کر شہر سے تین فرسخ پر پیشوائی کے لئے قیام کرے، علم بردار، نشان بردار بیرقیں لیکر دو طرفہ راستے پر صف جمائیں شہر میں بہ طہارت امام کی پیشوائی کریں۔ اہل عجم کے دل مدت سے خاندانِ رسالت کے مشتاق تھے اور آنکھیں مشتاقِ زیارت تھیں۔ سلطانی حکم پا کر ایک پرجوش دریا تھا کہ اُبل پڑا۔ بے لطفیاں شوقِ دیدار میں گھروں کو خالی چھوڑ کر شہر سے باہر نکل گئے۔ دُور سے نشانِ کارواں بلند ہوا۔ اس طرف سے مخلوقِ خدا نے نعرۂ مسرت بلند کیا (یا ابن الزہرا خوش آمدید) مامون بھی تختِ رواں پر سوار ہو کر استقبال کو پہنچ گیا۔ اب حضرت کی سواری قریب پہنچی۔ لوگ بڑھے حضرت کا ہودج تھم گیا۔ ہارون آگے بڑھا۔ اور رکاب کو بوسہ دیکر عرض کرنے لگا اے فرزند رسول آپ خستہ ہیں اور کسل سفر ہے محمل سے اترنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ فضل وزیر سلطنت نے زمین ادب کو بوسہ دے کر عرض کی یا ابن رسول اللہ اہل عجم شبیہ رسول دیکھنے کے کمال مشتاق ہیں، حکم دیجئے تو محمل کے پردے اٹھا دیے جائیں۔ حضرت نے حکم دیا۔ غلام نے چہار جانب سے حجاب محمل اٹھا دیے۔ حضرت نے سر مبارک باہر نکالا اس وقت عمامۂ مبارک پر ایک طیلسان لپٹی ہوئی تھی

لگ جمالِ مبارک دیکھ دیکھ کر جوشِ مسرت میں چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ کوئی تابِ نظارہ نہ لا سکا اور غش کھا کر گرا۔ تھوڑی دیر کے بعد مامون نے حکم دیا کہ اب توقف امام کے لئے باعثِ زحمت ہے۔ سواری حضرت کی بڑھاؤ۔ غرض حضرت کے لئے جو قصر آراستہ کیا گیا تھا وہاں سواری اُتری۔

جب دو چار روز میں کسلِ سفر دُور ہوا مامون نے قصرِ شاہی میں طلب فرمایا اور تخلیہ میں بعد مراسم تعظیم و دست بوسی حضرت کو اپنی مسند کے برابر بٹھا کر مطلب کا آغاز کیا۔ یا بن رسول اللہؐ میں نے اس لئے آپ کو زحمتِ سفر دی اور آپ کو اس لئے مدینے سے بلایا ہے کہ آپ مجھ سے بہتر جملہ صفات میں مستحقِ خلافت و امامت ہیں مسندِ خلافت کو قبول کیجئے اور قدوم میمنت لزوم سے تختِ امارت کو زینت بخشیئے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا تمام عزو بزرگی رب العالمین کے لئے سزاوار ہے۔ عقلاء زمانہ تعلقاتِ دُنیا سے خاصکر اس لئے احتیاط کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو شر و فساد سے محفوظ رکھیں۔ جب مامون کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا۔ آپ نے فرمایا اے امیر اگر یہ خلافت تمہاری اس حیثیت سے ہے کہ خدا نے یہ خلعت تمہیں عطا فرمایا تو اپنے جسم سے اُتار کر دوسروں کو پہنا دینا کب روا ہے۔ اور تم کو دینے کا کیا حق ہے۔ اور اگر یہ پرایا مال ہے تو تم کو دینے کا کیا استحقاق ہے۔ حضرت کا یہ ارشاد ایک معجزۂ بیان ہے کہ ایک بادشاہِ جابر کے سامنے امرِ حق کا اس حسن سے ادا کرنا کہ مرکزِ حقیقت سے متجاوز نہ ہو معصوم ہی کا کام ہے۔

حضرت کا مطلب واضح ہو گیا کہ خلافت کوئی ایسی شے نہیں کہ جو تمہارے دینے سے ہمیں ملے یہ منصوص من اللہ ہے تم کو دینے کا کیا حق اور میں تیرے دینے کا کب محتاج ہوں۔ اگر وہ صفات مجھ میں ہیں جو خلیفۃ اللہ میں ہونا چاہئیں تو میں اس کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں۔ اگر وہ صفات نہیں رکھتا تو تیرے دینے سے کیا ہوتا ہے!

اس وقت اتنے ہی پر بات ٹل گئی، دو چار روز بعد مامون نے حضرت کو پھر قصرِ شاہی میں طلب کیا اور رعبِ شاہی ڈال کر حضرت سے کہا اگر آپ امرِ خلافت نہیں منظور کرتے تو میری ولیعہدی قبول کرنا ہوگی۔ حضرت نے فرمایا مجھے اپنے آبا رطاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے معلوم ہوا ہے کہ یہ امر تمام نہ ہوگا اور بالآخر میں زہر سے شہید کیا جاؤں گا۔ مامون نے عرض کیا۔ کس کی مجال ہے جو میری زندگی میں یہ جسارت کرے۔ حضرت نے فرمایا اگر مناسب ہوتا میں نام بھی

بنا دیا۔ مگر قبل واقعہ الزام خلافِ عقل و مصالح ہے۔

بہر حال جب حضرت نے دلائلِ عقلی اور حجّتِ شرعی سے اپنی تمام مجبوریاں بیان کر دیں تو مامون کو طیش آگیا۔ صولتِ سلطانی و شوکتِ شاہی کے جذبات نے از خود رفتہ کر دیا اور بر کمالِ غضب کہنے لگا اب اگر میری استدعا و التجا مسترد ہوئی تو میں توہینِ سلطانی اور تحقیرِ فرمانِ شاہی کے جرم میں آپ کے قتل کرنے پر مجبور ہوں گا۔

حضرت یہ کلمات سُن کر خاموش ہو گئے اور کچھ دیر سکوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے اور تم نے اس حد تک ہتیہ کر لیا ہے تو اب مجھ کو حکمِ شاہی کی تعمیل میں عذر کی گنجائش نہیں۔ میں اس شرط سے ولیعہدی قبول کرتا ہوں کہ کاروبارِ سلطنت میں دخل نہ دوں گا عزل و نصب اور معاملاتِ مالی میں مجھ کو مجبور نہ کیا جائے۔ جس مشورہ کی ضرورت ہو میں خود محسوس کروں گا حکمِ خدا اور رسول کے مطابق عرض کر دوں گا۔ مامون حضرت سے یہ الفاظ سُن کر مطمئن ہو گیا چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور عرض کی مجھے آپ کی یہ شرطیں منظور ہیں۔ پھر حضرت نے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کئے اور فرمایا خدا تو خوب جانتا ہے میں نے بر خوفِ ہلاکت بہ مجبوری اس امر کو قبول کیا ہے، مجھے اسی طرح معاف کرنا جس طرح یوسف پیغمبر اور دانیال کو معاف کرتا رہا۔ بارِ الہٰا سوائے تیرے عہد کے استوار نہیں اور سوائے تیری ولایت کے کوئی ولایت نہیں۔ مجھے اپنے نبی کے دین اور سنت و پیروی پر قائم رکھ۔ یہ دعا فرما کر حضرت بہ کمالِ حزن و ملال دولتسرا پر تشریف لے گئے۔ ملاحظہ ہو! امام کا وجود ہر زمانہ میں ضروری اور مفید ثابت ہوا ہے۔ آج صاحبِ اختیار بادشاہ کو گوشہ نشین امام کی طرف رجوع کرنا پڑی اور سلطنت کی پشت پناہ امام کو قرار دیا۔ امام نے بھی دکھا دیا کہ ہم حکومتِ دُنیا اور سلطنت کی ہوس نہیں رکھتے خلافتِ الٰہیہ جس کا حق ہے وہ اس کے پاس ہے۔ صلوٰۃ!

بہر نہج مامون کو جب اطمینان ہو گیا بدستخطِ خاص تمام ممالکِ محروسہ میں فرمان جاری کر دیے کہ

۱: مامون کے اس واضح بیان کے بعد بھی دُنیا میں کوئی مامون کو شیعہ کہہ سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو مفصل تقریر مامون رشید کتاب مقاتل الطالبین و شواہد النبوۃ و روضۃ الصفا جس کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ (ابوالبیان)

کہ مسرّتِ ولیعہدی میں تمام ارکانِ سلطنت و وزراء و امراء و علماء، اور رعایا شریکِ دربار ہوں۔ اور امام کی بیعت کے لئے لباسِ سبز پہن کر آئیں۔ لباسِ سیاہ یکسر ترک کیا جائے۔ علم اور نشانوں کے پھریرے سب سبز ہوں کہ یہ سادات کی علامت ہے۔ اور اس مسرّت میں ایک سال کا آذوقہ سب کو عطا کیا جائے۔ روزِ پنجشنبہ یکم رمضان ۲۰۱ھ تاریخ دربارِ ولیعہدی مقرر ہوئی ہے سب تحفے اور ہدیے لے کر حاضر ہوں۔

اعلانِ دربار یکم رمضان ۲۰۱ھ

تحفہ رضویہ

روزِ موعود کی صبح آسمانِ مسرّت پر جلوہ گر ہوئی۔ خورشید تمنّا کی کرنیں دست بیع ہونے کے لئے بڑھیں۔ عکسِ خورشید نے دامنِ آرزو کشادہ کیا۔ دربار آراستہ ہوا۔ اطلس و دیبا کے رنگین پردے آویزاں ہوئے۔ اعلیٰ اور بیش قیمت قالین، بصری توشکوں کا فرش کیا گیا۔ صدر میں بساطِ شاہی اور اس کے دائیں جانب اورنگِ ولیعہدی سجائی گئی۔

دربار ولیعہدی

تحفہ رضویہ بسطامی

مسندِ شاہی کے بائیں جانب مسندِ وزارت بچھائی گئی۔ صبح سے لوگ اپنے اپنے منصب کے موافق ادب سے بیٹھ گئے۔ علماء و فضلاء کی قطار داہنی جانب امام عالی مقام کی فصاحت و بلاغت کے مشتاق عہدیدار اپنے منصب پر مامور۔ وزیرِ سلطنت جلوسِ معینہ سے آ کر اپنی مسند پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد مامون کی آمد ہوئی۔ سب تعظیمِ سلطانی بجا لائے۔ مامون بھی مسندِ شاہی پر متمکن ہوا۔ فضل وزیرِ سلطنت مع فوج و سامانِ حشم و خدم حضرت کے استقبال کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت بہ تجمّل و وقارِ امامت اپنے مرکبِ خاص پر جلوسِ شاہی کے ہمراہ دولت سرا سے روانہ ہوئے اس وقت عمامہ سبز سرِ مقدس پر گیسوئے مشکبوئے رسول دوش پر خلعت خضرا زیبِ جسم۔ کمر میں شمشیر آبدار دستِ مبارک میں مرجان کی تسبیح، دوشِ مبارک پر عبائے سیاہ، ایک پیکرِ نور تھا جو لباسِ خضرا میں پوشیدہ تھا۔ چہرہ پر نور پہ ہلالی عمامہ گویا چاند کے گرد ہالہ کا نمونہ تھا۔ حضرت نگاہ نیچی لئے زیرِ لب کوئی دعا تلاوت فرماتے تھے۔ جب اس کرّ و فر سے سواری بارگاہ کے قریب پہنچی نقیبوں نے صدائیں بلند کیں، اہلِ دربار تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ مامون چند قدم استقبال کو بڑھا۔ شانۂ مبارک کو بوسہ دیا۔ علماء نے دست بوسی کی۔ مامون نے ہاتھ پکڑا۔ حضرت کو مسندِ ولایت پر بٹھایا اور خود کھڑے ہو کر خطبہ میں بعد حمد و نعت مختصر فضائل اور حضرت کے کمالات کا ذکر کر کے عہدۂ ولایت پیش کیا۔ اس کے بعد اپنے بیٹے عباس کو بیعت کے لئے حاضر کیا۔ پھر بتدریج وزراء و علماء و امراء

اراکین سلطنت ورعایا نے بیعت کی۔

حضرت اس طرح بیعت لیتے تھے کہ جب کوئی آپ کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا تو آپ پہلے اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیرتے تھے اور اپنا ہاتھ بالائے دست رکھتے تھے۔ مامون نے کہا یابن رسول اللہ آپ ہاتھ دراز کیجیے۔ فرمایا حضرت رسول کریمؐ اسی طرح بیعت لیتے تھے جس طرح میں بیعت لیتا ہوں۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ یُبَایِعُونَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ۔ گو حضرت نے نکثِ بیعت کو بھی قرآن سے بتلا دیا کہ میرا کچھ ہرج نہیں جو بیعت توڑے گا اس نے اپنے لیے بُرائی مول لی۔ غرض تکمیلِ بیعت کے بعد دُرو جواہر نثار کئے گئے۔ تحفہ و ہدیہ پیش ہوئے۔ انعام و جاگیر شاہ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ شعرا نے قصیدے پڑھے، خلعت پائے۔ جب یہ مراحل ختم ہو چکے مامون نے علمار کی درخواست پر حضرت سے عرض کیا یابن رسول اللہ لوگ آپ کی فصاحتِ مورو ثی کے کمال مشتاق ہیں کچھ ارشاد فرمائیے۔ حکم کی دیر تھی۔ ایک منبر جواہر نگار نصب کیا گیا۔ حضرت منبر پر تشریف لے گئے۔ رعایاتِ ولیعہدی ملحوظ رکھ کر حضرت نے ہاشمی لحن سے ایک مختصر خطبہ پڑھا اہل دربار وجد میں جھومتے تھے طلاب نقلیں لکھ رہے تھے۔[۱]

مامون نے کہا اے ابو الحسن آج اگر فصحار عرب زندہ ہوتے جن کو اپنی فصاحت پر ناز تھا وہ بھی تمہاری فصاحت کو سجدہ کرتے۔ پھر مامون نے حکم دیا کہ حضرت کی ولیعہدی کا سکّہ جاری ہو۔ چنانچہ مامون کے نام کے ساتھ دوسری جانب حضرت کا نام سکّہ پر نقش کیا گیا جو اب تک خانۂ ایران اور مصر وغیرہ میں موجود ہے۔[۲]

بخیر و خوبی دربار برخاست ہوا۔ بیعتِ غدیر کے بعد آج یہ دوسری بیعت ہے جو امام کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ امام عالی مقام نے حُسنِ بیان سے اہلِ دربار کے سامنے رسول کی بیعت بھی یاد دلائی۔

۱۔ خطبہ اگر دیکھنا ہو عیون اخبار الرضا میں اور طبقۂ رضا میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ سکّہ حضرت کے عہد کا خراسان میں بعض حضرات کے پاس ہے میں نے بھی زیارت کی ہے۔ ایک طرف خلیفہ مامون رشید دوسری طرف حضرت کا اسم گرامی اور سنہ ۲۰۱ھ نقش ہے۔

اور یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ سے بیعت ید اللہی کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ صلوٰۃ!
بہرحال بیعت ہوئی اور پرجوش ہاتھوں سے ہوئی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیا نتیجہ ہوا اور کس نے اپنے
نفس کے لئے برائی مول لی۔ مگر اتنا کہہ لینے دیجئے کہ یہ ہاتھ اسی کے لئے خلق ہوئے تھے۔ خدا نے
ان ہاتھوں کو سب ہاتھوں سے مافوق رہنے کے لئے پیدا کیا۔ ہم کو ان کا دستِ نگر بنایا اور وہ
یَدُ اللّٰہ کہنے کے مصداق ہیں۔ ان ہاتھوں میں وہی مشکل کشائی کی قوت اور وہی حاجت برآری
کے اختیارات تام بھی علی، لقب مبارک بھی ابوالحسن۔ مگر قد و قامت رسول کے برابر رفتار و گفتار
میں محبوب خدا کی دلآویزی شباہت میں حبیب خدا کی ملاحت و دلفریبی (تاریخ ولادت سلیماہ
۲۵ بھی لکھتے ہیں اور ۱۱ ذیقعدہ بھی مگر آستانہ مبارک حرم مطہر میں ۱۱ ذی قعدہ کو جشنِ ولادت
کی مخصوص ہوتی ہے۔ اور ایک دربار مخصوص کیا جاتا ہے۔ شاہ عباس صفوی کے عہد میں یہ دربار
بہت بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا اور اشرفیاں تقسیم ہوتی تھیں۔ تین روز عام طور پر دعوتِ مومنین ہوتی
تھی۔ (اب مخصوصین کو اشرفیاں دی جاتی ہیں۔)

ولادت باسعادت ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۸ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۷۶۵ء
فصل الخطاب وسیلۃ النجاۃ جلاء العیون

روضۂ مبارک میں قبر مطہر پر زر و جواہر نثار کرتے تھے۔ ہم صلوٰۃ کا ہدیہ کیوں نہ پیش کریں اس
ہدیہ میں خود ذاتِ باری تعالیٰ ہماری شریک ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
روزِ ولادت بڑا مبارک روز تھا۔ محبیہ آسمانی کھلے ہوئے تھے۔ ملائکہ صف در صف نازل ہوتے
تھے۔ جنابِ نجمہ ام البنین آپ کی مادرِ گرامی خود ناقل ہیں کہ جب تک وضع حمل نہیں ہوا مجھ کو گرانی
حمل کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ سوتے میں آواز تسبیح و تہلیل سنا کرتی تھی۔ جب وقت وضع حمل
قریب ہوا تو مجھ پر اضطراب طاری ہو گیا۔ ناگاہ آپ کی ولادت ہوئی صلوٰۃ۔ جب آپ کی
ولادت ہوئی تو دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیے اور سرِ مبارک آسمان کی طرف بلند فرما کر زبانِ
مبارک سے کچھ پڑھا جو میں نہ سمجھی۔ مجھ پر کمال خوف طاری ہوا۔ ناگاہ آپ کے والد بزرگوار امام
موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا مبارک ہو اے نجمہ کہ جو کرامت و شرف خدا نے
تم کو عطا فرمایا اور کسی کو نہیں ملا۔ لاؤ میرے فرزند کو پس میں نے ایک پارچہ سفید میں لپیٹ کر دیدیا

نوٹ: ہلال کے اندر کی عبارت محفلِ میلاد کے لئے مختص ہے اس پر ختم کر کے قصیدہ پڑھنا چاہئے۔

آپ نے داہنے کان میں اذان بائیں میں اقامت کہی اور آپ فرات و خرمہ سے تحنیک فرمایا پھر مجھ کو واپس دیا اور فرمایا اس کو لے لو کہ یہ بقیۃ خدا اور حجتِ الہٰی ہے۔ صاحب تحفہ رضویہ لطائی تحریر فرماتے ہیں کہ معظمہ نے فرمایا قسم بخدا یہ بچہ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ اور ہر آلائش سے پاک تھا۔ صلوٰۃ!

لیکن مومنین! آپ کی بیعت کا وہی انجام ہوا جو امیر المومنین علیہ السلام سے بیعت کرنے والوں نے کیا بلکہ یہاں بیعت توڑنا کیا رشتۂ حیات کو منقطع کر دیا۔ جو مؤرخین مامون کو شیعہ سمجھتے ہیں ان کو دفعتہً یہ کہنے میں ضرور تامل ہوگا کہ مامون نے باوجود اس قدر اظہارِ خلوص کے حضرت کو زہر دے دیا۔ مگر واقعاتِ صحیحہ اس تصفیہ پر ہر انصاف والے کو مجبور کرتے ہیں کہ سوائے مامون کے اور کسی کو زہر دینے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اگر مامون در اصل شیعہ ہوتا تو کسی کی مجال نہ تھی جو یہ جسارت کرتا۔ مختصر طور پر حضرت کے طلب کرنے کے اسباب بیان کئے جا چکے ہیں۔ فضل مامون کا وزیر اب تک عراق و حجاز و شام کے واقعات پوشیدہ کرتا رہا۔ اس ولیعہدی کے بعد حضرت کے ایک شیعہ دوست فضل بن ربیع وزیر ہارون نے جو عراق میں تھا تمام واقعاتِ عراق بہ نظر خیر خواہی حضرت کو لکھ دیئے اور بدامنی و بغاوت کے مفصل اسباب بھی ظاہر کر دیئے حضرت نے ایک روز تخلیہ میں مامون کو تمام امور سے مطلع فرما کر ارشاد فرمایا۔ اصل وجہ مخالفت اہلِ عراق کو تیرے وزیر کے بھائی حسن کی حکومت سے ہے اور اب میری ولیعہدی سے بنی عباس مجھ سے بالکل ناراض ہیں۔ اب مناسب یہ ہے کہ تو خود کارِ سلطنت انجام دے اور عراق زمین پہنچ کر سب کی شکایتوں کو سن کر مناسب تدارک کر۔ مامون یہ سن کر حیرت میں آگیا اور اسی وقت سے اپنے وزیر سے دل میں برداشتہ خاطر ہو کر درپئے قتل ہو گیا۔ ایک اعلان اپنے دستخطِ خاص سے عمالِ عراق و حجاز کے نام جاری کر دیا کہ اصلاحِ امورِ سلطنت کے لئے میں خود آتا ہوں اور سامان سفر درست کر کے دار السلطنت مرو سے مع وزیرِ سلطنت اور حضرت کے کوچ کر دیا۔

باب شہادت روضۃ الصفا

فضل ان کارروائیوں سے گھبرایا کبھی حضرت سے کہتا تھا کہ اگر حکم دیجئے مامون کو قتل کرا دوں اور کبھی مامون کو حضرت کی طرف سے آمادہ کرتا تھا۔ مگر مامون نے خوب سمجھ لیا کہ بغیر فضل کو ختم کئے فتنۂ عراق فرو نہ ہوگا۔ نہایت ہوشیاری سے ایک حمام میں فضل کو قتل کرا دیا۔ صبح کو جب خبر

فضل سرخسی وزیر کا قتل — روضۃ الصفا، فصل الخطاب

قتل مشہور ہوئی تمام ایرانی اور فضل کے اہل جتبیلہ بگڑ گئے اور بارگاہ مامون کو اس مقصد سے گھیر لیا کہ اس کو قتل کر کے فضل کا بدلہ لیں۔ مامون خوش قسمتی سے اس وقت حضرت کے پاس تھا۔ جب مامون کے ملازمین نے آکر اطلاع کی، مامون گھبرا گیا اور حضرت کی پناہ لے کر عرض کرنے لگا۔ اے ابو الحسن اس وقت میرے کام آؤ اور میری مدد کرو، آپ ہی اس فتنے کو فرو کر سکتے ہیں۔ حضرت نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو کر بارگاہ سلطانی پر پہنچ گئے۔ دیکھا لوگ شور و غل کر رہے ہیں۔ حضرت نے ایک ڈانٹ بتائی سب خوف سے کانپنے لگے۔ اور عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ جو حکم دیجئے ہم حاضر ہیں۔ فرمایا شائستگی سے بادشاہ کی خدمت میں عرض کرو وہ قاتلانِ فضل کا واقعی تدارک کرے گا۔ اس ہنگامہ سے باز آؤ اور اپنے اپنے مقام پر چلے جاؤ۔ کلام امام کا اثر تھا کہ سب سر خم کئے چلے گئے۔ مگر افسوس مامون اس احسان کو بھی فراموش کر گیا اور اس سکون کے بعد اب اس کو جس بات کی فکر تھی وہ حضرت کے قتل کی۔

حضرت خبر شہادت دیتے ہیں — لمعۃ الضیا، روضۃ الصفا

بہر حال مامون یہاں سے کوچ کر کے دو منزلوں کے بعد خراسان پہنچا جہاں اس کے باپ کا قبہ بنا ہوا تھا جو قبہ ہارونیہ کے نام سے مشہور تھا۔

ہرثمہ ابن اعین حضرت کا رفیق ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مجھ کو دو روز قبل شہادت حضرت نے شب کو اپنے خیمہ میں بلایا اور تخلیہ میں فرمایا اے ہرثمہ میں عنقریب اپنے خدائے عزوجل سے ملحق ہونے والا ہوں۔ اے ہرثمہ یہ باغی انگور اور آب انار میں مجھ کو زہر دے گا اس کے بعد حضرت نے وہ تمام طریقہ زہر کی آمیزش کا بیان فرمایا اور اپنے غسل و کفن کے متعلق ہدایتیں کیں۔ ہرثمہ کہتے ہیں پھر ارشاد ہوا اے ہرثمہ مامون اپنی برأت کے لئے میرے غسل و کفن میں اہتمام بلیغ کرنا چاہے گا۔ مگر تم اس کو تخلیہ میں بلا کر کہہ دینا کہ موسیٰ رضا علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ اگر میرے ان معاملات میں دخل دو گے تو عذاب دنیا سے نجات نہیں۔ پھر خوف سے وہ دخل نہ دے گا۔ اے ہرثمہ تم اس سفید خیمے میں میری لاش پہنچا دینا اور پردہ بند کر دینا۔ جب تک خود سے پردہ اٹھا ہوا نہ ملے کوئی داخل نہ ہو ورنہ ہلاک ہو جائیگا۔ جب خیمہ کا پردہ بلند ہو تم کو میری لاش غسل سے آراستہ

---

۱ صاحب روضۃ الصفا نے ابو صلت کا نام لکھا ہے صرف نام یا بعض الفاظ کا فرق ہے۔

ملے گی۔ پھر میرے جنازہ کو مدفن تک لے جانا۔ مامون بھی میرے جنازہ کے ساتھ ہوگا۔ اپنے باپ ہارون کے پائیں میری قبر کھدوائیگا مگر وہاں آلات کارگر نہ ہوں گے۔ اس وقت تم گوشۂ شمالی و مغربی میں میری قبر کھدوانا وہاں تم کو ایک قبر کھدی ہوئی تیار ملے گی جس میں پانی نکلے گا اور چھوٹی مچھلیاں تیرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اس کے بعد ایک بڑی مچھلی پیدا ہوگی۔ جو سب کو کھا کر غائب ہو جائیگی اے ہرثمہ جب پانی بھی غائب ہو جائے میری میت قبر میں رکھ دینا قبر خود بخود بند ہو جائیگی۔ ہرثمہ کہتا ہے میں یہ سن کر رونے لگا۔ حضرت نے فرمایا ہرثمہ صبر کرو جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنا یہ فرما کر رخصت کیا۔

ابوصلت کہتے ہیں کہ حضرت نے مجھ سے یہ سب واقعات بیان کر دیے تھے اس کے بعد فرمایا۔ ابوصلت جب میں مامون کے پاس جاؤں اور پھر واپس آؤں اگر میرا سر چادر سے ڈھکا ہو تو سمجھ لینا کہ میں مسموم ہو گیا۔ پھر مجھ سے کلام نہ کرنا اور میرے منہ دھونے کے لئے آب گرم حاضر کر دینا۔ ابوصلت بیان کرتا ہے کہ تھوڑے عرصے میں مامون نے بلا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ نہ آئیں گے تو میں خود آتا ہوں۔ حضرت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ مامون حضرت کو دیکھ کر تعظیم کو کھڑا ہو گیا۔ اور پیشانی و شانہ کا بوسہ دے کر پہلو میں بٹھایا۔ کچھ باتیں کرنے کے بعد عرض کیا میں نے ایک خاص قسم کے نہایت عمدہ انگور منگائے ہیں۔ پھر غلام کو حکم دیا وہ انگور لاؤ جو ہم نے خاص قسم کے منگائے ہیں۔ غلام انگور کا طبق لایا۔ مامون نے وہ طبق بڑھا کر حضرت سے اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا مجھ کو معاف رکھو میں اس وقت ان میں سے کوئی دانہ نہ کھاؤں گا۔ مامون نے کہا اے ابوالحسن میں آپ کو عزیز رکھتا ہوں اور آپ مجھ سے بدگمان ہوتے ہیں۔ حضرت نے تین دانے انگور کے اٹھا کر نوش فرمائے۔

ہرثمہ سے روایت ہے کہ میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا میں نے ضبط سے کام لیا پھر مامون نے آب انار طلب کیا جس میں زہر شامل تھا وہ بھی حضرت کو بہ اصرار تمام پلایا۔ حضرت آب انار پیتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے کہا آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا جہاں تو نے بھیجا ہے میں جاتا ہوں۔ پھر جب حضرت نکلے تو ردا ڈال لی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

حضرت اپنے خیمے میں تشریف لائے ابوصلت چہرۂ مبارک دیکھ کر سمجھ گیا کہ مامون اپنے مقصد میں

کامیاب ہوا پھر حضرت اپنے بستر میں چلے گئے۔ اور اثر زہر سے کروٹیں لینے لگے۔ کبھی کروٹ لیتے تھے اور کبھی اٹھ بیٹھتے تھے۔ ہرثمہ بیان کرتا ہے کہ میں درخیمہ پر ٹھہر گیا۔ اندرونِ خیمہ سے کسی کے باتیں کرنے کی آواز آتی رہی، اس کے بعد کچھ دیر سکوت رہا پھر ظروف کے کھڑکھڑانے اور پانی گرنے کی میں نے آواز سنی میں سمجھ گیا کہ حضرت نے رحلت فرمائی اور غسل دیا جا رہا ہے۔ امام کی غربت و تنہائی پر روتا رہا۔ تھوڑے عرصے کے بعد پردہ بلند ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت کی میت غسل و کفن سے آراستہ رکھی ہوئی ہے۔ میں نے مامون کو خبر کی اس نے اظہارِ غم میں پہلے رونا پیٹنا شروع کیا پھر غسل و کفن کا حکم دیا۔ میں نے تخلیہ میں امام کی وصیت بیان کر دی۔ مامون خوف سے کانپنے لگا اور کہا دیکھنا اے ہرثمہ اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ پھر گریہ و زاری کرتا ہوا خیمے سے آیا اور اپنے رفقاء اور غلاموں کے ساتھ نماز پڑھ کر جنازہ اپنے کندھے پر قبۂ ہارونیہ میں لایا۔

قبر میں وہی سب صورتیں پیش آئیں جیسا ہرثمہ سے اپنی وصیتوں میں ذکر فرمایا تھا جب ہارون کے پائیں زمین نہ کھد سکی بالائے سر قبر کھودی گئی اور وہ سب علامات ظاہر ہوئے جو امام نے فرما دیے تھے۔ غرض حضرت کو دفن کر کے ہارون نے اپنی برأت کے لئے اظہارِ غم میں بڑا مبالغہ کیا اور عام فرمان جاری کر دیا کہ شہر اور دیہہ کے لوگ لباسِ عزا پہنیں پھر تین روز تک شہر طوس میں حضرت کا ماتم رہا۔ پھر بھی حضرت کی موت غربت کی موت کہی جاتی ہے اور امام غریب خطاب ہو گیا۔ اس لئے کہ اُس وقت کوئی اپنا عزیز لاش پر رونے والا نہ تھا۔ حضرت کے فرزند بہ اعجاز غسل و کفن کے لئے آئے بھی تو دل کھول کر رو نہ سکے۔ بھائی کی شیدائی بہن جو اشتیاق سے بیتاب ہو کر مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں بھائی تک نہ پہنچنے پائیں منزلِ سادہ میں خود علیل ہو گئیں۔ اسی اثنا میں حضرت کی شہادت واقع ہوئی۔ جب شہر قم کے قریب پہنچیں امام کے غم میں تمام شہر سیاہ پوش تھا۔ موسیٰ بن خزرج رئیس خواہرِ امام کی آمد سن کر مع شرفاء شہر کے باہر نکلا جب سواری قریب آ گئی جناب فاطمہ خواہرِ امام نے

نوٹ: عمر شریف ۵۵ سال سے زائد ثابت نہیں۔ ولیعہدی دو سال ۵ ماہ ۱۰ ایام۔ عہد امامت ۲۰ سال۔ قبر مبارک طوس سے جو فرسخ قبۂ ہارونیہ میں ہے۔ قبر ہارون کو شاہ سنجر نے کھدوا کر ہڈیاں تک نکلوا ڈالیں۔ مقام قم شہر طہران سے ۹۰ میل ہے نہایت خوبصورت شہر ہے۔ خراسان تہران سے ۷۰۰ میل کے قریب ہے۔

سعاد شہر پر نظر کی دیکھا لوگ سیہ پوش سر برہنہ چلے آ رہے ہیں۔ کنیز کو حکم دیا دریافت کرو کیا ان کا کوئی رئیس قبیلہ مر گیا ہے جو سیاہ پوش اور برہنہ ہیں۔ کنیز نے جب جناب معصومہ کا پیام پہنچایا موسیٰ بن خزرج خاموش ہو گیا کہ بہن کے سامنے بھائی کی خبر وفات دفعتہً کیونکر بیان کروں۔ جب جناب معصومہ کی طرف سے اصرار کیا گیا۔ موسیٰ رونے لگا اور عرض کی اے معصومہ خدا آپ کو بھائی کے غم میں صبر بزرگ عطا فرمائے۔ آپ نے یہ سنتے ہی سر اپنا چوب محمل سے ٹکرا دیا اور کثرتِ غم سے بیہوش ہو گئیں۔ کنیزوں نے خبر کی۔ ناقہ بٹھا دیا گیا۔ موسیٰ نے قناتیں حاضر کیں ہر طرف سے پردے کا اہتمام کیا گیا۔ اور جناب معصومہ ایک حجرہ میں لا کر اتاری گئیں۔ طبیب علاج کے واسطے حاضر ہوئے جب کسی وقت ہوش آتا تھا غریب الوطن بھائی کہہ کر روتی تھیں اور پھر غش کر جاتی تھیں یہاں تک کہ اسی صدمہ سے ۱۰ روز کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ قم کی عورتوں نے اتفاق کیا کہ ہم خود امام زادی کو دفن کریں گے۔ غرض عورتوں نے قبر کھودی اور عورتوں نے غسل و کفن دیکر جنازہ شب کو اٹھایا دفن میں کسی مرد کو قریب نہ آنے دیا۔ منادی نے ندا کر دی کوئی مرد گھر سے باہر نہ نکلے شہزادی کا تابوت نکلتا ہے۔ بڑا احترام کیا اہل عجم نے امام زادی کا اور بڑی حرمت کی خواہر امام کی۔ لیکن جناب زینبؑ بھی تو امام کی بہن اور امیر المومنینؑ کی بیٹی تھیں اہل کوفہ و شام نے کیا احترام کیا۔ باب الساعات ورینبہ سے دربار تک کیونکر لے گئے۔ خود امام فرماتے ہیں۔ ہم کو مثل گوسفند کے رسیوں میں باندھ کر کشاں کشاں دربار تک لے گئے اور چلنے میں ہم کمی کرتے تھے تو کوڑے مار مار کر بڑھاتے تھے۔

شام کے مسلمانوں نے نبی زادیوں کی یہ قدر کی

اے فلک آں ابتدا ایں انتہائے اہلبیت!

قصیدہ در مدح سلطان عرب و عجم امام ہدیٰ حضرت ابوالحسن علی ابن موسیٰ الرضاؑ

دکھا دی مرتضیٰ کی شان پابند رضا ہو کر
جہاں کی مشکلیں حل کیں گرفتار بلا ہو کر

دکھا دی راہ حق غربت میں خود قبلہ نما ہو کر
خراساں بن گیا کعبہ نظیر کربلا ہو کر

تمہارے روضۂ انور پہ صدقے گلشن جنت
بہار خلد آئی صحن اقدس کی فضا ہو کر

سلاطیں روضۂ عالی کی خدمت فخر سمجھے ہیں
ملک نازاں ہیں تیرے آستاں کے جبہ سا ہو کر

تمہارے گنبدِ پُر نور کا ہے عکس گردوں پر
منور کرتا ہے دُنیا کو جو شمس الضحیٰ ہو کر

نمونۂ قصرِ جنّت کا نظر آتا ہے دُنیا میں
حرم میں جاتے ہیں زائر جو ایوانِ طلا ہو کر

ہر آئینہ ترے روضہ کا ہے جلوہ نمائے حق
چمک جاتا ہے دل مومن کا ایماں کی ضیا ہو کر

عرب سے آپ کیا آئے کہ ایماں کی بہار آئی
عجم نے پائی عزت مرکزِ اہلِ ولا ہو کر

بہت مشتاق تھے اہلِ عجم نورِ رسالت کے
زمینِ طوس کا چمکا ستارا نقشِ پا ہو کر

دیارِ طوس کے ہر ذرۂ خاکی میں کھنچ آئی
بہارِ گلشنِ جنّت پیمبر کی دُعا ہو کر

تمہارا امتحانِ نفس تھا منظورِ خالق کو
اطاعت بادشاہِ جور کی مشکل کشا ہو کر

علوِ نفس کی یہ آخری منزل ہے اے مولا
ولیعہدی کرو تم جانشینِ مصطفےٰ ہو کر

ولیعہدی میں بھی تھا رختِ کہنہ جسمِ حضرت پر
قناعت نے نہ چھوڑا ساتھ پیوندِ عبا ہو کر

زہے زورِ مسرت آج حضرت کی ولادت ہے
مبارک ہو حضور آئے ہمارے پیشوا ہو کر

سلیم اب تو دلِ مضطر کا یہ ہر دم تقاضا ہے
چلو مشہد چلو مشہد نجف اور کربلا ہو کر

مؤلف ستمبر ۱۹۳۳ء میں مشرف بہ زیارت ہوا۔

بیان اٹھائیسواں

طفلی میں نبوت و امامت۔ امام محمد تقی علیہ السلام کی فضیلت اور بچپن میں کمالات حضرت کی شادی دختر مامون سے۔ ولادت و شہادت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

خداوند عالم قرآن میں تذکرہ فرماتا ہے۔ جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم تم کو خدا اپنے کلمہ کی خوش خبری دیتا ہے جس کا نام عیسیٰ مسیح ہوگا دنیا و آخرت میں وہ وجیہ اور مقرب بندوں میں شمار ہوگا اور لوگوں سے وہ بچپن اور بڑھاپے میں باتیں کرے گا اور صالحین سے ہوگا۔

عیسیٰ مسیح کے تذکرہ سے خداوند عالم یہ ثابت کر رہا ہے کہ جو کلمۃ اللہ ہے اس کا بچپن کیا اور بڑھاپا کیا۔ وہ ہر وقت کلام کر سکتا ہے۔ یہ لوگ بطنِ مادر میں ہوں جب بھی باتیں کر سکتے ہیں عالم رضاعت میں ہوں جب بھی کلام کر سکتے ہیں۔ آغوشِ مہد میں ہوں جب بھی بول سکتے ہیں اور سمجھ بوجھ کر مشکل مسئلوں کا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا تھا حجج الٰہی ہدایت کے لئے ہیکل بشری میں آئے مگر ان میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ وہ فطرت عصمت لے کر آئے وہ جس عالم میں ہوں مقتدا کی مشابہت کریں گے۔ وہ جب پیدا ہوتے ہیں ناف بریدہ پیدا ہوتے ہیں۔ آلائش بطنِ مادری سے پاک وصاف پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بچپن میں بھی ہمارے مثل نہیں۔ ہر عہد میں ہمارے مقتدا ہر زمانہ میں انسان کے پیشوا۔ جناب عیسیٰؑ سے جھولے میں کلام کرا کے دکھلا دیا کہ یہ ہماری حجت مجسم ہیں۔ قدرت کا نمونہ ہیں۔ خدا کی قدرت سے انکار کرنے والے فلسفۂ جدید کے دلدادہ، ڈاروِن کے اصول کے پابند، اسپنسر کے شیفتہ اگر تعجب کریں تو بعید نہیں مگر ایک وہ جو قرآن کو کتاب الٰہی سمجھتا ہو کب انکار کر سکتا ہے۔ وہ دودھ پیتے بچے کا کلام کرنا خلاف فطرت بتلائیگا۔ ہم کہیں گے ان کی فطرت یہی ہے کہ جب جیسا محل ہو اور ہدایت کی ضرورت پیش آئے تو ویسا ہی فعل ان سے سرزد ہو۔ فطرتِ الٰہی قدرت پر حاوی ہے۔ خدا نے جناب مریم کے استعجاب کو رفع کرنے کے لئے فرمایا۔ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ ۳ ع ۱۳) وہ جس چیز کو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی معاملہ کو طے کر دیتا ہے تو سوائے اس کے نہیں ہے کہ فرما دے۔ ہو اور وہ ہو جائے۔ یہاں عادت کو دخل ہی نہیں۔ جب ایک بچے کو اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بے باپ کے پیدا کر کے دکھلا تو پھر تازہ مولود بچے سے کلام کرا دینا اور اس کو ہادی و پیشوا بنا دینا محل استعجاب و شک ہو سکتا ہے۔

خدا نے ایک پہچان بتلا دی اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ جو تم میں صاحبِ تقویٰ ہو گو وہ کمسن ہی کیوں نہ ہو خدا کے نزدیک قابلِ تکریم ہے۔

اللہ نے آخری ہادیوں کے لئے ہر طرح کا انتظام پہلے سے کر دیا اور ایک حجت قائم کر دی کہ بچپن پر تم دھوکا کھاؤ نہ جوانی کو غیر سمجھو۔ ان کا بچپن نبیوں کا ایسا، ان کا شباب رسولوں سے ملتا جلتا ہے۔ یہاں بہ اعتبار سن کے تغیر کو دخل ہی نہیں۔ ان کا ظاہر انسان کا ایسا بنایا اس لئے بچپن جوانی بڑھاپا نظر آتا ہے۔ باطن کو خدا نے اپنے صفات کمالیہ کا آئینہ بنایا اس لئے اس میں تغیر کو دخل نہیں جیسے بڑھاپے میں تھے ویسے ہی جوانی میں اور جیسے جوانی میں تھے بچپن میں ویسے ہی کامل العقل۔ اس لئے گروہ آئمہ میں ہر طرح کی مثال پیدا کر دی۔

ملاحظہ ہو جناب امام محمد تقی علیہ السلام کا نو دس سال کا سن تھا جب آپ درجۂ امامت پر فائز ہوتے ہیں۔ لوگوں کو شک کرنے کا موقع ملا۔ دشمنوں کو سلسلۂ امامت میں خلل ڈالنے کا حیلہ ہاتھ آیا خصوصاً فرقۂ واقفیہ جو پہلے امام رضا علیہ السلام سے مخالفت کرتا رہا۔ امتحان لینے کے بعد کچھ خاموش ہو گیا۔ اور بعض نے توبہ کی لیکن حضرت کے بعد پھر سب نے اتفاق کیا کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام کیونکر امام ہو سکتے ہیں جبکہ بالغ بھی نہیں ہوئے۔ ان لوگوں کا منتخب گروہ مناظرہ کے لئے آستانہ مبارک پر حاضر ہوا۔ آپ نے ان سے سوال کیا تم جناب عیسیٰؑ کے باب میں کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ جواب دیا وہ نبی خدا تھے، روح اللہ تھے حضرت نے فرمایا کیا ثبوت ہے عرض کی قرآن ہے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ حضرت نے فرمایا۔ بس یہی حجت میرے واسطے کافی ہے۔ اب کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ پھر ہر ایک نے آپ سے سوال کرنا شروع کئے اور آپ نے جوابات شافی دے کر سب کو قائل کر دیا۔ یہاں تک کہ صبح سے شام ہو گئی۔ اور بعض ایمان لائے اور جو نہیں بھی لائے اور وہ کہہ کر اٹھ گئے کہ ہم غور کریں گے۔

امام محمد تقی کی مخالفت حدائق اردو بیلی

جو صاحبانِ فہم تھے وہ آپ کے عہدِ طفولیت کو کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اسی طرح تعظیم و تکریم بجا لاتے تھے۔ جو امام کے شایانِ شان تھی۔ علی ابن جعفر صادق علیہ السلام عمر رسیدہ بزرگ اور مقدس تھے۔ مدینہ میں آپ کا بڑا وقار تھا۔ مسجد میں آپ کا درس بڑے پیمانہ پر جاری تھا۔ آپ کے شاگردوں میں اسمٰعیل بن ابراہیم ناقل ہیں کہ ایک روز حضرت جواد علیہ السلام اس طرف آ گئے جبکہ بارہ تیرہ سال کا سن تھا۔ علی ابن جعفر با ایں بزرگی و پیرانہ سالی کھڑے ہو گئے۔ اور دوڑ کر دونوں ہاتھ چوم لئے۔ اور پیشانی پر بوسہ دے کر آداب تعظیم و مراسم تکریم بجا لائے۔ تمام شاگرد حیرت سے

دیکھا کئے۔ آخر خود امام نے فرمایا۔ واہ واہ احسان خدا آپ پر رحمت نازل کرے اب آپ بیٹھ جائیے میری وجہ سے زحمت نہ اٹھائیے۔ سید بزرگ نے فرمایا بیٹا یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کھڑے رہیں اور میں بیٹھ جاؤں۔ حضرت ان کی خاطر سے بیٹھ گئے۔ اور تھوڑی دیر تشریف رکھ کر رخصت ہوئے۔ سید بزرگ چند قدم پہنچانے گئے۔ جب واپس ہوئے شاگردوں نے عرض کی آپ تو ان کے دادا ہیں ان کے باپ کے بھی بزرگ۔ پھر اس قدر تعظیم و تکریم کی کیا وجہ۔ اسمٰعیل بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی سفید داڑھی غصے میں پکڑ کر فرمایا میں اس کو کیا کروں کہ خدا نے اس ریش سفید کو اس قابل نہیں سمجھا جس عظمت و بزرگی پر اس نوجوان کو سرفراز فرمایا ہے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ ان کی فضیلت سے انکار یا تعظیم میں کوتاہی کروں میں تو ان کا غلام ہوں۔ صلوٰۃ!

حضرت کا زمانۂ امامت صرف سترہ سال چند ماہ واقع ہوا جس میں پندرہ سال کے قریب مامون کے زمانۂ سلطنت میں آپ نے امامت کی۔ امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ اپنے چچا کے ہمراہ مدینہ سے بغداد چلے آئے۔ آخر ۲۰۴ھ میں مامون بھی ایران سے بغداد چلا آیا۔ اور تمام نزاعات کا استیصال کرکے بغداد میں رہنے لگا۔ بنی عباس کو ہموار کرنے کے لئے مامون نے اپنے بھائی معتصم باللہ کو بڑے اہتمام سے ولیعہد کرکے عام بیعت لی۔

(مامون کے اس فعل سے بھی اس کے عقیدۂ باطنی پر روشنی پڑتی ہے۔ کہ باوجود اس مسئلے کے طے شدہ ہونے کے اس نے اس عہدنامہ کے بالکل خلاف عمل کیا جو حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے وقت مامون نے جو احکام تحریر کرکے تمام عمائد و ارکین سلطنت کو بہ دستخط خود روانہ کئے تھے۔ اس میں بعد امام رضا علیہ السلام کے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان کر رہا تھا۔ اگر مامون امام کے قتل سے بری تھا اور پاک اعتقاد تھا تو حضرت کے بعد اپنے ان احکام کے موافق اس شرط پر عمل کرتا اور حضرت کو ولیعہد اور سلطنت و خلافت کا وارث سمجھتا لیکن اس نقض عہد نے سارا پردہ اٹھا دیا۔ اور اہل نظر پر ثابت ہو گیا کہ مامون کیا تھا۔)

بہرحال امام محمد تقی علیہ السلام بغداد میں تشریف فرما تھے۔ جب مامون بغداد میں آیا ہے آپ کی کم سنی کا زمانہ تھا۔ مامون ایک روز مع جلوس شاہی و سامانِ شکار کے اس طرف سے نکلا جہاں حضرت مع چند بچوں کے کھیل رہے تھے شاہی سواری دیکھ کر بھاگے حضرت اپنے مقام پر

کھڑے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف نو دس سال سے زائد نہ تھی۔ مامون ایک نو عمر بچے
کا یہ استقلال دیکھ کر حیرت میں آگیا اور پوچھا کیوں میاں صاحبزادے سب لڑکے بھاگ گئے
تم کیوں کھڑے رہے۔ آپ نے نہایت متانت سے فرمایا اے بادشاہ نہ تو راستہ تنگ تھا اور
نہ میں مجرم ہوں پھر میں کیوں بھاگتا۔ مامون یہ جواب سن کر پھڑک گیا اور سمجھا یہ کوئی ہونہار ہستی ہے
پوچھا آپ کا نام کیا ہے۔ فرمایا محمد ابن علی رضاؑ۔ مامون نے کہا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد گھوڑا بڑھا کر
نکل گیا۔ صحرا میں پہنچا۔ ایک طائر پر بہری کو رہا کیا وہ طائر غائب ہو گیا مگر کچھ دیر میں بہری ایک
چھوٹی مچھلی پنجے میں لئے واپس آئی۔ شکاری نے ازراہ تعجب بادشاہ کو دکھایا۔ مامون نے
وہ مچھلی اپنی مٹھی میں دبالی اور گھوڑا پھیر کر واپس ہوا۔ جب پھر اسی مقام پر پہنچا جہاں حضرت
پہلی مرتبہ ملے تھے۔ اس مرتبہ پھر لڑکے بھاگ گئے آپ نے توقف فرمایا۔ مامون نے قریب آکر
سوال کیا۔ صاحبزادے بتائیے میرے ہاتھ میں کیا شے ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے دریائے
قدرت میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں خلق فرمائی ہیں جن کو بادشاہوں کے شکاری پرند شکار کرتے ہیں
اور بادشاہ ان مچھلیوں کو پوشیدہ کر کے فرزندِ اہلبیتِ رسول سے اس کی ماہیت کا سوال کرتے
ہیں۔ مامون اس طرح کا جواب اور یہ تبحر علمی دیکھ کر پھڑک گیا اور کہا جُعِلتُ فِداکَ یا بنَ
رَسُولَ اللہِ آپ پر فدا ہو جاؤں میرے ساتھ دار الامارہ چلئے۔ اس وقت سے حضرت کو اپنے
ساتھ رکھنے لگا اور یہ مشغلہ ہو گیا کہ بڑے بڑے عالموں کو بلا کر حضرت سے سوال کراتا تھا اور حضرت
ان کا برجستہ جواب دیتے تھے۔ مامون ہاتھوں کے بوسے لیتا تھا اور کہتا تھا میری جان آپ پر
نثار ہو کیا کہنا، آپ کس کے فرزند ہیں۔ کئی سال اسی طرح گزرے، بنی عباس کو یہ امر بہت شاق
گزرتا تھا۔ آخر بعض بنی عباس نے مامون سے کہا آپ ایک نوعمر ہاشمی کا بڑا احترام کرتے ہیں۔
مامون نے کہا تم اپنے عالموں میں سے بڑے سے بڑا چھانٹ لاؤ اور اس سے کہو سوال کرے
بنی عباس یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انتخاب کر کے قاضی یحییٰ کو جو بغداد میں سب سے بڑے
اور علم کلام میں ممتاز عالم تھے لے آئے۔ مامون نے دربار آراستہ کیا اور اپنی مسند کے پہلو میں
ایک مسند پر حضرت کو بلا کر بٹھایا۔ اور علماء و مصاحبین کو جمع کیا جب قاضی یحییٰ کو لے کر بنی عباس
پہنچے مامون نے مراسم تعظیم بجا لا کر قاضی سے کہا آپ جو سوال چاہیں محمد ابن علی رضا علیہ السلام سے

امام کا اندازِ امتحان
صواعق
شواہد النبوۃ

بنی عباس کا حسد اور امتحان
صواعق

کیجیے۔ قاضی صاحب نے چند مشکل سوال پیش کئے آپ نے نہایت آسانی سے ان کے جوابات دے کر ارشاد فرمایا اے یحییٰ میں بھی کچھ تم سے سوال کروں۔ قاضی صاحب کو حضرت کے کمالات کا اندازہ ہو چکا تھا نہایت عاجزانہ عرض کیا جُعِلْتُ فِدَاکَ اِنْ عَرَفْتُ وَ اِلَّا اَسْتَفِیْدُہٗ مِنْکَ بسم اللہ آپ سوال کریں فدا ہوں آپ پر اگر مجھ کو معلوم ہے تو جواب دوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر لوں گا۔ حضرت نے فرمایا اچھا یہ بتائیے ایک مرد نے ایک عورت پر طلوعِ فجر کے وقت نگاہ کی جبکہ وہ اس پر حرام تھی پھر وہی عورت اس پر حلال ہو گئی اور پھر ظہر کے وقت حرام ہو گئی۔ پھر ہنگام عصر حلال ہو گئی، پھر مغرب کے وقت حرام اور عشا کے وقت مباح ہو گئی اور جب نصف شب ہوئی وہی عورت حرام ہو گئی۔ پھر صبح کو حلال ہو گئی۔ یہ صورتِ مسئلہ سمجھا دیجیے قاضی صاحب نے غور و فکر کے بعد کہا میری سمجھ میں نہیں آیا یابن رسول اللہ آپ ہی سمجھائیے یہ مسئلہ اہم ہے۔ فرمایا سنئے۔ قبل طلوع ایک کنیز تھی جو دوسرے کی ملک میں تھی حرام تھی شخص غیر نے بعد طلوع اس کو خرید لیا حلال ہو گئی ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا پھر حرام ہو گئی عصر کے وقت اس سے عقد کیا حلال ہو گئی۔ مغرب کے وقت قسم کھائی کہ مجھ پر حرام ہے (ظہار کیا) تا ادائے کفارہ حرام رہی۔ عشا کے وقت کفارہ ادا کر دیا حلال ہو گئی۔ نصف شب کو طلاق رجعی دی پھر حرام ہو گئی صبح کو رجوع کر لی پھر حلال ہو گئی۔ حضرت نے اس لطف سے اس مسئلے کو بیان فرمایا کہ مخالفین بھی وجد کرنے لگے۔ مامون نے بنی عباس کو مخاطب کر کے کہا دیکھ لیا تم نے میں کس وجہ سے اس بچے کی تعظیم کرتا ہوں۔ صلوٰۃ!

اسی وقت مامون نے حکم دیا کہ سامانِ عروسی تیار کیا جائے اپنی دختر ام الفضل کا عقد حضرت کے ساتھ مجھے منظور ہے۔ حکمِ شاہی سے خلعت و انعام کے لئے لباس خرید کیا گیا۔ محل سجایا گیا۔ دربار آراستہ ہوا۔ انعام و تصدق کے لئے خزانہ کی تھیلیاں کھول دی گئیں۔ دُر و جواہر کشتیوں میں چُنا گیا۔ جب مسند آراستہ ہو گئی ایک مسند پُر زر پر حضرت کو لا کر بٹھایا گیا خلعت دامادی طلب کیا گیا۔ مامون نے پوچھا آپ کو میری بیٹی ام الفضل سے عقد منظور ہے۔ حضرت نے خیال فرمایا کہ سب سامان مہیا کرنے کے بعد اب مجھ سے دریافت کرتا ہے۔ انکار میں ضرر صریح ہے۔ مجبوراً حضرت نے قبول فرمایا اور وہ خطبہ بہ فصاحت و بلاغت انشا فرمایا جو شیعوں کی ہر محفل شادی

ہیں پڑھا جاتا ہے اور بحمد اللہ آج تک اس روز کی یادگار قائم ہے۔ بعد خطبہ مامون اور حضرت کے درمیان صیغۂ ایجاب وقبول جاری ہوا اور مہر جناب فاطمہ پانسو درہم قرار پایا۔

فاضل اردبیلی شادی کا مختصر سامان تحریر فرماتے ہیں کہ تین روز تک دربار عام میں دعوت طعام کا انتظام رہا۔ آراستہ و پیراستہ قصر میں ہزاروں شمع کافوری کا چراغاں تھا۔ گلدستوں سے محل شاہی سجایا گیا۔ عنبر و عود کا بخور اس کثرت سے ہوا کہ شہر بغداد کی گلیاں کئی روز تک مہکتی رہیں۔ اور نقرئی اور طلائی کشتیوں میں نقل چنے گئے تھے جن پر دستخط شاہی کے رقعے پیچیدہ تھے۔ اور ہر رقعہ میں کوئی باغ یا زراعت یا قصر یا زر نقد بتعداد کثیر درج تھا وہ حضرت پر نثار کئے جاتے تھے اور لوگ لوٹ کرلے جاتے تھے۔ رقعہ میں جو شے درج ہوتی تھی وہ اس کو وزیر سلطنت عطا کرتا تھا۔ غرض بغداد میں کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو اس عقد کے تصدق سے مستفید و مستفیض نہ ہوا ہو۔ صلواۃ!

شادی کے وقت آپ کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی۔ کچھ ماہ کے بعد آپ نے مدینہ جانے کی اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے بڑی اولوالعزمی سے سامان جہیز دے کر آپ کو رخصت کیا۔ اور حشم و خدم کے ساتھ سواری روانہ ہوئی۔ دو تین منزل کے بعد آپ نے انعام و خلعت دیکر لوگوں کو واپس کیا۔ خدام خاص ہمراہ تھے۔ حضرت جب مدینہ پہنچے لوگ خوشی سے باغ باغ تھے۔ عرب میں یہ دوسری شادی اس دھوم سے ہوئی۔ جس نے جناب خدیجہ کے عقد کو یاد دلا دیا۔ وہ رسول کا پہلا عقد تھا فرزند رسول کا بیاہ۔ صلواۃ!

جب دوبارہ اہل مدینہ کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یا یوں عرض کروں کہ اہل مدینہ کے نزدیک آپ کی اسی روز ولادت ہوئی جس دن بخیر و خوبی مدینہ پلٹ کر آئے خصوصاً آپ کی پھوپھی حکیمہ کو جس قدر مسرت ہوئی وہ کم ہے۔ آپ کی ولادت کی ان معظمہ کو خاص مسرت تھی۔ محفل سرور ہے کچھ ذکر سرور چاہیے۔ نعرہ صلواۃ سے روح کو تازہ کیجیے۔ ساغر دل بادۂ محبت سے لبریز ہو تو کیف پیدا ہو۔ چاہتا ہوں خواہر امامؑ کی زبانی حالات ولادت بیان کروں۔ خود خواہر امام رضا علیہ السلام حضرت حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ مجھے میرے بزرگوار امام عالی مقام نے بلوا بھیجا اور فرمایا بہن آج کی شب آپ میرے ہاں سو جائیے کیونکہ خیزران

کے بطن سے آج شب کو فرزند پیدا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خدمت آپ کے ہاتھ سے انجام پائے۔ لیکن سب کو تعجب تھا کہ کوئی علامتِ حمل پائی نہیں جاتی۔ امام کیا فرماتے ہیں۔

معظمہ فرماتی ہیں مجھے یقین تھا کہ امام جو کچھ فرماتے ہیں ضرور واقع ہوگا۔ میں نے محلّے کی دو چار عورتیں اور بلالیں۔ نصف شب تمام ہوئی تھی کہ خیزران پر وضعِ حمل کی کیفیت طاری ہوئی۔ اب سب کو یقین ہوا میں ان کو حجرے میں لے گئی اور ایک چراغ روشن کر دیا۔ صبح صادق کا وقت تھا کہ آفتابِ امامت دنیا میں طلوع ہوا۔ میں نے دیکھا کہ بچہ ناف بریدہ پاک وصاف سجدہ میں جھکا ہوا ہے۔ جوشِ محبت میں اٹھایا اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔ پھر چراغ کے قریب لائی کہ طشت میں غسل دوں دفعۃً چراغ گل ہوگیا پھر میں نے چراغ روشن کرایا مگر پھر گل ہوگیا۔ صلواۃ!

دنیا میں یہ مثل مشہور ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ نہیں جلتا۔ مگر خانۂ امام میں اس کی تصدیق ہوگئی صلواۃ!

معظمہ فرماتی ہیں مگر چراغ گل ہونے سے مطلق تاریکی کا اثر نہ تھا بلکہ اس سے زائد نور حجرہ میں پھیل گیا۔ اسی اثنا میں برادر عالی مقام امام رضا علیہ السلام خوش خوش تشریف لائے۔ میں نے سفید پارچہ میں لپیٹ کر دے دیا۔ حضرت نے داہنے کان میں اذان اور بائیں طرف اقامت کہی۔ پھر مجھ کو دیکر فرمایا۔ بہن تین روز اس کو اپنی نگرانی میں رکھو۔ میں نے اپنے پاس جھولا ڈال دیا۔ اس وقت تک بچے نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ مجھے سخت حیرت تھی۔ تیسرے روز بچے نے آنکھیں کھول کر آسمان کو دیکھا اور بہ فصاحت کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا۔ میں نہایت خوش ہوئی اور حضرت سے آکر ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے خواہر تعجب کیا ہے یہ بچہ آیت اللہ اور وصی رسول ہے۔ صاحب حدیقہ تحریر فرماتے ہیں کہ پھر معظمہ نے عرض کی بھائی اس مولود کا نام کیا رکھا؟ فرمایا ہمارے جدِ بزرگوار اس کو اپنا ہمنام محمد قرار دے گئے ہیں۔ صحیفہ جامعہ میں تقی لقب ہے۔

اہلِ مدینہ کی مسرت بیجا نہ تھی جو مدینہ سے گیا وہ پھر پلٹ کر نہ آیا۔ امیر المومنین علیہ السلام سے اس کی ابتدا ہوئی کہ حضرت اہلِ عراق کی اصلاح کی غرض سے بصرہ اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔ مگر پلٹ کر آنا نصیب نہ ہوا۔ وادیٔ نجف میں دفن ہوئے۔ فرزندِ رسول مدینہ سے زمینِ عراق کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت کو بھی پلٹ کر جد کے مزار پر آنا نصیب نہ ہوا۔ کربلا کا جنگل آباد

آباد کیا۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون نے قید کر کے بلایا، پھر حضرت کو بھی مدینہ دیکھنا میسر نہ ہوا۔ اور زمین بغداد پر قبر کی جگہ ملی۔ امام غریب حضرت رضا علیہ السلام کو بڑی عزت سے مامون نے ایران بُلایا۔ حضرت سب سے دُور غریب الوطنی میں خراسان میں شہید کر دیئے گئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام کی واپسی مدینہ میں اس وقت ضرور باعث مسرت تھی۔ مگر مامون نے اپنی زندگی میں دامادی کا اتنا لحاظ کیا کہ حضرت کو کوئی تکلیف نہ دی اور ام الفضل اپنی دختر کی بیجا شکایتوں کا بھی لحاظ نہ کیا۔ مگر مامون کے مرنے کے بعد سنہ ۲۱۸ھ میں معتصم نے تخت سلطنت پر قدم رکھتے ہی ام الفضل کی جھوٹی شکایتوں پر رشک و حسد میں حضرت کو مکر و حیلہ سے طلب کیا اور جب آپ اپنے کمسن بچے امام علی نقی علیہ السلام کو چھوڑ کر بغداد تشریف لائے تو اسی ملعون نے ام الفضل کے کہنے سے حضرت کا دشمن جانی ہو گیا۔ ایک سال چند ماہ کے بعد حضرت کو اسی طرح زہر دیا گیا جس طرح جعدہ نے امام حسن علیہ السلام کو مسموم کیا تھا۔ بعض کا قول ہے کہ خود معتصم نے انگور رازقی میں زہر دیا۔ اور اکثر کا خیال ہے کہ ام الفضل نے خود زہر دیا۔ بہر حال حضرت مسموم ہو کر زہر کی اذیت سے تڑپتے تھے اور یہ ملعونہ خوش ہوتی تھی۔ آخر حضرت نے تڑپ تڑپ کر پانچ ذیقعدہ کو رحلت فرمائی۔ امام کے رونے والو! یہ نہ سمجھنا کہ حضرت بادشاہ وقت کے داماد تھے مامون کی طرح سے معتصم نے بھی دھوم سے جنازہ اٹھایا ہوگا۔ مگر معتبر اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتصم ملعون نے مسافر کی لاش کے ساتھ وہی ظلم کیا، امام موسیٰ کاظمؑ کا جنازہ کچھ روز پل پر رکھا رہا۔ آخر ایک عباسی کو قرابت کا خیال آگیا اور حضرت کو دھوم سے دفن کرایا۔ یہاں عباسی قوم میں نہ کسی کو پاس قرابت ہوا نہ خود معتصم نے کچھ خیال کیا۔ جو ظلم کوفہ میں ابن زیاد کے حکم سے غریب مسلمؑ پر کیا گیا تھا اسی طرح حضرت کی نعش مطہر بالائے بام لا کر چھوڑ دی گئی کوئی پرسان حال نہ تھا نہ دفن کرنے کی اجازت تھی۔ مگر جسم مبارک سے مشک و عنبر سے بہتر خوشبو پیدا ہوئی۔ اور تمام بغداد میں اس کی شہرت ہو گئی۔ لوگ اس شہادت سے خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں عذاب الٰہی نہ نازل ہو۔ کہنے سننے سے معتصم نے تیسرے روز حکم دیا کہ شیعہ اپنے امام کی لاش اٹھا لے جائیں۔

موافق روایت مصائب المعصومین جب شیعوں کو اجازت ملی حضرت کی نعش مبارک ایک

ت
و
کبریت احمر
وسیلة النجاة

دفن کا عنوان
کبریت احمر
جنات الخلود

ایک صندوق میں لیکر چلے کہ دریا میں غسل دیکر دفن کر دیں۔ بیرونِ شہر جنازہ رکھ دیا۔ ناگاہ صندوق نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔ پھر تھوڑے عرصے میں غسل و کفن سے آراستہ حضرت کا جنازہ رکھا دیکھا اور ایک صاحبزادہ جن کا چہرہ مثل چاند کے روشن تھا سرھانے کھڑے رو رہے ہیں شیعوں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ فرمایا میں انھیں بزرگوار کا فرزند علی نقی ہوں لے جاؤ اس میت کو ہمارے جدِ بزرگوار امام موسی کاظمؑ کے سپرد کردو۔ یہ کہہ کر وہ صاحبزادے غائب ہوگئے۔ شیعوں نے تابوت اٹھایا اور اسی مقبرہ میں دفن کردیا جہاں امام موسی کاظم علیہ السلام دفن ہوئے تھے۔ یہ بُرج کا چاند زمین بغداد میں پوشیدہ ہوگیا۔ محمد بن حمزہ عباسی کہتا ہے کہ میں مدینہ میں ایک ضرورت سے محلہ بنی ہاشم میں پہنچا دیکھا ایک کمسن صاحبزادہ جس کی عمر چھ سال سے زائد نہ تھی وہ رِش پر زلفیں مگر چہرہ پر گرد یتیمی اور آثارِ شکستگی پیدا تھے۔ اپنے دروازہ پر کھڑا رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا اے صاحب زادے تم کس کے چشم و چراغ ہو۔ اور تم پر کیا مصیبت واقع ہوئی ہے ۔۔ وہ صاحبزادہ اس سوال پر مثل ابر بسیار رونے لگا۔ اور فرمایا اے ابن حمزہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کا فرزند اور ان جناب کا جانشین ہوں۔ میرے گریہ کا سبب کیا دریافت کرتا ہے۔ میں ابھی ابھی اپنے پدر بزرگوار کو دفن کرکے آرہا ہوں۔ حمزہ نے کہا میں نے حضرت کو صحیح و سالم بغداد میں چھوڑا تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ انھوں نے فرمایا ہم اہلبیت رسول جھوٹ نہیں بولتے جب بغداد جانا تو دریافت کرلینا۔ یہ فرماکر حضرت گھر میں تشریف لے گئے۔ اور دفعتہً اہلحرم کے رونے کی آواز حرم سرا سے بلند ہوئی۔ لوگ دوڑے۔ پھر تو تھوڑے عرصے میں یہ خبر مدینہ میں مشہور ہوگئی۔ کہ امام نے وفات پائی۔ لوگ تعزیت کو آنے لگے۔ حضرت کی کم سنی پر اہلِ مدینہ روتے تھے۔ اور گریہ و زاری کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کی موت اس طرح ہوئی۔

•

عزادارانِ حسین! اہل مدینہ نے اپنے پردیسی نوجوان امام کی مشتاقی اپنے دسویں امام کی زبانی سُنی۔ مگر ایک خبرِ شہادت سُنانے کے لئے خود تمھارے رسول کربلا سے عجیب شان سے آئے۔ سر پر اور ریشِ مبارک پر گرد پڑی ہوئی چہرہ غبار آلود ہے۔ چنانچہ ام المومنین ام سلمہ نے خواب میں اسی طرح بیقرار ہوکر پوچھا۔ یارسول اللہ آپ کی یہ کیا حالت ہے فرمایا۔ اے امّ سلمہ

کیا تو حقیقی ہو میں اس وقت مقتلِ حسینؑ سے آرہا ہوں یہ خاک اسی زمین کی ہے۔ ایک روز زوال آفتاب کے بعد رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ بال کھولے ہوئے چہرے پر خاک ملے ہوئے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے جس میں خونِ تازہ جوش مارتا ہے۔ میں نے عرض کی یہ کیا شے ہے آپ کے ہاتھ میں۔ فرمایا ابن عباس! حسینؑ قتل ہو گیا۔ یہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ ابن عباس یہ خواب دیکھ کر روتے ہوئے اٹھے مگر وہ روز یاد رکھا کہ دسویں محرم تھی۔ یہاں تک مجھے خبر پہنچی کہ یہ وہی روز تھا کہ جس دن امام حسینؑ کو اشقیا نے قتل کیا۔

اہلِ مدینہ اس خبر کو سُن کر خاک سر پر ڈالتے ہیں اور گریہ و زاری کرتے ہیں خصوصاً ام سلمہ پر معلوم نہیں کیا حالت ہوئی جب رسول اللہؐ کو اس حال سے دیکھا۔ یقین ہے لوگ تعزیت کو آئے ہوں گے۔ اور نانی کو نواسہ کا پرسہ دیا ہو گا۔

قصیدہ در مدح فرزند نبی ولی ابن ولی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

خود صفی قابل ہوں بچپن میں کوئی ایسا تو ہو
منتہی پیرو ہوں جس کے مبتدی ایسا تو ہو

خاتم اوصافِ تقوی متقی ایسا تو ہو
لائقِ تکریم ہو بچپن کوئی ایسا تو ہو

آ تیں بتلا دیں آیاتِ الٰہی کون ہے
خود کرے تصدیقِ قرآں مصحفی ایسا تو ہو

عہد میں آیات پڑھ کر دیدے سائل کو جواب
جانشینِ مصحفِ ناطق صبی ایسا تو ہو

مرتضیٰ کا جانشیں فرزند دلبندِ رضا
جس سے خود معبود راضی ہو رضی ایسا تو ہو

دیکھ کر حضرت کا بچپن یاد آتے تھے رسولؐ
جد سے اشبہ کوئی ہم نام نبی ایسا تو ہو

آپ کی ولادت ۱۹۵ھ اور وفات ۵۔ ذیقعدہ ۲۲۰ھ مطابق ۲۔ نومبر ۸۳۵ء بحساب سن عیسوی چوبیس سال چند ماہ۔ ۸ سال کی عمر میں امامت پر فائز ہوئے۔ ۱۰ سال مامون کے عہد میں بہ آرام خاموشی سے زندگی بسر ہوئی۔ چھ سال چند ماہ معتصم کے عہد میں نہایت تلخ زندگی بسر کی ام الفضل کے ذریعہ سے اس نے بہت تکلیفیں پہنچائیں اس کے حسد کا باعث یہ تھا کہ آپ نے امام علی نقی کو اپنا وارث بنایا تھا ام الفضل کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے حضرت سے سخت عداوت رکھنے لگی۔

واقفہ کا ہر اک دعویٰ کیا رد آپ نے
واقفِ سِرِّ الٰہی مدعی ایسا تو ہو

کر دیا قائل نصاریٰ کو فقط انجیل سے
عالمِ دینِ ختمِ مرسل کا وصی ایسا تو ہو

ان کی عصمت کی ثنا قرآں میں کرتا ہے کریم
ابنِ آدم ہو کے لغزش سے بری ایسا تو ہو

عیسیٰ مریم کو بچپن میں نبوت مل گئی
فاطمہ کی ذریت میں بھی کوئی ایسا تو ہو

رعبِ شاہی سے نہ بچپن میں ہوا مطلق خیال
دلبرِ مشکل کشا دل کا قوی ایسا تو ہو

بے تکلف بادشاہِ جور سے کی گفتگو
عہدِ طفلی میں کوئی شہ کا وصی ایسا تو ہو

رازِ ماہی کا دیا برجستہ مامون کو جواب
علمِ بحرِ باطنی کا منجلی ایسا تو ہو

کثرتِ جود و سخا سے نام ہو جائے جواد
شیرِ حق کے بعد دنیا میں سخی ایسا تو ہو

مدح ان کی کب کسی بندہ سے ممکن ہے سلیم
حق ثنا کرتا ہے قرآں میں نقی ایسا تو ہو

بیان انتیسواں

کمسنی میں نبوت و امامت۔ احوال امام علی نقی علیہ السلام اور مصائب متوکل

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا

یہ آیت سورۂ مریم میں اس محل پر مذکور ہوئی جب بعدِ ولادت حضرت عیسیٰ کی قوم نے اتہام کیا اور کہا تم یہ کیا شے کر لائی ہو۔ جناب مریم نے کہا میں تو روزہ سے ہوں کلام کر نہیں سکتی۔ اشارہ کیا کہ اسی بچے سے پوچھ لو۔ وہ تعجب سے کہنے لگے كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

ہم اس بچے سے کیا کلام کریں جو ابھی گہوارے میں ہے۔ اس وقت جناب عیسیٰ نے فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا۔ جہاں کہیں میں ہوں مجھے صاحب برکت قرار دیا۔ اور جب تک زندہ ہوں مجھ پر نماز اور زکوٰۃ واجب کی۔ ہادی نے اتمام حجت کے لئے سب نمونے پیدا کر دیئے ہیں کہ کسی وقت انسان انکار نہ کر سکے کہ ہم کس طرح ہدایت حاصل کرتے ورانحالیکہ تو نے کوئی سبب ہدایت پیدا نہیں کیا۔ تعجب کا مقام نہیں حیرت کو گنجائش نہیں کہ ایک تازہ مولود بچہ کیونکر کلام پر قادر ہوا۔ جس نے مٹی کے پتلے میں روح پھونک دی، ایک قطرۂ بے حقیقت کو انسان بنا کر مخلوق پر اشرفیت عطا فرمائی۔ اس کے حکم سے ایک بچے کا کلام بعید از عقل کیوں کہا جاتا ہے۔

بچہ پھر بھی آدمی کا بچہ تھا۔ صاحب نطق فرزند تھا۔ ذی روح تھا۔ جب اشیائے غیر ذی روح اس کے حکم سے اور پیغمبر کے ہاتھ میں پہنچ کر کلام کرنے لگے تو پھر ایک کامل الفطرت بچے کا کلام کرنا کیوں حیرت سے دیکھیے۔ اور پھر بچہ بھی وہ بچہ جو نبوت کے لئے خلق کیا گیا ہو۔ روح اللہ ہو اس نے اگر پیدا ہوتے ہی کہا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ تو کیا حیرت کا مقام ہے۔

وہ خود اس حیرت کو دور کر رہا ہے اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا تازہ مولود نے خود کہہ دیا کہ مجھ کو کتاب عطا ہوئی ہے اور میں پیکر نبوت میں پیدا ہوا ہوں۔ معلوم ہوا اتنے بڑے بچے کا کلام کرنا جو صاحب کتاب ہو اور ہادی ہو خلاف عادت عصمت نہیں ہے۔ صلوٰۃ۔ اسی گہوارہ میں ایک نورانی مثال اور مل گئی کہ جس کو علم کتاب ادھر سے عطا ہو جائے وہ اپنے برس میں ہمارے علم و فہم سے بالاتر علم رکھنے والا ہے۔ اگر کسی کو قرآن کہہ دے مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ جو سب سے بزرگ کتاب کو لے کر ہو وہ قبل از نزول کیوں نہ آغوش کعبہ میں قرآن سنا کر عیسیٰ کے معجزے کو زندہ کر کے دکھا دے کچھ تعجب کا محل نہیں عیسیٰؑ نے ضرور جھولے میں کلام کیا ہوگا۔ صلوٰۃ!

بہر حال جناب عیسیٰ پر منحصر نہیں موسیٰ کا بچپن لیجئے۔ یاد کیجئے آغوش فرعون میں خدا پرورش کر رہا فرعون نے زینت کے لئے اپنی داڑھی میں کچھ موتی پرو لئے تھے۔ جناب موسیٰؑ نے ننھے ننھے ہاتھوں سے داڑھی زیور سے کھسوٹ لی۔ فرعون کو معاً خیال پیدا ہوا کہ ہماری گود میں بیٹھ کر ہماری داڑھی نوچے

کہیں یہ وہ بچہ تو نہیں ہے جس کی خبر کاہنوں نے دے رکھی ہے۔ فوراً گود سے اُتار دیا اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ آسیہ نے کہا فرعون تو کیسی باتیں کرتا ہے۔ بچوں کی یہی عادت ہوتی ہے۔ فرعون نے امتحان کا یہ طریقہ نکالا کہ ایک طرف آگ کا دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا اور ایک طرف لعل بے بہا اور درمیان میں حضرت موسیٰ کو چھوڑ دیا کہ اگر لعل کو یہ بچہ اٹھائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہ معمولی بچہ نہیں ہے اور یہی لڑکا ہے جو میری ہستی کو فنا کر دے گا۔ بڑھے جناب موسیٰ اور فطرت عصمت نے نار سے ہٹا کر لعل کی طرف مائل کر دیا۔ ہاتھ بڑھا تھا کہ جبرئیل بحکم خدا پہنچ گئے اور دست آرزو کو انگارے کی طرف پھیر دیا۔ جناب موسیٰ نے منہ میں انگارہ رکھ لیا۔ ہاتھ میں بھی چھالا پڑ گیا اور زبان بھی جل گئی۔

کرشمۂ قدرت ہے کہ وہی آگ خلیل کے لئے گلزار بن گئی اور حرارت کی بجائے فرحت کی خاصیت بن کر سلامتی کی ذمہ دار بن گئی۔ اور وہی خاصہ حرارت موسیٰ کے لئے بچپن میں محافظ جان اور جوانی میں ید بیضا کا سبب قرار پا گئی۔ صلوٰۃ!

بہرحال یہ حضرات قدسی صفات بچپن میں آیت اللہ، شباب میں حجت اللہ۔ ہدایت کے لئے جب جیسی مصلحت دیکھی خدا نے وہ قوت عطا فرمائی۔ امت عیسیٰ کو اپنے مقام پہ ناز نہ ہو کہ ہمارے نبی نے مہد میں کلام کیا اور عہد ولادت سے نبی تھا اور مسلمانوں کے نبی کو چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی۔ میں عرض کروں گا کہ نبوت کا دعویٰ کیا ہے وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ رسالت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ ہمارا نبی آغوش مادر کیسا قبل عیسیٰ بلکہ پیدائش آدم سے پیشتر بلکہ قبل وجود عالم نور نبوت سے عالم کو روشن فرما چکا تھا کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ قول رسول شاہد ہے اور اگر نصاریٰ کو عہد طفولیت میں قیادت دیکھنا ہے تو کئی بچے اس خاندان میں ایسے پیدا ہو گئے کہ جنھوں نے جانشین رسول بن کر عیسیٰ کا معجزہ بچپن میں دکھلا دیا۔ امام محمد تقی آٹھ سال کی عمر میں امام خلق ہوئے اور مامون کو آسمانی دریا کی مچھلی کا راز و ماہیت بتلا کر تصدیق کرا دیا کہ ہم اہلبیت کا بچپن اور جوانی سب یکساں ہے۔ امام علی نقی کا سن شریف چھ سال کا تھا جب امام ہوتے اور وہ مسائل حل کئے جو بڑے بڑے علماء کی سمجھ سے باہر تھے۔

خدا نے آپ کو عہد طفولیت میں درجہ امامت دے کر ثابت کر دیا کہ ان کو تعلیم دنیا کی ضرورت

نہیں۔ ہدایت کے لئے جن علوم کی ضرورت تھی ہم نے ان کو تعلیم کر کے خلق کیا۔ ان کا علم وہی ہے گویا آپ آخر عہد میں رسول کے امی ہونے کی زندہ مثال تھے۔ صلواۃ۔ جس نے رسول کو نہ دیکھا ہو وہ دیکھ لے کہ حضرت اسی طرح امی پیدا ہوئے جس طرح ہمارا دسواں امام۔ نہ کسی سے پڑھا نہ تعلیم پائی۔ جب باپ کا سایہ سر سے اٹھا چھ برس کا سن تھا جس زمانہ میں عام بچوں کو داہنے اور بائیں کی تمیز نہیں ہوتی مگر آپ زمین و آسمان کے پوشیدہ راز بتلاتے تھے۔ صلواۃ!

امام رسول امی کی مثال میں

ابی قیاما واقفی جو پہلے امام محمد تقی علیہ السلام کا امتحان لے چکا تھا ایک مرتبہ حاضر ہوا اور اپنے نزدیک وہ سخت اعتراض سوچ کر آیا جو اسے آخری حربہ سوچے ہوئے تھا۔ عرض کی یا ابن رسول اللہ ہر نبی و وصی کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے وصی مقرر کر جائے۔ آپ نے کس کو اپنا وصی مقرر کیا۔ حضرت نے ایک گہوارہ کی جانب اشارہ فرمایا جو اسی مکان میں رکھا ہوا تھا۔ پھر فرمایا خود اس بچے سے پوچھ لو۔ آیا ابی قیاما جھولے کے نزدیک اور پوچھا۔ وہ بچہ ابھی دو تین ماہ کا بھی نہ تھا دیکھ کر مسکرایا اور بفصاحت تلاوت کی۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ ابی قیاما نے کہا گواہی دیتا ہوں آپ امام برحق اور جانشین رسول ہیں اور امام خلق ہیں۔ اور یہ بچہ بھی آپ کے بعد امام خلق ہوگا۔ مگر مولا نام تو بتا دیجئے۔ فرمایا اس کا نام علی اور لقب نقیؑ ہے۔

آغاز امامت شواہد النبوۃ

معتصم ایسے ظالم کا عہد تھا جب سے آپ کا عہد امامت شروع ہوا۔ مگر یہ انتظام قدرت ہے کہ رومیوں سے اس کو ان تنازعات سے سابقہ ہوا کہ حضرت کی طرف ابتدا میں مخاطب نہ ہو سکا۔ آپ چودہ سال کے ہوئے جب معتصم ہلاک ہوا اور اس کی جگہ واثق باللہ خلیفہ ہوا۔ اس کو اپنی چند روزہ سلطنت میں اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اس کے بعد ۲۳۲ھ میں جعفر ابن معتصم خلیفہ ہوا۔ اور متوکل باللہ کے لقب سے مشہور ہوا ابتدا میں یہ بھی نظم و نسق سلطنت میں مصروف رہا اور حضرت کی سولہ سالہ امامت کا حجاز و عراق میں وہ شہرہ ہوا کہ دور دور سے لوگ حصول زیارت اور علم و فضل حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

عبداللہ بن حاکم مدینہ کا عامل تھا وہ حضرت کا دربار دیکھ کر حسد کرنے لگا۔ اور حضرت کو مدینہ سے خارج کرنے کا درپے ہوا۔ متوکل کو عرضداشت بھیجی کہ حضرت علی نقیؑ کے پاس کثرت سے لوگ آتے ہیں۔ اور خمس جمع کرتے ہیں جس سے اسلحہ خرید کئے جاتے ہیں، خزانہ جمع ہو رہا ہے۔

تمھاری سلطنت کی خیریت نہیں۔

حضرت کو علمِ امامت سے اس کی خبر ہو گئی۔ آپ نے بھی متوکل کو نامہ لکھا کہ تمھارا عامل بُرے حسد کرتا ہے اور مجھے اذیتیں پہنچاتا ہے جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے ہم لوگوں کو امورِ سلطنت سے کیا سروکار؟ دونوں خط یکے بعد دیگرے متوکل کے پاس پہنچے۔ اس کو تشویش لاحق ہوئی پھر غور و فکر کر کے اس نے مامون والی چال اختیار کی اور عبد اللہ بن حاکم کو معزول کر کے اور یحییٰ بن ہرثمہ اپنے افسر سپاہ کو مع چند قیمتی تحائف اور فوج کثیر کے حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور ایک نامہ مبالغہ آمیز لکھا کہ مجھ کو کمال اشتیاقِ زیارت ہے اور اہلِ عراق آپ کے مشتاق ہیں جلد تشریف لائیے۔ مجھے کسی طرح بغیر آپ کے قرار نہیں۔

ابن ہرثمہ مع جنگی سواروں کے پہنچا اور تحائف و ہدایا پیش کر کے بادشاہ کا پیام پہنچایا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ سلطان نے عاملِ مدینہ کو معزول کر دیا ہے آپ جلد تشریف لے چلئے۔ حضرت فوج کے ہمراہ طلبی کا مراسلہ دیکھ کر نتیجے پر پہنچ گئے۔ حضرت نے یحییٰ بن ہرثمہ سے ایک ہفتہ کی مہلت سامانِ سفر کے لئے طلب کی۔ یحییٰ تاریخ روانگی مقرر کر کے رخصت ہوا۔ حضرت نے خادموں کو حکم دیا کہ اسباب سفر درست کیا جائے۔ اور آپ اعزا و احباب مدینہ سے رخصت ہونے لگے۔ حضرت اس طرح سب سے ملتے کہ اب مدینہ آنا ممکن نہ ہو گا۔ فقراء و مساکین یہ اندازہ کر کے ہر وقت حضرت کو گھیرے رہتے تھے۔ کیونکہ آپ روزانہ زرِ کثیر اور طعام و لباس تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ غرض حضرت نے زرِ کثیر تقسیم کیا۔ وعدے کا روز آیا۔ یحییٰ مع اپنی فوج اور سواروں کے درِ امام پر حاضر ہوا۔ دیکھا سامانِ سفر نکل رہا ہے۔ توشک و لحاف اور سرمائی لباس کثرت سے ساتھ ہے۔ یحییٰ خود ناقل ہے کہ میں گرم کپڑے اور سامان دیکھ کر دل میں ہنستا تھا کہ شیعوں کے امام کس قدر سادہ مزاج ہوتے ہیں کہ اس گرمی کے موسم میں اس قدر اسباب سرمائی ساتھ لے چلے ہیں مگر مصلحتِ وقت سے ایک حرف زبان پر نہیں لایا۔ حضرت کی سواری مدینہ سے چلی جب ایک صحرا میں پہنچے جہاں کوئی درخت یا سایہ اور آبادی کا کوئی نام و نشان نہ تھا شب کو قیام کیا۔

یحییٰ ناقل ہے میرے ہمراہ میرا کاتب شیعہ عقائد رکھتا تھا اس کو میرے ایک رفیق نے چھیڑا اور کہا میں نے سنا ہے کہ تمھارے امام حضرت علیؑ کا قول ہے کہ کوئی مقام ایسا نہ ہو گا جہاں کوئی قبر

نہ ہو۔ اب بتلاؤ یہاں کیسے کوئی قبر ہو سکتی ہے؟ جب انسان یہاں آباد ہی نہیں۔ وہ بیچارہ شیعہ خاموش ہو گیا اور اس وقت اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک ٹھنڈی ہوا چلی ابر گھر آیا اور برف پڑنے لگی اور اس کثرت سے پڑی کہ زمین پر سلیں جم گئیں۔ سردی کی وہ شدت ہوئی کہ دانت بجنے لگے اور اعضاء بالکل بیکار ہو گئے۔ میں بھی قریب ہلاکت پہنچ گیا اور میرے رفیق بھی سردی سے جاں بلب ہو رہے تھے۔ ناگاہ اسی عالم میں کسی نے در خیمہ پر آواز دی کہ امام عالی مقام نے یحییٰ کے لئے اور اپنے دوست کے واسطے یہ سامان بھیجا ہے۔ یحییٰ کہتا ہے کہ بوجہ سردی حرکت محال تھی۔ مگر میں خوش ہو کر اٹھا۔ پردہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت کے غلام لحاف اور لبادے لئے کھڑے ہیں۔ میں نے حضرت کا شکریہ ادا کیا اور ایک لحاف اور لبادہ خود لے لیا اور دوسرا اس شیعہ کاتب کو دے دیا۔ ہم لوگوں کی جان بچ گئی۔ صبح کو جب دھوپ نکلی اور سردی کم ہوئی خیمے سے نکل کر دیکھا۔ نصف سے زائد میرے ہمراہیوں میں سے مُردہ پڑے ہیں اور وہ لوگ جو شب کو میرے کاتب سے بحث کر رہے تھے وہ بھی سردی سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے توبہ کی اور دل سے امام کا معتقد ہو گیا۔ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شکریہ ادا کروں حضرت مجھے دیکھ کر متبسم ہوئے۔ اور فرمایا جاؤ اپنے مُردہ ہمراہیوں کا انتظام کرو اور ان کو دفن کراؤ۔ اے یحییٰ یقین جانو کہ خداوندعالم اسی طرح زمین کے ہر گوشے کو قبروں سے بھر دے گا۔ ہمارے جد امیرالمومنینؑ نے غلط نہیں فرمایا۔ یحییٰ کہتا ہے یہ ارشاد حضرت کا سن کر میرا یقین اور زیادہ ہو گیا میں دل سے حضرت کا معتقد ہو گیا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و آلِ محمد

حضرت کے علم ظاہری کا ظہور فصول المہمہ وسیلۃ النجا

غرض حضرت بتیس روز کے بعد سامرہ پہنچے لیکن باوجود اشتیاق اور اصرار کے متوکل نے خبر آمد سن کر امام کا یہ احترام کیا کہ خوان الصعالیک میں ٹھہرانے کا حکم دیا جہاں چارہ والا اور رذیل پیشہ والے اور فقرا پڑے رہتے تھے۔ آبادی سے دور یہ نہایت کثیف مقام تھا حضرت مجبوری وہاں ایک جانب قیام پذیر ہوئے۔ وہی خوان الصعالیک حضرت کے برکتِ قدم سے ریاضِ جنت کا نمونہ بن گیا۔

صالح بن سعید بیان کرتا ہے کہ میں نے سنا حضرت سامرہ میں تشریف لائے ہیں مجھے اشتیاق زیارت ہوا لیکن یہ سن کر یہ حضرت خوان الصعالیک میں ٹھہرائے گئے ہیں سخت صدمہ و ملال ہوا

کہ امام عالی مقام اور ایسی تاریک جگہ۔ میں حاضر خدمت ہوا دیکھا حضرت ایک جانب مع اپنے ساتھیوں کے فرد کش ہیں۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور دست مبارک کے بوسے لینے لگا حضرت نے بھی کمال شفقت سے معانقہ فرمایا۔ پھر میں نے عرض کی مولا آپ نے یہاں قیام کیوں گوارا فرمایا۔ جہاں حقیر و ذلیل لوگوں کے سوا کوئی نہیں ٹھہرتا۔ فرمایا تم بھی تو اس وقت ایسی ہی جگہ بیٹھے ہو۔ اچھا پلٹ کر ذرا دیکھو تو کیا اچھا مقام ہے۔ صالح کہتا ہے اب جو میں نے نگاہ پھیر کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مہکتا ہوا باغ ہے جس میں ہزاروں رنگین پھول کھلے ہیں اور لہلہاتا ہوا سبزہ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے۔ آب مصفا کی نہریں جاری ہیں۔ خوشبو سے دماغ معطر ہوا اور دل باغ باغ ہو گیا۔ صلواۃ!

امام کا باغ اعجاز

حیرت ہوئی کہ یہ دنیا ہے یا باغ جنت کا ٹکڑا۔ حضرت نے فرمایا اے صالح یہ مناظر قدرت جو تم دیکھ رہے ہو ہمیشہ اور ہر مقام پر ہمارے ساتھ ہیں۔ تم مجھ کو خان الصعالیک میں نہ سمجھو در اصل میرا مقام کسی اور جگہ ہے۔ بظاہر مجھ کو یہاں دیکھتے ہو۔ صلواۃ!

در حقیقت یہ وہ قدم مبارک تھے جن کی برکت سے ویرانہ عالم کو خلعت وجود عطا ہوا۔ اگر یہ نہ ہوتے نہ عرش ہوتا نہ کرسی۔ نہ ریاض جنت نہ شجر طوبیٰ۔ نہ یہ آسمانی شامیانہ نہ چمکدار قمقمے، نہ ہلال کی ٹھنڈی روشنی نہ آفتاب عالمتاب، نہ فرش زمین نہ سر بفلک پہاڑ۔ نہ موجزن دریا نہ اُن میں حرکت کرتی ہوئی کشتیاں۔ خلاق عالم نے زبان رسول سے کہلوا دیا لولاک لما خلقت الافلاک۔ صلواۃ!

تمہید ولادت

خدا نے انہیں کے نور سے دنیا کو منور کیا اور انھیں کو قیام عالم کا ذریعہ قرار دیا آج وہ روز مسرت ہے کہ ہمارا دسواں امام ظلمت عدم سے عالم وجود میں آیا۔ آج خانۂ امام میں دھوم ہے در و دیوار روشن ہیں۔ ستارۂ آسمان ماہ امامت کی شعاعیں نیا ہی ہیں رحمت خدا کا نزول ہے ملائک فوج در فوج آتے ہیں اور آپس میں تہنیت دیتے ہیں۔ آپ کی مادر گرامی سمانہ خاتون تھیں جو اپنے عہد کی تمام عورتوں سے افضل و اشرف تھیں۔ روایات سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۱۵۔ ذی الحجہ کی مبارک تاریخ اور بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۔ رجب روز ولادت امیر المومنین علیہ السلام آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ امام محمد تقی کی عمر اس وقت

احوال چند ماہ کی پائی جاتی ہے۔ آپ کی خبر ولادت سن کر گھر میں تشریف لائے اور آپ نے
اذان و اقامت کہی اور موافق رسم امامت اپنی زبان مبارک سے تحنیک فرمائی صلوٰۃ!

بہرحال کئی روز تک خان الصعالیک میں مقید رہے۔ جب متوکل نے دیکھ لیا کہ حضرت کی کافی
توہین ہو چکی۔ اپنے سرہنگ فوج زراقہ رومی کو بلا کر حکم فرمایا کہ حضرت کو لے جا کر محبس میں رکھے
اور اپنی خاص نگرانی میں شرائط اسیری عمل میں لائے۔ کوئی شخص آپ سے ملنے نہ پائے نہ حضرت کو
کسی قسم کی راحت میسر ہو۔ حضرت کو اسی محبس سے سابقہ ہوا۔ اور اسی صورت سے سات
آٹھ سال زندگی کا آخری دور ختم کیا۔

زندان میں قبر

ذریعۃ النجاۃ
شواہد النبوۃ
جلاء العیون

زراقہ ہر چند بڑا سخت مزاج ایک فوجی افسر تھا مگر حضرت کا زہد اور عبادت دیکھ کر چند روز
کے بعد دل سے معتقد ہو گیا اور چاہتا تھا کہ مخفی طور پر راحت پہنچایا کرے مگر خوف الٰہی اور
ذوقِ عبادت سے وہاں راحت کی خواہش بھی نہ تھی۔ آپ نے قید خانہ میں روز آخرت کی
یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک نیا عنوان قائم کیا تھا۔ آپ نے محبس میں ایک قبر کھدوائی تھی۔
اسی کے کنارے ہر وقت فشار، لحد اور خوف عذاب الٰہی کو یاد کیا کرتے تھے۔ وقت نماز
اسی جگہ پر نماز ادا کرتے تھے اور سجود و رکوع میں بھی اسی خوف الٰہی کا تصور رہتا تھا اور ہر وقت
آنکھوں سے ایک سیل اشک جاری رہتا تھا۔

ایک دن حضرت کا ایک دوست صقر بن ابی دلف حضرت سے ملنے کے اشتیاق میں زراقہ
کے پاس آیا۔ زراقہ نے اطمینان کر لینے کے بعد محبس میں جانے کی اجازت دی۔ صقر بیان کرتا ہے
کہ جب میں قید خانہ میں داخل ہوا دیکھا حضرت قبر کے متصل چٹائی پر تشریف فرما ہیں اور مثل نہر
آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھکو گمان ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے قتل کا
حکم ہو چکا ہے۔ اور حضرت کچھ دیر میں شہید کر ڈالے جائیں گے۔ یہ سمجھ کر میں رونے لگا حضرت نے
مجکو روتا دیکھ کر شفقت سے قریب بلایا اور فرمایا تو کیوں روتا ہے۔ میں نے عرض کی مولا آپ کا
یہ حال دیکھ کر رونا آیا کہ کچھ دیر میں آپ کا سایہ شیعوں کے سر سے اٹھ جائیگا۔ فرمایا اے
بھائی ابھی مجھکو کچھ سال اسی طرح زندگی کاٹنا ہے گھبرانا نہیں۔ میں نے اس لئے یہ قبر کھدوائی
ہے کہ ہر وقت موت پیش نظر رہے اور سوائے خوف الٰہی کے دنیا کا کوئی خیال دل میں گذرنے

اصغر بیان کرتا ہے کہ یہ سن کر مجھے کچھ تسکین ہوئی۔ مگر بادلِ غمناک حضرت کے پاس سے رخصت ہوا۔ متوکل کو جب خبریں پہنچیں کہ زرافہ حضرت کے ساتھ خلوص رکھتا ہے اور نرمی سے پیش آتا ہے حضرت کو وہاں سے ہٹا کر اپنے ایک دوسرے معتمد سعید کی نگرانی میں قید کیا۔

اب حضرت پر اس سے بڑھ کر سختیاں ہونے لگیں مگر ہر حال میں وہی مشغلہ گریہ و زاری۔ اور قبر کا منظر۔ وہی عبادت اور ذکرِ الٰہی۔ جب کبھی کسی نے دیکھا وہ بھی معتقد ہو گیا۔ اور حضرت کے حالِ پُر ملال پر بیقرار ہو گیا۔ متوکل کو برابر خبریں پہنچتی رہیں مگر بجائے رحم کے وہ ملعون اسی طرح سختی پر مائل رہا۔ اسی اثنا میں رومیوں کی طرف سے کچھ ایسا خدشہ پیدا ہوا کہ اس نے اپنے وزیر کو معزول کر کے فتح ابن خاقان کو وزیر کیا جو مشہور شیعہ تھا۔ چند ہی روز میں ابن خاقان نے انتظام سلطنت درست کر کے متوکل کے مزاج میں وہ رسوخ حاصل کیا کہ جزو و کل کا مختار بن گیا۔

جب ابن خاقان کو متوکل پر پورا تسلط حاصل ہو گیا اس نے یہ تدبیر نکالی کہ آراضی غیر مزروعہ لوگوں سے زر نقد لے کر اُن کے نام بندوبست کرنا شروع کیا۔ اور ہزارہا روپیہ خزانۂ شاہی میں جمع کر کے متوکل کو دکھا کر اس کارروائی کی منظوری حاصل کر لی اور اسی سلسلے میں ایک ٹکڑا آراضی کا امام علی نقی علیہ السلام کے نام بھی درج کرا دیا۔ اور حضرت کی طرف سے زر نذرانہ خزانہ میں داخل کر کے متوکل کو سمجھا دیا کہ اب یہ آراضی خرید چکے ہیں اپنا مکان بنا کر یہاں سکونت کریں گے اور ہر وقت تیرے زیرِ اثر رہیں گے۔ اب تجھے مطمئن رہنا چاہیئے۔ متوکل کو یہ صورت پسند آئی اور حضرت کو مکان بنانے کی اجازت دی گئی۔ اور اس ترکیب سے فی الجملہ حضرت کو قید سے نجات مل گئی۔ مگر سعید کی نگرانی اسی طرح باقی رہی۔ وہ دیکھا جاتا تھا کہ حضرت کے پاس شیعوں کا مجمع تو نہیں ہوتا اس حالت میں بھی حضرت کو آرام سے بیٹھ کر عبادتِ خدا کا موقع نہیں ملا۔ لوگوں نے پھر متوکل سے خفیہ شکایتیں کیں اور اس نے چار ترکی غلام متعین کئے کہ جس وقت میں ان کو بلاؤں وہ حاضر ہوں بلا دریافت کے چاروں آدمی تلواریں نکالنا شروع کر دو اور جب تک روح جسم سے مفارقت نہ کر جائے توقف نہ کرو۔

غرض جب حضرت متوکل کے سامنے پہنچے وہ غلام تلواریں پھینک پھینک کر حضرت کے قدموں پر گر پڑے۔ متوکل مضطرب ہو کر تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حضرت کو اپنے پاس بٹھا کر معذرت کرنے

لگا اور کچھ دیر کے بعد حضرت کو رخصت کر دیا۔ جب حضرت قصر سے باہر تشریف لے گئے۔ غلاموں سے متوکل
نے پوچھا تم نے کیا دیکھا۔ غلاموں نے کہا اے خلیفہ جس وقت امام عالی مقام داخل قصر ہوئے ہم نے
دیکھا ایک شخص غضب آلود شمشیر برہنہ عقب میں اُن کے آیا اور کہا کہ تم نے اگر کوئی ایذا پہنچائی تو پھر تم
نہیں ہو۔ اے خلیفہ اس کا رعب و جلال دیکھ کر ہمارا بند بند کانپ گیا۔ متوکل نے کہا میں نے بھی ایسا
ہی مشاہدہ کیا۔ مگر اب کسی سے یہ راز بیان نہ کرنا (میں عرض کروں گا عجب نہیں وہ حلالِ مشکلات
امیرالمومنینؑ ہوں کہ جنت سے اپنے پوتے کی حفاظت کو آگئے ہوں۔)

بہر حال جب تک متوکل زندہ رہا حضرت پر روز ایک مصیبت وارد کرتا تھا۔ کبھی حضرت کو
درندوں میں چھوڑ دیا۔ خونخوار جانور امامؑ کے قدموں پر لوٹنے لگے۔ کبھی حضرت کی دولت سرا کی تلاشی
لی جاتی تھی۔ کبھی حضرت محفلِ شراب میں بلائے گئے۔ اور حضرت کے سامنے دورِ شراب شروع ہوا۔
کبھی حضرت کو محفلِ سرود میں بلا کر معاذ اللہ امام سے غنا کی فرمائش کی۔ لیکن یہ امام کا معجزہ بین تھا کہ
حضرت کے ارشادات سے محو ہو کر پھر مجالِ گستاخی نہ ہوئی۔ غرض جب تک متوکل زندہ رہا قلب
مبارک کو ہر طرح سے تکلیف پہنچاتا رہا۔ آخر ۲۴۷ھ میں متوکل اپنے بیٹے منتصر باللہ کے ذریعہ
سے قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ منتصر باللہ کی شش ماہہ سلطنت میں حضرت پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ اس
کے بعد مستعین باللہ تین سال بادشاہ رہا۔ اس نے بھی حضرت سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ مگر معتز باللہ تخت
سلطنت پر بیٹھتے ہی اپنے آبا و اجداد کی طرح حضرت کا دشمنِ جانی ہو گیا۔ پہلے حضرت کو طرح طرح
کی تکلیفیں پہنچائیں۔ موسمِ گرما میں اپنی سواری کے ہمراہ حضرت کو پیادہ پا دوڑا۔۔ اور حضرت کی توہین کی
آخر اس نے اس صاحبِ کمال گوشہ نشین امام کے محض رشک و حسد سے برافروختہ ہو کر اسی آبائی
طریقے سے کام لیا۔ اور دُنیا کو وجودِ امام عالی مقام سے خالی کیا۔ امام حسنؑ کی طرح جگر کے ٹکڑے
مُنہ سے خارج ہوتے تھے۔ اور صرف امام حسن عسکری علیہ السلام اس کم سنی میں پاس تھے۔ کوئی
اپنا مونس و ہمدم قریب نہ تھا۔ بار بار حضرت فرزند کو سینے سے لگاتے تھے اور وصیتیں فرماتے
تھے۔ اسی عالم بیقراری میں ۳۔ رجب کو حسب روایت ارشاد شیخ مفید علیہ الرحمہ آپ راہی جنت
ہوئے۔ اور شیعہ بے امام ہوئے۔ اپنے کنبے سے دور بزرگوں سے بعید سامرہ میں دفن ہوئے۔
صرف چند شیعہ جمع ہو گئے تھے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے شب کے وقت دفن کر دیا۔ اور

زمین سامرہ پر پہلی قبر جگر پارۂ رسول کی واقع ہوئی۔ عالم غربت میں مرنا اور زہر جفا سے موت اور قید خانہ میں زندگی بسر کرنا تو اس خاندان کی میراث قرار پا گئی۔

مگر دوستو! تمھارے دسویں امام کے لئے چند مصائب مخصوص ہو گئے اور آپ کے قلب مبارک کو چند ایذائیں ایسی پہنچیں جو بنی امیہ اور بنی عباس کسی عہد میں کسی امام کو نہیں پہنچیں۔ افسوس متوکل کے ہاتھوں امام کو سخت مصائب برداشت کرنا پڑے۔ اور ۱۳ برس کی [illegible] امام کو رات دن روتے ہی گزرا۔ کبھی یہ سن کر روئے کہ امام مظلوم کے زائر مار مار کر قبر سے جدا کئے جاتے ہیں کبھی یہ خبر آئی کہ زائروں کے ہاتھ قلم کئے گئے۔ کبھی یہ معلوم ہوا کہ زائروں کی جماعت [illegible] کثیر کربلا میں قتل کی گئی۔ کبھی یہ معلوم ہوا کہ آج دادا کی قبر پر ہل چلائے جائیں گے۔ کبھی معلوم ہوا کہ نہر کاٹ کر نشان قبر کو مٹایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اصغر حضرت کا ایک محب حضرت کی خدمت میں ایک روز پہنچا۔ آپ حسب معمول قبر کے کنارے جو قید خانہ میں کھدائی تھی بیٹھے تھے۔ رو رہے ہیں اور خدا سے دعا کر رہے ہیں۔ اصغر بیان کرتا ہے کہ میں بھی حضرت کو روتا دیکھ کر رونے لگا۔ جب حضرت نے مجھے دیکھا مخاطب ہوئے۔ اور میرا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا مولا جس کا آقا اس مصیبت میں ہو اس کی خیریت آپ کیا پوچھتے ہیں یہ ارشاد فرمائیے کہ آج آپ پر کیا کوئی تازہ مصیبت واقع ہوئی ہے کہ آپ رو رہے ہیں۔ اور مصروف مناجات ہیں۔ حضرت پھر رونے لگے اور فرمایا اے اصغر متوکل نے ایک سپاہ بھیجی ہے کہ میرے جد مظلوم حسینؑ کی قبر کھود کر بے نشان کر دی جائے۔ اس پر ہل چلائے جائیں اور آب فرات جاری کیا جائے۔ اے اصغر سبحان اللہ جس کے دادا پر بعد شہادت اس مدت کے بعد بھی ظلم ہوں وہ کیونکر نہ روئے۔ اصغر کہتا ہے یہ سن کر میں بیقرار ہو کر رونے لگا۔ اور عرض کی مولا کیا اب سید الشہداء کی قبر بھی بے نشان ہو جائیگی اور ہم لوگ زیارت سے بھی محروم رہیں گے

حضرت نے ایک آہ بھری اور دیر تک روتے رہے۔ جب کچھ افاقہ ہوا فرمایا قسم ہے اس مالک ارض و سما کی جس نے پیدا کیا کہ ایسا ممکن نہیں۔ خدا نے اس کی حفاظت کے لئے فوج ملائک مقرر کی ہے جو متوکل کو کامیاب نہ ہونے دے گی۔ اور خدا اپنے بندگان صالحین کو زیارت سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ کہہ کر حضرت پھر سجدہ میں گر پڑے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی۔

محبان حسین! تمھارے امام علی نقی علیہ السلام کو صرف اس خبر نے بے چین کر دیا کہ دادا کی قبر

پر بل چلایا جائیگا حالانکہ اللہ نے مطمئن کر دیا تھا کہ یہ کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ عجب نہیں تمہارے امام کو اس لیے اد بانہ ظلم پہ پامالی لاش نہ یاد آگئی ہو کہ بعد شہادت امام حسینؑ پسر سعد نے سوار منتخب کیے تھے کہ لاش مطہر پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ ایک طرف یہ جفا شعار گھوڑے دوڑانے باگیں اٹھائے آرہے تھے اور لاش بے سر و رمیان میں تھی، دوسری طرف بھائی کی جان نثار بہن حضرت زینب خاتون یہ مصیبت ناک اور وحشیانہ ظلم دیکھ رہی تھیں۔ ہائے ماں جائے میرے تجھ کو کس مصیبت سے میری ماں نے چکّی پیس پیس کر پالا اور ستم پیشہ تیری لاش پر گھوڑے دوڑا رہے ہیں لیکن جناب میرا عقیدہ یہ ہے کہ یزید کے سپاہی کتنے ہی جفا شعار ہوں مگر بخدا جانوران بے زبان امام کا مرتبہ سمجھتے تھے اور مجھے امید ہے کہ جسم مبارک کو سُموں سے کوئی ایذا نہ پہنچائی ہوگی جیسا کہ بل چلانے والے بیل امام کے ایسے رتبہ داں تھے کہ تازیانوں سے مارے جاتے تھے مگر قدم آگے نہ بڑھاتے تھے۔ قبر شریف کے گرد پہنچ کر گر پڑتے تھے فریاد کرتے تھے مگر قدم آگے نہ بڑھاتے تھے ہزار افسوس حیوان اس قدر پاسِ ادب کے پابند ہوں اور وہ انسان جو نانا کی امت میں ہو کر کلمہ گو ہوں وہ ایسے مظالم کریں۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْن!

قصیدہ در مدح امام انام وصی نبی امی حضرت علی نقی علیہ السلام

نخرِ آدم ختمِ مرسل کا وصی پیدا ہوا
یادگارِ مبتدی و منتہی پیدا ہوا

ناز ہے تقویٰ کو جس پر وہ نقی پیدا ہوا
پیشوائے مومنیں، حق کا ولی پیدا ہوا

سرو بستانِ حسینؑ و غنچۂ باغِ حسنؑ
رونقِ گلزارِ دینِ احمدی پیدا ہوا

زینتِ سجادہ و محرابِ زین العابدینؑ
علمِ باقرؑ کا جہاں میں منجلی پیدا ہوا

موسیٰ کاظمؑ کا وارث جعفرِ صادقؑ کی جاں
مجمعِ اخلاق و حلم و راستی پیدا ہوا

سالکِ راہِ رضا پابندِ مرضیِ الٰہ
مرتضیٰ کا جانشیں حق کا وصی پیدا ہوا

نورِ عینینِ رضا فرزندِ دلبندِ نقیؑ
دلبرِ زہرا و ہم نامِ علیؑ پیدا ہوا

پیشوائے اہلِ تقویٰ دین کا دسواں امام
طیب و طاہر نقی و متقی پیدا ہوا

عہد میں قرآں کی آیت پڑھ دی ہنگامِ سوال
مصحفِ ناطق امامِ مصحفی پیدا ہوا

شرحِ لفظِ اِصْطَفَیْنَا صاحبِ صدق و صفا
یادگارِ مصطفےٰ افخرِ صفی پیدا ہوا

چھ برس کے سن میں حضرت کو امامت مل گئی
ایسا اکمل عہدِ طفلی میں کوئی پیدا ہوا

بچپنے میں مسئلے توحید کے سمجھا دیے
عارفِ حق ماہرِ رمزِ خفی پیدا ہوا

دوسرا امی صفت لاریب ہے دسواں امام
بے پڑھے ہر علم کا جو منجلی پیدا ہوا

آج ہے عیدِ مسرت مومنیں سب شاد ہیں
گھر میں زہراؑ کے ملی ابنِ ولی پیدا ہوا

سامرہ ہو آیا حضرت کی عنایت سے سلیم
سیرِ جنت کا وسیلہ جیتے جی پیدا ہوا

بیان تیسواں

خلقتِ انسان بیکار نہیں۔ بہلول اور امام حسن عسکری سے ملاقات حضرت کے فضائل و مصائب۔ نزولِ باراں۔ اسیری اور شہادت!

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

خالقِ عالم بنی نوعِ انسان سے استفہام کے طور پر سوال کرتا ہے: کیا تم سمجھتے ہو ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور کیا اب تم کو ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے؟

قرآن وہ موعظہ ہے کہ حرف حرف اس کا بیش بہا نصیحتوں سے لبریز ہے اگر سمجھ کر پڑھئے اور غور و فکر سے دیکھئے تو کوئی نکتہ فائدے سے خالی نہیں۔ قرآن خود اعلان کرتا ہے ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ اس ذکر میں ہدایت ہے اور اس سے وہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے دل میں خوفِ الٰہی ہے۔ قرآن نازل تو ہوا ہے تمام انسانوں پر مگر نصیحت کا فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دل میں کچھ خدا کا ڈر ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو مرنا ہے۔

عنوانِ کلام میں جو آیت عرض کی گئی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ان مختصر لفظوں میں خالقِ عالم نے وہ پند و نصائح بھر دیے ہیں کہ جن کی طبیعت میں صلاحیت ہے وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ مشتِ خاک کو انسان بنانے کا یہ بہترین نسخہ حکیمِ مطلق نے بتلایا ہے جس میں معاش و معاد کا فائدہ پوشیدہ ہے۔ ہر درد کا علاج ہے ہر مرض کی دوا ہے۔ اگر اس کو کسبِ معاش کا اصول قرار دیجیے تو زندگی کا بہترین دستور العمل ہے۔ لمحاتِ حیات کو عزیز رکھنے والے اس سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ کہ انسان کی عزیز زندگی کا ایک، ایک سکنڈ کس قدر قیمتی ہے۔ حیاتِ مستعار کا کوئی لمحہ پلٹ کر آنے والا نہیں، پلک جھپکنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے وہ ہرگز پلٹ کر نہیں آتا۔ اس مختصر عرصے میں اگر کوئی کام اس سے ہو گیا تو وہ اس کی زندگی کا بہترین مصرف ہے اور اگر بیکار گیا تو اتنی ہی عمر رائیگاں ہوئی جو ہزاروں روپیہ صرف کر کے میسر نہیں ہو سکتی۔ ذرا گذری ہوئی ساعتوں کو شمار کیجیے ہاتھ نے کیا چھوا آنکھ نے کیا دیکھا، قدم کس طرف بڑھے، زبان سے کیا کہا، کانوں نے کیا سنا۔ اس وقت گزرے ہوئے زمانہ کی قدر ہو گی۔ اور سمجھ میں آ گیا کہ بیکار نہیں پیدا ہوئے۔ مگر وقت بیکار ضائع گیا۔ اگر ہمارے ہاتھ پیر، آنکھ اور زبان نے اپنا کوئی فرض ادا نہیں کیا۔ ہماری عقل معطل رہی تو ہماری مثال چوبِ خشک سے بدتر ہے کہ نہ اس میں کوئی پھل پیدا ہو سکتا ہے نہ سایہ پھر بھی وہ ہم سے بہتر ہے کہ کسی مطبخ کا مصرف قرار پاتی ہے۔

اور اگر گزری ہوئی گھڑیوں میں زراعت کا کوئی کام کیا ہے صنعت، وحرفت میں متحرک رہے ہیں تو اتنی گھڑیاں روز نامچہ حیات میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہوں گی اور اس کام کا ہر لحظہ قیمتی قرار پائیگا۔ اور اس کے اندر معاش کا مرقع بھی نظر آئیگا۔ اور معاد کی تصویر بھی۔ اگر پچھلی گھڑیوں میں کسبِ کمال اور اکلِ حلال کیلئے اٹھے ہیں تو یقیناً معاش کا راستہ بھی کٹ گیا اور معاد کی منزل بھی طے ہوئی۔

قرآن اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا نے سونے اور خورد و نوش اور عیش و عشرت کے لئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ دنیا میں اکلِ حلال کی تلاش میں اور کسبِ معاش میں ہر لحظہ تمھارا نامۂ اعمال بہترین مصرف کے ساتھ درج کیا جائیگا۔ غرض قرآن کی انھیں چھوٹی چھوٹی لفظوں میں جن کو ہم سواد خط کہتے ہیں خدا نے وہ رموزِ حکمت درج کر دیے ہیں جن کے سمجھانے کے لیے وہ

مقدس ذاتیں پیدا کیں جو خود عمل کر کے سمجھا گئے۔ خدا نے ان کے سینوں کو انھیں علوم سے ٹھوس بنا کر پیدا کیا۔ ان کو کسی سے سیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ خزانۂ علم سے مالا مال ہو کر آئے ان کا بچپن ہو کر شباب جوانی ہو کہ پیری ہر زمانہ میں ان کا علم یکساں نظر آتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا عالم ان کے سامنے آ کر طفلِ مکتب بن گیا۔ بہلول دانا ایسا عالم اور ماہر علم کلام، پانچ اماموں کا صحبت یافتہ اپنی خوش قسمتی سے طویل عمر پا کر گیارھویں امام حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں باریاب ہوا۔ حضرت ایک مقام پر کھڑے تھے بچپن کا زمانہ تھا، کچھ بچے کھیل میں مصروف تھے۔ اور آپ رو رہے تھے۔ بہلول حضرت کو روتا دیکھ کر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے رک گئے اور بمقتضائے سن پوچھنے لگے کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ کو بھی میں کھلونا لا دوں۔

جواب ملاحظہ ہو ابھی امامت پر فائز نہیں ہوئے ہیں۔ مگر یہ ابتدا انتہا کی خبر دیتی ہے۔ فرمایا کہ اے کم عقل تو نہیں جانتا کہ ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ بہلول وہ شخص ہیں کہ دیوانگی میں دنیا سے دانائی کا خطاب حاصل کر چکے ہیں۔ مگر ایک بچے کا یہ جواب سن کر حیرت ہو گئی پوچھا پھر کس لئے آپ پیدا کئے گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا علم حاصل کرنے کے لئے۔ بہلول نے کہا میاں صاحبزادے کوئی دلیل بھی ہے آپ کے اس دعوے کی۔ فرمایا قرآن میں تم نے پڑھا ہوگا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ بہلول یہ سن کر حیرت میں آ گئے۔ عرض کی مولا کوئی اور نصیحت فرمائیے۔ حضرت نے چند اشعار مذمت دنیا میں پڑھے اور خوف سے کانپنے لگے۔ یہاں تک کہ غش آ گیا۔ جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا۔ بہلول نے پوچھا یہ آپ کی کیا حالت ہو گئی۔ ابھی آپ کو گناہ سے کیا تعلق جو اس قدر خوف طاری ہوا۔ فرمایا بہلول تم میرے دل کی حالت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ جب وہ کھانا پکانے کے لئے آگ روشن کرتی ہیں تو چھوٹی اور بڑی لکڑیاں لگا دیتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹی لکڑیاں پہلے جل جاتی ہیں یہی اندیشہ ہے کہ جہنم میں ایندھن روشن کرنے کے لئے جو لکڑیاں درکار ہوں گی ان میں ہمارا شمار نہ ہو۔

بہلول ایک کمسن صاحبزادہ کے خیالات کا اندازہ کر کے دم بخود ہو گئے اور پیشانی اور ہاتھوں کا بوسہ دیکر رخصت ہو گئے۔ یہ تھے رموز قرآن کو حسن عمل سے سمجھانے والے اور وقت عزیز کو بچانے والے اور قرآن کے ظاہر و باطن کے محافظ ورنہ آج قرآن بائبل کی شکل میں ہر فرقۂ اسلام

کے پاس ایک نئی صورت میں ہوتا۔ آپ کے عہدِ امامت میں تفسیر قرآن اہلبیتؑ کی زبان سے وجود میں آئی اور مخالفینِ قرآن شرمندہ ہوئے۔ ورنہ اس عہد میں غیر مسلمین نے سخت حملہ کیا تھا۔ اور قرآن کو رسول کی طرف منسوب کرنے کی سخت کوشش کی تھی۔

چنانچہ اسحٰق کندی بڑا فلسفی اور دہریوں کا پیشوا تھا۔ اور قرآن کو معاذ اللہ رسول کی اختراع بتلاتا تھا۔ اور آیات میں اجتماع ضدین ثابت کرتا تھا۔ اس کا ایک شاگرد حضرت کے پاس بھی تحصیل علم کے لئے آتا تھا۔ حضرت نے ایک روز اسی شاگرد سے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے استاد نے ایک کتاب تناقض القرآن لکھی ہے۔ تم میں سے کوئی اس کو اس فعل سے باز نہیں رکھتا۔ شاگرد نے کہا میری مجال نہیں کہ میں اس سے مباحثہ کرسکوں۔ حضرت نے فرمایا اگر تم آمادہ ہو تو میں تم کو اس کا طریقہ بتا دوں۔ شاگرد نے کہا اچھا میں حاضر ہوں آپ مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا پہلے تم اس کی خوب خدمت کرو۔ پھر جب وہ تم سے بے تکلف ہو جائے تب اس پر ایک اعتراض وارد کرو وہ آدمی فہمیدہ ہے خود باز آئیگا۔ یہ فرما کر حضرت نے وہ سوال تعلیم کر دیا۔ شاگرد نے اپنے کندی استاد کی خوب خدمت کی۔ اور شب و روز رہ کر بے تکلف کر لیا ایک روز موقع پا کر تناقض القرآن کا ذکر چھیڑا اور کہا آپ نے مفت محنت رائیگاں کی، بھلا ایسی کتاب لکھنے سے کیا۔ استاد کندی نے کہا میں نے تو ثابت کر دیا ہے کہ آیاتِ قرآن میں تناقض ہے۔ شاگرد نے کہا یہ کیا ضروری ہے کہ آپ نے جو معنے آیات کے سمجھے ہوں وہ صحیح ہوں۔ اور اس کے صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے جب ایسا ممکن نہیں تو تناقض کہاں پیدا ہوا۔ استاد کندی یہ سن کر چونک پڑے اور کہا ذرا پھر تو کہنا تم نے کیا کہا اس مرتبہ شاگرد نے پھر وہی الفاظ کہے۔ کچھ غور کے بعد اسحٰق کندی نے کہا۔ سچ کہا تم نے باعتبار لغت اس کا احتمال ممکن ہے۔ کہ معنے کچھ ہوں اور میں کچھ سمجھا ہوں۔

اچھا یہ بتلاؤ کہ تم کو یہ اعتراض کس نے تعلیم کیا۔ شاگرد نے کہا میرے ذہن میں ایک بات آئی میں نے بیان کر دی۔ اسحٰق نے کہا ممکن نہیں یہ بات تمھارے ذہن میں نہیں سماسکتی سچ سچ بتاؤ اب تو شاگرد نے صاف صاف کہہ دیا: حَدَّثَنِیْ اَبُوْ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ اس نے کہا سچ ہے ایسے دقیق مسائل اس خاندان کے سوا کون بتاسکتا ہے۔ یہ کہہ کر تمام اوراق اس کے اکٹھا کیا اور اسی طرح اس کو ضائع کر دیا جس طرح بعض رہبرانِ اسلام نے قرآن کے اصل نسخوں کو جلوا کر!

انھیں ذواتِ مقدسہ کے بارے میں رسولؐ نے ارشاد فرمایا اِنّی تارکٌ فیکم الثقلین
قرآن کی حفاظت یہ نہ کرتے تو کون کرتا! حالانکہ آپ نے بہت کم عمر پائی ۔ آپ کی حیاتِ مقدسہ
زیادہ حصہ نذرِ زندان رہا۔ بلکہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھائیس سال کی پوری عمر
میں اکیس بائیس سال قیدخانہ میں گزرے۔ معتبر تاریخیں شاہد ہیں کہ آپ دو برس کے تھے جب
اپنے جدِ بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کے ساتھ عہدِ متوکل میں مدینہ سے تشریف لائے اور اپنے
والد بزرگوار کے ساتھ قید میں مونسِ تنہائی تھے۔ اپنے عہد میں تین مرتبہ اسیر ہوئے۔ چار سال
سے زائد قیدخانہ میں امامت کی۔ پھر بھی آپ کی مختصر سی زندگی کمالات کا نمونہ اور صفات کا
مجموعہ تھی۔ آپ نے مختصر حیات میں ثابت کر دیا کہ امام جامع الصفات ہو۔ زیورِ علم سے آراستہ ہو
جوہرِ صبر سے مزین ہو۔ محرابِ عبادت میں عابدِ شب زندہ دار ہو۔ مکتبِ درس میں ماہرِ علوم وفنون
میدانِ رزم میں قتالِ عالم۔ کمانداروں کی صف میں کماندار قادر انداز اور فنِ سپہ گری میں شہسوار
کامل ہو۔ اتنے اوصاف کا حامل ہو جب امام ہو۔

مستعین باللہ کے اصطبل میں ایک نہایت خوبصورت گھوڑا تھا مگر بدلگام، بدرکاب، شورہ
پشت خونخوار۔ نہیں معلوم کتنوں کو زمین دکھا کر زیرِ خاک سُلا چکا۔ حاسدوں کو آپ کو صدمہ
پہنچانے کا یہ طور سوجھا کہ حضرت بلا کر اس پر سوار کئے جائیں۔ اگر انکار کریں تو عجز ثابت ہوگا اور
اگر سوار ہوئے تو ایذا رسانی سے فرصت ملی۔ احمد بن حارثہ راوی ہے کہ مستعین نے حضرت کو
اس غرض سے طلب کیا۔ یہ فراستِ امامت تھی کہ حضرت سمجھ گئے اور پہلے اصطبل میں جا کر اس کے
قریب کھڑے ہوئے۔ پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ معلوم نہیں دستِ امام میں کیا تاثیر تھی کہ گھوڑا کانپنے لگا
اور عرق عرق ہو گیا۔ حضرت پھر مستعین کے پاس تشریف لائے۔ اس نے کہا آپ اصطبل جا کر
میرے فلاں گھوڑے کو لگام تو چڑھا دیجئے۔ جانتا تھا کہ وہ حضرت کو تکلیف پہنچا کر ختم کر دیگا۔
لگام چڑھانا کیسا، حضرت گئے اور بہ نہایت اطمینان سے لگام چڑھا کر پیار کیا اور آ کر خلیفہ سے کہا
لیجئے لگام چڑھ گئی۔ مستعین نے کہا اچھا ذرا زین بھی کس دیجئے۔ آپ نے یہ بھی کیا۔ اس کے بعد
کہا اسپ ذرا سوار ہو کر اس کی چال بھی دکھلا دیجئے۔ حضرت اسے کھول کر باہر لائے اور سوار ہوتے
کبھی داہنی جانب گئے اور کبھی بائیں جانب نہایت خوش رفتاری سے گھوڑے نے سواری دی

لوگ حیرت میں تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے جب حضرت اتر کر خلیفہ کے پاس تشریف لائے۔ مستعین نے کہا دیکھا آپ نے یہ گھوڑا کیسا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے زیادہ خوش جمال اس سے بہتر خوش رفتار گھوڑا میں نے نہیں دیکھا۔ مستعین نے کہا بسم اللہ اب آپ ہی اس کو لے جائیں اور سوار ہوا کریں خلیفہ کہتا ہو شیار کہ گھوڑا ان کا مطیع ہے اگر میں اس پر سوار ہوں گا امام کا دشمن جان کر مجھے بھی مار ڈالے گا۔ اس لئے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صلوٰۃ !

یہ وہ صفات و کمالات تھے جن سے امام کی شہرت ہوئی اور لوگ رسول کا جانشین سمجھنے لگے وہ کونسا فن تھا جس میں حضرت کو کمال نہ ہو۔ وہ کونسی زبان تھی جس میں حضرت کو مہارت نہ ہو تغیر حضرت کا خادم بیان کرتا ہے کہ حضرت کے پاس جس ملک کا آدمی آتا تھا اسی کی زبان میں مثل اس کے کلام کرتے تھے۔ وہ رومی ہو یا ترکی یا فارسی حضرت اسی طرح باتیں کرتے تھے۔ تغیر کہتا ہے حضرت ایک نصرانی سے رومی زبان میں باتیں کر رہے تھے مجھے تعجب ہوا کہ ولادت مدینہ میں ہوئی جب تک امام علی نقی علیہ السلام زندہ رہے آپ کسی سے بات نہیں کرنے پاتے تھے یہ کیونکر ہر زبان پر عبور ہو گیا جب وہ چلا گیا مجھ کو بلا کر فرمایا۔ جب خدا اپنی مخلوق پر کسی کو حجت قرار دیتا ہے تو اس کو ہر شے کا علم اور ہر لغت پر عبور دے دیتا ہے تاکہ وہ کسی کا محتاج نہ رہے سوائے خدا کے۔ صلوٰۃ !

علم باطنی کی یہ حالت تھی کہ ابوہاشم جعفری کہتے ہیں۔ میں حضرت سے ملنے چلا تو یہ خیال کرتا ہوا کہ آج ایک نگینہ انگشتری کے لئے مانگوں گا جو بطور یادگار کے ہر وقت ہاتھ میں رہے گا۔ حضرت کے پاس پہنچ کر مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ ارشادات میں ایسا محو ہوا کہ نگینہ خاتم دل سے فراموش ہو گیا جب چلنے لگا حضرت نے ایک انگشتری نکال کر دی اور ہنس کر فرمایا لو چاندی کے دام سے بچے اور زرگر کی اجرت سے بھی۔ میں انگشتری سے زیادہ حضرت کے اس ارشاد اور علم باطنی سے خوش ہوا اور دست مبارک چوم لئے۔ صلوٰۃ !

قطب راوندی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ احمد بن جرجانی بقصد حج بیت اللہ روانہ ہوئے اور اہل جرجان کے تحفہ و ہدایا لیکر چلے کہ سامرہ میں حضرت کی زیارت بھی کر لوں۔ احمد اسباب اپنی منزل پر رکھ کر حاضر خدمت ہوئے اور اہل جرجان کی طرف سے سلام عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا اور جو تحفہ اور مال خمس اہل جرجان نے تم کو دیا ہے وہ جعفر ابن شریف ہمارے رفیق اور دوست کو

معجزہ علم غیب حدیقہ امدیلی

دے دینا اب تم یہاں سے حج کو جاؤ گے اور بروز جمعہ ایکسو لفے روز میں واپس ہو کر جرجان پہونچ گے اہل جرجان سے ہمارا سلام کہہ دینا اور ہم تمہارے پہنچنے کے تیسرے روز وہاں صبح کے وقت پہنچ جائیں گے۔ اہل جرجان سے کہہ دینا جس کو جو کچھ پوچھنا ہو وہ اسی روز مجھ سے پوچھ لے۔ پھر حضرت نے احمد کو دعائے سلامتی دیکر رخصت کیا۔

احمد ٹھیک اسی روز وطن پہنچے جس دن کی بابت حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ اہل جرجان کو جب حضرت کی خبر آمد معلوم ہوئی شوقِ زیارت سے بیتاب تھے طلوعِ صبح کے وقت شہر سے باہر دیکھا آفتابِ امامت طالع ہوا۔ نورِ امامت ہر طرف پھیل گیا۔ لوگ قدمبوس ہوئے جس کو جو سوال کرنا تھا وہ سوال کیا۔ حضرت نے قریب ظہر پھر سواری طلب کی۔ لوگوں نے عرض کی یا ابنَ رَسُولُ اللهِ۔ ہم ابھی سیر نہیں ہوئے فرمایا میں نے سامرہ میں جعفر بن شریف سے عصر تک پہنچنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ نماز وہیں پڑھوں گا۔ یہ فرما کر حضرت سوار ہوئے اور اہلِ جرجان کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ صلواۃ! آج روزِ ولادت ہے۔ صلواۃ کے موتی اور درود کے پھول نثار کیجئے۔ اہلِ مدینہ کیلئے اب یہ آخری تحفہ تھا کہ اب اس زمین پر کوئی حجتِ خدا پیدا نہ ہوگا۔ حضرت کی ولادت ۸۔ ربیع الثانی ۲۳۲ھ کو ہوئی اور قبل طلوعِ فجر واقع ہوئی مفصل حالاتِ ولادت نہیں ملتے۔ مگر امام علی نقی علیہ السلام کو تہنیت دینے کے لئے یہ کیا کم ہے کہ حاملِ حجتِ الٰہی خاتمِ آئمہ کا باپ دُنیا میں آیا۔ آپ کی والدہ گرامی کا نامِ نامی سوسن تھا۔

پہلی اسیری ۲۵۰ھ شواہد النبوۃ فصول المہمہ جلاء العیون

بہرحال امام عالی مقام کی مختصر زندگی کے فضائل اس کثرت سے ہیں کہ ایک مجلس کیا ایک عمر بیان کرنے کے لئے کافی نہیں۔ نہ فضائل کی کوئی حد نہ مصائب کی انتہا امام علی نقی علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ پر مصائب کا آغاز ہو گیا۔

معتز باللہ نے باوجود رومیوں اور ترکوں کے نزاعات کے حضرت کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور علی بن یارمش جیسے سنگدل اور دشمنِ سادات کے حوالے کیا اور تاکید کر دی کہ قید میں کوئی سختی باقی نہ رکھی جائے۔ حکمِ سلطانی پاتے ہی ابن یارمش اپنے گھر لے گیا۔ اور حضرت کو ۱۹ سال کی عمر میں قید کر کے ترکی غلاموں کے سپرد کر دیا۔ اور حکم دیدیا کہ کسی وقت راحت نہ اٹھائیں۔ وہاں عبادت کے سوا آرام کی خواہش ہی نہ تھی نہ یہ دنیا میں عیش اٹھانے آئے تھے۔ ترکی غلام

حضرت کی عبادت دیکھ کر معتقد ہو گئے۔ خود اپنی پارٹی پر حضرت کے زہد و عبادت کا وہ اثر ہوا کہ
شقاوت دل سے کافور ہو گئی۔ اور دست بستہ حضرت کا مداح رہنے لگا۔ یہ انتظام قدرت
تھا کہ حضرت حجتؑ کی ولادت کا خدا نے یہ انتظام فرمایا کہ دشمن نے دوست بن کر دیا۔ اور
سزائے سلطانی کا بھی خیال نہ کیا۔ آخر معتز باللہ کو رومیوں نے معزول کر دیا اور مہتدی باللہ کو خلیفہ
بنا لیا۔ اس وقت سکۂ خلافت ڈھالنے کا ٹھیکہ رومیوں کے ہاتھ میں تھا جس کو چاہا معزول کر دیا
جس کو چاہا خلیفۃ اللہ بنا دیا۔ اس نے عام طور پر اپنے زہد و انصاف کا سکہ جمانا چاہا مگر امام عالی
مقام اور سادات کے ساتھ وہی بغض و عناد جو اس کے آباء و اجداد کو تھا۔ اسی عناد کی بنا پر پھر
اس نے حضرت کو بلا کر قید کا حکم دیدیا۔ اور صالح بن وصیف کے سپرد کیا۔ اس نے آزار رسانی
کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ قلیل غذا اور آب گرم دیتا تھا۔ اور اتنا قلیل پانی کہ حضرت کو تیمم سے
نماز پڑھنا پڑتی تھی۔ اس سے متعلق اور امور سلطنت بھی تھے۔ خود مجلس کی طرف کم آتا تھا سب
کچھ غلاموں پر چھوڑ رکھا تھا۔ ایک روز مجلس میں پہنچا دیکھا غلام با ادب پشت پر کھڑے
ہیں اور کوئی زانوئے ادب تہ کئے بیٹھا ہے جس طرح بادشاہ کے سامنے حاضر رہتے ہیں غلاموں رہائی
پر وہ محویت تھی کہ صالح کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ صالح یہ دیکھ کر سمجھا کہ جب ان غلاموں
پر حضرت کا اتنا اثر ہے کہ میرا خوف فراموش ہو گیا۔ اب اگر کچھ تاکید کروں تو یہ غلام تمام رومیوں
سے ان کی مدح و ثنا کریں گے اور یہ میری سخت ذلت کا باعث ہوگا۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ابھی
وقت رہا کر دو۔ یہ خیال کر کے حضرت کو دولت سرا پر بھیج دیا۔ چند روز کے بعد مہتدی کی عمر نے
بھی جواب دیا۔ اور اس کے بعد بنی عباس کا پندرھواں خلیفہ معتمد باللہ وارث تخت و تاج
ہوا۔ حالانکہ پُر آشوب زمانہ تھا ہر طرف بغاوت پھیلی تھی مگر اس عالم میں بھی یہ اس مظلوم ہستی
سے غافل نہ رہا۔ اور درپے آزار ہو گیا۔ عداوت و خصومت دیرینہ کے علاوہ جس قدر دائرۂ امامت
مرکز آخری سے قریب ہوتا جاتا تھا دشمنانِ دین کو خدا و رسول سے ضد بڑھتی جاتی تھی کہ نسل
امامت کو منقطع کر کے چین سے خلافت کریں۔ اور وہ دن آنے نہ پائے کہ امام آخر پیدا ہوں
پھر حضرت کو طلب کیا اور نحریرِ رومی کو بلا کر حضرت کی قید کا نگران کیا۔ یہ ظالم دشمنانِ اہلبیت
میں بڑا سر نام دشمن تھا۔ حضرت کو اپنے گھر میں لیجا کر ایک حجرہ میں قید کیا اور غذائے قلیل اور

کوزۂ آب مقرر کیا۔ وہ تکلیفیں پہنچائیں کہ اس کی زوجہ برداشت نہ کر سکی۔ آخر ایک شب کو
اپنے شوہر سے کہا کیا غضب ہے فرزند رسول پر تو یہ ظلم کرتا ہے اپنے نبیؐ کو روز قیامت کیا
منہ دکھائے گا۔ یہ کہہ کر رونے لگی۔ اس شقی نے کہا کہ تم اس قید پر روتی ہو۔ صبح کو خلیفہ کے
حکم سے یہ درندوں کے احاطہ میں چھوڑ دیے جائیں گے۔ اور معاذ اللہ شیر آپ کو ایذا پہنچائیں
گے۔ یہ سن کر وہ زن نیک دل خوف سے کانپ گئی۔ صبح کو یہ شقی معتمد کے پاس گیا اور اس کو
اس کو اسی تدبیر پر آمادہ کیا۔ اس بدبخت نے حضرت کو طلب کیا، جانور خانہ میں چھوڑ دیا جہاں
شیر اور درندے بند تھے۔ مگر اس امت سے وہ درندے بہتر کہ خوشبوئے فرزند رسولؐ پاکر
سب جمع ہو گئے۔ قدموں پر لوٹنے لگے اور پائے مبارک پر سر رکھ دیا حضرت نے شفقت سے
سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ معتمد حضرت کا یہ اعجاز دیکھ کر سمجھا کہ اگر یہ خبر عام ہو گئی تو لوگ
مجھ سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ حضرت کو بلا کر احاطہ کا دروازہ بند کر لیا۔ بجائے اس کے کہ حضرت
کے معجزہ کا معتمد پر کچھ اثر ہوتا اور وہ ظلم سے باز آتا اس نے امام کو اپنی محلسرا کے ایک تنگ
تاریک حجرہ میں قید کر دیا۔ جہاں نہ روشنی کا گزر تھا نہ ہوا پہنچ سکتی تھی۔ اب اس مجلس میں
محبوب الٰہی کا فرزند تھا اور ذکر الٰہی مونس و غمخوار۔ اس ملعون نے محبس کی کنجی اپنے پاس
رکھی کہ حضرت کو کوئی آرام نہ پہنچا سکے۔ شب و روز میں ایک کوزۂ آب اور دو روٹیاں ایک
ایک وقت میں دیتا تھا۔ حضرت کو اسی طرح دو سال گزرے۔ اسی زمانہ میں شدید قحط پڑا۔
اور نایابی آب سے مخلوق پریشان ہوئی۔

درندوں میں امام کی قید شواہد النبوۃ روضۃ الصفا

اسی دوران ایک نصرانی شعبدہ باز وارد سامرہ ہوا اور اس نے سب کو جمع کر کے دونوں
ہاتھ جانب آسمان بلند کیے، ایک لکۂ ابر نمودار ہوا اور کچھ ترشح ظاہر ہوا۔ لوگ عالم اضطراب
میں اس کے دین کی طرف مائل ہونے لگے۔ معتمد کو جب یہ خبر پہنچی بہ نہایت مضطرب و پریشان ہوا کہ
کہیں سب مسلمان دین عیسوی اختیار نہ کر لیں کہ میری سلطنت خاک میں مل جائے اور میں تخت
سلطنت سے معزول کر دیا جاؤں۔ اس رنج و ملال میں نہ غذا کی طرف مائل ہوا نہ شب کو نیند
آئی۔ موافق روایت صاحب تذکرۃ الاخیار ایک غلام رومی جس کا نام سباق تھا معتمد سے
کہنے لگا میں خلیفہ کو بہ نہایت غمگین و ملول پاتا ہوں کیا سبب ہے۔ معتمد نے جواب دیا کہ تو دیکھتا ہے

قحط شدید اور نصرانی کا شعبدہ فصول المہمہ روضۃ الصفا

کہ میرے زوال کا وقت آگیا اور یہ سلطنت اس نصرانی کے قبضے میں ہو جائیگی۔ یستاق نے کہا اے
خلیفہ افسوس ہے خدا نے جس کو یہ قدرت دی ہے کہ اس کے اشارے پر پہاڑ پگھل کر پانی ہو جائیں
اس کو تو نے محبس میں قید کر دیا ہے اور سیر ہو کر غذا بھی نہیں دیتا ہے۔ قسم بخدا کوئی وقت ایسا نہیں
کہ محبس سے تکبیروں کی آواز نہ آتی ہو تو چل کر اس سید جلیل سے عرض حال کر۔ یہ سن کر معتمد کے
چہرے پر آثار مسرت نمایاں ہوئے اور فوراً در محبس پر آیا اور دروازہ کھول کر عرض کرنے
لگا اے فرزند رسول یہ وقت امداد کا ہے آپ کے جد کا دین زوال پر پہنچ گیا ہے اور عنقریب
تمام عیسائی مذہب اختیار کر لیں گے۔ اپنے جد کے دین کی مدد کیجئے اور خدا سے دعا فرمائیے
کہ باران نازل کرے۔ لیجئے در محبس وا ہو گیا۔ تمام مورخین اس مقام پر متفق ہیں کہ حضرت نے
فرمایا میں تنہا اپنی رہائی نہیں چاہتا جس قدر سادات اور مظلوم مقید ہیں سب رہا کر دیئے
جائیں۔ صبح کو حضرت صحرا کی طرف تشریف لے چلے۔ غول کے غول یہ کہتے ہوئے جاتے تھے کہ
آج فرزند رسول ابن فاطمۃ الزہرا بارگاہ صمدی میں طلب باراں کے لئے جاتا ہے۔ غرض
تھوڑے عرصے میں تمام صحرا بھر گیا۔ وہ عالم نصرانی بھی بلایا گیا اور طلب باراں کی فرمائش کی گئی
نصرانی نے دونوں ہاتھ جانب آسمان بلند کئے ابر کے ٹکڑے نمودار ہوتے۔ فرزند ید اللہ نے
اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور درمیان انگشت سے ایک ریزۂ استخواں نکال لیا۔ ٹکڑے
ہائے ابر آسمان سے غائب ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا اس کو کسی پیغمبر کی استخوان دستیاب
ہو گئی ہے اسی کے فیض سے یہ طلب بارش کرتا تھا اس کی خاصیت یہ ہے کہ زیر آسمان برہنہ
کرنے سے بارش ہونے لگے نصرانی شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ پھر حضرت بہ آداب تمام نماز استسقا
کے واسطے آمادہ ہوئے اور فرمایا سب بعد نماز میرے ساتھ دعا کریں۔ حضرت نے نماز تمام کر کے
دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور امام کی پس پشت مسلمانوں کی جماعت فرزند رسول کے واسطے دعا
کر رہی ہے۔ اس وقت ایک شان ہے اسلام کی اور ایک شان ہے امام کی۔ معتمد اور امام
میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہی امام جو ایک روز پیشتر خلفائے عباسیہ کا قیدی آج بارگاہ
کبریا میں شان امامت سے مصروف مناجات ہے اور وہی جابر و ظالم بادشاہ اور خلیفہ
دست بستہ اس کے واسطے حل مشکل کا خواستگار ہے۔ دفعتہ ابر سیاہ نمودار ہوا اور مخلوق

میں اضطراب ہوا کہ بارش شروع ہوئی۔ حضرت نے پلٹ کر فرمایا گھبراؤ نہیں یہ پانی یہاں نہ برسے گا یہ تو بلخ میں جا کر برسے گا۔ پھر دوسرا ٹکڑا آیا حضرت نے فرمایا یہ مداین میں برسے گا۔ پھر بادل گرجا اور بجلی چمکی حضرت نے فرمایا اب اپنے گھروں کو جاؤ۔ لوگ اپنی اپنی طرف راہی ہوئے بارش شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں جل تھل بھر گئے۔ حضرت معتمد کے ساتھ ساتھ قصر معتمد میں پہنچے اور زندان کا رُخ کیا۔ معتمد نے کہا آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا جو میرا مقام تو نے متعین کیا ہے وہیں جاتا ہوں۔ معتمد نے خجل ہو کر کہا اے ابو محمد آپ اپنی دولت سرا پر تشریف لے جائیے۔ اس نے حضرت کا یہ معجزہ دیکھ کر رہا تو کر دیا مگر خفیہ طور پر نگرانی جاری رکھی کہ کوئی حضرت سے ملنے نہ جائے۔ حضرت آزادانہ طور پر لوگوں سے نہ مل پائیں۔ آخر معتمد نے اس پر بھی بس نہ کی اور ایک روز اپنے ملازمِ خاص کے ہاتھ شربت میں زہر ہلاہل ملا کر بھیجا اور تاکید کر دی کہ پلا کر واپس آنا۔ جب حضرت کے پاس جامِ شربت آیا آپ نے اپنے بزرگوں کی طرح فرمایا رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهٖ وہ شربت نوش فرمایا پیتے ہی حالت متغیر ہوگئی اور فرش پر لیٹ گئے جس پر تشریف فرما تھے۔ کرب و بے چینی سے حضرت کروٹیں لینے لگے۔ معتمد نے اپنی برأت کے لئے پانچ مصاحب حضرت کی تیمارداری کے لئے اور طبیب شاہی علاج کے واسطے بھیجا۔ مگر دو روز کے بعد حالت بہت ابتر ہوگئی۔ تمام جسم میں زہر پھیل گیا۔

حضرت کی مظلومی اور شہادت

شواہد النبوۃ فصول المہمہ

آپ کا ملازمِ خاص عقید بیان کرتا ہے کہ ۸۔ ربیع الاول کو صبح صادق کے حضرت نے آبِ وضو طلب کیا اور اس وقت حضرت کی طبیعت کچھ بحال ہوگئی۔ آپ نے کھڑے ہو کر نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھی۔ پھر دوا طلب فرمائی۔ میں نے آبِ مصطگی جوش کیا ہوا پیش کیا۔ دفعۃً ہاتھوں میں لرزہ پیدا ہوگیا اور جامِ آب دندانِ مبارک سے ٹکرانے لگا۔ حضرت نے وہ پیالہ اپنی کنیز کو دے دیا۔ اور خود بستر پر لیٹ گئے۔ ناگاہ پیشانی پر عرق نمایاں ہوا حضرت نے اپنا رُخ جانبِ قبلہ پھیرا اور کلمہ شہادتین پڑھتے پڑھتے روحِ مبارک جانبِ فردوس سدھار گئی۔

سامرہ میں یہ خبر مشہور ہوتے ہی لوگ دوڑ پڑے اور تھوڑی دیر میں تمام شہر درِ دولت پر جمع ہوگیا۔ کثرتِ گریہ سے لوگ بیتاب تھے۔ معتمد ملعون اپنی برأت کے لئے حاضر ہوا تھوڑی دیر میں حضرت کا جنازہ غسل و کفن سے آراستہ دولت سرا سے برآمد ہوا۔ علماء و فضلاء اور تمام اہلِ شہر گریبان چاک جنازہ کے ساتھ تھے۔ بیس ہزار سے زائد مجمع جنازہ کے ساتھ تھا۔ اس اہتمام سے سامرہ

میں کبھی کسی کا تابوت نہ اٹھا تھا۔ کوئی حضرت کے مصائب کا ذکر کر کے روتا تھا اور کوئی حضرت کی جوانی اور رعنائی کو یاد کر کے چیخیں مارتا تھا۔ غرض اس اہتمام سے تابوت مقبرہ میں لا کر رکھا گیا۔ معتمد نے اپنے مفتی ابوعیسیٰ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ جعفر ابن امام علی نقی علیہ السلام نے کہا کہ میں حضرت کا وارث ہوں یہ حق میرا ہے۔ جب میت کے قریب آئے اور صفیں مرتب ہوئیں۔ حجرہ سے ایک صاحبزادے جن کا چہرہ مثل چاند کے روشن تھا نمودار ہوئے اور میت کے قریب آ کر کہا۔ چچا ہٹ جائیے یہ میرا منصب ہے۔ امام کے جنازہ پر امام ہی نماز پڑھاتا ہے۔ خدا جانے کلام میں کیا اثر تھا کہ جعفر کو ذرا تامل نہ ہوا اور ہٹ گئے۔ اُن صاحبزادے نے کمالِ قرأت اور آدابِ شریعت کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد اختتام نماز پھر اسی طرف چلے گئے۔ پھر دیگر سادات اور جعفر نے حضرت کو امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔ یہ گیارھویں امام کی آخری نماز جنازہ تھی جو اس اہتمام اور ایک کثیر ہجوم کے ساتھ عالمِ غربت میں دفن ہوئی کہ آج تک کسی امام کا جنازہ اس طرح نہ اٹھا مگر کربل جوان کا جنازہ تھا گرفتارِ مصیبت کا جنازہ تھا۔ اس پر حسرت و ارمان کا جنازہ تھا جس کا فرزند بعض مجبوریوں سے ظاہر ہو کر لاش پر رو بھی نہ سکتا تھا۔ مگر پردیس میں بھی جوانی اور مصیبت پر رونے لے پیدا ہو ہی گئے۔

کربلا میں ہر طرح کی مثال موجود تھی۔ جوانوں میں علی اکبر ایسا کڑیل، عباسؑ کا ایسا خوش جمال قمر بنی ہاشم جس کا لقب ہو گیا۔ مصیبت میں حسینؑ کا ایسا غربت زدہ مسافر کون ہو گا۔ رونا کیسا جو اس کے عزادار تھے وہ رونے بھی نہ پائے اور قید کر کے کوفہ بھیج دیے گئے۔ اشقیا اپنی لاشیں دفن کر کے لاشِ امام کو زمین گرم پر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور لباس بھی جسم سے اتار لیا کہ مظلوم کا جسم عریاں زیرِ آفتاب پڑا رہے۔ حیرت ہے کہ پیغمبر کے استخواں میں یہ معجزہ ہو کہ زیر آسمان برہنہ کر دیئے سے ابر آسمان پر چھا جائے۔ اور پانی برسنے لگے۔ حسینؑ کا گوشت پوست خونِ رسول سے ہو پیدا ہوا تھا کا ش اٹھ کے ابر ہی آ کر سایہ کر لیتا۔ اور تمازتِ آفتاب سے لاش محفوظ رہتی۔ سامرہ میں پوتے نے دکھا دیا کہ ان ہاتھوں میں خدا نے یہ قدرت دی ہے کہ ہمارے اشارہ پر ابر کے ٹکڑے آسمان پر چھا جاتے ہیں اور جب ہم حکم کرتے ہیں وہ برسنے لگتے ہیں مگر اپنے لئے یہ معجزہ نمائی نہیں ہے جب دنیا پیاسی ہو اس کو سیراب کر دیں گے۔ اور خود پیاسے ہوں تو نہ ان ہاتھوں کو حرکت ہو گی

ربط مضامین

نہ لبوں کو جنبش، علی اصغرؑ پیاس سے تڑپے، سکینہؑ شور العطش بلند کرے مگر امام حسینؑ کے ہاتھ طلبِ باراں کے لیے نہ اٹھنا تھے نہ اٹھے۔

حسینؑ اور طلب آب، اے معاذ اللہ — تمام کرتے تھے حجت سوالِ آب تھا

اگر امام تشنہ کام چاہتے تو روزِ عاشورہ بھی یہ ابر آکر برس جاتے جو سامرہ میں امام کا اعجاز دکھلا گئے۔ خود نہر فرات وہ طوفان اٹھاتا کہ طوفانِ نوح فراموش ہو جاتا۔ مگر سوکھا گلا کٹانا منظور تھا۔ اُمت کی شقاوت اور اپنے صبر کا خدا کو معائنہ کرانا تھا۔ دُنیا سے پیاسے سدھارے۔ روحی لکم فدا یا ابا عبد اللہ لیکن پیاسے رہنے کا یہ فائدہ ہوا کہ دُنیا میں جگہ جگہ حسینؑ کے نام پر سبیلیں رکھتی ہیں شربت پلاتی ہیں۔ علی اصغرؑ بے شیر کے نام پر دودھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پلا کر علی اصغرؑ کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ وہی علی اصغرؑ جن کو ایک گھونٹ پانی نہ دیا، آب پیکاں سے سیراب کیا۔ آج دُنیا میں پیاسوں کو شربت پلا کر سیراب کرتے ہیں اور معصوم کے ماتم دار بنتے ہیں۔

سوگوارانِ حسینؑ! اس ننھے مجاہد کی پیاس اس کی شہادت کربلا کے واقعہ کی جزوِ اعظم ہے جس نے مظلومیت میں اہمیت پیدا کردی اور دُنیا امام کی مظلومیت کی قائل ہو گئی۔ سنگ دل ہی علی اصغرؑ کا نام سن کر رو دیتا ہے۔ کربلا والے بھولی بھولی کمھلائی صورت دیکھ کر رو رہے تھے۔ مگر یہ کسی سے نہ ہوا کہ ایک جام آب پلا کر بچے کو سیراب کر دیتے۔ حرملہ نے تیر لگا کر یہ امید بھی منقطع کردی بچہ باپ کی گود میں تڑپ کر رہ گیا لیکن یہ خونِ ناحق اتنا قیمتی تھا کہ مظلومِ کربلا نے اپنے چہرے پر مل لیا کہ اسی طرح روزِ قیامت خدا سے دادخواہ ہوں گا اور عرض کروں گا کہ اے مالک!

واقف ہے تو حسینؑ ترا بے گناہ ہے — مظلومیت پہ اصغرِ ناداں گواہ ہے

آپ کی ولادت ۸ ربیع الثانی ۲۳۲ھ اور شہادت ۲۶۰ھ ہے اس حساب سے عمر شریف ۲۸ سال ہے ۲۲ سال کے تھے جب امامت ہوئی۔ اس حساب سے ۶ سال امامت کا زمانہ ہوا۔ ۶ سال میں چار مرتبہ قید ہوئے حساب سے صرف چند ماہ آزادی کے پائے جاتے ہیں ان میں بھی ہر وقت نگرانی رہتی تھی کہ کوئی حضرت سے نہ مل سکے۔ مگر کثرت سے آپ کے کمالات و معجزات ہیں۔ تفسیر قرآن آپ کی مختصر زندگی کی یادگار اب تک باقی ہے۔ (ابو البیان سلیم)

قصیدہ در شانِ والا شان حامیٔ دینِ پیمبرؐ یادگارِ نسلِ حیدری امام حسن عسکری علیہ السلام

جلد لا ساقی صراحی میں شرابِ احمری
چڑھ گیا محفل میں دورِ بادۂ مدحت گری

بچ رہی ہو گر غدیرِ خم سے کچھ بھی ساقیا
لا ملا کر بادۂ احمر میں آبِ کوثری

وہ مے ساقی پلا جو درد سے یوں پاک ہو
قلبِ مومن جس طرح بغض و کدورت سے بری

ہے تمسک ساقیٔ کوثر سے مجھ کو دے وہ مے
حبِ حیدر جس کا بیعانہ ہو رضواں مشتری

دور یوں چلتا رہے ساقی برابر روز و شب
جس طرح چکر میں رہتا ہے یہ چرخِ چنبری

ہاتھ میں ساغر ہو اور جنبش سے گرتی ہو شراب
دیکھتا ہو تو مجھے اور میں تری عشوہ گری

صحنِ گلشن میں ہے جھرمٹ میکشوں کا ساقیا
وجد میں ہیں آج سارے شیعیانِ حیدری

آج کی شب وہ امام و مقتدا پیدا ہوا
جن سے پائی ارضِ سامرہ نے کیا کیا برتری

آج آیا دہر میں وہ ہادیٔ دینِ الٰہ
خضر سے رہبر کو ہے جس سے امیدِ رہبری

ہو بہو صورت میں اور سیرت میں محبوبِ خدا
شان و شوکت میں مجسم یادگارِ حیدری

لحن تھا وہ لحن سن لیتے اگر داؤد بھی
تا قیامت پھر نہ کرتے دعویٔ نغمہ گری

گو لباسِ کہنہ رہتا تھا ہمیشہ زیبِ تن
پر عطا کرتے تھے مسکینوں کو دیبا و زری

پاؤں میں نعلین بوسیدہ رہی گو عمر بھر
بوسے قدموں کو مگر دیتے تھے تاجِ خسروی

جانِ زہراؑ یادگارِ شبرؑ و شبیرؑ ہیں
نورِ چشمِ مرتضیٰؑ لختِ دلِ پیغمبری

حسن بھی زور و ہنر بھی تھے جو دونوں ایک جا
نامِ نامی تو حسن ہے اور لقب ہے عسکری

ماں تو ہیں امِ ولد اور باپ حضرت کے نقیؑ
پاک ہے نسلِ پدر طاہر ہے بطنِ مادری

حق نے وہ بیٹا دیا جس پر امامت ختم ہے
جانشیں خود دس اماموں کے جنابِ عسکری

وہ شرف سامرہ جا کر مل گیا تم کو سلیمؔ
روزِ محشر پاؤ گے محتاج کی تم افسری

بیان اکتیسواں

اتباع رسولؐ اثنا عشر کا ثبوت اسماءِ انبیاء و الٰہی سے اولی الامر کون ہے حضرت صاحب الامر کے وجود پر بحث اور ولادت۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ ۔ ترجمہ: یعنی اے رسول تم کہہ دو گروہ انسان کی طرف میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ وہ وہی خدا ہے جو زمین و آسمان میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے پس تم اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو خود خدا اور اس کے کلمات پر ایمان لا چکا ہے۔ وَاتَّبِعُوْهُ اور اس کی پیروی کرو۔ تاکہ تم بھی ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ اور قوم موسیٰ سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو راہِ حق کی ہدایت کرتے تھے۔ اور حق کے بموجب انصاف کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ خداوند عالم اپنے حبیب سے ایمان کی تعلیم دلاتا ہے۔ پہلے عبودیت کی طرف اشارہ ہے جس میں توحید کی تعلیم ہے اس کے بعد مالک زمین و آسمان ہونے کی تصدیق موت و حیات پر اس کے اختیارات۔ ایمان کے لئے ان صفاتِ الٰہیہ کی تصدیق ضروری ہے۔

اس کے بعد نبوت کو بتلایا کہ رسول ایسا ہونا چاہئے جس کو خدا نے تعلیم دے کر بھیجا ہو نبی امی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے بعد اتباعِ رسول پر زور دیا ہے۔ بغیر اتباع کے عمل بالارکان کی شرط پوری نہیں ہوتی جو شرطِ ایمان ہے۔ یعنی صرف زبان سے محمد رسول اللہ کہہ دینا ایمان کے لئے کافی نہیں اتباع بھی کرو جب تو مومن ہو گے ورنہ مسلمان ہو گے۔ اب تیسری شرط علم کہ

رسول بھی خدا پر بہ جمیع صفات ایمان لائے۔ اور اس کے کلمات پر ایمان لائے۔
کلمات کی لفظی تشریح طلب بات تھی۔ لہٰذا عالم مثال میں اُن کا شمار بتانے کے لیے موسیٰ کے
بارہ اسباط کی طرف اشارہ فرمایا۔ تاکہ پھر کوئی اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔ اب اگر اس سے
واضح تر کلمات کی تشریح درکار ہو تو رسول سے پوچھیے اور اس کا اتباع کیجیے: عَنْ مَسْرُوْقٍ
قَالَ كُنَّا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ
مَسْعُوْدٍ هَلْ حَدَّثَكُمْ نَبِيُّكُمْ يَكُوْنُ بَعْدِيْ خَلِيْفَةٌ قَالَ نَعَمْ كَعِدَّةِ نُقَبَاءِ
بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مسروق کہتے ہیں ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے پاس مسجد میں جمع تھے ایک
شخص آکر کہنے لگا آپ لوگوں کو پیغمبر خدا کچھ خبر دے گئے ہیں کہ میرے بعد کتنے خلیفہ ہوں گے۔
ابن مسعود نے کہا ہاں حضرت فرما گئے ہیں کہ نقباء بنی اسرائیل کے ہم عدد میرے خلیفہ ہوں گے
اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح مسلم میں دوسری حدیث
اس کے بعد مذکور ہوئی ہے۔ وَمِنْهَا عِنْدَهُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا يَنْقَضِيْ حَتّٰى يَمْضِيَ
فِيْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً یعنی ہمیشہ یہ کام (دین کا) جاری رہے گا جب تک میرے بارہ
خلیفہ کرتے رہیں گے۔ دونوں جمع کرنے سے آیت کا مضمون واضح ہو گیا کہ کلمات الٰہی وہی
ہیں جو نقباء بنی اسرائیل کے ہم عدد بارہ خلیفہ رسول کے ہیں انھیں کو چاہیے کہ کلمۃ اللہ کہیے یا خلیفہ
رسول صلعم اور انھیں سے دین کا کام جاری رہے گا۔ صلوٰۃ!

اور یہی ہمارے بارہ امام ہیں۔

بہر حال یہ وہ مبارک شمار ہے کہ اسماء حسنیٰ میں ہر نام اسی کا ہم عدد ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا
اللّٰهُ کو لیجیے جس کو ہر مسلمان کلمہ طیبہ کہتا ہے ذرا اس کے عدد تو شمار کیجیے۔ وہی نقباء بنی
اسرائیل کے برابر ہیں۔ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ہو یا الْحَمِيْدُ الْمَجِيْدُ الرَّؤُوْفُ
الرَّحِيْمُ ہو یا الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ ہو یا الخالق الباری الواحد الکریم ہو یا التواب الوہاب
سب اسباط موسیٰ کے ہم عدد ہیں۔ اسی طرح سے اگر انبیاء عظام کو لیجیے اس میں بھی وہی
بارہ کی تعداد میں حروف ملیں گے۔ آدم خلیفۃ اللہ۔ نوحؑ خالصۃ اللہ۔ ابراہیم
خلیل اللہ۔ اسمٰعیل ذبیح اللہ۔ داؤد نبی اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ۔ عیسیٰ مسیح

اللہ۔ محمدؐ رسول اللہ (صلعم) ہر ایک اثنا عشر کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسمار اثنا عشر کے ہر فرد کو سمجھیے۔ علی ابن ابیطالب۔ الحسن المجتبیٰ۔ الحسین الشہید۔ علی بن الحسین۔ الامام الباقر۔ الامام الصادق۔ الامام الکاظم۔ العلی بن موسیٰ۔ المحمد بن علی۔ علی بن الجواد۔ الحسن العسکری۔ القائم المہدی

ان سب میں اثنا عشر کی تعداد کا ثبوت موجود ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ عدد خدا کو اس قدر پسند تھا کہ اس کے اسماءِ حسنیٰ اسی کے ہم عدد۔ اس کے انبیاءِ عظام اسی کے ہم عدد۔ گویا خدا خود اثنا عشری، اس کے انبیاء اثنا عشری اور ہر امام اثنا عشری ہے۔ صلوٰۃ!

بڑا اہتمام کیا خدا نے ہر جگہ نبوت کے ساتھ ساتھ اطاعتِ آئمہ کا ذکر داخلِ قرآن کیا۔ اس آیت میں اتباعِ رسول کا حکم فرمایا اور پھر دوسری آیت میں صاف صاف اطاعت کا حکم دیا۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اے ایمان لانے والو اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو اس کے رسول اور والیانِ امر کی جو تمھیں میں سے ہوں۔ مخصوص اہلِ ایمان سے خطاب ہے عام مسلمانوں یا عام انسانوں سے خطاب نہیں ہے۔ حقیقت بھی یونہی ہے کہ جس سے توقع ہوتی ہے اس سے خطاب کیا جاتا ہے۔ ایک مقام پر شرائطِ ایمان تعلیم کر دیے کہ کلماتِ الٰہی پر ایمان شرط ہے پھر اس کے حد بھی بتلا دیے۔ اب ان کی اطاعت اسی طرح واجب کر دی جس طرح رسول کی آیت کی شان مراتب اولوالامر کو واضح کرتی ہے۔ پہلے اپنی اطاعت کا علیحدہ حکم دیا۔ کہ وہ لاشریک ہے۔ اس کی شرکت تسلیم کرنا موجبِ ضلالت ہے۔ پھر رسول اور اولی الامر کی اطاعت میں صرف وعطف کو فصل دے کر اطاعت کی ایک شان پیدا کر دی جیسے اطاعتِ رسول تم پر واجب ہے بالکل اسی کے مثل رسول کے بعد اولی الامر کی اطاعت واجب ہے صلوٰۃ!

اولی الامر کے بیرو تفسیر اہلبیت کا مطلب سمجھتے ہیں۔ وہ اطاعت شعار ہیں مگر زمانہ ساز مفسرین اولی الامر کو بادشاہِ وقت کہتے ہیں۔ اب چاہے پرتھوی راج ہو یا جے پال بت پرست یا محمود غزنوی بت شکن اور بابر مسلمان ہو وہ بھی اولی الامر۔ اس اصول پہ لازم آیا کہ جس

طرح رسول کی اطاعت کا حکم ہے ویسے ہی ہر صاحب راج کی اطاعت کریں کیونکہ درمیان میں سوائے ختم ظرف کے اور کوئی امتیاز نہیں۔ میں عرض کروں گا اس سے واضح حکم اور کیا ہو گا کہ نقباء اثنا عشر کی ابتدا جس سے ہوئی اس کا نام تو قرآن میں حسن کلام سے صدہا مقام پر آچکا ہے کہیں علی کو کہیں وجہ ربک ارشاد ہوا۔ کہیں ید اللہ ارشاد فرمایا اس میں لوگ تاویلیں کرتے ہیں۔ اب آخری نقیب کو چونکہ پوشیدہ رکھنا تھا اس لئے نام ظاہر کر دیا اولی الامر منکم جو تم میں صاحب امر ہو

پھر بھی بعض نام نہاد فرقہ اسلام میں حضرت کے وجود اور پھر غیب کے قائل نہیں۔ حالانکہ علماء فریقین نے آپ کی امامت اور وجود پر کثرت سے دلائل تحریر کئے ہیں۔ عالم فاضل شیخ ابو عبد اللہ محمد یوسف شافعی نے ایک کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں معتبر حدیثیں اور آپ کے موجود ہونے کے واقعات و دلائل کثرت سے نقل کئے ہیں۔ اور یہ دلیل بھی تحریر کی ہے کہ مثل جناب عیسیٰ ابن مریم اور خضر و الیاس کے کہ وہ دوستان خدا سے تھے اور اعور دجال و ابلیس کے جو دشمنان خدا سے ہیں ان لوگوں کا زندہ ہونا کتب احادیث سے ثابت ہے پھر حضرت کی بقا تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہے۔ بہر حال زمانہ غیبت کے واقعات کتب فریقین میں کثرت سے موجود ہیں۔ بعد امام حسن عسکری علیہ السلام آپ کی غیبت صغریٰ کا زمانہ بعض روایات سے چوہتر سال اور بعض اقوال سے انہتر سال پایا جاتا ہے۔

غیبت صغریٰ میں مخصوصین اہل ایمان حضرت تک پہنچتے تھے اور زیارت سے مشرف ہوتے تھے آپ کے چار نائب تھے جو ابواب امام عصر کے نام سے موسوم تھے۔ ایک حسین بن منصور حلاج۔ ان کے بعد عثمان بن سعید عمری، پھر ابو القاسم حسین بن روح، ان کے بعد ابو الحسن بن محمد۔ یہ حضرات خدمت امام میں پہنچتے تھے اور مسائل و عرائض حضرت تک پہنچاتے تھے۔ ان کے علاوہ اکثر زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔

اُن کے عہد امامت کا پہلا واقعہ یہ پیش آیا کہ ابو الادیان حضرت امام عسکری کا مخصوص خاص نقل ہے کہ امام ابو محمد علیہ السلام نے مجھ کو چند نامے دیئے اور فرمایا تم مدائن جاؤ اور میرے دوستوں کو یہ نامے پہنچاؤ اور جو کچھ وہ دیں وہ لیکر آؤ مگر جس روز تم واپس ہوگے وہ میری وفات کا روز ہو گا بعد میرے جو تم سے میرے خطوط کے جوابات طلب کرے اس کو دیدینا۔ ابو الادیان کہتا ہے میں نے عرض کی مولا

میں آپ کے بعد کس کو اپنا امام سمجھوں۔ فرمایا تم کو خود معلوم ہو جائیگا۔ واقعی میں ایسے وقت جوابات
لے کر واپس آیا کہ تابوت حضرت کا رکھا ہوا تھا اور جعفر حضرت کا نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مستعد تھے
میں نے اپنے دل میں کہا یہ شخص کیسے امام ہو سکتا ہے کہ میں نے اس کو ہمیشہ شراب و عشرت میں مبتلا دیکھا
ناگاہ ایک صاحبزادے گوشے سے برآمد ہو گئے اور ان کو ہٹا کر آگے کھڑے ہو گئے۔ اور نماز پڑھائی۔
سب حیرت میں تھے۔ جب بعد نماز لوگ دفن میں مصروف ہوئے ان صاحبزادہ نے مجھے اپنے پاس
بلا کر پوچھا۔ فلاں فلاں کے جوابات اور فلاں فلاں کا تحفہ تم لائے ہو؟ مجھے یقین کامل ہوا بے شک
میرے امام ہیں۔ عرض کی جی ہاں لایا ہوں یہ کہہ کر خطوط پیش کئے اور تحائف کی بابت عرض کیا میں حاضر
کروں گا وہ میرے گھر پر ہیں۔ ابوالادیان کہتے ہیں پھر حضرت ایک گوشے میں غائب ہو گئے۔ میں حضرت
کے دفن میں شریک ہوا۔ کچھ لوگ اہل قم کے وکیل ہو کر حضرت کے پاس خطوط اور مال خمس لائے تھے۔
حضرت کے دفن کے بعد وہ مستفسر ہوئے کہ امام کا قائم مقام کون ہے۔ جعفر نے کہا میں ان کا بھائی اور
جانشین ہوں۔ وکیلوں نے کہا ہم کچھ خطوط اور کچھ مال اہل قم کی طرف سے لائے ہیں لیکن جس طرح
امام فرما دیتے تھے کہ فلاں فلاں کا مال اس تعداد اور اس رنگ کی تھیلی میں ہے اسی طرح آپ بھی ہم
کو خبر دیجئے تو ہم آپ کے پاس حاضر کر دیں۔ اور آپ کو جانشین امام تصور کریں۔ جعفر بگڑنے لگے اور
کہا تم غلط کہتے ہو امام عسکری کو علم غیب نہیں تھا۔ سوائے خدا کے اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ وکلاء
نے کہا ہم تو اسی شخص کو مال دیں گے جو اسی دستور پر عامل ہوگا۔ غرض جعفر ناخوش ہو کر معتمد کے پاس
شکایت لیکر گئے اور یہاں دولت سرا سے ایک خادم برآمد ہوا اور سب کا نام لیکر پکارا فلاں فلاں
وکیل فلاں فلاں شخص کہاں ہیں۔ یہ لوگ دوڑے۔ اس خادم نے کہا تمہارے امام نے خطوط اور اس
قدر فرستادہ مال طلب کیا ہے جو اس اس رنگ کے تھیلوں میں ہے۔ وکیلوں نے کہا بے شک
وہ ہمارا امام ہے۔ جو ہم سے اس طرح طلب کرے۔ پھر وہ سب اس خادم کو دیکر پیام عرض کیا۔
خادم نے سب کے جوابات اسی وقت بتلا دیے۔ وکلاء رخصت ہو کر چلے تھے کہ ملازمین معتمد نے حکم
شاہی سنایا کہ خلیفہ تم کو طلب کرتا ہے۔ جب معتمد کے پاس پہنچے اس نے کہا وہ خطوط اور مال جعفر کو کیوں
نہیں دیتے۔ وکیلوں نے کہا ہم سب وکیل ہیں جو شرائط ہم کو صاحبانِ مال نے بتائے تھے وہ صفات
ان میں نہیں ہیں جن میں ہم نے وہ صفات پائے انھیں دیدیا۔ پھر خادم کا آنا اور مال کی تفصیل بیان

کرنا نقل کر دیا۔ معتمد نے اپنے ملازمین کو بھیجا۔ حضرت کے دولتسرا کی تلاشی لی تو وہاں کوئی نہ ملا۔ معتمد نے وکیلوں کی جامہ تلاشی لی وہاں بھی کچھ برآمد نہ ہوا۔ معتمد نے ان کو بھی چھوڑ دیا اور جعفر کو نکلوا دیا۔

صلوٰۃ!

معتمد باللہ کے زمانہ میں بھی اکثر معجزات کی خبریں پہنچیں۔ اس نے رشیق اپنے حاجب کو حکم دیا کہ تم چند اشخاص کو ساتھ لے کر جاؤ اور حضرت کا مکان گھیر کر گھر میں تلاشی لو اور جس حال میں پاؤ گرفتار کر لاؤ۔ رشیق نے دولت سرا کا محاصرہ کر لیا اور چند شخصوں کو لیکر داخل خانہ ہوا۔ دیکھا نہایت عمدہ مکان ہر طرف بنے ہیں اور درمیان میں پانی بھرا ہوا ہے اور وسط آب میں جانماز پر حضرت مصروف نماز ہیں۔ رشیق نے اپنے ایک ہمراہی کو حکم دیا کہ جا کر گرفتار کرے جونہی اس نے پانی میں قدم رکھا غرق ہونے لگا۔ اور چیخنے لگا۔ اس کو بمشکل کھینچ کر باہر لائے۔ دوسرے نے قصد کیا اس کی بھی یہی حالت ہوئی۔ آخر رشیق نے فریاد بلند کی اور کہا میں توبہ کرتا ہوں۔ اور باز آتا ہوں مجھے معاف فرمائیے۔ یہ کہہ کر چلا آیا۔

ابو القاسم جعفر ابن محمد ناقل ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ حجر اسود کھودا گیا ہے اور پھر سے تعمیر خانہ کعبہ ہو رہی ہے جانتا تھا کہ بغیر حجت خدا کے حجر اسود نصب نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس سال کہ ۳۳۹ھ تھا قصد کر لیا کہ ضرور مکہ جا کر خود مشاہدہ کروں گا اور اس حدیث کا تجربہ کروں گا مگر سخت علیل ہو گیا۔ آخر اپنی طرف سے ابن ہشام قمی کو زر کثیر دیکر اپنا نائب کیا اور ایک عریضہ دیا کہ جب تم دیکھنا کہ سنگ اسود کو کوئی شخص اٹھا رہا ہے اور وہ بلا دقت کے اٹھ گیا ہے۔ اس کو یہ عریضہ دے دینا۔ عریضے میں میں نے یہ سوال تحریر کیا تھا کہ میں اس مرض سے نجات پاؤں گا یا نہیں۔ اور کس قدر عمر اب باقی ہے۔ ابن ہشام کو یہ بھی سمجھا دیا کہ خدام کعبہ کو زر کثیر دیکر رضا مند کر لینا کہ وہ وقت معینہ پر تم کو بھی وہاں پہنچا دیں۔ ابن ہشام ناقل ہیں کہ جب میں مکہ پہنچا خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ میں نے خدام کعبہ کو زر مطلوبہ دے کر موافق کر لیا انھوں نے مجھ کو وقت معینہ پر پہنچا دیا۔ میں نے دیکھا بہت سے مقدس اور عبادت گزار جمع ہیں اور اس پتھر کو اٹھانا چاہتے ہیں مگر اس کو جنبش نہیں ہوتی مگر اس میں لرزہ پیدا ہے لوگ ڈر کر ہٹ گئے۔ ناگاہ ایک شخص بلند قامت خوبرو گندم رنگ آیا اور بہ آہستگی کچھ پڑھ رہا تھا

لگایا سنگ اسود خود بخود بلند ہو کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ لوگ یہ دیکھ کر دوڑ پڑے۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ شخص اپنے مقام پر پتھر نصب کر چکا تو میں اس خیال سے کہ کہیں غائب نہ ہو جائے بڑھا مگر رعب سے مجھ میں حرکت نہ تھی ناگاہ اس شخص نے مجھ سے خود خطاب فرمایا ابوالقاسم جعفر کا نامہ تیرے پاس ہے تو کیوں نہیں دیتا۔ میں نے جلدی سے وہ نامہ پیش کیا قبل ملاحظہ کرنے کے فرمایا ابوالقاسم سے کہہ دینا اس مرض سے خدا تجھے نجات دے گا۔ مگر ۳۶۷ھ میں اس کی عمر ختم ہے۔ یہ فرما کر غائب ہو گئے۔ ہر طرف سے ھذا حجت اللہ کا شور بلند ہوا۔ اور ہر شخص ان کو ڈھونڈ تا رہا۔ مگر پھر کسی نے نہ دیکھا۔ صلوٰۃ!

کعبہ میں زیارتِ امام

روز سرور مومنین ہے اور پھر خمخانۂ مستانِ غدیر کا آخری دور۔ میکشانِ بادۂ ولا کو آج جوشِ ولا میں کچھ اٹھا نہ رکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد پھر کوئی عید دُنیا میں آنے والی نہیں۔ آغوشِ زمین میں یہ آخری حجتِ خدا تھا جس کی ولادت کے بعد سلسلۂ نزولِ نعمت ختم ہو گیا۔ آج وہ امام پیدا ہوا کہ نبوت اس کے سایہ میں نظر آتی ہے جو ختمی مرتبت کا آخری جانشین مقتدا ہو گا اور عیسیٰ روح اللہ اس کے مقتدی، عیسیٰ مسیح اور الیاس و خضر اس کی بیعت کریں گے۔ یہ ہے ایک رمز قدرت کہ خدا نے پہلے سے اس مولود میں اور جناب عیسیٰ میں رابطہ محبت پیدا کر دیا اور یہ دُرِ امامت دو صدف شرافت سے پیدا ہوا جس میں بحر نجابت سے جناب مسیح کو خاص تعلق تھا اور پیغمبرِ آخر الزماں کا پوتا خاتم حجج الٰہی عیسیٰ مسیح کا نواسہ قرار پایا۔ علم انساب کے جاننے والے سمجھتے ہیں کہ ملیکہ مادر حضرت نرجس خاتون شمعون وصی جناب عیسیٰ کی نسل سے تھیں اور آپ کا یہ وصل و پیوند نمونۂ قدرت اور ایک معجزۂ روشن ہے۔ صلوٰۃ!

طولانی حکایت ہے عشق و محبت کا دلچسپ واقعہ ہے مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہتا ہوں صلوٰۃ پڑھئے تو منزلِ عشق کی راہیں آسانی سے طے ہوں محفلِ میلاد میں بزمِ شادی کا لطف بھی حاصل ہوں۔ بشیر انصاری ناقل ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مجھ کو ایک خادم کے ذریعے سے طلب فرمایا جب میں آیا تو دیکھا ایک نامہ بخط رومی اور ایک کیسہ رکھا ہوا ہے فرمایا یہ تھیلی روپیوں کی لو اس میں دو سو بیس دینار ہیں اور یہ خط لو اور بغداد چلے جاؤ کل صبح کو دجلہ کے کنارے پہنچ جانا تم کو ایک کشتی آتی ہوئی ملے گی۔ اس پہ سے ایک بردہ فروش عمر ابن

یزید نامی شخص چند کنیزوں کے اترے گا۔ ان کنیزوں میں سے ایک کنیز لاغر اندام صاحب حیا سب سے
علیحدہ ہوگی تم اس کی خریداری کے متعلق گفتگو کرنا۔ بردہ فروش اس کی بیماری کا حیلہ کریگا۔
تم یہ خط اس کنیز کو دیدینا۔ بعد حجت بسیار اس رقم پر معاملہ طے ہوگا تم اس کنیز کو لیکر چلے آنا۔
بشیر کہتے ہیں حکم امام کے بموجب صبحدم دجلہ کے کنارے پہنچ گیا۔ دیکھا سامنے سے ایک کشتی
کنارہ پر آکر ٹھہری جس میں سے چند کنیزیں اور بوڑھا بردہ فروش اترا۔ میں نے اس سے گفتگو شروع
کی۔ اس نے مجھ سے اس کنیز کی بابت پہلے انکار کیا مگر جب میں نے امام کا خط اس کنیز کو دیا جس کا پتہ
امام نے بتایا تھا۔ وہ کنیز اس خط کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوئی اور بردہ فروش کو معاملے پر آمادہ کیا۔
غرض میں ۲۲۰ دینار دیکر ان معظمہ کو اپنے گھر لے آیا۔ ان معظمہ سے میں نے پوچھا کہ تم اس نامہ کو پڑھ کر
بہت خوش ہوئیں اور تمھاری حالت بدل گئی اس کا کیا سبب ہے۔ ان معظمہ نے کہا میرا واقعہ
عجیب ہے۔ میں شمعون وصی جناب عیسیٰ کی ذریت سے ہوں اور قیصر روم کی پوتی ہوں۔ میرے دادا نے
میرے عقد کا سامان میرے چچا زاد بھائی کے ساتھ طے کیا تھا جب روز شادی آیا اور بارگاہ آراستہ
کی گئی تمام علماء نصاریٰ جمع ہوئے تخت پر دولھا متمکن ہوا۔ ناگاہ ایک ایسی طوفانی ہوا آئی کہ بارگاہ
الٹ گئی اور لوگ مجروح ہوگئے۔ لوگوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ ساعت درست نہ تھی۔ پھر تمام راہبوں
نے خوب غور و فکر کے ساتھ ساعت تجویز کی اور پھر انتظام شادی مہیا ہوا۔ اس مرتبہ اس سے
زیادہ طوفان آیا۔ اور تخت الٹ گیا۔ اب سب راہبوں کی رائے ہوئی کہ یہ شادی مبارک نہیں ہے
اسی شب میں میں نے خواب میں دیکھا ایک قصر آراستہ ہے اور تمام حواریین جناب عیسیٰ جمع ہیں
اور خود حضرت عیسیٰ اور میرے جد بزرگوار یوشع بن نون تشریف فرما ہیں۔ اور پیغمبر آخر الزمان
صلعم تشریف لائے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ المسیح فرماتے ہیں کہ میرے فرزند ابو محمد کا عقد اس دختر کے
ساتھ پڑھ دو۔ پھر ایک ممبر نورانی نصب ہوا۔ اور خود جناب رسول خدا نے ممبر پر جا کر خطبہ پڑھا۔
اور جناب مسیح نے میری طرف سے عقد پڑھا۔ تمام حواریوں نے شہادت دی اور جلسہ برخاست ہوا۔
جب میں بیدار ہوئی میرے دل میں خود بخود ان جناب کی محبت پیدا ہوگئی اور بیقراری بڑھتی گئی
یہاں تک کہ آب و غذا سے بالکل نفرت ہوگئی۔ میں سخت بیمار ہوگئی۔ اطباء شاہی نے ہرچند علاج
کیا مگر کچھ نفع نہ ہوا۔ چودہ روز کے بعد پھر میں نے ایک خواب دیکھا کہ جناب مریم اور جناب فاطمہ زہرا

بنت رسولؐ اللہ تشریف لائیں اور مجھ سے فرماتی ہیں کہ جب تک دینِ اسلام قبول نہ کرو گی تمہارا مقصد دلی بر نہ آئیگا۔ میں نے کہا آپ مجھے ہدایت فرمائیں ان معظمہ نے مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔ اسی شب سے حضرت ابو محمد میرے پاس روز خواب میں آنے لگے۔ ایک روز حضرت نے مجھ سے فرمایا اب تیرے ملحق ہونے کا زمانہ قریب ہے۔ سرحد پر مسلمانوں کا لشکر قریب آگیا۔ تیرا دادا قیصر روم اس کو دفع کرنے کے لئے لشکر لے کر جائیگا تو بھی اصرار کر کے ساتھ جا۔ اور جب لشکرِ اسلام سے تیرے دادا کا لشکر ملحق ہو تو کسی طرح سے ان میں شامل ہو جا۔ وہ تجھے لے جا کر بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کریں گے پھر میں تجھ کو خرید لوں گا۔ حضرت نے جیسا فرمایا تھا وہ سب کچھ پیش آیا۔ یہاں تک کہ تم مجھ کو اس بردہ فروش سے لے آئے۔

بشیر یہ واقعہ سن کر جوشِ محبت سے بیخود ہو گئے اور کہا الحمد للہ کہ میں اس کا معین قرار پایا۔ پھر ان معظمہ کا نام پوچھا کہا میرا نام ملیکہ ہے۔ میں نے بردہ فروش سے نرجس بتایا ہے جو میرا دوسرا نام ہے۔ غرض بشیر جب ان معظمہ کو لیکر خدمتِ امام میں پہنچا حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنی خواہر حکیمہ خاتون کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ لو بہن اس کو آدابِ شریعت تعلیم کرو اس سے حجتِ خدا اور امامِ آخر پیدا ہوگا۔ یہ بہترین عالم اور حجتِ خدا کی ماں ہو گی۔ بہر حال وصیِ عیسیٰ مسیح کی بیٹی وصیِ ختمی مرتبت کی بہو ہو کر خانۂ امام میں رہنے لگیں۔ یا یوں عرض کروں کہ آپ ہاجرۂ ثانیہ تھیں کہ فخرِ خلیل کی کنیزی میں آکر بادشاہِ دو عالم کی ماں ہو گئیں۔ صلوٰۃ!

آئی وہ ساعتِ مسعود اور ماہِ شعبان بدرِ کامل بن کر آسمانِ سعادت پر چمکا۔ گنبد فیروزہ کار پر ستاروں کے چراغ جگمگانے لگے۔ دریچہ ہائے جنت کھل گئے۔ حوریں آراستہ ہوئیں بلبل سدرہ نشین نغمہ خوانی پر مائل ہوا۔ سرو چمن جھومنے لگے۔ باغِ فردوس کی ٹھنڈی ہوائیں آنے لگیں۔ گلزار عالم مستِ بہار ہو کر نمونۂ جنت بن گیا۔ سبزۂ خوابیدہ نے انگڑائی لی۔ نرگس نے خوابِ ناز سے آنکھیں کھولیں۔ بادِ بہاری مژدۂ بہار لیکر امام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے کمالِ مسرت میں اپنی پھوپھی حکیمہ خاتون کو بلا بھیجا اور کہا آج روزہ میرے گھر افطار کیجئے اور شب کو یہیں قیام کیجئے۔ کچھ خبر ہے آج حجتِ خدا خاتم آئمہ کی آمد کا روز ہے۔ یہ معظمہ نوید مسرت سن کر خوشی خوشی نرجس خاتون کے پاس آئیں۔ وہاں کوئی علامت و آثارِ حمل نہیں پائے۔ حیرت ہوئی مگر خواہر

امام تھیں۔ یقین تھا کہ جو کچھ امام نے فرمایا ہے وہ ضرور واقع ہوگا معظمہ فرماتی ہیں کہ نصف شب تک کوئی اثر نہ تھا۔ رات گئے جب میں پھر نرجس کے پاس آئی اور دریافت کیا تو اس نے حیا سے سر جھکا لیا۔ میں اس کو حجرہ میں لے گئی اور میں نے اس کو فرش پر لٹا کر آیت الکرسی اور سورۂ انا انزلنا پڑھنا شروع کیا۔ شکمِ مادر سے بچے نے انھیں سورتوں کی تلاوت کی۔ چاندنی بیٹھ رہی تھی کہ دفعتہً آفتابِ امامت طلوع ہوا۔ سب کی آنکھیں جھپک گئیں۔ اب جو دیکھا تو ایک ماہ پارہ سجدہ میں سر جھکائے ذکرِ معبود کر رہا ہے۔ جوشِ محبت میں مولود کو گود میں اٹھا لیا اور حضرت بھی خبر پا کر تشریف لائے دیکھا تو بچہ ناف بریدہ ختنہ شدہ اَب و جد کی طرح پاک و پاکیزہ ہے۔ حضرت نے گود میں لے کر زبانِ مبارک بچے کے منہ میں دیدی، کچھ دیر کے بعد پھر بچے کو شانہ پکڑ کر زانو پر بٹھایا اور فرمایا کچھ پڑھو۔ مولود نے بسم اللہ پڑھ کر آیات کی تلاوت کی۔ نبی آخر الزمانؐ اور ہر امامؑ پر سلام بھیجا۔ معظمہ فرماتی ہیں پھر چند مرغ خوش نما دکھائی دیے۔ حضرت نے ایک مرغ کو سپرد کیا اور کہا لے جاؤ اور بحفاظت پھر لے آنا۔ وہ مرغ بچے کو لیکر غائب ہوگیا۔ میں نے پوچھا یہ کون تھا امام نے فرمایا یہ سب ملک مقرب تھے۔ اور جس کو میں نے بچہ سپرد کیا ہے یہ روح الامین تھے اس کو جنت کی سیر کرانے لے گئے ہیں کہ تمام ملائک مشتاق تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ تیسرے روز پھر حضرت کو واپس لائے۔

جنابِ حکیمہ فرماتی ہیں جب میں نے بچے کو پھر بغور دیکھا تو داہنے بازو پر جاء الحق و زھق الباطل بصورتِ مُہر کندہ ہے۔ صلواۃ!

احادیث تصدیق کرتی ہیں کہ مولود میں تمام شباہتیں جد کی تھیں۔ وہی گیسو، وہی ابرو، وہی خط و خال، وہی حسن و جمال وہی گندمی رنگ، وہی نام نامی، وہی کنیت، اسی طرح امی لقب اور اسی طرح ختمی مرتبت۔ اور یہ آخری شباہت تھی کہ بازوئے مبارک پر یدِ قدرت کی مُہر درخشاں تھی۔

دستور ہے کہ کتاب کے خاتمہ پر مُہر دی جاتی ہے، وہ کتاب نبوت تھی وہاں بھی خاتمہ پر مُہر یہ صحیفۂ امامت ہے یہاں بھی خاتمہ پر قدرت نے مُہر لگا دی۔ صلواۃ!

قطعہ تاریخ ولادت حضرت حجت عجل اللہ فرجہ بعنوان چیستان

سرِ خدا اک ذات ہے فی الوقت جو مستور ہے
ہم کیا بتائیں ہے کہاں نزدیک ہے یا دور ہے

وہ آگ کا شعلہ نہیں وہ برقِ جوّالہ نہیں
سمجھو نہ جنسِ مختلف جن ہے نہ کوئی حور ہے

انسانِ کامل فطرۃً منصوص عصمت خلقتاً
مغلوبِ نفسانی نہیں بر نفس پر مامور ہے

چھپنے کا کوئی ساز ہے نے حیلہ ہائے ناز ہے
خود داریوں کا ذوق ہے نے حُسن پر مغرور ہے

خود دید کے قابل بھی ہے بالقصد مخفی بھی نہیں
بالواسطہ قادر بھی ہے بالذات وہ مجبور ہے

تحقیقِ اہلِ عقل میں لاریب وہ موجود ہے
قدرت نے مخفی کر دیا جب تک اسے منظور ہے

سالِ ولادت کے عدد قرآن سے روشن ہوئے
اللہ کا رکھا ہوا اسمِ مبارک "نور" ہے
۲۵۶ھ

مخمس در مدح حضرت حجت عجل اللہ فرجہ

کچھ ان دنوں عروج پر نصیبِ روزگار ہے
بلند آسمان سے بھی زمین لالہ زار ہے
بہار سبزہ زار ہے شباب برگ و بار ہے
شجر شجر سے فصلِ گل چمن میں آشکار ہے
ریاضِ دہر آجکل بہشت کا دیار ہے

نکل رہی ہیں کونپلیں عجیب نمو کا جوش ہے
نکھر نکھر کے ہر شجر چمن میں سبز پوش ہے
چہک رہی ہیں بلبلیں بلند نا و نوش ہے
گلوں کو ہے یہ محویت ہر اک صدا بگوش ہے
سکوت میں بھی بیخودی کا رنگ آشکار ہے

پھریں ہزار بلبلیں شجر شجر قفائے گل
نہ چھونے پائے بوئے گل سے دامنِ ہوائے گل
صبا کے دست برد سے کہاں تلک بچائے گل
جگہ جگہ خبر رساں نسیم آشنائے گل
رقیب کا پیامبر گلوں کا رازدار ہے

صبا کے دستِ ظلم سے کلی کلی چٹک گئی
جدھر جدھر گزر ہوا گلی گلی مہک گئی

جگر میں عندلیب کے اک آگ سی بھڑک اٹھی ورق الٹ پلٹ گئے قبائے گل مسک گئی

بضاعتِ چمن لٹی یہ ہر طرف پکار ہے

وہ لاجواب گل کھلے نہاں ہے جن میں خاصیت ہر اک میں حسبِ مادہ برودت اور ناریت

تمام ذی حیات کی ہے منحصر جن پہ عافیت سما سکے نہ فہم میں بشر کے جس کی ماہیت

وہ بوٹیاں کہ جن میں جذبِ شانِ کردگار ہے

وہ بوٹیاں وہ پتیاں زمیں پہ جن کو ناز ہے ہر اک مرض کی ہے دوا بشانِ چارہ ساز ہے

اسی حکیم فلسفی کا یہ بھی ایک راز ہے رقم ورق پہ نسخۂ طبیبِ بے نیاز ہے

مگر نگاہ چاہیے کہ یہ خطِ غبار ہے

ہزاروں درد کی دوا وہ بوٹیاں وہ پتیاں بنا لو جس سے کیمیا وہ بوٹیاں وہ پتیاں

ثبوتِ حکمتِ خدا وہ بوٹیاں وہ پتیاں فیوضِ مبدءِ شفا وہ بوٹیاں وہ پتیاں

پتہ جو اس کا پوچھئے دراصل کوہسار ہے

وہ پتیاں وہ بوٹیاں اگل پڑیں کہیں سے اب مسیح بھی نظر کریں نہ جو چرخِ چارمیں سے اب

تو وہ بھی آ کے کام لیں گلاب و یاسمیں سے اب نکل رہی ہیں بعدِ مرگ حسرتیں زمیں سے اب

کہ جس جگہ وہ گل کھلے کسی کا واں مزار ہے

انھیں گلوں میں سینکڑوں کو دارو شفا ملی یہاں کی خاک چھان کر کسی کو کیمیا ملی

حیاتِ جاوداں ملی دمِ فنا یہ کیا ملی مگر ہمیں تو آج تک نہ ہجر کی دوا ملی

کہ اب مریضِ ہجر کا یہ وقتِ احتضار ہے

جہاں میں بڑھ کے ہجر سے نہیں شبِ بلا کوئی کہاں تلک سہا کرے ستم کوئی جفا کوئی

الٰہی دردِ ہجر میں نہ اب ہو مبتلا کوئی نہ اس کا کچھ علاج ہے نہ اس کی ہے دوا کوئی

نہ کوئی چارہ ساز ہے نہ کوئی غمگسار ہے

پڑا تھا فرشِ خاک پر خود اپنے غم میں نوحہ گر بہ سر جنوں بہ دل الم بہ لب فغاں نگہ بہ در

جو یک بیک ہوا چلی صبا نے آ کے دی خبر نکال دل کی حسرتیں چمن کی چل کے سیر کو

کہ گلشنِ امام میں عروج پر بہار ہے

جنابِ عسکری کے گھر میں آمدِ بہار ہے　　نظیرِ گلشنِ ارم عرب کا خار زار ہے
ہر ایک پھول زیبِ قطار در قطار ہے　　شگفتگی پہ غنچۂ دل امیدوار ہے
کھلی ہے چشمِ نرگسی کسی کا انتظار ہے

امام کے مکاں پہ ہے نزولِ رحمتِ خدا　　پیامِ تہنیت ہے یا کمالِ شفقتِ خدا
جہاں پہ ختم ہو چکی بس آج نعمتِ خدا　　تمام کر چکا قلم کتابِ حجتِ خدا
نشانِ مہر بازوِ یمیں پہ آشکار ہے

علامتیں دکھا رہی ہیں شکلِ شانِ داوری　　نشانیاں بتا رہی ہیں صورتِ پیمبری
نہاں ہیں بند مٹھیوں میں قوتِ غضنفری　　رگوں میں جوش مارتا ہے خونِ نسلِ حیدری
بتا رہی ہیں چتونیں کہ طفل ہونہار ہے

جمالِ شعلہ بار میں علامتیں بھری ہوئی　　نگاہِ دل فگار میں شجاعتیں بھری ہوئی
زبانِ شیر خوار میں ہدایتیں بھری ہوئی　　لبِ مسیح بار میں کرامتیں بھری ہوئی
ہو موت یا کہ زندگی ہر اک پہ اختیار ہے

ابھی سے دل میں اٹھ رہا ہے دردِ شوقِ رہبری　　ابھی سے سر میں ہے ہوائے تاج کشوری
نگاہِ ذوق ڈھونڈھتی ہے مسندِ پیمبری　　بھرا ہوا کلائیوں میں زورِ فتحِ خیبری
کہ یہ پسر گرہ کشائے بختِ ذوالفقار ہے

اسی کے عکسِ حسن سے بہشت کی بہار ہے　　فلک پہ مہر و ماہ ہیں زمیں پہ سبزہ زار ہے
نہاں ہیں گو حجاب میں پہ فیض آشکار ہے　　قیام اسی کا موجبِ قیامِ روزگار ہے
کہ فی المثل بشر ہے وہ پہ شانِ کردگار ہے

رسالتِ محمدی حضور کی پیمبری　　فروغِ دینِ احمدی اصولِ شرعِ جعفری
خلافتِ یداللّٰہی مبارزاتِ حیدری　　امامتِ حسنؑ سے لیکے تا بہ عہدِ عسکری
اسی کی ذاتِ منتہی پہ سب کا انحصار ہے

اگر کہیں وجود اس کا خلق میں ہوا نہیں　　تو ہم کہیں گے آج تک کسی سے یہ سنا نہیں
سفینہ خود بخود رواں ہے کوئی ناخدا نہیں　　پیمبرِ خدا کا قول تم کو یاد کیا نہیں

نہ ہو جو حجتِ خدا زمیں کو کب قرار ہے

جو غیبت امام کو کسی کو قیل و قال ہے ۔ کہ جب وجود ہو چکا تو غیب پھر محال ہے
تو ہم کہیں گے عقل سے بعید یہ خیال ہے ۔ مسیح اور خضر کی کھلی ہوئی مثال ہے

نظر سے گو نہاں ہیں وہ وجود آشکار ہے

عجیب طرح کی کھلبلی پڑی ہے شیخ و شاب میں ۔ ہوں فلسفی کہ منطقی پڑے ہیں اضطراب میں
بہ قدر فہم سعی کی ہر ایک نے جواب میں ۔ عقول تھک کے رہ گئے دلیل حق کے باب میں

بشر سے منکشف ہو کیا جو رازِ کردگار ہے

امامت ان کی مانئے تو پھر علیؑ کو مانئے ۔ یہ سلسلہ رسول کے ہر اک ولی کو مانتے
جو ایک کو بھی مانئے تو پھر سبھی کو مانئے ۔ عقیدۂ اصول دینِ جعفری کو مانئے

نہ مانئے تو کیا کسی کا اس میں اختیار ہے

سلیم دُر پرو چکے لڑی لڑی بنا چکے ۔ پسند خاص ہو چکے حضور پر لُٹا چکے
تمام اہلِ بزم سے سخن کی داد پا چکے ۔ بہ قدر حوصلہ گہر کی قیمتیں لگا چکے

یہ نظم ہے کہ حرف حرف درِ شاہوار ہے

بیان بتیسواں

حضرت کے ظہور پر بحث اور امام کا ہر عہد میں ہونا بحرین میں ظہور معجزہ آخر میں مصائب جنت البقیع مظالم ابن سعود اور اسکی وجہ قابل بیان یوم غم

من القرآن الکریم۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ قرآن اس کی شہادت دیتا ہے کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے اور کل فرشتوں نے اور صاحبانِ علم نے جو عدل پر قائم ہیں کہ سوائے اس کے زبردست حکمت والا اور کوئی نہیں ہے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے

کہ اہلِ علم سے مراد انبیاء اور اوصیاء ہے بخصوصاً قائم آلِ محمد جو اپنے عہد میں شاہد اور اس کی وعدہ بخت کا تصدیق کرنیوالا ہوگا۔ وہی عادل وداد سے دُنیا کو بھر دے گا۔ اور ظلم کو دُور کر دے گا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَم اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْوَجْہِ اَقْنَی الْاَنْفِ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا۔ ابوسعید خدری حضرت کی بیان کی ہوئی حدیث کو نقل کرتے ہیں فرمایا حضرت نے کہ مہدی مجھ سے ہے وہ چمکتی ہوئی پیشانی اور بلند بینی والا زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے مملو ہوگی۔ ملاحظہ ہو۔ وہی زبانِ قدرت سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں کہ نبی امی نے اس کی تفسیر کر دی۔ اب تو مسلمانوں کو قَائِمًا بِالْقِسْطِ کے معنی میں دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ ایک مقام پر خدا نے اُولِی الْاَمْرِ کہہ کر پہچنوا دیا اور اس آیت میں قائم حضرت کا دوسرا نام ذکر کر دیا۔ اس کے رسول نے اس کا تیسرا نام مہدی بتلا کر مرقع کھینچ دیا۔ غائب غیبت میں نام سے معرفت حاصل کرو اور جو اُمت اپنی خوش نصیبی سے ظہور کے وقت موجود ہو وہ اس کی چمکتی ہوئی پیشانی اور بلند بینی سے پہچان لے اسی کو خدا نے قرآن میں قَائِمًا بِالْقِسْطِ کہا۔ باوجود اس اہتمام تبلیغ کے پھر بھی بعض رہبرانِ اسلام کو حضرت کے وجود اور ظہور میں شک ہوا۔ اور اپنے مقام پر کہہ دیا کہ جب وجود ہو چکا تو پھر دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ شے موجود کا دکھائی نہ دینا محال ہے۔

بہلول دانا بھی تشریف فرما تھے۔ شامتِ اعمال ان سے چھیڑ کر بیٹھے کہ تمھارا اعتقاد ہے کہ تمھارے امام ظہور کریں گے اور عدل کریں گے! اگر اس عقیدہ پر قائم ہو تو ہم کو اس وقت پانچسو دینار قرض دو کہ ہم اس وقت جب تمھارے امام ظہور کر دیں گے ادا کر دیں گے۔ بہلول دانا نے کہا بیشک ہمارا یہی عقیدہ ہے اور ہم اس شرط پر قرض دینے کے لئے تیار ہیں مگر ایک شبہ ہے اور وہ یہ کہ تم اس کی ضمانت دو کہ تم اس وقت کتے یا سؤر نہ ہو جاؤ گے اگر تم مسخ ہو گئے تو میں کس سے اپنا روپیہ وصول کروں گا؟ حاضرین نے ایک قہقہہ لگایا اور یہ اپنے عصا کے گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیئے۔ صلواۃ!

جاہلوں کو دھوکا دینے کے لئے محال کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن جب اس کے اصول سے مطابق کیا جائے تو معلوم ہو کہ محال کیا شے ہے اور ممکن کیا۔ احکام نے علم منطق میں محال کی

دو قسمیں قرار دی ہیں۔ محالِ عقلی اور محالِ عادی۔ محالِ عقلی جس کا وجود ممکن ہی نہ ہو جیسے ظلمت و نور یکجا نہیں ہو سکتے یہ محال محالِ عقلی ہے اور محالِ عادی وہ ہے جس کا امکان ہو سکتا ہے مگر کبھی ہوا نہیں جیسے تازہ مولود کا فوراً کلام کرنا کہ ایسا بالعموم ہوتا نہیں ہے مگر ایسا ہونا ممکن ہے حضرت حجت کا موجود ہونے کے بعد غائب رہنا نگاہوں سے کسی صورت محال کی تعریف میں نہیں آتا۔ اس کا محال کہنا بالکل ایسا ہے کہ ایک کور مادر زاد کے ہاتھ میں ایک تخم دیدیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ یہ دانہ بہت بڑا درخت ہو جائیگا۔ بسبب اس کے کہ اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں کہ درخت بیج سے کیونکر اُگتا ہے وہ کہہ دے کہ بالکل محال ہے کہ اتنا چھوٹا سا بیج اور بڑا سا درخت ہو جائے۔ حضرت کی غیبت کو محال کہہ دینا بالکل ایسا ہی ہے۔

یہ سائنس کا عصر خود ثابت کر رہا ہے کہ وہ چیزیں جو محالِ عادی سمجھی جاتی تھیں ایجاد ہو کر ظہور میں آگئیں۔ قبل اس کے کہ فونوگراف ایجاد ہو کون یقین کر سکتا تھا کہ آواز کسی آلے کے ذریعہ سے اس طرح محفوظ ہو سکتی ہے کہ جب چاہیں وہ سماعت میں آسکتی ہے اور اصل متکلم کی آواز اور لہجے میں ادا ہوتی رہے گی۔ قبل ایجاد اگر موجد کسی سے کہتا تو لوگ اس کو محالِ عقلی کہہ کر بیوقوف ثابت کرتے۔ حالانکہ یہ موجد کا ادراک علم ماہیات کا تجسس اور تجربہ تھا کہ اس نے دریافت کر لیا کہ آواز ہوا میں محفوظ رہتی ہے جو آلات کے ذریعے سے نقش ہو کر آلہ سے ادا ہو سکتی ہے اگر موجد کو اس کا ادراک نہ ہو جاتا تو ایجاد نہ کر سکتا معلوم ہوا کہ یہ محالِ عقلی نہ تھا۔ عادت اس پر نہیں جاری ہوئی تھی۔ اس وجہ سے محالِ عقلی سمجھا جاتا تھا۔ اور اب تو ایسا آسان ہو گیا کہ صدہا کارخانے کھل گئے اور اس میں ہر سال ایک جدت پیدا ہو گئی۔ اسی طرح ٹیلیفون اور ہوائی جہاز وغیرہ میں کہ پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ تھا کہ ہزارہا کوس سے بیٹھے بیٹھے باتیں کر لیتے ہیں سفر دور دراز گھنٹوں کے اندر عالمِ بالا میں دوشِ ہوا پہ طے کر کے ہر شخص اپنے عہد کا سلیمان بن سکتا ہے اب ایسی مزید ترقیاں ہوئیں۔ تجربہ نے محالِ عادی کو ممکن کا جامہ پہنا کر اس کمال پر پہنچایا کہ ہوا اثیر لطیف اور سبک شے اور وہ ہوائی جہاز کو مع توپ اور سامانِ جنگ کے ہزارہا من کا وزن لئے ہوئے [illegible] طے کر کے آنِ واحد میں منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی ہے

پچھلے سال ۱۹۴۱ء ستمبر میں ریڈیو پر ایک خبر آئی کہ جرمن نے ہوائی جہاز پر ایسے غلاف

ایجاد کئے ہیں کہ وہ دُور بین سے بھی نہیں دیکھے جا سکتے کہ دشمن دیکھ کر اس کے دفاع کا بندوبست کرے معلوم ہوا کہ سائنس میں اتنی قوت ہے کہ شئے موجود کو بہ شکل معدوم نظروں سے پوشیدہ کر سکتی ہے۔ جس کی بدیہی مثال جرمنی کے نو ایجاد ہوائی جہاز ہیں۔ اب اس پر عقل کو حیرت نہیں کیونکہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ہم کہیں کہ اگر قادر مطلق اس پر قدرت رکھتا ہے کہ وہ کبھی موجود کو اپنی مصلحت سے ایسا پوشیدہ کر دے کہ نگاہیں اس کے دیکھنے سے عاجز رہیں تو فوراً کہہ دیا جائیگا کہ محال عقلی ہے کہ کوئی شئے موجود ہو اور وہ دکھائی نہ دے معلوم ہوا کہ وہ قدرتِ خداوندی کا اتنا بھی قائل نہیں جتنا ایجادِ جرمنی کا!

مدعیانِ عقل کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام منتظر کی غیبت مصالحِ الٰہیہ سے خلافِ عقل نہیں صلواۃ! لیکن میرے کہنے سے نہیں۔ وجودِ حجت کا تعلق اگر دل پر نقش ہو گیا ہے تو صلواۃ پڑھئے۔ امام غائب کا نظروں سے پوشیدہ رہ کر ہدایت کے لئے ہوتا اگر دل کی آنکھوں کے سامنے قابلِ اعتبار ہو تو درود بھیجے۔

علماء اہلسنت وجود کے قائل ہیں

خود حضرات اہلسنت کے معتبر اور قابل علماء نے حضرت کے وجود اور غیبت کو تسلیم کر کے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں شیخ ابو عبداللہ بن یوسف شافعی نے ایک طولانی کتاب حضرت کے حالات میں لکھی ہے جس کا البیان فی اخبار صاحب الزمان نام ہے وہ منجملہ اور دلائل کے ایک دلیل یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مثل حضرت عیسیٰ اور خضر و الیاس پیغمبر کے یہ لوگ دوستانِ الٰہی سے ہیں اور اعور دجال و ابلیس کہ یہ دشمنانِ خدا سے ہیں۔ حضرت مہدی عجل اللہ فرجہٗ کی بقا اور وجود میں کوئی امر مانع و حاجب نہیں ہے اور ان لوگوں کا وجود قرآن و حدیث سے بکثرت ثابت ہے لیکن یہ امر کہ غیبت میں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ آفتاب کی ایک روشن مثال ہے کہ رات یا دن کو کتنا ہی ابر غلیظ ہو مگر اس کی نورانیت سے فائدہ پہنچتا ہے علمِ فلکیات کے جاننے والے تحقیق کر چکے ہیں اور آلات سے تجربہ ہو چکا ہے کہ چاند میں اور ستاروں میں آفتاب کا نور ہے۔ اب اگر رات کو وہ ہماری نگاہوں سے مخفی بھی ہو جب بھی اس کے فائدہ سے دنیا کا کام چلتا ہے۔ اندھیری رات میں جب چاند غروب کر جاتا ہے، تو ستاروں میں اتنی روشنی پیدا ہو جاتی ہے کہ راستہ چلنے والے منزلیں طے کرتے ہیں کشتیاں

دریا عبور کرتی ہیں۔ یہ سب فیضِ آفتاب کا محض ہے جو خود دکھائی نہ دے مگر اس کا فائدہ عام ہے اور محسوس کرنے والے اس کا فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی صورت ہمارے امام حجت عجل اللہ فرجہٗ کی ہے کہ غیبت میں آپ سے اسی طرح کا فائدہ دین کو اور قیام عالم کو پہنچتا ہے۔ ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر زمانہ میں کوئی ہادی ایسا ہونا چاہیے جو خدا کے وجودِ حقیقی اور بکمالِ معرفت کے ساتھ شہادت دے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ اسی بنا پر خدا نے ملائکہ کے بعد نبی یا وصی کی تخصیص نہیں فرمائی اور اولوالعلم فرمایا کہ دونوں پر حاوی ہے۔ اس کے بعد قَآئِمًا بِالْقِسْطِ یعنی آخری تصدیق کرنے والے کا نام بھی مذکور کر دیا۔ صلواۃ!

بہرحال زمانۂ غیبت میں بھی آپ کا وجود ثابت ہے اور اس کے فوائد روشن ہیں کتب فریقین میں کثرت سے روایات وارد ہیں کہ حضرت نے اپنے محبوں کی مدد کی ہے اور مذہب حق کی امداد فرمائی ہے۔ بحرین کا واقعہ مشہور ہے کہ پہلے بحرین پر نصاریٰ کا قبضہ تھا اور بحرین کا والی نصرانی تھا اور اس کا وزیر خارجی مذہب رکھتا تھا جو اہلبیت سے سخت عناد رکھتا تھا اور دوستدارانِ اہلبیت سے خار کھاتا تھا۔ اس نے بحرین کے شیعوں کو ضرر پہنچانے کے لیے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ ایک روز بادشاہ کے سامنے چند انار لا کر پیش کیے جن پر خلفاء اربعہ کے نام اُبھرے حروف میں نقش تھے۔ شاہِ بحرین یہ دیکھ کر متعجب ہوا اور کہا بیشک شیعوں کا مذہب باطل ہے۔ اس نے علماء شیعہ کو طلب کیا اور کہا یا تو تم لوگ اس مذہب کو ترک کر دو یا جزیہ دو یا اپنا قتل منظور کرو۔ ان تین باتوں میں سے ایک امر قبول کرنا پڑے گا۔ یہ لوگ یہ ماجرا دیکھ کر سخت مضطر و پریشان ہوئے۔ تین روز کی مہلت لیکر اپنے مقام پر آئے اور سب کو جمع کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ قوم میں سے دس نفر عبادت گزار اور پرہیزگار منتخب کیے جائیں اور شب کو باری باری صحرا میں جا کر بعد نماز گریہ وزاری کے ساتھ حضرت حجت سے طلبِ اعانت کریں۔ غرض دس آدمی قوم سے زاہد و عابد منتخب کر لیے گئے۔ یہ لوگ غسل کر کے اور لباس پاکیزہ پہن کر صحرا میں نکل گئے۔ ایک شخص نے نماز پڑھی اور دعا کی اور حضرت کو پکارا جب تیسرا شخص صحرا میں جا کر دعا سے فارغ ہوا اور مایوس ہو کر پھرا اس عالم کا نام محمد ابن علی

تھا اس کو کسی شخص نے پکارا جب یہ ٹھہر گیا دیکھا ایک شخص آیا اور کہا تم نے مجھ کو کیوں بلایا ہے۔
محمد نے کہا میں نے تم کو نہیں بلایا بلکہ اپنے امام کو بلایا ہے۔ آنے والے نے کہا اَنَا صَاحِبُ
الْاَمْرِ فَاذْکُرْ حَاجَتَکَ اے بھائی میں ہی تو صاحب الامر ہوں تو اپنی حاجت تو بیان کر۔
محمد ابن علی نے کہا سبحان اللہ آپ پر میری حاجت روشن ہے بیان کرنے کی کیا حاجت ہے
فرمایا گھبراؤ نہیں صبح کو بادشاہ بحرین کے پاس جاؤ اور کہو آپ میرے ساتھ وزیر کے گھر تک
تشریف لے چلیں تو آپ پر سب حقیقت حال واضح ہو جائیگی۔ پھر حضرت نے اس راز سربستہ
کی اصل حقیقت اس کو تعلیم کر دی پھر حضرت روپوش ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ کے پاس محمد بن علی
مع اپنی جماعت کے پہنچے اور کہا اگر آپ اس معاملے میں انصاف چاہتے ہیں تو ہمارے
ساتھ چل کر وزیر کے گھر کی تلاشی لے لیجیے حقیقت سامنے آ جائیگی۔ اس کے بعد اگر ہمارا ضعف
آپ پر ثابت ہو تو آپ کو اختیار ہے جو چاہے کیجیے۔ شاہ بحرین اٹھ کھڑا ہوا اور وزیر کے گھر
پہنچا۔ محمد بن علی نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا [illegible] تعلیم فرمایا جائے۔
وزیر یہ سن کر حیرت میں آ گیا مگر حکم شاہ سے مجبور ہو کر صندوق کھولا اس میں چند سانچے نکلے۔
جن میں خط معکوس میں وہی عبارت کندہ تھی جو اناروں پر ابھر آئی تھی۔ محمد ابن علی بحرینی نے
کہا اے بادشاہ یہ جس خام انار پر چڑھا دیا جائے اور پختہ ہو۔ تب یہ علیحدہ کیا جائے تو ایسے
ہی نقش اس میں پیدا ہو جائیں گے۔ آپ کے وزیر نے در اصل آپ کو فریب دیکر ہمارے
مذہب کو باطل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ بادشاہ نے اس سانچے کو لیکر غور سے دیکھا اور
کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر عالم بحرینی نے کہا اے بادشاہ اگر ہمارے امام کا معجزہ دیکھنا ہو تو
ان اناروں کو آپ آزمائیں جس طرف ہمارے مولا علیؑ کا نام کندہ ہے اس کو بھی چکھ کر
دیکھ لیں اور جس طرف دوسری عبارت کندہ ہے اس طرف کے دانوں کا بھی ذائقہ چکھ
لیں۔ بادشاہ نے تجربہ کیا تو جس طرف علیؑ کا نام کندہ تھا اس طرف کے دانے شیریں تھے
اور جس رخ پر دوسری عبارت نقش تھی اس طرف کے دانے تلخ ہو گئے تھے۔ بادشاہ نے
کہا سچ بتاؤ یہ راز تم کو کس نے بتلایا۔ عالم بحرینی نے کہا ہمارے آخری امام حضرت نے ہم کو
خود آ کر یہ راز تعلیم فرمایا۔ بادشاہ نے کہا تمہارا دین سچا ہے۔ اور وزیر نے چونکہ فریب کیا تھا مجھے

لہٰذا اس کو معزول کیا۔ اس وقت سے بحرین میں شیعوں کی عزت زیادہ ہونے لگی۔ صلواۃ!

بہرحال وجودِ امام ہر طرح سے ثابت ہے لیکن ابن سعود کے ہم خیال معترض ہیں کہ اگر امام مہدیؑ موجود ہیں تو اپنے بزرگوں کی قبر کی بے عزتی کیوں گوارا کی اور شیعوں کے عزاداری و شیون پر مدد کیوں نہیں کرتے؟ میں عرض کروں گا خداوند عالم تعمیر کعبہ کے وقت اپنے خلیل سے اس کا تذکرہ کر چکا ہے۔ اور تیرہ سو برس پیشتر یہ ذکر قرآن میں فرما چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو پارہ اول رکوع چہاردہم) جب حضرت خلیلؑ خانہ کعبہ تعمیر کر چکے ساکنان کعبہ کیلئے دعا کی وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ خداوندا اس میں رہنے والوں کو پھلوں کی روزی عطا فرما مگر مخصوص اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لائے ہیں۔ اسی وقت جواب میں صاف ارشاد ہوا۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ کہ ہم سے جو انکار کرنے والے ہوں گے ان کو بھی تھوڑے دنوں نفع پہنچاؤں گا۔ پھر میں ان کو عذابِ جہنم سے مضطر کروں گا اور وہ بہت بری بازگشت ہے۔

دنیائے اسلام اس معجزۂ قرآنی کو دیکھ لے کہ منکرِ عذابِ الٰہی و عذابِ اخروی تھوڑے دنوں کے لئے کعبہ سے متمتع ہو رہا ہے۔ ورنہ وہ غافل نہیں ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ خدا کو غافل نہ سمجھو کہ جو عمل ظالم کرتے ہیں اس سے وہ غافل ہے۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ اُن کو اُس دن کے واسطے ڈھیل ڈالے جس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ تھوڑے روز منکر آیاتِ الٰہی کو کعبہ پر حکومت دیکھو اسے ڈھیل ڈال دی کہ خوب ظلم کر لو پھر تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور بُری جگہ بازگشت ہو گی۔

ایک طرف ظالم کو مہلت دی گئی اور دوسری طرف امام کے صبر کا امتحان منظور تھا کہ امام میں صفتِ صبر ضروری ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ہر امام کا صبر سے امتحان لیا گیا۔ آدمؑ سے لیکر تا حضرت عیسیٰؑ ہر نبی سے صبر کا سخت امتحان لیا گیا۔ خصوصاً جناب ابراہیمؑ پر سخت مصائب واقع ہوئے اور آپ نے صبر کے وہ جوہر دکھائے کہ خلیل کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

جناب ختمی مرتبت کا صبر بھی پوشیدہ نہیں قبل بعثت بھی آپ پر مصائب شدید واقع ہوتے اور بعد بعثت بھی اغیار اور خود اپنی امت کے ذریعے سے مصیبتوں کا سامنا رہا اور صبر فرماتے رہے پھر سلسلۂ امامت میں حضرت امیرالمومنینؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک مصائب واقع ہوتے رہے اور ہر امامؑ نے جو صبر نئی طرح سے دکھایا اور ظالمین کو ظلم کا موقع ملتا رہا اب امام عصرؑ کے صبر کی باری ہے۔ آپ کے صبر کا امتحان منظور تھا اور آپ کی یہ صفت دکھانا منظور تھی اس لئے ظالم کو ظلم کا موقع دیا گیا لیکن آپ پر ظلم واقع ہونے کی کیا صورت تھی؟ حضرت کو ظالم دیکھ نہیں سکتے جو تیر و خنجر نیزہ و شمشیر سے اذیت دیں ہتکڑیاں پہنائیں، قید کریں لہذا خدا نے آپ کی صفت صبر کو اس طرح ظاہر فرمایا جس طرح خود اس کی ذات سے صبر کا ظہور ہوتا ہے۔

کیونکہ صبر صفات حسنہ میں سے بہترین صفت ہے اگر اس سے بری ہے تو تکمیل صفات حسنہ میں ایک نقص لازم آتا ہے جس سے اس کی ذات بری ہے مگر اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ پھر اس پر ظلم کیونکر واقع ہو؟ نمرود نے اپنے خیال باطل میں اہتمام خاص سے تیر لگایا لیکن معاذ اللہ کیا وہ خدا تک پہنچا؟ اس کو تو کوئی مسلمان تسلیم نہیں کرتا (سوائے اشاعرہ کے) پھر اب اس پر ظلم کیونکر واقع ہو گا۔ اور اس سے صبر کیونکر ظاہر ہو گا لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے ظہور صبر اس طرح پر ہوتا ہے کہ اس کے انبیاء و اولیاء اور بندگان خاص پر جن کو وہ محبوب اور دوست رکھتا ہے ظلم ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ قادر مطلق ہے مگر کسی مصلحت سے اس وقت سزا نہیں دیتا اور ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ اس صورت میں محبوب کی ایذا اس کی ذات تک پہنچتی ہے اور اس سے صفت صبر کا ظہور ہوتا ہے۔

محبوب پر ظلم ہونا بہ نسبت اپنی ذات کے دشوار تر ہے لہذا یہ صبر بھی بلند درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح دیکھا جاتا ہے کہ حضرت حجت امام آخر الزمانؑ کے جسم مبارک پر ظلم نہیں واقع ہوتا مگر ان کی محبوب ترین ذوات پر ظلم واقع ہونا شدید تر ہے اور باوجود قوت دفاع اور اختیار انتقام اس پر تحمل کرنا اعلیٰ ترین صبر میں سے ہے۔ اور حضرت حجتؑ کا صبر بھی آخری صبر ثابت ہو گا آپ کو اس وقت اس صبر کی قدر ہو گی جب موازنہ کر کے دیکھئے کہ بزرگوں کی قبر کھدوانے سے کیا صدمہ واقع ہوتا ہے۔ اور وارث کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ مثلاً اس روایت

کو دیکھئے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس تین شخص آئے کہ ہمارے مقدمہ کا فیصلہ کر دیجئے۔ ان میں ہر شخص مدعی تھا کہ ہم شخص متوفی کے فرزند اور وارث ہیں اور ان میں سے دو غلام ہیں۔ ہر شخص مدعی تھا کہ ہم ہی فرزند ہیں اور کسی کے پاس کوئی شہادت نہ تھی کہ وہ غلام ہے یا بیٹا ہے۔ حضرت امیرؑ نے اپنے غلام سے پھاوڑا طلب کیا۔ جب پھاوڑا آیا آپ آمادہ ہوئے اور فرمایا مجھ کو اپنے باپ کی قبر پر لے چلو تاکہ میں قبر کھدوا کر میت نکالوں اور اس کا فیصلہ کر دوں۔ جب حضرتؑ کو بالکل تیار دیکھا تو وہ اصل جو بیٹا تھا اس کے قلب پر فطرت کا اثر ہوا۔ اس نے نہایت بے چین ہو کر کہہ دیا مولا میں اپنے دعوے سے باز آیا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے باپ کی قبر کھدتے ہوئے دیکھوں۔ اب میں مال و اسباب سے باز آیا ان دونوں کو دے دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا بیشک تو ہی اس کا بیٹا اور اس کے مال کا وارث ہے اور یہ دونوں غلام ہیں۔ دیکھا آپ نے اتفاقی محبت سے بیٹے کے دل پر کیا اثر ہوا فرزند کے دل پر کیا بیتی تمام دولت سے باز آیا مگر باپ کی قبر کھودنے پر راضی نہ ہوا۔ دنیا میں ہر قوم اس موقع پر آپے سے گزر جاتی ہے۔ صدہا واقعات چشم دید موجود ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر کسی سڑک یا کوچہ میں کوئی قبر واقع ہو جاتی ہے تو اس کے وارث جان دینے پر تیار ہو جاتے ہیں اور حکومت سے لڑ پڑتے ہیں۔

یہ امام عصرؑ کے صبر کا امتحان تھا کہ ایک نہیں چار امام اور پانچویں جدۂ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ کی قبر کھود کر بے نشان کر دی گئی اور آپ دیکھتے رہے کہیں بڑھا ہوا ہے اس سے کہ آپ پر تیروں کا مینہ برسے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے یہ جوان بیٹا باپ کے سامنے دم توڑے یا ششماہہ بچہ گود میں تیر کھا کر تڑپے بیشک آپ کا صبر کہیں بڑھا ہوا ہے اس سے اور آپ کا امتحان سب سے سخت تر ہے

علیؑ ایسا صابر جس نے گلے میں رسی بندھوائی اور صبر کے دائرہ سے قدم نہ بڑھایا جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد یہ سن کر لوگ بقیع میں جمع ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میت قبر سے نکال کر پھر سے نماز پڑھ کر دفن کریں۔ حضرت تاب نہ لا سکے اور تلوار کھینچ کر جنت البقیع پہنچ گئے۔ آپ نے عرض کیا اگر کہ میت کی کوئی بے حرمتی نہ ہونے پائے گی۔ دفن قبر شی سے میت

بحرمت تمام نکلوا کر دفن کرادی جائیگی۔ مگر جس بی بی کا جنازہ شب کی تاریکی میں اٹھایا ہو اس کی اتنی بے عزتی کب گوارا ہوتی۔ حضرت تلوار کھینچ کر قبر پر بیٹھ گئے۔ جوشِ غضب میں مُنہ سے کف جاری تھا، لوگوں نے دیکھا قولِ رسولؐ یاد آگیا کہ علیؑ کے غضب سے ڈرنا اس روز جب وہ شمشیر بکف خاک پر بیٹھے ہوں۔ لوگ سر جھکا کر بھاگے۔ اس روز قبرِ معصومہ اس ذلت سے بچ گئی۔ اب یہ علیؑ کے پوتے امام عصرؑ کا حصہ تھا کہ دن دہاڑے اسی قبر پر پھاوڑے چل رہے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں بزرگوں کی قبریں کھُد رہی ہیں۔ خاموش ہستیوں پر ظلم ہو رہا ہے اور امام زمانہ دیکھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا صبر ہوگا۔ نہ اب اس کے بعد نہ کوئی ظلم کی حد ہے نہ صبر کی۔

یادگار ہے ۸ شوال ۱۳۴۴ھ کی تاریخ جس کے سامنے تمام مصائب فراموش ہوگئے۔ آج تک حجاج جب وہ مقام دیکھتے ہیں جن کے دل میں اہلبیت کی عزت ہے وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ کلیجہ شق ہوتا ہے۔ متوکل عباسی نے حسینِ مظلومؑ کی قبر پر کیا کیا ظلم نہیں کیا۔ ہل چلوانے کا قصد کیا مگر بیلوں نے کسی طرح قدم نہیں اٹھایا۔ تازیانے پڑتے تھے مگر وہ بے زبان جانور امام کی حرمت پہچانتے تھے آگے نہ بڑھنا تھا نہ بڑھے۔ نہر کاٹ کر فرات کا پانی لائے کہ قبر کا نشان مخفی ہو جائے اور لوگ زیارت سے محروم ہوں مگر آبِ فرات کو پیاسے امام سے شرم آتی پانی گردش کرتا رہا مگر قبر پر نہ چڑھا۔ یہ ظلم ابن سعود کے ہاتھ سے ہونا مقدر تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مٹنا تھا امام کا امتحانِ صبر تھا حضرت دیکھتے رہے۔ امام عصر پر کیا منحصر خود رسول اللہؐ نے اپنے روضۂ مبارک سے دیکھا ہوگا اس بیٹی کا مزار بے نشان کیا جا رہا ہے جس کی بابت امت سے کہہ گیا تھا کہ جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اب تیرہ سو برس کے بعد وہ قبر بھی چین سے نہیں سونے پاتی اور اس کی ہتکِ عزت امت کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔ مصلحتِ خدا سمجھ کر رسولؐ نے بھی صبر کیا اور امام نے بھی!

صل علیک یا رسول اللہؐ   صل علیک یا حجت اللہؑ

سلسلہ بیان حضرت حجت تک پہنچانے کے بعد یکم ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۴ء

نوٹ: قریب صبح چار بجے میں نے خواب میں دیکھا کہ بعض احباب جمع ہیں جن میں وہ حضرات بھی ہیں جو مرحوم ہو گئے ہیں۔ ابن سعود کا ذکر ہو رہا ہے اور لوگ نہایت خوش ہو کر کہہ رہے ہیں کہ امام یحییٰ شاہ یمن نے ابن سعود کو ختم کر دیا اور قوم نجد مکہ سے خارج ہو گئی۔ کسی نے اخبار بھی پیش کیا کہ اس میں سب واقعات درج ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی مجھے کمال مسرت ہوئی اور بعد نماز میں نے قرآن سے تفاؤل کیا تو برجستہ یہ آیت نکلی نمتعہم قلیلا ثم نضطرہم الی عذاب غلیظ پ۲۱ ع ۱۱ یعنی ہم ان کو تھوڑے (دنیا کی) فائدے پہنچاتے رہیں گے۔ پھر ان کو عذاب خدا کی طرف کھینچ بلائیں گے۔ مجھے اس تفاؤل سے یقین ہو گیا کہ چند روز اس کی حکومت اور ہے نیز انشاء اللہ وعدۂ الٰہی ضرور سچ ہو کر رہے گا ابھی کاپی ہو رہی تھی اس خواب کے دیکھنے کے بعد میرا خیال ہوا کہ روز زیرِ قلم کے متعلق بھی ایک بیان داخل کر دوں۔ لہٰذا ایسے محل پر مجالس میں جو کچھ بیان کر چکا تھا اسے مرتب کر کے شامل کر دیا۔

(ابو البیان سلیم جرولی)

قصیدہ در تغیراتِ عالم و مدح حضرت حجت الرحمٰن صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ

ہے دیر جنبشِ نگاہ حکم قتلِ عام کی
تڑپ رہی ہیں بجلیاں فلک پہ انتقام کی

عوض ہیں اپنے خون کا بہائیں خوں کی ندیاں
کہ ہے [illegible] امتحان بھی لباس یہ شکلِ انتہا [illegible] کی

شفق اسے نہ جانیو یہ دل جلوں کی آہ ہے
لگی ہے آگ اے فلک خبر لے اپنے بام کی

ابل رہا ہے دمبدم زمیں سے بیکسوں کا خوں
قبا تمام سرخ ہے سپہر تیرہ فام کی

کسی کے لوٹے خوں سے اب جگہ نہیں دماغ میں
کہ بھر چکی ہیں تا گلو صراحیاں مشام کی

وفا کا نام رکھ لیا شعار اپنی بات رہ گئی
وہ بات مرنے والے نے جہاں میں لا کلام کی

تمام بوجھ [illegible] صبر [illegible]
[illegible] تھی شکلِ انہدام کی

ہوا مخالف [illegible] بھنور میں تھا جہازِ دیں
لہو میں اپنے ڈوب کر کسی نے رنگ تمام کی

گری جو [illegible] جو بار زمیں تو لے لیا حصار میں
قنات ہیں [illegible] آگئیں جلے ہوئے خیام کی

رہ مرغوا الامر کا پناہ تیرے ہاتھ ہے
ذرا عناں سنبھال کے لے [illegible] انتظام کی

ترے نظام میں کوئی مجال کیا کہ دخل دے
ضرورۃً بقصد ادب یہ عرض ہے غلام کی

شکستہ خاطری سے اب یہ ہمتوں کا حال ہے
کہ پستیوں میں صبح کی تنزلی میں شام کی

عروج کے خیال میں یہ اتنی عمر کٹ گئی
ترقیوں کی جستجو میں زندگی تمام کی

ہوائے دہر آج کل کمینہ پروری پہ ہے
کہ لے رہے ہیں دو بدو رذیل احتشام کی

حیات مردہ قوم کی اسی پہ منحصر ہے اب
کہ کھول دیں گرہ حضور رشتۂ نیام کی

شکایتیں اٹھا رکھو مزے کی بات کچھ کرو
دکھاؤ لطفِ شاعری ثنا کرو امام کی

بڑے مزے کی بات ہے یہ شب شب برات ہے
منو خوشی گلے ملو ہے عید خاص و عام کی

اسی کا لطف آج ہے کہ صحبتوں میں [illegible]
[illegible] ہوئی ہیں کچھ صراحیاں شراب لالہ فام کی

وہ موسمی ہوا چلی جہاں کی رت بدل گئی
وہ جھوم کر گھٹا اٹھی سحاب تیرہ فام کی

چلی وہ برق کوند کر گرا تڑپ کے میں ادھر
کہ یاد آگئی ادا کسی کے ابتسام کی

میں سال بھر کے بعد آج میکدے میں آگیا
وہ مے پلا جو تیرے ہاں رکھی ہو میرے نام کی

ہے اپنی دھن میں محتسب میں مست اپنے رنگ میں
وہ کہہ رہا ہے صبح کی میں سن رہا ہوں شام کی

نہ تشنگی سے جاں بلب جناب شیخ صرف حظ
حلال ہو رہا ہوں میں ہے اسکو رٹ حرام کی

شراب پی کے ساقیا دل حزیں نکھر گیا
صراحی پر لگی تھی مہر کیا علیؑ کے نام کی

اسی کے تحت دل کی آج دہر میں یہ دھوم ہے
جگہ جگہ ہے تہنیت ولادتِ امام کی

وہ جس کے نام کی پناہ ڈھونڈتے ہیں دردمند
وہ جس نے ذاتِ خاص سے ہیں صورتیں قیام کی

بجا ہی تھیں دہر میں فریبِ دین کی صورتیں
شبیہ حق نے بھیج دی پیمبر انام کی

علیؑ کی ذات متصف ہے کی تھی جس نے اقتدا
کتاب شرحِ انبیا خدا نے اب تمام کی

بنے امام آخری ہے گرسنہ کی جستجو
لگی ہے بازوؤں میں یہ مہر اختتام کی

صحیفہ ہائے اولیں سنائے شیر خوار نے
امام کی زبان ہے مگر نہیں کلام کی

وجود ہر کرو گا کہ مثال غیب [illegible] علی
مقابلے میں کفر کے دلیل ہے یہ کام کی

پیمبروں کا پیشوا ہمارا سب کا پیشوا
خدا کا چشمۂ کرم سبیل خاص و عام کی

ترا عروج اے زمیں بس آج ختم ہو چکا
کہ اب یہ حد آخری ہے تیرے احترام کی

سلیمؔ مدح شاہِ دیں نہ جب بھی ہو سکے ادا
ہر ایک موئے تن اگر زباں بنے مشام کی

تمام شد

(نامی پریس لاہور)